فیوضاتُ الرّضویہ فی تشریحات الھدایہ

المعروف بہ

شرح ھدایہ

فقہ حنفی کی عظیم معرکۃ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

کتابُ الزکوۃ
کتابُ الصوم

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

اردو بازار ○ لاہور

وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الھدایہ

المعروف بہ

شرح ھدایہ

جلد سوئم

کتاب الزکوۃ
کتاب الصوم

تصنیف
امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی
استاذ الفقہ: جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	اگست 2011ء / رمضان 1432ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	ورڈز میکر
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر، لاہور 0322-7202212
قیمت	■■■ /- روپے

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

کتاب الزکوۃ

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ ۲۳۷

فَصْلٌ فِي مِقْدَارِ الْوَاجِبِ وَوَقْتِهِ ۲۵۰

کتاب الصوم

وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الهدایہ

المعروف به

شرح هدایہ

جلد سوئم

کتاب الزکوة

تصنیف
امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ وشرح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی
استاذ الفقہ: جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006
شبیر برادرز اردو بازار لاہور

وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الہدایہ

المعروف بہ

شرح ہدایہ

جلد سوئم

مقدمہ رضویہ

الحمدُ لله الذى جعل العلماءَ ورثة الأنبياء ، وخلاصةَ الأولياء ، الذين يدعو لهم ملائكةُ السماء ، والسَّمَكُ فى الماء ، والطيرُ فى الهواء . والصلاةُ والسلامُ الأتمَّان الأعمَّان على زُبدةِ خُلاصة الموجوذات ، وعُمدة سُلالة المشهودات ، فى الأصفياءِ الأزكياء ، وعلى آله الطيبينَ الأطهارِ الأتقياء ، وأصحابه الأبرار نجومِ الاقتداءِ والاهتداء . اما بعد فيقول العبد الضعيف الى حرم ربه البارى ، محمد لياقت على الحنفى الرضوى البريلوى غفرله والوالديه ، الساكن قرية سنتيكا من مضافات بهاولنگر . اعلم ان الفقه اساس من سائر العلوم الدينية وامور الدنياوية . احرر شرح الهدايه باسم "فيوضات الرضويه فى تشريحات الهدايه" بتوفق الله تعالى و بوسيلة النبى الكريم ﷺ .

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور شاگردوں کے ساتھ سخاوت

حضرت امام صاحب علیہ الرحمہ شاگردوں میں جس کو تنگ حال دیکھتے اس کی ضروریاتِ خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے۔ بہت سے لوگ جن کو مفلسی کی وجہ سے تحصیلِ علم کا موقع نہیں مل سکتا تھا امام صاحبؒ ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے، انہی میں قاضی ابو یوسفؒ بھی ہیں۔

حضرت قاضی ابوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے دس سال تک میرا اور میرے اہل وعیال کا نفقہ برداشت کیا میں نے ان سے بڑھ کر اخلاقِ حسنہ کا جامع کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب میں امام صاحبؒ سے کہتا کہ میں نے آپ سے بڑھ کر سخی نہیں دیکھا تو فرماتے کہ اگر تم میرے استاد حمادؒ کو دیکھتے تو ایسا نہ کہتے۔

حضرت اسحاق بن اسرائیل علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والدِ محترم سے سنا کہ امام ابوحنیفہؒ بہت سخی تھے۔ اپنے دوستوں اور شاگردوں کی بڑی غم خواری کرتے تھے۔ خاص کر عید کے موقع پر خوب تحائف بھیجتے۔ جس کو شادی کی ضرورت ہوتی اس کی شادی کرواتے۔ سارا خرچ خود برداشت کرتے، اس کی ضروریات کی بھرپور کفالت کرتے۔

حضرت حسن بن سلیمان علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑا سخی نہیں دیکھا۔ اپنے شاگردوں میں سے ایک

جماعت کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔اس کے علاوہ سالانہ الگ سے مقرر تھا۔

حضرت حسن بن زیاد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے ایک شاگرد کے بدن پر خراب کپڑے دیکھے۔ جب وہ جانے لگا تو اس سے کہا بیٹھے رہو۔ جب لوگ چلے گئے اور وہ تنہا رہ گیا تو فرمایا مصلیٰ اٹھاؤ جو کچھ اس کے نیچے ہے لے لو اور اپنی حالت درست کرو۔ اس نے مصلیٰ اٹھایا تو اس کے نیچے ایک ہزار درہم تھے۔

حضرت فضل بن عیاض علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے شاگردوں کی بہت مدد کرتے تھے۔اگر کوئی محتاج ہوتا تو غنی کر دیتے۔اس کے عیال پر بھی طالب علمی کے زمانہ میں خرچ کرتے۔ جب وہ پڑھ چکتا تو فرماتے کہ اب تم بہت بڑی مالداری تک پہنچ چکے کیونکہ حلال اور حرام کو سمجھ گئے ہو۔

حضرت علی بن جعد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ الحاجؒ نے امام صاحبؒ کو ایک ہزار جوتے ہدیہ میں بھیجے انہوں نے طلبہ کو تقسیم کر دیئے۔اس کے بعد ان کو جوتے خریدنے کی ضرورت پڑی کسی نے عرض کیا حضرت وہ جوتے کہاں گئے؟ فرمایا اس میں سے کوئی بھی میرے گھر نہیں پہنچا، وہ سب میں نے ساتھیوں کو بخش دیئے تھے۔

حضرت قیس بن ربیع علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہر اس شخص کے ساتھ بہت زیادہ احسان و مروت کرتے تھے جو ان سے رجوع کرتا تھا اور اپنے اخوان پر بے حد فضل فرماتے تھے۔

ہدایہ کی اہمیت میں فقہاء احناف کی خدمات:

کہتے ہیں جب انسان کا پیٹ بھرا ہوتو اسے ہری ہری سوجھا کرتی ہے۔آج کل کچھ لوگوں کی توجہ ہدایہ کی طرف مبذول ہوئی ہے بہت اچھی بات ہے کیونکہ مولانا نذیر حسین صاحب نے آخری ایام میں بخاری اور ہدایہ کے درس کو خاص کر لیا تھا۔لیکن موجودہ دور میں اس کا مقصد عمومی طور پر یہ ہوتا ہے کہ ہدایہ اور صاحب ہدایہ کی جانب سے عوام الناس کو بدظن کیا جائے۔ اگر مقصد اس قدر ہے کہ ہدایہ میں جو تھوڑی بہت فنی اور علمی غلطیاں ہیں اس کو ظاہر کیا جائے تو یہ کام بہت اچھے طریقے سے علماء احناف انجام دے چکے ہیں۔اس موضوع پر حافظ ابن الترکمانی (مولف الجوھر النقی)اور ان کے شاگرد حافظ زیلعی بے مثال کام انجام دے چکے ہیں انہوں نے چار ضخیم جلدوں میں احادیث ہدایہ کی تحقیق وتخریج نصب الرایہ کے نام سے کی ہے۔مولانا ارشاد الحق اثری ہوں یا پھر کوئی دوسرے صاحب نہ علم حدیث میں حافظ زیلعی سے بلند مرتبہ ہیں اور نہ ہی ان سے بہتر احادیث ہدایہ پر تحقیقی اور فنی بحث کر سکتے ہیں۔

احادیث ہدایہ کی تخریج حافظ الدنیا حافظ ابن حجر بھی تحقیق وتخریج کر چکے ہیں ظاہری بات ہے کہ حافظ ابن حجر کا مرتبہ بھی علم حدیث میں آج کل کے محققین سے یقیناً زیادہ ہے۔

حضرت حافظ زیلعی اور حافظ ابن حجر نے جن احادیث کے بارے میں کہا تھا لم اجدہ اس کی بھی تخریج حافظ علاء الدین مغلطائی نے منیۃ الالمعی کے نام سے کی ہے۔

علمی زوال اور جرات بے جا اور قلت ادب کی افسوسناک مثال یہ ہے کہ جہاں پر حافظ زیلعی اور حافظ ابن حجر کو حدیث نہیں ملی تو حافظ زیلعی حدیث غریب کا استعمال کرتے ہیں اور حافظ ابن حجر لم اجدہ لیکن آج کل لوگ اس کو صاحب سیدھے باطل، لا اصل لہ جیسی اصطلاح اختیار کر لیتے ہیں اور یہ سوچنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے کہ شاید ہمارے ہی تلاش میں کچھ کمی رہی ہوگی۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ عنوان قائم کیا جاتا ہے صاحب ہدایہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء اس گفتار بے ڈھنگی پر کوئی کہے تو کیا کہے۔سوائے اس کہ کہنے والے کی آنکھوں کا پانی مر چکا ہے۔

صاحب ہدایہ نے جہاں جہاں پر تسامحات کی ہیں ان کی گرفت بہتر طور پر حافظ بدرالدین عینی اور علامہ ابن ہمام اور دیگر پچاسوں شراح ہدایہ انجام دے چکے ہیں۔(ہدایہ کی شروحات کیلئے کشف الظنون دیکھیں)

فقہ حنفی اتنی بھی بے مایہ نہیں ہے کہ صاحب ہدایہ کے تسامحات کیلئے ہمیں آج کل کے محققین کی ضرورت پڑے یہ کام علماء احناف پورے علم وآگہی کے ساتھ انجام دے چکے ہیں اور وابستگان فقہ حنفی اس سے خوب واقف ہیں۔بس فرق اتنا ہے کہ علماء احناف نے یہ کام صاحب ہدایہ کی علمی عظمت ومرتبت کا خیال رکھتے ہوئے انجام دیا تھا اور آج کل یہ کام استہزاء اور بازاری زبان استعمال کرتے ہوئے کیا جا رہا ہے۔

فقیہ کیلئے چار لاکھ احادیث کا علم ہونا ضروری ہے:

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ جو ائمہ متبوعین میں نصوص حدیث کے ظاہر پر عمل کرنے میں ممتاز ہیں، فقیہ یا مجتہد کو درکار حدیثوں کی ایک تقریبی مقدار یوں بیان کرتے ہیں:

ایک شخص نے امام احمد سے پوچھا کہ کیا جب آدمی ایک لاکھ حدیثیں یاد کرے تو فقیہ ہو جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں، اس نے پوچھا: کیا دو لاکھ؟ فرمایا نہیں، پوچھا: کہ تین لاکھ؟ فرمایا: نہیں، اس نے پوچھا تو کیا چار لاکھ؟ اس پر امام صاحبؒ نے اپنا ہاتھ ہلایا جس کا مطلب یہ تھا کہ ہاں، تب ہو سکتا ہے کہ وہ فتویٰ دینے کا اہل ہو جائے۔(اعلام الموقعین، ۱،ص ۶۵، بیروت)

اصل میں صاحب ہدایہ سے بغض رکھنے والے اسلاف کے علمی خزائن سے فریب کرنے والے ہیں اور لوگوں کی علم کی بہ جائے جہالت کی طرف لے جانے والے ہیں۔اور یہ ان کی ناپاک جسارت ہے۔ہدایہ وہ کتاب ہے جس کا مقام گزشتہ آٹھ صدیوں سے مسلسل شرق وغرب میں معروف ومسلمہ ہے۔اور لوگوں کے قلوب واذہان اس کی روشن کرنوں سے منور ہیں۔اور صاحب ہدایہ فقہ حنفی میں خدمت کے اس گلستان یوں بھی منفرد ہیں کہ فقہاء متقدمین کے فقہی اصولوں کو ایسے استدلالی انداز میں بیان کرتے ہیں کہ جو بعد میں آنے والے فقہاء کیلئے سہولت فراہم کرنے والے ہوں۔

نصوص شرعیہ اور کی انسانی عقل ومزاج کے قریب کرنے والے اور ان دونوں میں موافقت پیدا کرتے ہوئے شریعت کے احکام کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرنا تا کہ قرآن وسنت کے احکام کی صحیح ترجمانی ہو یہ صاحب ہدایہ خاصہ ہے۔

فقہ اسلامی اور رومن قوانین

علوم اسلامی میں علوم القرآن اور علوم الحدیث کے بعد جس علم کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ "فقہ" ہے اور اسلامی تاریخ کی بہترین ذہانتیں اور صلاحیتیں اس فن کی آبیاری اور نشوونما میں صرف ہوئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ایک "نبی اُمی" (فداہ روحی) کای لائی ہوئی شریعت کے ایک ایک حکم کی عقدہ کشائی کے لیے زمانہ کے اتنے ذکی، عالی حوصلہ بالغ نگاہ اور وسیع النظر شخصیتوں کا شب وروم اور سحر وشام مصروف عمل ہو جانا بجائے خود آپ ﷺ کا ایک معجزہ اور آپ ﷺ کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہے۔

"فقہ اسلامی" نے جس وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ انسانی زندگی کا احاطہ کیا ہے اور زندگی کے تمام مسائل ومشکلات میں رہبری کا فریضہ انجام دیا ہے؛ نیز اس کی تمام جزئیات میں جو نظم ونسق اور ربطِ باہم ہے، ایک خاص قسم کا توازن واعتدال ہے، عصری تغیرات کو احتیاط کے ساتھ مناسب طور پر قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور اس کی منصوبہ بندی کے لیے علماء نے احکام کے استنباط کے جو طریقے مقرر کئے ہیں، مسائل واحکام کی درجہ بندی کی ہے، شریعت کے مقاصد متعین کئے ہیں، مصلحتوں کو قبول کرنے کے اصول وضع کئے ہیں، جن کو "اصول فقہ" کہا جاتا ہے وہ بقول مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) قانون کی تاریخ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اسی طرح اسلامی قانون کو اسلامی زندگی سے مربوط اور زمانہ کے مسائل سے ہم آہنگ رکھنے کی غرض سے جو ٹھوس نظریات فقہاء نے پیش کئے ہیں اور جن کو "قواعد فقہ" سے موسوم کیا ہے، وہ ان کی قانونی دقت نظر، ژرف نگاہی اور زمانہ آگہی کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔

مستشرقین علماء جن کو مشرق اور خصوصیت سے اسلام کی کوئی خوبی ایک نظر نہیں بھاتی؛ اگر ہنر کو عیب بنانے میں کامیاب نہ ہوں تو کم از کم اتنا تو کرتے ہی ہیں کہ مسلمانوں اور عربوں کے کارناموں کا رشتہ کسی اور قوم اور خاص کر روم ویونان سے جوڑ دیتے ہیں؛ تا کہ یہ مسلمانوں کے کھاتہ میں نہ رہ سکے؛ یہی کام ان حضرات نے فقہ کے بارے میں کیا اور اسلامی فقہ اور خصوصیت سے "حنفی فقہ" کو "رومن قوانین" سے ماخوذ ومستفاد اور قرآن وحدیث سے بے تعلق یا کم ہم آہنگ قرار دیا ہے، ان سطور میں اسی پر روشنی ڈالی جانی ہے۔

تین بحث طلب نکات

اس کے لیے اوّل یہ بات دیکھنی ہوگی کہ کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک رومن قوانین کی رسائی تاریخی قرائن کی روشنی میں ممکن ہے؟ دوسرے امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے فقہاء اسلام نے احکام شریعت کے لیے جو مصادر مقرر کئے ہیں ان میں کسی اجنبی قانون کے لیے کوئی جگہ ہے یا نہیں؟ اور وہ کس حد تک کتاب وسنت سے متعلق یا غیر متعلق ہیں، تیسرے رومن قوانین اور فقہ اسلامی کا مسائل

زندگی کے مختلف شعبوں میں موازنہ کرنا ہوگا کہ ان میں کس درجہ مطابقت اور ہم آہنگی ہے اور جن احکام میں مطابقت ہے اس کی بنیاد کتاب وسنت اور عقل عام کے تقاضے ہیں، یا رومی قوانین سے استفادہ، یہ تین نکات ہیں، جن کی روشنی میں بہ سہولت اس دعوے کو کہ فقہ حنفی رومی قوانین سے مستفاد ہے، پرکھا جاسکتا ہے اور اسی ترتیب سے مجھے اس مسئلہ پر گفتگو کرنی ہے۔

تاریخی قرائن

امام ابوحنیفہؒ ایرانی النسل تھے، اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ آپ فارسی زبان سے واقف رہے ہوں گے؛ لیکن امام صاحب کے زمانہ تک عراق اور خلافتِ اسلامی کے مشرقی صوبہ جات میں عربی مبان پوری طرح حاوی ہوچکی تھی؛ یہی تصنیف وتالیف، تدریس وقضاء، سرکاری دفاتر وامثلہ جات؛ یہاں تک کہ وعظ وپند اور روزمرہ بول چال کی زبان تھی، اس کی ایک وجہ تو اس پورے خطہ کا دامنِ اسلام میں آجانا اور اسلام کے بنیادی لٹریچر قرآن وحدیث کا عربی زبان میں ہونا ہے، دوسرے عربوں کا سیاسی غلبہ اور تیسرے مفتوح قوموں پر فاتح اقوام کا ایک نفسیاتی اثر اور زبان وتہذیب میں فاتحین کے مقابلے کمتری اور مرعوبیت کا احساس بھی اس کی وجہ ہوسکتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بھی اصل زبان یہی تھی اور اسی میں آپ کے علوم کا تمام خزانہ محفوظ ہے، نہ ہی آپ رومی زبان سے واقف تھے، نہ شام وفلسطین کے ایسے علاقوں سے آپ کا تعلق رہا جو پہلے رومی سلطنت کا حصہ تھے اور یہ تو بہت قدیم عہد ہے، اس صدی سے پہلے تک عربی زبان میں رومی قوانین کے ترجمہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا رومی قوانین کے عربی زبان میں منتقل نہ ہونے کا ایک خاص سبب ہے، مسلمانوں کا شروع سے یہ تصور رہا ہے کہ ان کو اپنے نظامِ زندگی کے معاملہ میں دوسری اقوام سے ممتاز اور متشخص رہنا چاہیے، یہ چیز ان کو کتاب وسنت اور اسلامی روایات پر انحصار کا پابند کرتی ہے اور دوسری قوموں کے طریقوں اور اطوار سے باز رکھتی ہے، ہاں وہ علوم وفنون جو محض وسائلِ زندگی سے متعلق ہیں، یا انتظاماتِ ملکی میں معاون ہیں ان کو قبول کرنے اور پروان چڑھانے میں مسلمانوں نے نہایت فراخ دلی اور کشادہ قلبی سے کام لیا ہے، جیسے فلکیات، ریاضی، جغرافیہ، طب، طبعیات وغیرہ، پس امام ابوحنیفہؒ رومی زبان سے واقف تھے، نہ رومی قانون کا لٹریچر عربی میں منتقل ہوا تھا اور نہ روم کی سابق ریاستوں سے آپ کا وطنی، تجارتی یا علمی علاقہ تھا، اس لیے تاریخی اعتبار سے کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جو امام ابوحنیفہؒ اور فقہ حنفی کے رومی قوانین سے تاثر اور استفادہ کو کسی درجہ میں بھی ظاہر کرتا ہو۔

فقہ اسلامی کے مآخذ

فقہائے اسلام نے بنیادی طور پر قانون کے چار سرچشمے (Sourcessot Law) مقرر کئے ہیں، ان میں ترتیب اس طرح ہے کہ اوّل قرآن مجید کو پیشِ نظر رکھا جائے؛ پھر رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سامنے رکھیں جائیں، اس کے بعد ان احکام کا درجہ ہے، جن پر امت کا اجماع واتفاق ہے، ظاہر ہے کہ امت کا کسی ایسی بات پر اتفاق ممکن نہیں جو قرآن وحدیث کی روح کے خلاف ہو، اس لیے اجماع بھی دراصل کتاب وسنت کے مزاج ومذاق کی اجماعی ترجمانی سے عبارت ہے، چوتھا درجہ "قیاس" کا ہے،

قیاس یہ ہے کہ کتاب وسنت میں کسی مسئلہ میں جس سبب خاص کی بناء پر کوئی حکم لگایا گیا ہو، وہ سبب جہاں جہاں پایا جائے وہاں وہی حکم لگایا جائے، مثلاً حدیث میں کتے کے جھوٹے کو ناپاک قرار دیا گیا، حدیث سے بعض اور جانوروں کے جھوٹے کے متعلق بھی ایسا ہی حکم ملتا ہے، فقہاء نے غور کیا اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ اس کی وجہ ان جانوروں کا ناپاک ہونا ہے؛ لہٰذا فیصلہ کیا کہ تمام جانور جن کا گوشت ناپاک اور حرام ہے، ان کا جھوٹا بھی حرام اور ناپاک ہے؛ اسی کا نام "قیاس" ہے؛ اسی طرح قیاس کی اصل غایت کتاب وسنت کے احکام کے دائرہ کو وسیع اور ان صورتوں تک متعدی کرنا ہے، جن کا کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں ذکر نہیں؛ گویا فقہ کے اصل مآخذ "کتاب وسنت" ہی ہیں اور اجماع وقیاس میں بھی بالواسطہ کتاب وسنت ہی کی اطاعت وفرماں برداری ہے، اس کے علاوہ فقہ کے جن دوسرے مصادر آثارِ صحابہؓ، استحسان، مصالحِ مرسلہ، استصحاب، عرف وعادات، شرائع ماقبل، سدِ ذرائع کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ سب بالواسطہ کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور قیاس ہی میں داخل ہیں اور اصولِ فقہ میں اس نکتہ کو بار بار واضح کر دیا گیا ہے کہ ان کی حیثیت کتاب وسنت کی طرح مستقل نہیں ہے اور نہ یہ نصوص سے آزاد ہیں؛ جہاں تک اجنبی ذریعہ سے قانون سازی کی بات ہے تو ان میں سے صرف امم سابقہ کی شریعت ہے، جس کو کسی درجہ میں اس زمرہ میں رکھا جاسکتا ہے؛ لیکن شرائع ماقبل سے مراد پہلی آسمانی کتابوں کے وہ احکام ہیں جن کو قرآن مجید نے منسوخ نہیں کیا ہے، یہ احکام کسی دوسری قوم کے عرف ورواج اور سماجی اطوار پر مبنی نہیں ہیں؛ بلکہ وحی الٰہی پر مبنی ہیں اور اس طرح کتاب اللہ کا ایک حصہ ہے، تاہم فقہائے اسلام نے مجرد ان کتابوں پر اعتماد کر کے کسی مسئلہ میں کوئی رائے قائم نہیں کی ہے؛ بلکہ کتاب وسنت میں اممِ سابقہ جن احکام کی تصدیق کی گئی ہے اور امتِ محمدیہ میں ان کے باقی رہنے کا اشارہ کیا گیا ہے انہیں کو قابل عمل تسلیم کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں ایک اجماعی حکم "قانونِ قصاص" کا ہے جس کا خود قرآنِ پاک نے ذکر کیا ہے، ممکن ہے اس طرح کا ایک آدھ حکم اور بھی مل جائے، ظاہر ہے اس کو اسلامی فقہ میں اجنبی اثر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

رومی قانون کے مآخذ سے تقابل

اب ایک موازنہ فقہ اسلامی کے ان مآخذ اور رومن لا کے مآخذ (Sourcees) کے درمیان کرنا چاہئے کہ اس سے مسئلہ زیر بحث کو سمجھنے میں آسانی ہوگی بنیادی طور پر رومی قوانین دو طرح کے ہیں، ایک مکتوبی اور دوسرے غیر مکتوبی، مکتوبی سے مراد سرکاری قوانین ہیں اور غیر مکتوبی سے مراد وہ قوانین ہیں جو عوام کے رسم ورواج کی وجہ سے از خود قانون کا درجہ حاصل کر گئے ہیں، گیس (Gaius) کے بقول مکتوبی قانون کے چھ مآخذ ہیں:

() قانون موضوعہ اعلیٰ ترین (Leges) یعنی شاہان قدیم شرفاء روما کی مجلسِ عشریہ، غیر رومی باشندوں کی مجلس ماۃ وغیرہ کے طئے کئے ہوئے قوانین۔() قانون موضوعہ مجلس عوام () سینٹ کی تجاویز() فرامین شاہی() مجسٹریٹ کے اعلانات۔() مجتہدین، یعنی مذہبی راہبوں کے فتاویٰ اور دوسرے قانون دانوں کی توضیحات۔ (ملاحظہ ہو، احمد عبداللہ المسدوسی کی کتاب، قانونِ روما)

اب غور کرو کہ "قانونِ مکتوبی" کے ان تمام مآخذ میں انسان کو اصل واضع قانون اور اس کے فہم واختیار اور حکم وفیصلہ کو قانون کی اساس مانا گیا ہے؛ کہیں یہ حیثیت بادشاہ کو حاصل ہے، کہیں قاضی کو؛ کبھی شرفاء روم کی جماعت دہگانہ کو، کبھی اہل روم کے ساتھ دوسری اقوام کے صدر ایوان کو، کہیں مجلس عوام اور مذہبی یا قانونی علماء کو مگر اسلامی قانون کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے؛ یہاں قانون کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے "اَلَا لَهُ الْحُكْمُ" (الانعام:) اور اسی کے ہاتھ فیصلوں کی زمام ہے "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" (یوسف) یہی مسلمانوں کے تمام مکاتب فقہ کا مزاج ومذاق ہے، رومی نظام قانون میں رائے ایک قابلِ تحسین بات اور مفخرہ ہے اور فقہاء اسلام کے ہاں خود رائی ایک تہمت اور عیب ہے؛ جس کی طرف اس کی صحیح یا غلط نسبت کر دی جاتی ہے، وہ اس سے بصد تاکید انکار ومعذرت کرتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ہمیں فقہاء کے ہاں کثرت سے کتاب وسنت پر انحصار، اس کی بالادستی اور اس کے مقابلہ "رائے" کی مذمت اور اس کی بے اعتباری کے اقوال ملتے ہیں۔ (المیزان الکبریٰ کا ابتدائی حصہ دیکھا جائے)

ممکن ہے بعض حضرات کو قانون کے اس ماخذ میں اور فقہ اسلامی میں عرف وعادت کا اعتبار کئے جانے میں یکسانیت نظر آئے؛ لیکن اپنی روح کے اعتبار سے ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے "رومن لا" چونکہ انسانی مرضیات وخواہشات پر ہی مبنی ہے، اس لیے اس قانون میں رسم ورواج کو خاصی اہمیت حاصل ہونا؛ بلکہ بعض اوقات موضوعہ قانون پر فائق ہوجانا عین مطابقِ فطرت ہے۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ مسلمان جو زندگی کے تمام مسائل میں کتاب وسنت کی ہدایات پر عمل پیرا ہوں گے ان میں جو کچھ رواج پائے گا، ضروری ہے کیکہ وہ کتاب وسنت کے مغائر نہ ہو، اس لیے مسلمانوں کے ایسے رواجات جن کے متعلق کوئی ممانعت یا ایجابی حکم موجود نہ ہو، مشروع اور جائز تصور کئے جائیں گے اور غالباً ایسا اس لیے ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایسے امور کو مباح بتایا ہے اور "عفو" کا نام دیا ہے "وماسکت عنه فهو مماعفا عنه"۔

اسی طرح قرآن مجید نے بھی عرف کے معتبر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، قرآن میں ایک سے زیادہ مقامات پر "معروف" پر عمل اور معروف کی دعوت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، امام رازیؒ کے بقول جو باتیں عقل کو بہتر محسوس ہوں اور اصحاب عقل کی نگاہ میں ناپسندیدہ نہ ہوں وہ سب معروف ہیں "والمعروف هوماحسن فی العقل فعله ولم یکن منکرا عند ذوی العقول الصحیحة"۔ (شرح السیر الکبیر)

پس عرف کا اعتبار رومی قانون سے تاثر کا نتیجہ نہیں ہے؛ بلکہ کتاب وسنت کے مقرر کئے ہوئے اصول کی روشنی میں ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مروج عمل کتاب وسنت کے خلاف ہو تو فقہاء کے یہاں قابل قبول نہیں:

"العادة تجعل حكما اذايوجد التصريح بخلافه فاما عند وجود التصريح بخلافه يسقط اعتباره"۔

(قانونِ روما) عادت حکم ہوگی، جب کہ اس کے خلاف صراحت موجود نہ ہو اگر اس کے خلاف نص کی صراحت موجود ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ (محمد لیاقت علی رضوی)

﴿تقریظ انیق﴾

جامع المنقول والمعقول استاذ العلماء فقیہ ملت مفتی اعظم بہاولنگر

حضرت علامہ مولانا **مفتی محمد امین سعیدی** صاحب دامت فیوضھم العالیہ

شیخ الحدیث والفقہ: جامعہ سعیدیہ قمریہ نظام پورہ بہاولنگر

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ والسلام علی اھلھما امابعد ۔

علم فقہ کی افادیت بدیں وجہ واضح ولائح کہ کلام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی تعلیم وتعلم اس پر موقوف ہے۔اور اظہر من الشمس کہ فقدان موقوف علیہ فقدان موقوف کو مستلزم ہوتا ہے۔اس لئے کسی بھی حدیث پاک پر اس علم شریف کی مدد کے بغیر عمل کرنا بلکہ اس کا سمجھنا ایسے ہی ناممکن ہے جیسے کہ حدیث شریف کی مدد کے بغیر قرآن پاک کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔اور اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔جہاں کہیں احادیث مبارکہ میں بظاہر قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے تعارض نظر آئے تو وہ اس علم کے ذریعہ سے ہی مرفوع ہوگا اور یہ ایسا عالی مرتبت وبرکت علم ہے۔کہ اس کی بدولت دیگر تمام علوم آسان ہوجاتے ہیں۔

کما قال الفقیہ ابو لیث السمرقندی من تیسر علیہ الفقہ تیسر علیہ سائر العلوم، سمعتہ من شمس العلماء استاذی واستاذ العلماء الحاج المفتی الاعظم محمد اکبر علیہ الرحمہ بانی ومھتمم اول جامعہ انوار المصطفیٰ کبوتری بانورہ منچن آباد بھاولنگر ۔

الحمد للہ علی نوالہ بوسیلۃ النبی ﷺ کہ مولیٰ کریم جل مجدہ العظیم نے

فاضل محتشم، ماہر علوم نقلیہ وعقلیہ علامہ مولانا محمد لیاقت علی صاحب رضوی استاذ الفقہ جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور کیساتھ خیر کا ارادہ فرمایا کہ انہیں تفقہ فی الدین سے نوازا

کما قال النبی ﷺ من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین ۔

علامہ موصوف نے فقہاء احناف کی بلند پایہ کتاب ہدایہ کی شرح فیوضات الرضویہ فی تشریحات الھدایہ کے ذریعے اس کی تشریح وتوضیح کما حقہ فرما کر کم استعداد مستفیدین اور مصروف ترین مدرسین کو دقیق وطویل کتب کی اوراق گردانی سے بے نیاز کردیا ہے۔اس سے قبل بھی شارح موصوف نے ''قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ'' تحریر فرما کر خواص وعوام کیلئے اصل کتاب کے علمی ذخیرے سے استفادہ کو آسان بنادیا ہے۔شارح کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے۔کہ ماتن کے اسرار ورموز جو اس کی کتاب میں مستور ومرکوز ہوتے

ہیں ان کو وہ حتی المقدور اپنی شرح میں واضح کرے۔بفضلہ تعالیٰ شارح موصوف نے حتی الامکان وہ اپنی شرح میں واضح فرمادیئے ہیں۔فقیر غفرلہ اپنی کم علمی وبضاعتی کی بناء پر فضلاء کی تصنیفات پر تقریظات کی تحریرات سے قاصر رہتا ہے۔لیکن فاضل موصوف نے فقیر کے تلمیذ رشید مولوی محمد یٰسین صاحب مہتمم جامعہ فیضان الحسنین چک سنتے کا کی وساطت سے اصرار فرمایا بدیں وجہ چند حروف کی تسطیر معرض تحریر میں آئی۔

اللہ رب العزت! شارح موصوف کو اس شرح کی تکمیل کی توفیق خیر رفیق عطا فرمائے۔اور اس کو مقبولیت عامہ اور موصوف مذکور کیلئے ذریعہ نجات بنائے۔اور ان کا خامہ عنبر شمامہ اس عظیم خدمت کیلئے ہمیشہ رواں دواں رہے۔آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ،الناقل خویدم العلماء محمد امین غفرلہ سعیدی قمری مھتمم جامعہ سعیدیہ قمریہ (رجسٹرڈ)نظام پورہ بھاولنگر

کتاب الزکوٰۃ

﴿یہ کتاب زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

کتاب الزکوٰۃ کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ کتاب زکوٰۃ کے احکام میں ہے مصنف نے اس کو نماز کے ساتھ ملایا ہے تا کہ اس کو اساس بنایا جائے اور اس کو اس کی اقتداء میں لائے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

نماز کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی خوبی میں بغیر کسی واسطہ کے ہے اور زکوٰۃ کو اس کے ساتھ لاحق کر دیا اگرچہ اس کا معنی حسن وخوبی ہے تاہم یہ واسطہ کے ساتھ ہے۔لہٰذا یہ مرتبہ میں نماز سے بعد ہوا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ملانے کی وجہ یہ ہے کہ وجوب عبادت کا سبب اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور نعمت کی دو اقسام ہیں۔(۱) نعمت بدنی (۲) نعمت مالی۔اور نعمت بدنی بڑی ہوتی ہے کیونکہ وہ مکلف سے فی نفسہ ثابت ہوتی ہے۔یعنی خود بہ خود ثابت ہوتی ہے جبکہ عبادت مالی تو بذریعہ مال ثابت ہوتی ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۳، حقانیہ ملتان)

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ مصنف کا زکوٰۃ کی کتاب کو کتاب الصلوٰۃ سے ملانا کتاب اللہ کی پیروی ہے۔کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے۔'' أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ '' کیونکہ نماز بغیر کسی واسطے کے خود بہ خود نیکی ہے جبکہ زکوٰۃ اس کے ساتھ ملحق ہے۔اصول فقہ والوں نے بھی یہی ترتیب رکھی ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۴۴، بیروت)

علامہ حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔بیاسی مقامات پر زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(درمختار، ج ۱، ص ۱۲۹، مجتبائی دہلی)

یہی وجہ ہے کہ نماز ہر شخص پر فرض ہے خواہ وہ صاحب نصاب ہو یا نہ ہو یعنی اس کے غریب یا امیر ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جبکہ زکوٰۃ صرف ان امراء جو صاحب نصاب ہیں ان پر فرض ہے۔نماز کے ادائیگی میں لوگوں کی تعداد میں کثرت ہے۔جبکہ اس کے مقابلے میں زکوٰۃ صرف اصحاب نصاب دیتے ہیں۔جن کی تعداد قلیل ہوتی ہے لہٰذا مصنف نے ان مسائل سے متعلق کتاب یعنی نماز کو مقدم ذکر کیا ہے۔کیونکہ اس میں لوگوں کی کثرت ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کا لغوی وشرعی معنی:

زکوٰۃ کا لغوی معنی ہے۔بڑھنا، زیادہ ہونا۔جب کھیتی بڑھ جائے تو اسے ''زکا الزرع '' کہا جاتا ہے۔جبکہ فقہاء کے عرف میں زکوٰۃ اس کام کا نام ہے کہ جس کے ذریعے مالی حق کے واجب کو ادا کیا جاتا ہے۔جبکہ اس کے وجوب کا اعتبار سال کے گزرنے اور نصاب کے پورا ہونے کے ساتھ ہوتا ہے۔کیونکہ نصاب ہی کو وجوب کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔اور نصاب صفات اعمال

سے ہے جبکہ صفات اعیان سے نہیں ہے۔اور اس کا اطلاق ادا کردہ مال پر کیا جاتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:'' وَآتُوا الزَّكَاةَ''۔اس کا ادا کرنا صرف عین ہی صحیح ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۴۴، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ زکوٰۃ وہ مخصوص مال ہے۔اور یہی اس کا سبب ہے۔یعنی وہ مال نامی خواہ بطور حقیقت بڑھنے والا ہو یا حکمی طور پر بڑھنے والا ہو۔اسی وجہ سے اس کی اضافت کرتے ہوئے اس کو زکوٰۃ کا مال کہا گیا ہے۔جبکہ فقہاء کے عرف میں نفس مال کے دینے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔اور اس کی لغوی مناسبت یہی ہے کہ مزکی اس کا سبب تب بنتا ہے جب مال بڑھ کر اس کو حاصل ہو جائے۔(فتح القدیر، ج ۳، ص ۴۶۱، بیروت)

علامہ علی بن محمد الزبیدی بغدادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔زکوٰۃ کا لغوی معنی مال کا بڑھنا ہے۔اور یہی بڑھنا ہی اس کا سبب ہے کیونکہ دنیا میں پیچھے رہ جانے والا مال بڑھ جاتا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طہارت سے عبارت ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔'' قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ''یعنی انسان کو گناہوں سے پاک کرنا ہے۔جبکہ اصطلاح شرع میں معلوم مال کی مخصوص مقدار کو ادا کرنا ہے۔اور اہل اصول محققین کے نزدیک یہ مزکی کے فعل سے عبارت ہے۔ مال مؤدی سے عبارت نہیں۔(جوہرہ نیزہ، ج ۱، ص ۴۴۵، بیروت)

علامہ طیبی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔زکوٰۃ کے لفظی معنی ہیں طہارت وبرکت اور بڑھنا اصطلاح شریعت میں زکوٰۃ کہتے ہیں اپنے مال کی مقدار متعین کے اس حصہ کو جو شریعت نے مقرر کیا ہے کسی مستحق کو مالک بنا دینا زکوٰۃ کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنی دونوں کو سامنے رکھ کر یہ سمجھ لیجیے کہ یہ فعل یعنی اپنے مال کی مقدار متعین کے ایک حصہ کا کسی مستحق کو مالک بنا دینا ہے۔اور مال کے باقی ماندہ حصے کو پاک کر دیتا ہے اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے برکت عطا فرمائی جاتی ہے اور اس کا وہ مال نہ صرف یہ کہ دنیا میں بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے بلکہ اخروی طور پر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے مالک کو گناہوں اور دیگر بری خصلتوں مثلاً بخل وغیرہ سے پاک وصاف کرتا ہے اس لیے اس فعل کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کو صدقہ بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ فعل اپنے مال کا ایک حصہ نکالنے والے کے دعویٰ ایمان کی صحت وصداقت پر دلیل ہوتا ہے۔(شرح مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ)

زکوٰۃ کی تعریف:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اصطلاح شرع میں آزاد، عاقل، بالغ، مسلم جب مالک نصاب تام ہو جائے جس پر ایک سال گزر جائے اس مال کو اللہ کی رضا کیلئے مصرف تک پہنچانا تا کہ اس سے فرض ساقط ہو جائے اور اس میں زکوٰۃ ادا کرنے والے کو فائدہ یعنی ثواب اور جس کو ادا کی اس کو فائدہ یعنی دنیاوی نفع حاصل ہو جائے۔

تاج الشریعہ فرماتے ہیں۔سال گزرنے والے نصابی مال کا فقیر کو دینا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔کیونکہ اس کے وجوب کو صفات فعل کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔ کہ صاحب تنویر الابصار زکوٰۃ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ زکوٰۃ شارع کی مقرر کردہ حصہ کا فقط رضائے الٰہی کے لئے کسی مسلمان فقیر کو اس طرح مالک بنانا کہ ہر طرح سے مالک نے اس شے سے نفع حاصل نہ کرنا ہو بشرطیکہ وُہ مسلمان ہاشمی نہ ہو اور نہ ہی اس کا مولیٰ ہو ۔ (درمختار، ج ۱، ص ۱۲۹، مجتبائی دہلی)

علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام ابوالحسن واحدی علیہ الرحمہ نے کہا ہے ۔ زکوٰۃ مال کو پاک کرتی ہے اس کی اصلاح کرتی ہے اس کا فرق کرتی ہے ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس کی اصل زیادتی ہے ۔ جس طرح کہا ہے اس نے زراعت کی تو اس میں زیادتی ہوتی ہے یعنی جس طرح زراعت میں ترقی ہوتی ہے اس کے دانے بڑھتے جاتے ہیں جو زیادہ ہو جاتے ہیں ۔ اور یہاں زکوٰۃ سے مراد بھلائی میں زیادتی ہے ۔ اور اسی لوگوں میں جو سب سے زیادہ نیک ہوتا ہے وہی مزکی یعنی تذکیہ نفس والا ہے ۔

(مجموع، ج ۵، ص ۲۸۸، بیروت)

فرضیت زکوٰۃ کی تاریخی حیثیت:

صدقہ فطر ۲ ہجری میں واجب کیا گیا تھا زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں اگرچہ علماء کے یہاں اختلافی اقوال ہیں مگر صحیح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہو گیا تھا مگر اس حکم کا نفاذ مدینہ میں ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی پہلی تاریخ کو ہوا ہے گویا زکوٰۃ یکم رمضان ۲ ہجری میں فرض قرار دی گئی اور اس کا اعلان کیا گیا ۔

اجتماعی طور پر یہ مسئلہ ہے کہ زکوٰۃ انبیاء کرام علیہم السلام پر فرض وواجب نہیں ہے البتہ جس طرح سابقہ تمام امتوں پر نماز فرض تھی اسی طرح امت محمدی سے پہلے ہر امت پر زکوٰۃ فرض تھی ہاں زکوٰۃ کی مقدار اور مال کی تحدید میں اختلاف ضرور رہا ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں اسلامی شریعت کے احکام بہت آسان اور سہل ہیں جب کہ سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں اتنی آسانی نہیں تھی ۔

منکرین زکوٰۃ کیلئے وعید کا بیان:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص سونے اور چاندی (کے نصاب) کا مالک ہو اور اس کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کے تختے بنائے جائیں گے (یعنی تختے تو سونے اور چاندی کے ہوں گے مگر انہیں آگ میں اس قدر گرم کیا جائے گا کہ گویا وہ آگ ہی کے تختے ہوں گے اسی لئے آپ نے آگے فرمایا کہ وہ تختے دوزخ کی آگ میں گرم کیے جائیں گے اور ان تختوں سے اس شخص کے پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ داغی جائے گی پھر ان تختوں کو (اس بدن سے) جدا کیا جائے اور آگ میں گرم کر کے پھر لایا جائے گا (یعنی جب وہ تختے ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ گرم کرنے کے لیے آگ میں ڈالا جائے گا اور وہاں سے نکال کر اس شخص کے بدن کو داغا جائے گا) اور اس دن کی مقدار کہ جس میں یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا پچاس ہزار سال کی مقدار ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب ختم

ہو جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا ۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! یہ عذاب تو نقدی یعنی سونے چاندی کے بارے میں ہو گا اونٹ کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کا کیا حشر ہو گا ؟

آپ نے فرمایا جو شخص اونٹ کا مالک ہو اور اس کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرے ، اور اونٹوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جس روز انہیں پانی پلایا جائے ان کا دودھ دوہا جائے تو قیامت کے دن اس شخص کو اونٹوں کے سامنے ہموار میدان میں منہ کے بل اوندھا ڈال دیا جائے گا اور اس کے سارے اونٹ گنتی اور موٹاپے میں پورے ہوں گے ۔ مالک ان میں سے ایک بچہ بھی کم نہ پائے گا یعنی اس شخص کے سب اونٹ وہاں موجود ہوں گے ۔ حتیٰ کہ اونٹوں کے سب بچے بھی ان کے ساتھ ہوں گے پھر یہ کہ وہ اونٹ خوب فربہ اور موٹے تازے ہوں گے تا کہ اپنے مالک کو روندتے وقت خوب تکلیف پہنچائیں چنانچہ وہ اونٹ اس شخص کو اپنے پیروں سے کچلیں گے اور اپنے دانتوں سے کاٹیں گے جب ان اونٹوں کی جماعت روند کچل اور کاٹ کر چلی جائے تو دوسری جماعت آئے گی یعنی اونٹوں کی قطار روند کچل کر چلی جائے گی تو اس کے پیچھے دوسری قطار آئے گی اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا اور جس دن یہ ہو گا اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کر دیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! گائے اور بکریوں کے مالک کا کیا حال ہو گا ؟ آپ نے فرمایا جو شخص گائیوں اور بکریوں کا مالک ہو اور ان کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اسے ہموار میدان میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا اور اس کی گایوں اور بکریوں کو وہاں لایا جائے گا جن میں سے کچھ کم نہیں ہو گا ان میں سے کسی گائے بکری کے سینگ نہ مڑے ہوں گے نہ ٹوٹے ہوں گے اور نہ وہ منڈی یعنی بلا سینگ ہوں گی یعنی ان سب کے سروں پر سینگ ہوں گے جو ٹوٹے ہوئے نہ ہوں گے اور سالم ہوں گے ۔ تا کہ وہ اپنے سینگوں سے خوب ماریں چنانچہ وہ گائیں اور بکریاں اپنے سینگوں سے اپنے مالک کو ماریں گی اور اپنے کھروں سے کچلیں گی اور جب ایک قطار اسے مار کچل کر چلی جائے گی تو دوسری قطار آئے گی اور اپنا کام شروع کر دے گی اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور جس دن یہ ہو گا اس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! گھوڑوں کے بارے میں کیا حکم ہے ۔ آپ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ گھوڑے جو آدمی کے لیے گناہ کا سبب ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے جنہیں اس کے مالک اظہار فخر و غرور اور مال دار اور ریاء کے لیے اور مسلمانوں سے دشمنی کے واسطے باندھے ۔

چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لیے گناہ کا سبب بنتے ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لیے پردہ ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں اس کے مالک نے خدا کی راہ میں کام لینے کے لیے باندھا اور ان کی پیٹھ اور ان کی گردن کے بارے میں وہ خدا کے حق کو نہیں بھولا چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لیے پردہ ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لیے ثواب کا سبب و ذریعہ بنتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں ان کا مالک خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے مسلمانوں کے واسطے باندھے اور چراگاہ و سبزہ میں رکھے چنانچہ جب وہ گھوڑے چراگاہ و سبزہ سے کچھ کھاتے ہیں تو جو کچھ انہوں نے کھایا یعنی گھاس وغیرہ کی تعداد کے بقدر اس کے لیے

نیکیاں لکھی جاتی ہیں یہاں تک کہ ان گھوڑوں کی لید اور ان کے پیشاب کے بقدر بھی اس کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں کیونکہ لید اور پیشاب بھی گھوڑے کی زندگی کا باعث ہیں اور گھوڑے رسی توڑ کر ایک یا دو میدان دوڑتے پھرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے قدموں کے نشانات اور ان کی لید جو وہ اس دوڑنے کی حالت میں کرتے ہیں کی تعداد کے برابر اس شخص کے لیے نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ شخص ان گھوڑوں کو نہر پر پانی پلانے کے لیے لے جاتا ہے اور وہ نہر سے پانی پیتے ہیں اگرچہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہ ہو، اللہ تعالیٰ گھوڑوں کے پانی پینے کے بقدر اس شخص کے لیے نیکیاں لکھتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اچھا گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گدھوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا لیکن تمام نیکیوں اور اعمال کے بارے میں یہ آیت جامع ہے (فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيراً يرَه وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يرَه)99 ۔الزالزل 7:۔8) یعنی جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کا عمل کرے گا اسے دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی کا عمل کرے گا اسے دیکھے گا۔ (یعنی مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو نیک کام کے لیے جانے کے واسطے اپنا گدھا دے گا تو ثواب پائے گا اور اگر برے کام کے لیے دے گا تو گناہگار ہوگا) مسلم۔

قیامت کے دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بتائی گئی ہے لیکن اس کا تعلق کافروں کے ساتھ ہے یعنی قیامت کا دن کافروں کو پچاس ہزار سال کے بقدر دراز معلوم ہوگا بقیہ گناہگاروں کو ان کے گناہ کے بقدر دراز محسوس ہوگا اگر کسی کے گناہ کم اور ہلکے ہوں گے تو اسے وہ دن اسی اعتبار سے کم دراز محسوس ہوگا اور اگر کسی کے گناہ زیادہ اور شدید نوعیت کے ہوں گے تو اسے وہ دن بھی اس کے اعتبار سے دراز محسوس ہوگا یہاں تک کہ خدا کے نیک بندوں یعنی مومنین وکاملین کو وہ پورا دن صرف دو رکعت نماز کے بقدر معلوم ہوگا گویا جتنی دیر میں دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے انہیں وہ دن صرف اتنے عرصہ کے بقدر محسوس ہوگا۔

فیری سبیله اما الی الجنة الخ اور وہ جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس شخص کے نامہ اعمال میں اس ترک زکوٰۃ کے گناہ کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں ہوگا اور مذکورہ عذاب کہ جس میں اسے مبتلا کیا جائے گا اس کے اس گناہ کو دور کر دے گا تو اس کے بعد وہ جنت میں چلا جائے گا اور خدانخواستہ اگر اس کا نامہ اعمال میں ترک زکوٰۃ کے علاوہ اور گناہ بھی ہوں گے یا یہ کہ مذکورہ عذاب کے بعد بھی ترک زکوٰۃ کا گناہ اس سے دور نہیں ہوگا تو پھر وہ دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

حتی یقضی بین العباد میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں دوسری مخلوق خدا تو حساب کتاب میں مشغول ہوگی مگر وہ لوگ جنہوں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ومن حقها حلبها یوم وردها اونٹوں کا ایک حق یہ بھی ہے الخ۔ اونٹ والوں کا یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اونٹوں کو تیسرے دن یا چوتھے دن پانی کی جگہ پانی پلانے لے جاتے ہیں چنانچہ عرب میں ایک، یہ معمول بھی تھا کہ جس جگہ پانی پلانے کے لیے اونٹ لائے جاتے تھے وہاں لوگ جمع ہو جاتے تھے اونٹ والے اپنے اونٹوں کو وہاں پانی پلانے لاتے اور وہیں اونٹوں کا دودھ نکال کر وہاں جمع لوگوں کو پلا دیا کرتے چنانچہ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگرچہ اونٹوں کا واجب حق تو صرف یہی ہے کہ ان

کی زکوٰۃ ادا کی جائے مگر ان کے اور دوسرے حقوق میں سے ایک مستحب حق یہ بھی ہے کہ جس دن اونٹ پانی پینے جائیں اس دن کا دودھ جو غرباء ومساکین کو پلایا جائے لہٰذا یہ فعل اگرچہ مستحب ہے لیکن از راہ مروت وہمدردی اور بر بنائے ادائے شکر حق گویا واجب کا حکم رکھتا ہے اسی لیے اس کے بارے میں اتنی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا چنانچہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حق کی عدم ادائیگی کی صورت میں عذاب بھی ہوسکتا ہے۔

ولا یرید ان یسقیها (اگرچہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہ ہو) مطلب یہ ہے کہ مالک گھوڑے کو پانی پلانے کا ارادہ نہ رکھے بلکہ اس کے ارادہ وقصد کے بغیر گھوڑا پانی پیے تو اس کے بارے میں مذکورہ ثواب بیان کیا گیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر مالک خود ارادہ وقصد کر کے گھوڑے کو پانی پلائے گا تو اس کا کیا کچھ ثواب اسے ملے گا گھوڑوں کے بارے میں صحابہ کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جواب دیا اس کا اسلوب پہلے جوابات کے اسلوب سے مختلف ہے اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب کا جو اسلوب اختیار فرمایا ہے اسے جواب علی اسلوب الحکیم کہتے ہیں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کرنے والے صحابہ سے فرمایا کہ گھوڑوں کا جو حق واجب ہے یعنی زکوٰۃ وغیرہ صرف اس کے بارے میں مت پوچھو کہ ان گھوڑوں کی وجہ سے ان کے پالنے والے سعادت ونیک بختی اور بھلائی کے کیسے کیسے مقام حاصل کرتے ہیں اور انہیں ان گھوڑوں سے کیا نفع پہنچتا ہے اسی طرح دوسرا پہلو بھی کہ ان پالنے والوں کو کیسے کیسے گناہ ملتے ہیں اور انہیں کیا نقصان پہنچتا ہے۔

اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔(۱) وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لیے گناہ کا سبب ہوتے ہیں اس کی تشریح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جنہیں ان کے مالک نے اظہار فخر اور ریاء کے لیے باندھ رکھا ہو یعنی گھوڑے رکھنے سے اس کی غرض صرف یہ ہو کہ لوگ اس کی حشمت وثروت دیکھیں اور جانیں کہ یہ مجاہد ہے حالانکہ واقعہ میں وہ مجاہد نہیں ہے نیز فخر یہی مراد ہے کہ وہ گھوڑا اس نیت سے پالے کہ میں اپنے سے کمتر لوگوں پر اپنی بڑائی جتاؤں اور ان کے سامنے فخر کا اظہار کروں (۲) وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لیے پردہ ہوتے ہیں اس کی وضاحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جنہیں ان کے مالک نے اس لیے باندھا ہے تا کہ وہ خدا کی راہ میں کام آئیں یہاں خدا کی راہ سے مراد جہاد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ گھوڑوں کو رکھنے اور باندھنے کا مقصد اظہار فخر وغرور اور ریاء نہ ہو بلکہ انہیں اچھی ونیک نیت سے رکھے مثلاً گھوڑے اس مقصد کے لیے پالے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اچھے و نیک مقاصد کے لیے کام آئیں یا ان سے اپنی سواری مقصود ہو کہ اپنی مشروع ومباح ضرورتوں کے وقت ان پر سوار ہو سکے نیز یہ کہ اپنے فقر واحتیاج کی پردہ پوشی کرے جیسا کہ روایت میں فرمایا گیا ہے کہ بطور ''تغنیا وتعففا'' یعنی دوسروں سے مستغنی رہنے اور دوسروں کے آگے اپنی احتیاج وضرورت کے اظہار سے بچنے کے لیے گھوڑا رکھنا چاہیے مثلاً تجارتی مقصد کے لیے عزیز واقارب اور دوست واحباب کے یہاں جانے کے لیے کھیت کھلیان میں آنے جانے کے واسطے یا اسی قسم کے دوسرے مقاصد کے وقت اگر گھوڑے کی ضرورت ہو تو کسی دوسرے کی طرف دیکھنا نہ پڑے بلکہ اپنا گھوڑا ہو تو وہ کام آئے اور غیروں کے آگے اظہار ضرورت کی

شرمندگی سے بچائے۔ اسی لیے اس موقع پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑے کو اپنے مالک کے لیے پردہ قرار دیا ہے کہ ایک طرف تو گھوڑا اپنے مالک کے فقر واحتیاج کے لیے پردہ پوش ہوتا ہے بایں طور کہ گھوڑے کی وجہ سے دوسروں کی نظروں میں اس کے مالک کا وقار اور برہم قائم رہتا ہے اور اس کی عزت بنی رہتی ہے۔ دوسری طرف گھوڑی کا مالک اپنی ضرورت وحاجت کے وقت کسی دوسرے شخص کے آگے اظہار حاجت اور دست سوال دراز کرنے سے بچا رہتا ہے۔

اس موقع پر راہ خدا سے یہ مفہوم اس لیے مراد لیا گیا ہے تا کہ ایک ہی عبارت میں تکرار لازم نہ آئے کیونکہ تیسری قسم کے ضمن میں مذکورہ راہ خدا سے مراد جہاد ہی ہے۔

اسی ضمن میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑے کے مالک کا ایک وصف یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کی پیٹھ اور ان کی گردن کے بارے میں وہ خدا کے حق کو نہیں بھولا۔

چنانچہ اس ارشاد گرامی میں پیٹھ کے بارے میں اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس گھوڑے پر اچھے اور نیک کاموں کی خاطر سوار ہوا اور اگر کسی نے اس سے اپنی سواری کے لیے یا گھوڑیوں پر چھوڑنے کے لیے اس کا گھوڑا مانگا تو اس نے اس کی ضرورت پوری کی۔ اسی طرح گردن کے بارے میں حق یہ ہے کہ ان کی زکوٰۃ ادا کی۔ مگر حضرات شوافع کی طرف سے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مالک نے اپنے گھوڑے کی خبر گیری کی بایں طور کہ ان کے گھاس دانہ میں کوئی کمی نہیں کی انہیں ان کی پوری خوراک مہیا کی اور انہیں اگر کوئی مرض لاحق ہو یا کوئی تکلیف ہوئی تو اسے فوراً دور کیا۔

وجوب زکوٰۃ کا بیان:

(الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْعَاقِلِ الْبَالِغِ الْمُسْلِمِ إذَا مَلَكَ نِصَابًا مِلْكًا تَامًّا وَحَالَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ) أَمَّا الْوُجُوبُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَآتُوا الزَّكَاةَ) وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(أَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ) وَعَلَيْهِ إجْمَاعُ الْأُمَّةِ.

وَالْمُرَادُ بِالْوَاجِبِ الْفَرْضُ لِأَنَّهُ لَا شُبْهَةَ فِيهِ، وَاشْتِرَاطُ الْحُرِّيَّةِ لِأَنَّ كَمَالَ الْمِلْكِ بِهَا، وَالْعَقْلُ وَالْبُلُوغُ لِمَا نَذْكُرُهُ، وَالْإِسْلَامُ لِأَنَّ الزَّكَاةَ عِبَادَةٌ وَلَا تَتَحَقَّقُ العبادة مِنْ الْكَافِرِ، وَلَا بُدَّ مِنْ مِلْكِ مِقْدَارِ النِّصَابِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَدَّرَ السَّبَبَ بِهِ، وَلَا بُدَّ مِنْ الْحَوْلِ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ يَتَحَقَّقُ فِيهَا النَّمَاءُ، وَقَدَّرَهَا الشَّرْعُ بِالْحَوْلِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَا زَكَاةَ فِي مَالٍ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ) وَلِأَنَّهُ الْمُتَمَكَّنُ بِهِ مِنْ الِاسْتِمْنَاءِ لِاشْتِمَالِهِ عَلَى الْفُصُولِ الْمُخْتَلِفَةِ، وَالْغَالِبُ تَفَاوُتُ الْأَسْعَارِ فِيهَا فَأُدِيرَ

الْحُكْمُ عَلَيْهِ. ثُمَّ قِيلَ: هِيَ وَاجِبَةٌ عَلَى الْفَوْرِ لِأَنَّهُ مُقْتَضَى مُطْلَقِ الْأَمْرِ، وَقِيلَ عَلَى التَّرَاخِي لِأَنَّ جَمِيعَ الْعُمْرِ وَقْتُ الْأَدَاءِ، وَلِهَذَا لَا تُضْمَنُ بِهَلَاكِ النِّصَابِ بَعْدَ التَّفْرِيطِ

ترجمہ:

زکوٰۃ ہر آزاد، مسلمان، عاقل، بالغ پر واجب ہے جبکہ وہ نصاب تام کا مالک ہو جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے اور اس کا وجوب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے "وَآتُوا الزَّكَاةَ" اور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ تم اپنے اموال سے زکوٰۃ دو☆۔ اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔☆ (ترمذی، ابن حبان، مستدرک)

اور واجب سے مراد فرض ہے کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور حریت کی شرط اس لئے ہے کہ ملکیت نصاب اسی کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔ عقل اور بلوغ کی دلیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور اسلام کی شرط اس لئے ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جو کسی کافر سے ثابت نہیں ہوتی۔ اور ملکیت نصاب کی مقدار ضروری ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسی (نصاب) کو سبب قرار دیا ہے۔ اور سال کا گزرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا بڑھنا اتنی مدت میں متحقق ہوتا ہے۔ لہٰذا شریعت نے اس کو ایک سال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی مال پر زکوٰۃ نہیں حتیٰ کہ اس پر سال گزر جائے۔ اور اس دلیل کی بناء پر بھی کہ بڑھنے کی طاقت (ایک سال) ہی دینے والا ہے۔ اس لئے کہ سال مختلف فصلوں کو شامل ہوتا ہے۔ اور عام طور پر ان فصلوں کی قیمتوں میں فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا حکم کا دارومدار ہی (سال) ہوگا۔

پھر (فقہاء) نے فرمایا: کہ اس کو فوری طور پر ادا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ امر کے اطلاق کا تقاضہ یہی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ تاخیر سے واجب ہے۔ کیونکہ ساری عمر اس کی ادائیگی کا وقت ہے۔ لہٰذا غفلت کی صورت میں نصاب ہلاک ہونے کے بعد وہ ضامن نہ ہوگا۔

قرآن کے مطابق فرضیت زکوٰۃ کا بیان:

(۱) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ، ۴۳) اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

(۲) وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَه بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّه مَرْضِيًّا (مریم، ۵۵) اور اپنے گھر والوں کو (ف) نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا اور اپنے رب کو پسند تھا۔

(۳) اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (حج، ۴۱)

وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں۔ تو نماز برقائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور اللہ ہی کے لئے سب کاموں کا انجام ہے۔

(۴) وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (النور، ۵۶)

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔

(۵) اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ (نمل، ۳)

وہ جو نماز برپا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

احادیث نبوی ﷺ کے مطابق فرضیت زکوٰۃ کا بیان:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال وزر دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اس کا مال وزر گنجے سانپ کی شکل میں تبدیل کیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے پھر وہ سانپ اس شخص کے گلے میں بطور طوق ڈالا جائے گا اور وہ سانپ اس شخص کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی (وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ) 3 ۔آل عمران 180:) وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں یہ گمان نہ کریں الی آخر الآیہ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

امام بخاری و مسلم علیہما الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو (امیر یا قاضی بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تم اہل کتاب میں سے ایک قوم (یہود و نصاریٰ) کے پاس جا رہے ہو لہٰذا (پہلے تو تم) انہیں اس بات کی گواہی دینے کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ دعوت کو قبول کرلیں تو پھر تم انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اسے مان جائیں تو پھر اس کے بعد انہیں آگاہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے (یعنی ان لوگوں سے جو مالک نصاب ہوں) لی جائے گی اور ان کے فقراء کو دے دی جائے گی۔ اگر وہ اسے مان جائیں تم یہ یاد رکھنا کہ ان سے زکوٰۃ میں اچھا مال لینے سے پرہیز کرنا یعنی چھانٹ کر اچھا مال نہ لینا بلکہ ان کے مال کو تین حصوں میں تقسیم کرنا اچھا، برا، درمیانہ لہٰذا زکوٰۃ میں درمیانہ مال لینا نیز تم (زکوٰۃ لینے میں غیر قانونی سختی کر کے یا ان سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کر کے جو ان پر واجب نہ ہوں اور یا انہیں زبان یا ہاتھ سے ایذاء پہنچا کر) ان کی بددعا نہ لینا کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس دعا کی قبولیت کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم، کتب الزکوٰۃ)

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا امانتداری کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرنے والا اللہ کی راہ میں لڑنے والے کے برابر ہے۔ یہاں تک یہ

لوٹ کر اپنے گھر آئے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزکوٰۃ)

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گے اور عرب کے کچھ لوگوں نے اسلام سے روگردانی کی تو (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اس پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ ان لوگوں سے کیونکر جنگ کرتے ہیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک وہ یہ شہادت نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں جس نے یہ شہادت دے دی اس نے مجھ سے اپنے جان و مال کو بچا لیا الا یہ کہ اسلام کا حق اس کا خون چاہتا ہو اور اس کا حساب کتاب اللہ کے ذمہ ہوگا (یہ سن کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کردی، حالانکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے بخدا اگر ان لوگوں نے مجھ سے اونٹ کی ایک رسی بھی جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا کرتے تھے روکی تو میں ان سے جنگ کروں گا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کے بعد جلد ہی مجھے محسوس ہوا کہ اللہ نے جنگ کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے اور میں سمجھ گیا کہ وہ (اپنے فیصلہ میں) حق بجانب ہیں ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ معمر المثنی نے کہا ہے کہ عقال ایک سال کا صدقہ ہے اور عقالان دو سال کا صدقہ۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو رباح بن زید نے بطریق معمر، زہری سے اس کی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں عقالاً ہے اور اس کو ابن وہب نے یونس سے روایت کرتے ہوئے عناقا کہا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ شعیب بن ابی حمزہ، معمر اور زبیدی نے زہری سے اس حدیث میں کہا ہے کہ اگر بکری کا ایک بچہ بھی نہ دیں گے (تب بھی میں ان سے جنگ کروں گا) اور عنبہ نے بواسطہ یونس زہری سے اس حدیث میں لفظ عناقاً ذکر کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ)

تفاسیر قرآنی کے مطابق فرضیت زکوٰۃ کا بیان:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ کَخَشْیَۃِ اللہِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَۃً وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ۔(النساء، ۷۷)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو۔ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا۔ تو اُن میں بعضے لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرے یا اس سے بھی زائد۔ اور بولے اے رب ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کردیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور جینے دیا ہوتا تم فرمادو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے۔ اور ڈر والوں کے لئے آخرت اچھی اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا۔ (کنز الایمان)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مشرکینِ مکّہ مکرّمہ میں مسلمانوں کو بہت ایذائیں دیتے تھے ہجرت سے قبل اصحابِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جماعت نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہمیں کافروں سے

لڑنے کی اجازت دیجئے انہوں نے ہمیں بہت ستایا ہے اور بہت ایذائیں دیتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اُن کے ساتھ جنگ کرنے سے ہاتھ روکو، نماز اور زکوٰۃ جو تم پر فرض ہے وہ ادا کرتے رہو۔ فائدہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز وزکوٰۃ جہاد سے پہلے فرض ہوئیں۔
(خزائن العرفان، نساء ۷۷)

امام جصاص رحمہ اللہ ان تمام آیات واحادیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مال میں فرض کیا گیا حق زکوٰۃ ہی ہے۔ تمام مال خرچ کرنا فرض نہیں ہے۔ اور یہ کہ کنز وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی۔

فرماتے ہیں کہ صحابہ میں حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جیسے افراد بھی تھے جن پر فراخی ظاہراً نظر آتی تھی اور وہ بڑے مال و دولت والے تھے۔ اور نبی ﷺ نے ان کے حالات کا علم ہونے کے باوجود انہیں تمام مال نکالنے کا حکم نہ دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کا تمام سونا چاندی خرچ کرنا فرض نہیں ہے۔ اس میں سے فرض صرف زکوٰۃ ہے۔ ہاں اگر ایسے حالات ہوں جن میں ایک دوسرے سے ہمدردی کرنا اور صدقہ خیرات کرنا لازم ٹھہرے جیسا کہ مجبور، بھوکے، لاچار، بے لباس اور ایسی میت پر صدقہ کرنا جس کے پاس کفن دفن کے لئے کچھ نہ ہو۔ کیونکہ حضرت فاطمہؓ بنت قیس نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔ اور یہ آیت تلاوت کی: لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (البقرة 177:)۔ نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق ومغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔ (احکام القرآن، البقرہ، ۱۷۷)

امام ابوبکر جصاص حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑی جتنا سونا ہوتا اور تین دن گزرنے کے بعد بھی اس میں سے کچھ میرے پاس رہ جائے۔ الا یہ کہ مجھے صدقہ وصول کرنے والا ہی کوئی نہ ملے یا میں اسے اپنے قرض ادا کرنے تک رکھ لوں۔

اس حدیث کے بارے میں امام جصاصؒ فرماتے ہیں: کہ اس میں یہ ذکر ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسا کرنا اپنے لئے منتخب نہیں فرمایا بلکہ اسے خرچ کرنا پسند کیا۔ مگر خرچ نہ کرنے والوں پر کوئی وعید ذکر نہیں کی۔

پھر حضرت ابو امامہؓ سے ایک اور روایت نقل کرتے ہیں کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص فوت ہوئے تو ان کے پاس سے ایک

دینار نکلا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ایک داغ آگ کا۔

مذاہب اربعہ کے مطابق فرضیت زکوٰۃ کا بیان:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکانوں میں سے ایک رکن ہے۔ اور اس کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ قرآن سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ "تم زکوٰۃ ادا کرو" اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کے تم اس وقت تک ان سے جہاد کرو حتیٰ کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں۔ اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے کہ زکوٰۃ فرض ہے۔
(المغنی، ج ۲، ص ۴۳۳، بیروت)

علامہ شرف الدین نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ اسلام کے اراکین میں سے رکن اور اس کے فرائض میں سے فرض ہے۔ اس کی فرضیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "تم نماز قائم اور زکوٰۃ ادا کرو" (البقرہ ۴۳) اور حدیث سے ثبوت اس طرح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر کہ اس میں کسی کو شریک نہ ٹھہرا اور تو نماز قائم کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے۔ (الخ، بخاری) اس حدیث میں زکوٰۃ کیلئے فرضیت کا لفظ بھی ذکر کیا گیا ہے اور نماز کے عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ فرض ہے اور اس کی فرضیت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (مجموع، ج ۵، ص ۲۸۹، بیروت)

علامہ شہاب الدین قرافی مالکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ زکوٰۃ فرض ہے اس کا معنی یہ ہے مال کو پاک کرنا ہے۔ اور اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (التوبہ، ۱۰۳)

اے محبوب ﷺ! ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بیشک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ (ذخیرہ، ج ۵، ص ۳، بیروت)

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کتاب اللہ سے اور سنت رسول ﷺ سے فرض ہے۔ اور اس کی فرضیت پر امت کا اجماع ہے اور نبی کریم ﷺ کے دور اقدس سے لیکر آج کے دن تک اس کا کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا۔ فقہاء بہت سے مقامات پر وجوب کا لفظ فرض کیلئے استعمال کرتے ہیں اور اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ ان احکام کا ثبوت بہت سی احادیث سے ہوتا ہے۔ البتہ بعض احکام اخبار احاد سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں الفاظ کا یعنی فرض اور واجب کا ایک دوسرے کے مقام پر مجازی طور بولا جاتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۴۴، بیروت)

اہل تشیع کا فرضیت زکوٰۃ میں نظریہ:

محمد بن حسن حر عاملی، دوسری روایت میں عبداللہ بن سنان امام علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں پروردگار عالم نے جس طرح

نماز کو واجب قرار دیا ہے اسی طرح زکات بھی واجب قرار دی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص زکات کا مال حمل کرے اور علی الاعلان ادا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ پروردگار عالم نے امیروں کے اموال میں اس مقدار میں فقراء کے لئے حق قرار دیا ہے جو ان کے لئے کافی ہو اور اگر اللہ کی نگاہ میں فقراء کو اس سے زیادہ کی ضرورت ہوتی تو یقیناً خداوند عالم اس سے زیادہ واجب قرار دیتا اور یقیناً فقیروں کا فقر ان کے حق کو ادا کرنے سے منع کرنے والوں کے سبب ہے نہ کہ وظیفہ کی وجہ سے۔ وسائل الشیعه الیٰ مسائل الشریعة (موسسة آل البیت (علیهم السلام) لاحیاء التراث)

کتاب وسائل الشیعه میں، نماز قبول نہیں ہوگی مگر زکات کی ادائیگی کے بعد کے باب میں سولہ روایتیں نقل ہوئی ہیں۔

من جملہ شیخ طوسی معروف بن خربوذ کے حوالہ سے امام باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں بیشک اللہ نے زکات کو نماز کے ساتھ ساتھ قرار دیا ہے اور فرماتا ہے :و اقیموا الصلاۃ و آتوا الزکاۃ یعنی اگر کوئی شخص نماز قائم کرے اور زکات ادا نہ کرے تو گویا اس نے نماز قائم ہی نہیں کی۔

زکات کی ادائیگی سے منع کرنا حرام ہے اور اس سلسلہ میں کتاب وسائل الشیعہ میں روایتیں نقل ہوئی ہیں انھیں روایات میں سے ایک روایت شیخ طوسی محمد بن مسلم کے حوالہ سے امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں جو شخص بھی زکات میں ذرا بھی کمی کرے گا تو پروردگار عالم روز قیامت آگ کا ایک اژدہا اس کی گردن میں قرار دے گا اور وہ اس کا گوشت نوچے گا یہاں تک کہ وہ حساب و کتاب سے فارغ ہو جائے اور اس کی دلیل اللہ کا وہ قول ہے جس میں ارشاد فرماتا ہے سیطوقون ما بخلوا به یوم القیامة یعنی جو کچھ زکات میں کنجوسی کریں گے عنقریب وہ مال ان کی گردن میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

صاحب وسائل الشیعہ ، زکات کے منکر اور زکات کی ادائیگی سے منع کرنے والے کے کفر و ارتداد اور اس کے قتل کے جائز ہونے کے ثبوت میں نو روایتیں نقل کرتے ہیں۔

غیر مقلدین کے نزدیک فرضیت زکوٰۃ:

زکوٰۃ اور نماز دین کے ایسے رکن ہیں، جن کا ہر دور میں اور ہر مذہب میں آسمانی تعلیمات کے پیروکاروں کو حکم دیا گیا ہے۔ گویا یہ دونوں فریضے ایسے ہیں جو ہر نبی کی امت پر عائد ہوتے رہے ہیں، تا آنکہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا خاتمہ اور دین کی تکمیل کر دی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم، ان کے صاحبزادے حضرت اسحاق پھر ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَاَوحَینَآ اِلَیهِم فِعلَ الخَیرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیتَآءَ الزَّکٰوۃِ وَکَانُوا لَنَا عٰبِدِینَ ۔

(الانبیاء 73/21 :)

اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعے سے نیکیوں کے کرنے کا، نماز قائم کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا اور وہ ہمارے عبادت گزار

بندے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

(وَکَانَ یَامُرُ اَهلَه بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَکَانَ عِندَ رَبِّه مَرضِیًّا () (مریم 55/19 :)

وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

(اِنِّی عَبدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الکِتٰبَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا ۝ وَّجَعَلَنِی مُبٰرَکًا اَینَ مَا کُنتُ وَاَوصٰنِی بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمتُ حَیًّا ۔(مریم 19/30-31 :)

میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور نبوت سے سرفراز کیا ہے اور میں جہاں کہیں بھی ہوں، مجھے بابرکت بنا دیا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں، مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے۔ بنی اسرائیل کو جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا تھا، ان میں یہ حکم بھی تھا :

(وَاَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ () (البقرہ 43/2 :)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰہ ادا کرو۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

(لَئِن اَقَمتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنتُم بِرُسُلِی وَعَزَّرتُمُوهُم وَاَقرَضتُمُ اللّٰهَ قَرضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنکُم سَیِّاٰتِکُم وَلَاُدخِلَنَّکُم جَنّٰتٍ تَجرِی مِن تَحتِهَا الاَنهٰرُ ۔

(المائدہ 12/5 :)

اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور ان کی مدد کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہے تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے مٹا دوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ان آیات سے واضح ہے کہ پچھلی تمام آسمانی شریعتوں میں بھی نماز اور زکوٰۃ کو ایک نہایت ممتاز اور اہم مقام و مرتبہ حاصل تھا۔

منکر زکوٰۃ سے زکوٰۃ وصول کرنے میں ائمہ فقہاء کے مذاہب:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جس نے زکوٰۃ کا انکار کیا وہ اسی طرح جیسے اس نے قرآن وسنت کا انکار کیا ہے اور ان دونوں یعنی قرآن وسنت کا انکار کرنا کفر ہے۔

اور اگر کوئی اس کے وجوب کے انکار کا عقیدہ رکھتا ہے تب امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس کی زکوٰۃ مقرر کرے اور اس سے وصول کرے۔ البتہ زکوٰۃ سے زیادہ وصول نہ کرے۔ اور اکثر اہل علم یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے۔

حضرت اسحٰق بن رہویہ اور حضرت ابوبکر عبدالعزیز علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ جب وہ اپنا مال چھپائے تا کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنی پڑے حتیٰ کہ امام پر ظاہر ہو جائے تو وہ ان سے زکوٰۃ وصول کرے گا۔ (المغنی، ج ۲، ص ۴۳۳، بیروت)

سال گزرنے کی قید کا بیان:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تیرے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گذر جائے تو ان میں پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی اور فرمایا سونے میں تجھ پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ تیرے پاس بیس دینار نہ ہو جائیں جب بیس دینار ہو جائیں اور ان پر ایک سال گذر جائے تو ان میں آدھا دینار دینا ہوگا پھر جتنے زیادہ ہوں ان پر اس حساب سے (چالیسواں حصہ) دینا ہوگا ابواسحاق نے کہا کہ مجھے یاد نہیں کہ پھر اسی حساب سے دینا ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور کسی مال میں زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ اس پر ایک سال نہ گذر جائے ابن وہب کہتے ہیں کہ جریر نے حدیث میں عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی مال میں زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ اس پر ایک سال نہ گذر جائے۔ (سنن ابوداؤد، رقم ۱۳۴۲، مسند احمد، رقم ۱۲۰۰، مؤطا امام مالک، رقم ۵۱۷، ۵۱۵، جامع ترمذی، رقم ۵۳۷)

حولانِ حول کا فقہی مفہوم:

وجوبِ زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ مال پر سال گزر جائے، اسے فقہی اصطلاح میں حولانِ حول کہتے ہیں۔ شریعت کی رو سے جس دن کوئی بالغ مسلمان مرد یا عورت زندگی میں پہلی بار مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق کم از کم نصاب کا مالک ہو جائے تو اسلامی کیلنڈر کی اسی تاریخ سے وہ صاحبِ نصاب قرار پاتا ہے۔ لیکن اس پر اسی دن سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس نصاب پر اس کی ملکیت میں پورا ایک قمری سال گزر جائے، سال کے اختتام پر اسی قمری تاریخ پر اسے زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اور سال بھر کم نصاب کا ملکیت میں رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ سال کی ابتدا اور انتہا پر اگر اس کے پاس نصاب کی مقدار مال ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: والشرط تمام النصاب فی طَرَفَيِ الحول كما سياتى، ترجمہ: اور تمام نصاب کا سال کی ابتداء اور آخر میں (مِلک میں ہونا) شرط ہے، (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 3: ص 173:)۔

اور یہ امر پیشِ نظر رہے کہ سال بھر کے دوران صاحبِ نصاب کی ملکیت میں کم از کم نصاب کا رہنا ضروری ہے، ہر مال پر (خواہ وہ نقد رقم ہو یا سونا چاندی کی صورت میں ہو یا صنعت وتجارت کا مال ہو) سال گزرنا زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے شرط نہیں ہے، اگر مال کے ہر جز پر سال گزرنے کی شرط کو لازمی قرار دیا جائے تو تاجر حضرات کے لیے زکوٰۃ کا حساب نکالنا (Assessment) تقریباً ناممکن العمل ہو جائے، کیونکہ مال کی آمد وخرچ کا سلسلہ روز جاری رہتا ہے، بلکہ تنخواہ دار آدمی بھی ہر ماہ کی تنخواہ سے کچھ پس انداز کرتا ہے، لہٰذا مال کے ہر حصے کی مدت الگ ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا تشریح کی روشنی میں زکوٰۃ کی تشخیص کی مقررہ تاریخ سے چند دن

قبل بھی اگر مال، صاحبِ نصاب کی ملکیت میں آجائے تو اسے پہلے سے موجودہ مال میں شامل کر کے کل مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ نقد مال اور دراہم ودنانیر خرچ کے لیے بھی ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں: (وثمنية المال كالدارهم والدنانير) لتعينهما للتجارة باصل الخلقة فتلزم الزكوٰة كيف امسكهما ولو للنفقة۔

اور مال کا ثمن ہونا جیسے دراہم ودنانیر کیونکہ یہ دونوں اپنی اصل تخلیق کے اعتبار سے تجارت کے لیے متعین ہیں، ان کو کیسے ہی اپنے پاس رکھا ہوا ہو، خواہ ذاتی خرچ کے لیے ہو۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 3: ص 173:)

نصاب کی اقسام کا بیان:

نصاب کی دو قسمیں ہیں۔ نامی یعنی بڑھنے والا مال اور غیر نامی یعنی نہ بڑھنے والا مال پھر نامی کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور تقدیری حقیقی کا اطلاق تو تجارت کے مال اور جانور پر ہوتا ہے کیونکہ تجارت کا مال نفع سے بڑھتا ہے اور جانور بچوں کی پیدائش سے بڑھتے ہیں۔ تقدیری کا اطلاق سونے چاندی پر ہوتا ہے کہ یہ چیزیں بظاہر تو نہیں بڑھتیں لیکن بڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں نصاب غیر نامی کا اطلاق مکانات اور خانہ داری کے ان اسباب پر ہوتا ہے جو ضرورت اصلیہ کے علاوہ ہوں۔

نصاب نامی اور غیر نامی میں فرق:

نصاب نامی اور غیر نامی میں فرق یہ ہے کہ نصاب نامی کے مالک پر تو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے نیز اس کے لیے دوسرے زکوٰۃ، نذر اور صدقات واجبہ کا مال لینا درست نہیں ہوتا اور اس کے لیے صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔ نصاب غیر نامی کے مالک پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی مگر اس کے لیے بھی زکوٰۃ نذر اور صدقہ واجبہ کا مال لینا درست نہیں ہوتا نیز اس پر بھی صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔

زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط درج ذیل ہیں:

1۔ مسلمان ہونا: زکوٰۃ مسلمان پر فرض ہے، کافر اور مرتد پر نہیں۔ 2۔ بالغ ہونا: زکوٰۃ بالغ مسلمان پر فرض ہے، نابالغ زکوٰۃ کی فرضیت کے حکم سے مستثنٰی ہے۔ 3۔ عاقل ہونا: زکوٰۃ عاقل مسلمان پر فرض ہے، دیوانے پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ 4۔ آزاد ہونا: زکوٰۃ آزاد وخود مختار پر فرض ہے، غلام پر نہیں۔ 5۔ مالک نصاب ہونا: شریعت کے مقرر کردہ نصاب سے کم مال کے مالک پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ 6۔ مال کا صاحبِ نصاب کے تصرف میں ہونا: مال صاحبِ نصاب کے تصرف میں ہو تو تب ہی اس پر زکوٰۃ فرض ہے مثلاً کسی نے اپنا مال زمین میں دفن کر دیا اور جگہ بھول گیا اور پھر برسوں بعد وہ جگہ یاد آئی اور مال مل گیا، تو جب تک مال نہ ملا تھا اس زمانہ کی زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ وہ اس عرصہ میں نصاب کا مالک تو تھا مگر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے پورے طور پر مالک نہ تھا۔

7۔ صاحبِ نصاب کا قرض سے فارغ ہونا: مثلاً کسی کے پاس مقررہ نصاب کے برابر مال تو ہے مگر وہ اتنے مال کا مقروض بھی

ہےتو اس کا مال قرض سے فارغ نہیں ہے لہٰذا اس پرزکوٰۃ فرض نہیں۔

8۔نصاب کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا: حاجتِ اصلیہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو زندگی بسر کرنے میں بعض بنیادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے رہنے کیلئے مکان، پہننے کیلئے بلحاظ موسم کپڑے اور دیگر گھریلو اشیائے ضرورت جیسے برتن، وغیرہ۔اگرچہ یہ سب سامان زکوٰۃ کے مقررہ نصاب سے زائد مالیت کا ہی ہو مگر اس پرزکوٰۃ نہیں ہوگی کیونکہ یہ سب مال وسامان حاجتِ اصلیہ میں آتا ہے۔

9۔ مالِ نامی ہونا :یعنی مال بڑھنے والا ہو خواہ حقیقتاً بڑھنے والا مال ہو جیسے مال تجارت اور چرائی پر چھوڑے ہوئے جانور یا حکماً بڑھنے والا مال ہو جیسے سونا چاندی۔ یہ ایسا مال ہے جس کی قیمت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے بدلے دیگر اشیاء خریدی جاسکتی ہیں۔لہٰذا سونا چاندی جس حال میں بھی ہو خواہ زیورات اور برتنوں کی شکل میں ہو یا زمین میں دفن ہو ہر حال میں یہ مالِ نامی یعنی بڑھنے والا مال ہے اور ان پرزکوٰۃ واجب ہے۔

10۔ مالِ نصاب کی مدت :نصاب کا مال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی بلکہ ایک سال تک وہ نصاب مِلک میں باقی رہے تو سال پورا ہونے کے بعد اس پرزکوٰۃ نکالی جائے گی۔ (شرنبلالی،نورالایضاح، 146 سرخسی،المبسوط،172 : 2)

منکرین زکوٰۃ کے متعلق وعید کا بیان:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال وزر دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اس کا مال وزر گنجے سانپ کی شکل میں تبدیل کیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دوسیاہ نقطے ہوں گے پھر وہ سانپ اس شخص کے گلے میں بطور طوق ڈالا جائے گا اور وہ سانپ اس شخص کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی(وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُوْنَ) 3۔آل عمران180:) وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں یہ گمان نہ کریں الی آخرالآیہ (بخاری)

زکوٰۃ کو فوری طور پر ادا کرنے میں صاحبین کے اختلاف کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام کرخی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔جب زکوٰۃ ادا کرنا ممکن وآسان ہو تو تاخیر کرنے والا گناہگار ہوگا۔اور امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی عذر کے بغیر زکوٰۃ کو ادا کرنے میں تاخیر کرے گا اس کی گواہی قبول نہ کی جائے۔اور حج کی تاخیر اور زکوٰۃ کی تاخیر میں فرق یہ کیا ہے کہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے جس کی وجہ سے تاخیر گناہ ہے جبکہ حج خالص اللہ کیلئے ہے۔

حضرت ہشام نے امام ابویوسف علیہ الرحمہ سے روایت کی ہے کہ زکوٰۃ میں تاخیر کرنے والا گناہگار نہ ہوگا بلکہ حج میں تاخیر کرنے والا گناہگار ہوگا۔کیونکہ زکوٰۃ غیر مؤقت ہے جبکہ حج نماز کی طرح مؤقت ہے۔کیونکہ وہ مستقبل میں فوت ہوسکتا ہے۔اس

مسئلہ کے دلائل اصول فقہ کی کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔(عنایہ شرح الہدایہ،ج ۳،ص ۴۵،بیروت)

فقہ شافعی کے مطابق غلام پر زکوٰۃ فرض نہ ہونے کا بیان:

علامہ شرف الدین نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔اور اس میں غلام اور مکاتب دونوں شامل ہیں۔کیونکہ وہ دونوں مالک کی ملکیت نہیں رکھتے اور ان کے مالک کی ملکیت ان کے مالک کو حاصل ہے لہٰذا وہ زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اس بارے میں دو اقوال ہیں ایک قدیم قول ہے کہ وہ ملکیت نہیں رکھتا جبکہ جدید قول کے مطابق وہ ملکیت رکھنے والا ہے۔البتہ قول قدیم کی دلیل یہ ہے اگر اس کی ملکیت تسلیم بھی کرلی جائے تو وہ ضعیف ہے۔کیونکہ جس طرح اپنے اقارب (باپ وغیرہ) آزاد نہیں کراسکتا اور اسی طرح اپنے اقارب کو نفقہ نہیں دے سکتا۔لہٰذا یہ اس کی ملکیت کے ضعف کا بیان ہے۔

(مجموع،ج ۵،ص ۲۹۰،بیروت)

فقہ حنفی کے مطابق غلام پر زکوٰۃ فرض نہ ہونے کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف کا قول کہ آزاد پر زکوٰۃ فرض ہے اس میں مراد یہ ہے کہ مکاتب احتراز کیا جائے۔کیونکہ وہ مال کی ملکیت نہیں رکھتا۔اور اس کے مال کی ملکیت اس کا مالک رکھتا ہے اور مال اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس پرزکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔اور اسی طرح مقروض کے مال سے احتراز ہے کیونکہ اس کی ملکیت ناقصہ ہے۔البتہ مصنف نے ملک سے مراد ملکیت کاملہ کی قید بیان فرمائی ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ،ج ۳،ص ۴۴،بیروت)

بچے اور مجنون پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا بیان:

(وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ زَكَاةٌ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فَإِنَّهُ يَقُولُ :هِيَ غَرَامَةٌ مَالِيَّةٌ فَتُعْتَبَرُ بِسَائِرِ الْمُؤَنِ كَنَفَقَةِ الزَّوْجَاتِ وَصَارَ كَالْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ .وَلَنَا أَنَّهَا عِبَادَةٌ فَلَا تَتَأَدَّى إلَّا بِالِاخْتِيَارِ تَحْقِيقًا لِمَعْنَى الِابْتِلَاءِ ، وَلَا اخْتِيَارَ لَهُمَا لِعَدَمِ الْعَقْلِ ، بِخِلَافِ الْخَرَاجِ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْأَرْضِ .وَكَذَا الْغَالِبُ فِي الْعُشْرِ مَعْنَى الْمُؤْنَةِ وَمَعْنَى الْعِبَادَةِ تَابِعٌ ، وَلَوْ أَفَاقَ فِي بَعْضِ السَّنَةِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ إفَاقَتِهِ فِي بَعْضِ الشَّهْرِ فِي الصَّوْمِ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ أَكْثَرُ الْحَوْلِ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ .وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ إذَا بَلَغَ مَجْنُونًا يُعْتَبَرُ الْحَوْلُ مِنْ وَقْتِ الْإِفَاقَةِ بِمَنْزِلَةِ الصَّبِيِّ إذَا بَلَغَ

ترجمہ:

بچے اور مجنون پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں۔ زکوٰۃ مالی حق ہے لہٰذا یہ تمام دوسرے مالی حقوق کی طرح ہے۔ جس طرح بیویوں کا نان ونفقہ ہے اور یہ عشر وخراج کی طرح ہو گیا۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے۔ لہٰذا یہ اختیار کے بغیر ادا نہیں ہوتی۔ تا کہ آزمائش کا مطلب پورا ہو۔ اور معدوم عقل کے سبب ان دونوں میں کوئی اختیار نہیں۔ بہ خلاف خراج کے کیونکہ وہ زمین کی پیداوار ہے۔

اور اسی طرح عشر میں مؤنت کے معنی کا غلبہ ہے۔ اور عبادت کا معنی تابع ہے۔ اور اگر اسے سال کے حصہ میں افاقہ ہو گیا تو یہ اسی طرح ہے جیسے کسی کو رمضان کے کسی حصہ میں افاقہ ہوا۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ سال کے اکثر حصے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جنون اصلی وعارضی میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مجنون جب بالغ ہی مجنونیت کی حالت میں ہوا تو اس کا سال افاقہ کے وقت سے شروع ہوگا۔ وہ نابالغ کی طرح ہے۔ جس طرح وہ بالغ ہوتا ہے۔ (یعنی جس طرح نابالغ بچے کے بالغ ہونے کا اعتبار وقت بلوغت سے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مجنون کے افاقہ کو وقت بلوغت کی طرح قیاس کیا جائے گا)۔

نابالغ کے مال سے زکوٰۃ دینے میں فقہی مذاہب اربعہ:

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے (یعنی شعیب سے) اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ) سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا۔ خبردار! جو شخص کسی یتیم کا نگہبان ہو اور وہ یتیم بقدر نصاب مال کا مالک ہو تو اس نگہبان کو چاہئے کہ وہ اس مال سے تجارت کرے بغیر تجارت اس مال کو نہ رکھ چھوڑے کہ اسے زکوٰۃ ہی کھا جائے (یعنی زکوٰۃ دیتے ہوئے پورا مال ہی صاف ہو جائے) اس روایت کو ابوداؤد و ترمذی نے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے کیونکہ روایت کے ایک راوی مثنی بن صباح ضعیف ہیں۔

حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ کا مسلک تو یہ ہے کہ نابالغ کے مال میں بھی زکوٰۃ فرض ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ نابالغ خواہ یتیم ہو۔ بہرصورت اس کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیونکہ ایک دوسری روایت میں یہ ارشاد گرامی ہے کہ تین اشخاص کو مکلّف کرنے سے قلم روک لیا گیا (یعنی ان تینوں کو شریعت نے مکلّف قرار نہیں دیا ہے) ایک تو سونے والا شخص جب تک کہ وہ جاگے نہیں۔ دوسرا نابالغ جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے اور تیسرا دیوانہ جب تک کہ اس کی دیوانگی ختم نہ ہو جائے۔ اس روایت کو ابوداؤد و نسائی اور حاکم نے نقل کیا ہے نیز حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ بچوں اور مجانین کے مال سے زکوٰۃ ہوگی یا نہیں تو آپ نے فرمایا ہاں ان کے مال سے بھی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ (المدونہ الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۴۹، بیروت)

بچے کے مال سے زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ علی بن سلطان حنفی ملا علی قاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف کی یہ قید بیان کرنا کہ زکوٰۃ آزاد پر فرض ہے اس سے مدبر، ام ولد اور مکاتب سے احتراز ہے۔ اور مکلّف کی قید سے یہ بیان کیا ہے کہ بچے اور مجنون پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

حضرت امام مالک و امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ ان دونوں پر زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ جس طرح ان پر بیوی پر نفقہ، فطرانہ اور عشر وغیرہ واجب ہیں اسی طرح زکوٰۃ بھی لازم ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا کہ تم میں جو یتیم کا ولی ہو تو اس میں صدقہ کھانے کیلئے جاری کرے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے صغیر کے مال سے وجوب سے قول بیان کیا ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے مؤطا میں حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میری خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولایت میں یتیم تھے تو وہ ہمارے مالوں سے زکوٰۃ نکالا کرتیں تھیں۔

فقہاء احناف کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے۔

ولـنـا ما روى أَبو داود، والنَّسائى، وابن ماجه، والحاكم وقال :على شرط مسلم، أَنَّ النبىّ صلى الله عليه وسلم قال :رُفِعَ القلمُ عن ثلاثة :عن النائمِ حتى يستيقظَ، وعن الصبىِّ حتى يَحْتَلِمَ، وعن المجنونِ حتى يَعْقِلَ .

اس سے ہمارا استدلال یہ ہے کہ سونے والے جاگنے تک اور بچے کے بالغ ہونے تک اور مجنون کے عقل مند ہونے تک ان سے احکام شرعیہ کا تکلف اٹھا لیا گیا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جس یتیم کے مال کا ولی ہو تو اسے چاہیے کہ اس میں سالوں کا حصہ رکھے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو وہ اس کو اطلاع کرے کہ اس پر اتنی مقدار میں زکوٰۃ ہے اگر وہ چاہے تو ادا کرے اور نہ چاہے تو ترک کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی استدلال کردہ روایت کا جواب یہ ہے کہ پہلے نمبر پر جو حدیث بیان ہوئی ہے حضرت امام احمد حنبل کے نزدیک اس کی سند صحیح نہیں ہے اور امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور دوسری دلیل میں انہوں نے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما کا قول پیش کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے معارض ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول صحیح اور ترجیح یافتہ قرار پائے گا کیونکہ زکوٰۃ کی شرائط میں نیت ضروری ہے اور بچے اور مجنون کی نیت ثابت نہ ہوگی۔ اور

ولی کی نیت اس لئے معتبر نہ ہوگی کیونکہ عبادات واجبہ میں غیر کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (قاعدہ فقہیہ)

(شرح الوقایہ، ج ا، ص ۳۶۰، مکتبہ مشکاۃ الاسلامیہ)

عبادات واجبہ میں غیر کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا قاعدہ فقہیہ:

اس قاعدے کی وضاحت یہ ہے کہ وہ عبادات جن کی شرعی حیثیت واجب ہے ان میں غیر کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔اور اس فقہی قاعدے کی مثالیں مشہور ہیں۔جس طرح کسی شخص پر روزہ واجب ہے۔جس طرح نذر کا روزہ ہے تو وہ کسی دوسرے شخص کی نیت پورا نہ ہوگا۔اسی طرح کسی شخص پر دو رکعت نماز واجب ہے تو وہ کسی دوسرے شخص کے نیت کرنے سے ادا نہ ہوگی۔اسی طرح زکوٰۃ کے مسائل میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص نے زکوٰۃ اپنے مال سے اس طرح ادا کی کہ وہ اس میں نیت دوسرے کی زکوٰۃ کی ادائیگی کی کرے یا دوسرا شخص اپنا مال خرچ کرتے ہوئے اس کی نیت کرے تو اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مکاتب پر زکوٰۃ لازم نہ ہونے کا بیان:

(وَلَيْسَ عَلَى الْمُكَاتَبِ زَكَاةٌ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِوُجُودِ الْمُنَافِي وَهُوَ الرِّقُّ ، وَلِهَذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ أَنْ يُعْتِقَ عَبْدَهُ . (وَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِمَالِهِ فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : تَجِبُ لِتَحَقُّقِ السَّبَبِ وَهُوَ مِلْكُ نِصَابٍ تَامٍّ .

وَلَنَا أَنَّهُ مَشْغُولٌ بِحَاجَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ فَاعْتُبِرَ مَعْدُومًا كَالْمَاءِ الْمُسْتَحَقِّ بِالْعَطَشِ وَثِيَابِ الْبِذْلَةِ وَالْمِهْنَةِ (وَإِنْ كَانَ مَالُهُ أَكْثَرَ مِنْ دَيْنِهِ زَكَّى الْفَاضِلَ إذَا بَلَغَ نِصَابًا) لِفَرَاغِهِ عَنْ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ ، وَالْمُرَادُ بِهِ دَيْنٌ لَهُ مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ حَتَّى لَا يَمْنَعَ دَيْنُ النَّذْرِ وَالْكَفَّارَةِ ، وَدَيْنُ الزَّكَاةِ مَانِعٌ حَالَ بَقَاءِ النِّصَابِ لِأَنَّهُ يُنْتَقَصُ بِهِ النِّصَابُ ، وَكَذَا بَعْدَ الِاسْتِهْلَاكِ خِلَافًا لِزُفَرَ فِيهِمَا .

وَلِأَبِي يُوسُفَ فِي الثَّانِي عَلَى مَا رُوِيَ عَنْهُ لِأَنَّ لَهُ مُطَالِبًا لِأَنَّهَا وَهُوَ الْإِمَامُ فِي السَّوَائِمِ وَنَائِبُهُ فِي أَمْوَالِ التِّجَارَةِ فَإِنَّ الْمُلَّاكَ نُوَّابُهُ . (وَلَيْسَ فِي دُورِ السُّكْنَى وَثِيَابِ الْبَدَنِ وَأَثَاثِ الْمَنَازِلِ وَدَوَابِّ الرُّكُوبِ وَعَبِيدِ الْخِدْمَةِ وَسِلَاحِ الِاسْتِعْمَالِ زَكَاةٌ) لِأَنَّهَا مَشْغُولَةٌ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَلَيْسَتْ بِنَامِيَةٍ أَيْضًا ، وَعَلَى هَذَا كُتُبُ الْعِلْمِ لِأَهْلِهَا وَآلَاتُ الْمُحْتَرِفِينَ لِمَا قُلْنَا .

ترجمہ:

اور مکاتب پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔کیونکہ وہ کلی طور پر مالک ہی نہیں۔کیونکہ عدم ملکیت یعنی رقیت پائی جا رہی ہے۔لہٰذا اسی وجہ سے وہ غلام کو آزاد کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

اور جس بندے پر اتنا قرض ہو کہ اس نے اس کے مال کو گھیرا ہوا ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔کیونکہ سبب متحقق ہے اور وہ نصاب نامی کا مالک ہونا ہے۔اور ہمارے نزدیک اس کے مال کو حاجت اصلیہ میں شامل کیا جائے گا۔لہٰذا یہ مال معدوم سمجھا جائے گا۔جس طرح وہ پانی جو پیاس بجھانے کیلئے متحقق ہوا ہو اور اسی طرح وہ کپڑا جو روزمرہ کے استعمال اور خدمت گاروں کیلئے ہو۔اگر اس کا مال قرض سے زائد ہو تو زائد مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔جبکہ وہ زائد مال حاجت سے فراغت کے بعد نصاب کو پہنچ جائے۔اور دین سے مراد یہ ہے کہ بندوں کی طرف سے کوئی اس کا مطالبہ کرنے والا ہو۔حتیٰ کہ نذر اور کفارے کا قرض وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے۔اور دین زکوٰۃ بقاء نصاب کے وقت مانع زکوٰۃ ہے۔کیونکہ یہ دین نصاب سے کم ہو جائے گا۔اور یہی حکم مال کے ہلاک ہونے کے بعد کا ہے۔ان دونوں صورتوں میں امام زفر علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور دوسری صورت میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔اسی روایت کی وجہ سے جو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے۔اس لئے کہ دین زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے والا شخص پایا جاتا ہے۔لہٰذا چرنے والے جانوروں میں بندہ (حکم شرعی پر عمل در آمد کرانے کیلئے) مسلمانوں کا امام ہے۔اور تجارت کے اموال اس کے نائب ہیں۔لہٰذا مال کے مالکان خود امام کے نائب ہو گئے۔

رہائشی گھروں، بدن کے کپڑوں، گھر کے اثاثہ جات، سواری کے جانوروں، خدمت کے غلاموں اور استعمال کے ہتھیاروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔کیونکہ یہ اشیاء حاجت اصلیہ میں مشغول کرنے والی ہیں۔اور یہ اشیاء بڑھنے والی بھی نہیں ہیں۔اہل علم کی کتابیں اور اہل حرفت کے آلات بھی اسی حکم میں ہیں۔اسی دلیل کے پیش نظر جو ہم کہہ چکے ہیں۔

مکاتب پر عدم زکوٰۃ کے بیان مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ مکاتب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔کیونکہ اپنی قوت بازو کا تو مالک ہے لیکن وہ اپنی گردن یعنی آزادی کا مالک نہیں ہے۔کیونکہ اس کی گردن کا مالک اس کا مالک ہے۔اور رقبہ یعنی عدم آزادی کا معدوم ہونا یہ آزادی کے منافی ہے۔اور یہی زکوٰۃ کے وجوب کا بھی منافی ہے۔اور اسی طرح ہر وہ غلام جو کلی طور پر آزادی کی ملکیت نہیں رکھتا۔کیونکہ اس کی ملکیت ناقص ہے۔اور یہی وجوب زکوٰۃ کو مانع ہے۔

علامہ ابن منذر نے کہا ہے۔کہ اہل علم نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ مکاتب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔حتیٰ کہ وہ آزاد ہو جائے۔اور یہ قول حضرت جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا ہے اور حضرت عطاء اور حضرت مسروق رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اسی طرح حضرت امام شافعی، ثوری، امام مالک، امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔جبکہ ابو ثور، ابو عبید اور ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۱۵، حقانیہ ملتان)

ضرورت اصلیہ کا مطلب:

ضرورت اصلیہ سے مراد یہ چیزیں ہیں رہائش کا مکان، پہننے کے کپڑے خانہ داری کے اسباب سواری کی چیزیں مثلاً گھوڑا گاڑی موٹر سائیکل وغیرہ خدمت کے غلام استعمال کے ہتھیار، اہل علم کے لیے ان کی کتابیں کاریگر کے واسطے اس کے پیشہ کے اوزار وغیرہ، لہٰذا مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے کوئی مکان تجارت کی نیت سے لیا اور وہ مکان اس کی رہائش سے فارغ بھی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اسی طرح دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے اگر مکان وغلام وغیرہ اپنی ضرورت وحاجت سے فارغ ہوں اور ان کی تجارت کی نیت نہ ہو تو پھر ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

قرض کی مختلف صورتوں میں زکوٰۃ کے حکم شرعی کا بیان:

(وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ دَيْنٌ فَجَحَدَهُ سِنِينَ ثُمَّ قَامَتْ لَهُ بَيِّنَةٌ لَمْ يُزَكِّهِ لِمَا مَضَى) مَعْنَاهُ : صَارَتْ لَهُ بَيِّنَةٌ بِأَنْ أَقَرَّ عِنْدَ النَّاسِ وَهِيَ مَسْأَلَةُ مَالِ الضِّمَارِ ، وَفِيهِ خِلَافُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ ، وَمِنْ جُمْلَتِهِ :الْمَالُ الْمَفْقُودُ ، وَالْآبِقُ ، وَالضَّالُّ ، وَالْمَغْصُوبُ إذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ وَالْمَالُ السَّاقِطُ فِي الْبَحْرِ ، وَالْمَدْفُونُ فِي الْمَفَازَةِ إذَا نَسِيَ مَكَانَهُ ، وَالَّذِي أَخَذَهُ السُّلْطَانُ مُصَادَرَةً .

وَوُجُوبُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ بِسَبَبِ الْآبِقِ وَالضَّالِّ وَالْمَغْصُوبِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ .لَهُمَا أَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَحَقَّقَ وَفَوَاتُ الْيَدِ غَيْرُ مُخِلٍّ بِالْوُجُوبِ كَمَالِ ابْنِ السَّبِيلِ ، وَلَنَا قَوْلُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :لَا زَكَاةَ فِي الْمَالِ الضِّمَارِ وَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِي وَلَا نَمَاءَ إلَّا بِالْقُدْرَةِ عَلَى التَّصَرُّفِ وَلَا قُدْرَةَ عَلَيْهِ .وَابْنُ السَّبِيلِ يَقْدِرُ بِنَائِبِهِ ، وَالْمَدْفُونُ فِي الْبَيْتِ نِصَابٌ لِتَيَسُّرِ الْوُصُولِ إلَيْهِ ، وَفِي الْمَدْفُونِ فِي أَرْضٍ أَوْ كَرْمٍ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ .

وَلَوْ كَانَ الدَّيْنُ عَلَى مُقِرٍّ مَلِيءٍ أَوْ مُعْسِرٍ تَجِبُ الزَّكَاةُ لِإِمْكَانِ الْوُصُولِ إلَيْهِ ابْتِدَاءً أَوْ بِوَاسِطَةِ التَّحْصِيلِ ، وَكَذَا لَوْ كَانَ عَلَى جَاحِدٍ وَعَلَيْهِ بَيِّنَةٌ أَوْ عَلِمَ بِهِ الْقَاضِي لِمَا قُلْنَا وَلَوْ كَانَ عَلَى مُقِرٍّ مُفْلِسٍ فَهُوَ نِصَابٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ تَفْلِيسَ الْقَاضِي لَا يَصِحُّ عِنْدَهُ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا تَجِبُ لِتَحَقُّقِ الْإِفْلَاسِ عِنْدَهُ بِالتَّفْلِيسِ .وَأَبُو يُوسُفَ مَعَ مُحَمَّدٍ فِي تَحَقُّقِ الْإِفْلَاسِ ، وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي حُكْمِ الزَّكَاةِ رِعَايَةً لِجَانِبِ

الْفُقَرَاءِ .

ترجمہ

اور جس شخص کا قرض کسی دوسرے آدمی پر ہے پس اس نے قرض کے کئی سالوں کا انکار کر دیا۔ اور اس پر دلیل قائم ہوئی تو وہ شخص گزرے دنوں کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے گواہ ہو گئے یعنی مدیوں نے لوگوں کے سامنے قرض کا اقرار کر لیا۔ اور یہ مسئلہ مال ضمار کا ہے۔ مال ضمار میں امام زفر علیہ الرحمہ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔ اور مال ضمار ان اموال میں سے ہے جو مفقود ہو گیا اور وہ غلام جو بھاگ گیا ہے اور وہ جانور وغلام جو بھک کر گم ہو گئے ہیں۔ اور اسی طرح وہ مال جو کسی نے غصب کر لیا ہو۔ اس شرط کے ساتھ کہ غاصب پر گواہ نہ ہوں۔ اور وہ مال جو سمندر میں گر گیا ہو اور وہ مال جس کو جنگل میں دفن کیا ہو۔ اور پھر وہ اس کی جگہ بھول گیا ہو۔ اور وہ مال جس کو بادشاہ نے مالک سے الگ کر دیا ہو۔ البتہ بھاگے ہوئے غلام، گم شدہ غلام اور غصب کئے ہوئے غلام کی طرف سے فطرانہ واجب ہونا اسی اختلاف کی بنیاد پر ہے۔ امام شافعی اور امام زفر علیہما الرحمہ کے نزدیک صدقہ فطر کا سبب ثابت ہے۔ اور قبضے کا فوت ہونا وجوب فطرانہ میں خلل انداز نہیں۔ جس طرح مسافر کا مال ہے۔ جبکہ ہماری دلیل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ مال ضمار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور اس دلیل کی وجہ سے بھی کہ زکوٰۃ کا سبب وہ مال ہے جو نامی ہو اور نمو صرف تصرف کی قدرت سے ثابت ہوتی ہے۔ اور مال ضمار پر تصرف کی قدرت نہیں ہے۔ جبکہ مسافر کو اپنے نائب کے واسطے سے تصرف کی قدرت حاصل ہے۔ اور وہ مال جس کو کمرے میں دفن کیا وہ نصاب زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ اسے حاصل کرنا آسان ہے۔ اور جو مال زمین یا باغ میں کیا گیا ہے تو اس کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

اور اگر قرض کسی مقر قرض دار پر ہو چاہے وہ مال دار ہو یا تنگ دست ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ وہ ابتدائی طور پر یا کسی بھی وصولی ذریعے سے قرض وصول کر سکتا ہے۔

اور اگر قرض کسی ایسے شخص پر ہو جو انکار کرنے والا ہے۔ اور اس پر گواہ موجود ہوں یا قاضی کو اس قرض کا علم ہو تو اسی دلیل کی بنیاد پر جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور اگر قرض کسی ایسے شخص مقر پر ہو جو غریب ہو تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ بھی زکوٰۃ نصاب ہوگا۔ اس لئے کہ قاضی کو اس شخص کو مفلس قرار دینا صحیح نہیں۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ایسے شخص کے قرض پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ قاضی کے مفلس کرنے سے امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک افلاس ثابت ہو جاتا ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ ثبوت افلاس میں امام محمد علیہ الرحمہ کے ساتھ ہیں۔ اور وجوب زکوٰۃ میں امام اعظم علیہ الرحمہ ہیں۔ کیونکہ اس میں فقراء کی رعایت ہے۔

قرض کی وجہ سے سقوط زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قرض جب کسی شخص کے سارے نصاب یا اس کے نصاب میں بعض کو گھیرے

ہوئے ہوتو اس جس قدر قرض مال کو گھیرے ہوئے ہے اس مقدار کے مطابق اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

حضرت امام احمد علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ ہے کہ قرض کی وجہ سے ظاہری اموال سے بھی زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔فقہاء شوافع میں سے حضرت علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اس مسئلہ شوافع کے تین اقوال ہیں۔(۱) مقروض پر علی الاطلاق زکوٰۃ واجب ہے۔(۲) اس زکوٰۃ بالکل واجب نہیں ہے۔ (۳) باطنی مالوں یعنی نقد رقم، سونا، چاندی اور تجارت کے مالوں میں نہیں ہے۔ جبکہ ظاہری مالوں جس طرح گھاس کھانے والے مویشی ہیں اور زرعی پیداوار ہے۔ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔فقہاء احناف کے نزدیک جس شخص کا قرض تمام مال کو گھیرنے والا ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔(المغنی، ج ۳،ص ۳۵۰،شرح المہذب ج ۶ ص ۳۵۰، ہدایہ، بیروت)

قرض دی ہوئی رقم کی زکوٰۃ کا حکم فقہی:

جو رقم قرض کے طور پر دی ہوئی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، شرط یہ ہے کہ قرض دی ہوئی رقم اور آپ کے پاس جو موجودہ رقم یا سونا چاندی ہے سب کو ملا کر نصاب بن جاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر سات تولہ سونا سے کم سونا ہے اور ساتھ آپ کے پاس کچھ رقم ہے دونوں کو ملا کر نصاب بن جاتا ہے تو پھر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔اگر معلوم ہو جائے کہ آپ کا کتنا حصہ ہے اور بیوی کا کتنا حصہ ہے تو پھر جو شخص صاحب نصاب ہوگا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر دونوں صاحب نصاب ہیں تو دونوں پر واجب ہوگی۔

نصاب سے مراد ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر رقم یا مال تجارت وغیرہ ہے اور اس پر ایک سال کا عرصہ گزرنا بھی ضروری ہے۔ اس پر اگر ایک سال کا عرصہ گزر جائے تو زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اگر آپ کے پاس کچھ نہیں ہے اور صرف دی ہوئی رقم ہے تو پھر جب اس رقم سے 1/4 حصہ مل جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر اس سے کم ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں۔(کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ (602-603 : 1)

قرض دی ہوئی رقم کو جلدی واپس کرنے کا حکم:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے بنی اسرائیل کے ایک دوسرے آدمی سے ایک ہزار دینار قرض مانگے۔ انہوں نے کہا کہ پہلے ایسے گواہ لا جن کی گواہی پر مجھے اعتبار ہو۔ قرض مانگنے والا بولا کہ گواہ تو بس اللہ ہی کافی ہے پھر انہوں نے کہا کہ اچھا کوئی ضامن لا۔ قرض مانگنے والا بولا کہ ضامن بھی اللہ ہی کافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تو نے سچی بات کہی۔ چنانچہ اس نے ایک مقررہ مدت کے لیے اس کو قرض دے دیا۔ یہ صاحب قرض لے کر دریائی صفر پر روانہ ہوئے اور پھر اپنی ضرورت پوری کر کے کسی سواری (کشتی وغیرہ) کی تلاش کی تا کہ اس سے دریا پار کر کے اس مقررہ مدت تک قرض دینے والے کے پاس پہنچ سکے جو اس سے طے پائی تھی۔(اور اس کا قرض ادا کر دے) لیکن کوئی سواری نہیں ملی۔ آخر ایک لکڑی لی اور اس میں سوراخ کیا۔ پھر ایک ہزار دینار اور ایک (اس مضمون کا) خط کہ اس کی

طرف سے قرض دینے والے کی طرف (یہ دینار بھیجے جا رہے ہیں) اور اس کا منہ بند کر دیا۔ اور اسے دریا پر لے آئے، پھر کہا، اے اللہ ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے تھے۔ اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہہ دیا تھا کہ میرا ضامن اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بھی تجھ پر راضی ہوا۔ اس نے مجھ سے گواہ مانگا تو اس کا بھی جواب میں نے یہی دیا کہ اللہ پاک گواہ کافی ہے تو وہ مجھ پر راضی ہو گیا اور (تو جانتا ہے کہ) میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی سواری ملے جس کے ذریعہ میں اس کا قرض اس تک (مدت مقررہ میں) پہنچا سکوں۔ لیکن مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس لیے اب میں اس کو تیرے ہی حوالے کرتا ہوں (کہ تو اس تک پہنچا دے) چنانچہ اس نے وہ لکڑی جس میں رقم تھی دریا میں بہا دی۔ اب وہ دریا میں تھی اور وہ صاحب (قرض دار) واپس ہو چکے تھے۔ اگرچہ فکر اب بھی یہی تھا کہ کس طرح کوئی جہاز ملے۔ جس کے ذریعہ وہ اپنے شہر میں جا سکیں۔ دوسری طرف وہ صاحب جنہوں نے قرض دیا تھا اسی تلاش میں (بندرگاہ) آئے کہ ممکن ہے کوئی جہاز ان کا مال لے کر آیا ہو۔ لیکن وہاں انہیں ایک لکڑی ملی۔ وہی جس میں مال تھا۔ انہوں نے لکڑی اپنے گھر میں ایندھن کے لیے لے لی۔ لیکن جب اسے چیرا تو اس میں سے دینار نکلے اور ایک خط بھی نکلا۔(کچھ دنوں کے بعد جب وہ صاحب اپنے شہر آئے) تو قرض خواہ کے گھر آئے۔ اور (یہ خیال کر کے کہ شادی وہ لکڑی نہ مل سکی ہو دوبارہ) ایک ہزار دینا ان کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اور کہا کہ قسم اللہ کی ! میں تو برابر اسی کوشش میں رہا کہ کوئی جہاز ملے تو تمہارا مال لے کر پہنچوں لیکن اس دن سے پہلے جب کہ میں یہاں پہنچنے کے لیے سوار ہوا۔ مجھے اپنی کوششوں میں کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر انہوں نے پوچھا اچھا یہ تو بتاؤ کہ کوئی چیز کبھی تم نے میرے نام بھیجی تھی؟ مقروض نے جواب دیا بتا تو رہا ہوں آپ کو کہ کوئی جہاز مجھے اس جہاز سے پہلے نہیں ملا جس سے میں آج پہنچا ہوں۔ اس پر قرض خواہ نے کہا کہ پھر اللہ نے بھی آپ کا وہ قرضہ ادا کر دیا۔ جسے آپ نے لکڑی میں بھیجا تھا۔ چنانچہ وہ صاحب اپنا ہزار دینار لے کر خوش خوش واپس لوٹ گئے۔(صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۲۹۰)

حضرت عبداللہ بن مسعور رضی اللہ عنہ کا قول جو یہاں مذکور ہوا ہے اس کو امام بیہقی نے وصل کیا۔ اور ایک قصہ بیان کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ ابن نواحہ کا موذن اذان میں یوں کہتا ہے اشهد ان مسيلمة رسول الله۔ انہوں نے ابن نواحہ اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ ابن نواحہ کی تو گردن ماردی اور اس کے ساتھیوں کے باب میں مشورہ لیا۔ عدی بن حاتم نے کہا قتل کرو۔ جریر اور اشعث نے کہا ان سے توبہ کراؤ اور ضمانت لو۔ وہ ایک سو ستر آدمی تھے۔ ابن ابی شیبہ نے ایسا ہی نقل کیا ہے۔

ابن منیر نے کہا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدود میں کفالت سے دیون میں بھی کفالت کا حکم ثابت کیا، لیکن حدود اور قصاص میں کوئی کفیل ہو۔

حدیث میں بنی اسرائیل کے جن دو شخصوں کا ذکر ہے ان کی مزید تفصیلات جو حدیث ہذا میں نہیں ہیں تو اللہ کے حوالہ ہیں کہ وہ لوگ کون تھے، کہاں کے باشندے تھے؟ کون سے زمانہ سے ان کا تعلق ہے؟ بہر حال حدیث میں مذکورہ واقعہ اس قابل ہے کہ اس

سے عبرت حاصل کی جائے۔ اگر چہ یہ دنیا دار الاسباب ہے اور یہاں ہر چیز ایک سبب سے وابستہ ہے۔ قدرت نے اس کارخانہ عالم کو اسی بنیاد پر قائم کیا مگر کچھ چیزیں مستثنٰی بھی وجود پذیر ہو جاتی ہیں۔

ان ہر دو میں سے قرض لینے والے نے دل کی پختگی اور ایمان کی مضبوطی کے ساتھ محض ایک اللہ پاک ہی کا نام بطور ضامن اور کفیل پیش کر دیا۔ کیوں کہ اس کے دل میں قرض کے ادا کرنے کا یقینی جذبہ تھا۔ اور وہ قرض حاصل کرنے سے قبل عزم مصمم کر چکا تھا کہ اسے کسی نہ کسی صورت یہ قرض بالضرور واپس کرنا ہوگا، اسی عزم صمیم کی بنا پر اس نے یہ قدم اٹھایا۔ حدیث میں اسی لیے فرمایا گیا کہ جو شخص قرض لیتے وقت ادائیگی کا عزم صمیم رکھتا ہے اللہ پاک ضرور اس کی مدد کرتا اور اس کا قرض ادا کر دیتا ہے۔ اسی لیے ادائیگی کے وقت وہ شخص کشتی کی تلاش میں ساحل بحر پر آیا کہ سوار ہو کر وقت مقررہ پر قرض ادا کرنے کے لیے قرض خواہ کے گھر حاضر ہو جائے۔ مگر اتفاق کہ تلاش بسیار کے باوجود اس کو سواری نہ مل سکی اور مجبوراً اس نے قرض کے دینار ایک لکڑی کے سوراخ میں بند کر کے اور اس کے ساتھ تعارفی پرچہ لکھ کر لکڑی کو دریا میں اللہ کے بھروسہ پر ڈال دیا۔ اس نے یہ عزم کیا ہوا تھا کہ لکڑی کی یہ رقم اگر اس قرض خواہ بھائی کو اللہ وصول کرا دے تو فبہا ورنہ وہ جب بھی وطن لوٹے گا اس کو دوبارہ یہ رقم ادا کرے گا۔ ادھر وہ قرض دینے والا ساحل بحر پر کسی آنے والی کشتی کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ بھائی وقت مقررہ پر اس کشتی سے آئے گا اور رقم ادا کر دے گا۔ مگر وہ بھی ناکام ہو کر جا ہی رہا تھا کہ اچانک دریا میں اس بہتی ہوئی لکڑی پر نظر جا پڑی اور اس نے ایک عمدہ لکڑی جان کر ایندھن وغیرہ کے خیال سے اسے حاصل کر لیا۔ گھر لے جانے پر اس لکڑ کو کھولا۔ تو حقیقت حال سے اطلاع پا کر اور اپنی رقم وصول کر کے مسرور ہوا چونکہ ادا کرنے والے حضرت کو وصول کرنے کی اطلاع نہ تھی وہ احتیاطاً وطن آنے پر دوبارہ یہ رقم لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور تفصیلات سے ہر دو کو علم ہوا اور دونوں بے انتہا مسرور ہوئے۔

یہ توکل علی اللہ کی وہ منزل ہے جو ہر کسی کو نہیں حاصل ہوتی۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا تھا کہ اپنے اونٹ رات کو خوب مضبوط باندھ کر اللہ پر بھروسہ رکھو کہ اسے کوئی نہیں چرائے گا۔

آج بھی ضرورت ہے کہ قرض حاصل کرنے والے مسلمان اس عزم صمیم و توکل علی اللہ کا مظاہر کریں کہ وہ اللہ کی توفیق سے ضرور ضرور قرض کی رقم جلد ہی واپس کریں گے۔ وہ ایسا کریں گے تو اللہ بھی ان کی مدد کرے گا اور ان سے ان کا قرض ادا کرا دے گا۔

ان دونوں شخصوں کا نام معلوم نہیں ہوا۔ حافظ نے کہا محمد بن ربیع نے مسند صحابہ میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے نکالا کہ قرض دینے والا نجاشی تھا۔ اس صورت میں اس کو بنی اسرائیل فرمانا اس وجہ سے ہوگا کہ وہ بنی اسرائیل کا متبع تھا نہ یہ ہے کہ ان کی اولاد میں تھا۔ علامہ عینی نے اپنی عادت کے موافق حافظ صاحب پر اعتراض کیا اور حافظ صاحب کی وسعت نظر اور کثرت علم کی تعریف نہ کی۔ اور کہا کہ یہ روایت ضعیف ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا حالانکہ حافظ نے خود فرمایا ہے کہ اس کی سند میں ایک مجہول ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمة الله علیه فرماتے هیں :

و فی الحدیث جواز الاجل فی القرض ووجوب الوفاء به و فیه التحدیث عما کان فی بنی اسرائیل و

غیرهم من العجائب للاتعاظ و الائتساء و فیه التجارة فی البحر و جواز رکوبه و فیه بداة الکاتب بنفسه و فیه طلب الشهود فی الدین و طلب الکفیل به و فیه فضل التوکل علی الله و ان من صح توکله تکفل الله بنصره و عونه الخ (فتح الباری)

یعنی اس حدیث میں جواز ہے کہ قرض میں وقت مقرر کیا جائے اور وقت مقرر پر ادائیگی کا وجوب بھی ثابت ہوا اور اس سے بنی اسرائیل کے عجیب واقعات کا بیان کرنا بھی جائز ثابت ہوا تا کہ ان سے عبرت حاصل کی جائے، اور ان کی اقتداء کی جائے اور اس سے دریائی تجارت کا بھی ثبوت ہوا اور دریائی سواریوں پر سوار ہونا بھی اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کاتب شروع میں اپنا نام لکھے اور اس سے قرض کے متعلق گواہوں کا طلب کرنا اور اس کے کفیل کا طلب بھی ثابت ہوا۔ اور اس سے توکل علی اللہ کی فضیلت بھی نکلی اور یہ بھی کہ جو حقیقی صحیح متوکل ہوگا اللہ پاک اس کی مدد اور نصرت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

خود قرآن پاک میں ارشاد باری ہے **و من یتوکل علی الله فهو حسبه (الطلاق 3)** جو اللہ پر توکل کرے گا اللہ اس کے لیے کافی و وافی ہے۔ اس قسم کی بہت سی آیات قرآن مجید میں وارد ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھ جانے کا نام توکل نہیں ہے۔ بلکہ کام کو پوری قوت کے ساتھ انجام دینا اور اس کا نتیجہ اللہ کے حوالے کر دینا اور خیر کے لیے اللہ سے پوری پوری امید رکھنا یہ توکل ہے جو ایک مسلمان کے لیے داخل ایمان ہے۔ حدیث قدسی میں فرمایا انا عند ظن عبدی بی میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں وہ میرے متعلق جو بھی گمان قائم کرے گا۔ مطلب یہ کہ بندہ اللہ پر جیسا بھی بھروسہ کرے گا اللہ اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا۔ اسرائیلی مومن نے اللہ پر بھروسہ کر کے ایک ہزار اشرفیوں کی خطیر رقم کو اللہ کے حوالہ کر دیا۔ اللہ نے اس کے گمان کو صحیح کر کے دکھلایا۔

شروع میں ابولزناد کی روایت سے جو واقعہ مذکور ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی کی لونڈی کو اپنا ہی مال سمجھ کر اس سے بوجہ نادانی صحبت کر لی یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت عالیہ میں آیا تو آپ نے اس کی نادانی کے سبب اس پر رجم کی سزا معاف کر دی مگر بطور تعزیر سو کوڑے لگوائے۔ پھر جب حضرت حمزہ اسلمی وہاں زکوٰۃ وصول کرنے بطور تحصیل دار گئے، تو ان کے سامنے بھی یہ معاملہ آیا۔ ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کا علم نہ تھا۔ لوگوں نے ذکر کیا تب ان کو یقین نہ آیا۔ اس لیے قبیلہ والوں میں سے کسی نے اپنی ضمانت پیش کی کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی تصدیق فرمالیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ ضمانت قبول کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کی تصدیق چاہی۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے حاضر ضمانت کو ثابت فرمایا ہے۔

مال زکوٰۃ کیلئے کامل ملکیت ہونے کا بیان:

ابھی پہلے زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط بیان کرتے ہوئے یہ شرط بھی بیان کی گئی تھی کہ مال میں اس کی ملکیت پوری طرح اور کامل ہو۔ لہٰذا اس کامل ملکیت سے مراد یہ ہے کہ مال کا اصل مالک بھی ہو اور وہ مال اس کے قبضہ و قدرت میں بھی ہو جو مالک ملک

اور قبضہ میں نہ ہو یا ملک میں ہو قبضے میں نہ ہو یا قبضہ میں نہ ہو یا قبضہ میں ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ لہٰذا مکاتب کے کے کمائے ہوئے مال میں زکوٰۃ نہیں نہ خود مکاتب پر نہ اس کے مولیٰ پر اس لیے کہ وہ مال مکاتب کی ملکیت میں نہیں گو اس کے قبضہ میں ہے اسی طرح مولیٰ کے قبضہ میں نہیں ہے گو ملک میں ہے۔

اسی طرح ضمار میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ وہ مال ملکیت میں تو ہوتا ہے مگر قبضہ میں نہیں ہوتا۔ مال ضمار اس کو کہتے ہیں جو اپنی رسائی سے باہر ہو اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں (۱) وہ مال جو جاتا رہے یعنی گم ہو جائے (۲) وہ مال جو جنگل میں دفن کر دیا گیا ہو مگر وہ جگہ کہ جہاں اسے دفن کیا گیا تھا بھول جائے (۳) وہ مال جو دریا میں غرق ہو گیا، (۴) وہ مال جسے کوئی شخص زبردستی چھین لے مگر اس کا کوئی گواہ نہ ہو (۵) وہ مال جو کسی ظالم نے ڈنڈے کے زور پر لے لیا۔ (۶) وہ مال جو کسی نے بطور قرض لیا اور بعد میں قرضدار قرض کا منکر ہو گیا اور کوئی تمسک یا گواہی اس کی نہ ہو۔

مال ضمار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے:

علامہ محمد امین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اس میں اصل علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ مالِ ضمار پر زکوٰۃ نہیں، مالِ ضمار وہ کہ ملکیت ہونے کے باوجود اس سے انتفاع ممکن نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (درمختار ، کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی)

پس مال ضمار کی یہ دو قسمیں ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی مال ہاتھ لگ جائے تو اس مال میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی ہاں اگر وہ مال ہاتھ لگ جائے جو جنگل میں نہ ہو بلکہ گھر میں دفن کر کے اس کی جگہ بھول گیا تھا تو جب بھی وہ مال نکلے گا اس میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اسی طرح قرض کے اس مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہو گی جس سے قرض دار انکار نہ کرتا ہو خواہ وہ قرضدار تونگر ہو یا مفلس اور یا اگر انکار کرتا ہو تو کوئی تمسک یا گواہی ہو یا خود قاضی یہ جانتا ہو کہ اس نے اتنا مال قرض لیا تھا لیکن اس مال میں زکوٰۃ اس تفصیل کے ساتھ واجب ہو گی کہ۔

(۱) اگر وہ قرض مال تجارت کے بدلہ میں ہو تو جب نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے تو پچھلے دنوں کی زکوٰۃ ادا کرے

(۲) اگر وہ قرض مال تجارت کے بدلہ میں نہ ہو مثلاً گھر کے پہننے کے کپڑے فروخت کیے یا خدمت کا غلام فروخت کیا یا رہائش کا مکان فروخت کیا اور ان کی قیمت خریدنے والے کے ذمہ قرض رہی تو اس میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ اسی وقت واجب ہو گی جب کہ بقدر نصاب وصول ہو جائے۔

(۳) اگر قرض اس چیز کے بدلہ میں ہو جو مال نہیں ہے جیسے مہر، وصیت اور بدل خلع وغیرہ تو اس میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہو گی جب کہ بقدر نصاب وصول ہو جائے اور اس پر پورا ایک سال گزر جائے یعنی اس میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی بلکہ صرف اسی سال کی زکوٰۃ واجب ہو گی جس میں وہ مال پر قابض رہا لیکن یہ حکم اسی شخص کے بارے میں ہے جو پہلے سے صاحب نصاب نہ ہو اگر پہلے سے صاحب نصاب ہو گا تو یہ مال اس کے حق میں بمنزلہ مال مستفاد کے ہو گا، پہلے مال کے ساتھ اس مال کی بھی زکوٰۃ واجب ہو گی اور ایک سال کا گزرنا شرط نہیں ہو گا۔

مال ضمار کی زکوٰۃ میں فقہی مذاہب کا بیان:

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسن بصری اور حضرت امام مالک کے نزدیک مال ضمار میں زکوٰۃ اس سال کی ہو گی جس سال وہ ان کے پاس آیا ہے۔

حضرت امام شافعی اور امام زفر علیہما الرحمہ کے نزدیک سابقہ سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہو گی۔ کیونکہ وجوب زکوٰۃ ملکیت کی وجہ سے ہے ملکیت بالید اگرچہ حاصل نہ ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ابن سبیل (مسافر) پر زکوٰۃ لازم ہے۔ کہ جب وہ اپنے مال تک پہنچے گا تو وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا اور اسی طرح مغصوب کی زکوٰۃ کا مسئلہ ہے۔ حالانکہ ملکیت بالید اس سے بھی معدوم ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن جوزی نے آثار الانصاف میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ مال ضمار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو اپنایا ہے۔ اور یہ دلیل بیان کی ہے کہ حکم زکوٰۃ مال میں نماء کے پیش نظر ہے جو مال ضمار کی صورت میں معدوم ہے اور رہی بات ابن سبیل کی تو اس کو نماء کی صورت حاصل ہے۔ لہٰذا اس کا مال بالید ملکیت کی طرح ہوا۔ (شرح الوقایہ، ج ۱، ص ۳۶۳، مشکاۃ الاسلامیہ)

تجارت کی نیت سے خریدی جانے والی خدمتگار باندی پر زکوٰۃ کا حکم:

(وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ وَنَوَاهَا لِلْخِدْمَةِ بَطَلَتْ عَنْهَا الزَّكَاةُ) لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ وَهُوَ تَرْكُ التِّجَارَةِ (وَإِنْ نَوَاهَا لِلتِّجَارَةِ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ تَكُنْ لِلتِّجَارَةِ حَتَّى يَبِيعَهَا فَيَكُونَ فِي ثَمَنِهَا زَكَاةٌ) لِأَنَّ النِّيَّةَ لَمْ تَتَّصِلْ بِالْعَمَلِ إذْ هُوَ لَمْ يَتَّجِرْ فَلَمْ تُعْتَبَرْ ، وَلِهَذَا يَصِيرُ الْمُسَافِرُ مُقِيمًا بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ ، وَلَا يَصِيرُ الْمُقِيمُ مُسَافِرًا بالنيةإلَّا بِالسَّفَرِ (وَإِنْ اشْتَرَى شَيْئًا وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لِلتِّجَارَةِ لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا وَرِثَ وَنَوَى التِّجَارَةَ) لِأَنَّهُ لَا عَمَلَ مِنْهُ ، وَلَوْ مَلَكَهُ بِالْهِبَةِ أَوْ بِالْوَصِيَّةِ أَوْ النِّكَاحِ أَوْ الْخُلْعِ أَوْ الصُّلْحِ عَنْ الْقَوَدِ وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لِلتِّجَارَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِاقْتِرَانِهَا بِالْعَمَلِ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا يَصِيرُ لِلتِّجَارَةِ لِأَنَّهَا لَمْ تُقَارِنْ عَمَلَ التِّجَارَةِ ، وَقِيلَ الِاخْتِلَافُ عَلَى عَكْسِهِ .

ترجمہ

اور جس بندے نے تجارت کیلئے ایک باندی خریدی اور اس نے خدمت کی نیت کر لی۔ تو اس باندی کی زکوٰۃ باطل ہو گئی۔

کیونکہ نیت عمل کے ساتھ متصل ہو چکی ہے۔اور وہ تجارت کو چھوڑنا ہے۔اور اگر اس کے بعد تجارت کی نیت کر لی تو وہ باندی تجارت کیلئے نہ ہوگی۔حتیٰ کہ وہ اس باندی کو بیچ ڈالے۔تب اس باندی کے ثمن میں زکوٰۃ ہوگی۔کیونکہ اب نیت کسی عمل کے ساتھ متصل نہ ہوئی۔کیونکہ اس شخص نے تجارت کا کوئی کام نہیں کیا لہٰذا نیت (تجارت) معتبر نہ ہوئی۔یہی دلیل ہے کہ مسافر صرف نیت کی وجہ سے مقیم ہو جاتا ہے۔جبکہ مقیم صرف نیت کی وجہ سے مسافر نہیں ہوتا۔مگر جب تک وہ سفر نہ کرے۔

اور اگر اس نے کوئی چیز خریدی اور اس میں تجارت کیلئے نیت کی تو وہ تجارت بن گئی۔کیونکہ یہاں نیت عمل کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب اس نے میراث میں کوئی چیز پائی اور پھر اس نے تجارت کی نیت کر لی۔کیونکہ اس کا کوئی عمل نہیں ہوا ہے۔اور اگر ہبہ کے ذریعے کسی چیز کا مالک بنا یا وصیت کی وجہ سے مالک بن گیا یا نکاح کے ذریعے حق ملکیت حاصل ہوا یا قصاص کے ذریعے صلح کرتا ہوا مالک بن گیا اور ان چیزوں میں تجارت کی نیت کر لی تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ اشیاء تجارت کیلئے ہو جائیں گیں۔اس لئے کہ نیت عمل کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ چیز تجارت کی نہ ہوئی۔اس لئے کہ نیت تجارت کے عمل کے ساتھ ملی ہوئی نہیں ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف اس کے برعکس ہے۔

بعض افعال میں نیت کے ساتھ وجود فعل کا ہونا ثبوت حکم کیلئے ضروری ہے:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس فصل سے یہ مسئلہ حاصل ہوا ہے۔کہ بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے جو صرف نیت سے ثابت نہیں ہوتے ہیں اور بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق تروک (کاموں کو ترک کرنے) کے ساتھ ہے جو صرف نیت سے ثابت ہوتے نہیں ہوتے بلکہ افعال کو ترک کرنا ضروری ہوتا ہے۔

جبکہ تجارت پہلی قسم میں سے ہے۔اس میں صرف نیت ہی کافی نہیں ہوگی بلکہ اس کے خلاف کا ترک بھی ضروری ہے۔اور اس کی مثال جس طرح سفر، افطار اور اسلام اور سلامتی ہے۔اور سلامتی یہ ہے جب تک کوئی شخص عمل نہیں کرے گا ثابت نہ ہوگا۔اور ان کی ضدیں ثابت ہو جاتی ہیں۔اور اسی طرح جب کسی کے پاس سائمہ جانور ہو تو وہ صرف نیت سے سائمہ نہ ہوگا بلکہ عمل ضروری ہے لہٰذا جن میں نیت صحیح ہے اس میں کسی چیز کا عموم نہیں ہے۔(فتح القدیر، ج ۳، ص ۳۹۵، بیروت)

خدمتگار باندی، غلام میں زکوٰۃ نہ ہونے کی دلیل کا بیان:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے (دوسری سند) اور ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا کہا کہ ہم سے وہیب بن خالد نے بیان کیا کہا کہ ہم سے خثیم بن عراک بن مالک نے بیان کیا انہوں نے اپنے باپ سے بیان کیا اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر نہ اس کے غلام میں زکوٰۃ فرض ہے اور نہ گھوڑے میں۔(بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گھوڑے، غلام اور باندیوں میں زکوٰۃ

نہیں ہے مگر غلام اور باندی کی طرف سے صدقہ فطر دینا چاہیے۔(سنن ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ)

گھوڑوں کی زکوٰۃ میں ابن منذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے۔اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ ان ہی جنسوں میں لازم ہے جن کا بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا۔یعنی چوپایوں میں سے اونٹ گائے اور بیل بکریوں میں اور نقد مال سے سونے چاندی میں اور غلوں میں سے گیہوں اور جو اور جوار اور میووں میں سے کھجور اور سوکھی انگور میں بس ان کے سوا اور کسی مال میں زکوٰۃ نہیں گو وہ تجارت اور سوداگری ہی کے لیے ہو اور ابن منذر نے جو اجماع اس کے خلاف پر نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔جب ظاہریہ اور اہلحدیث اس مسئلہ میں مختلف ہیں تو اجماع کیوں کر ہو سکتا ہے۔اور ابوداؤد کی حدیث اور دار قطنی کی حدیث کہ جس مال کو ہم بیچنے کے لیے رکھیں اس میں آپ نے زکوٰۃ کا حکم دیا یا کپڑے میں زکوٰۃ ہے ضعیف ہے۔حجت کے لیے لائق نہیں۔

اور آیت قرآن خذ من اموالهم صدقة میں اموال سے وہی مال مراد ہیں جن کی زکوٰۃ کی تصریح حدیث میں آئی ہے۔یہ شوکانی (غیر مقلد) کی تحقیق ہے اس بنا پر جواہر موتی مونگا یاقوت الماس اور دوسری صدہا اشیائے تجارتی میں جیسے گھوڑے، گاڑیاں، کتابیں، کاغذ میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ جبکہ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء اموال تجارتی میں وجوب زکوٰۃ کی طرف گئے ہیں لہٰذا زکوٰۃ ان میں واجب ہے۔

مال تجارت کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ کا بیان:

اموالِ زکوٰۃ کی چوتھی قسم اموالِ تجارت ہیں۔یعنی جو سامان بھی تجارت کے لیے ہو اس میں سے زکوٰۃ نکالی جائے۔حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يامرنا ان نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع ۔ (سنن ابى داود ، الزكاة ، باب العروض اذا كانت للتجارة هل فيها زكاة ؟ ح 1562 :)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم ہر اس سامان میں سے زکوٰۃ نکالیں، جو تجارت کے لیے تیار کریں۔

یہ روایت سنداً ضعیف ہے، اس لیے بعض اہل علم نے سامان تجارت میں زکوٰۃ کے عائد ہونے کی نفی کی ہے، لیکن علماء کی اکثریت نے سامان تجارت کو اموال ہی میں شمار کر کے تجارتی سامان میں بھی زکوٰۃ کا اثبات کیا ہے اور یہی بات راجح ہے۔

چنانچہ آزاد محقق ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

ائمہ اربعہ اور ساری امت کا (سوائے چند شاذ لوگوں کے) اس بات پر اتفاق ہے کہ سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔ خواہ تاجر مقیم ہوں یا مسافر، ارزانی کے وقت سامان خرید کر نرخوں کے گراں ہونے کا انتظار کرنے والے تاجر ہوں۔تجارت کا مال نئے یا پرانے کپڑے ہوں، یا کھانے پینے کا سامان۔ہر قسم کا غلہ، پھل فروٹ، سبزی، گوشت وغیرہ۔مٹی، چینی دھات وغیرہ کے برتن ہوں یا جاندار چیزیں غلام، گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ۔گھر میں پلنے والی بکریاں ہوں یا جنگل میں چرنے والے ریوڑ، غرض

تجارت کے ہر قسم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے۔علاوہ ازیں شہری اموالِ تجارت بیشتر اموالِ باطنہ ہیں، جبکہ (مویشی) جانوروں کی اکثریت اموالِ ظاہرہ ہیں۔ (القواعد النورانیہ الفقھیہ ،ص 90-89 : طبع مصر)

مال تجارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ :

اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ سال بسال جتنا تجارتی مال دکان ، مکان یا گودام وغیرہ میں ہو، اس کی قیمت کا اندازہ کرلیا جائے ۔علاوہ ازیں جتنی رقم گردش میں ہو اور جو رقم موجود ہو، اس کو بھی شمار کرلیا جائے ۔نقد رقم ، کاروبار میں لگا ہوا (یعنی زیر گردش) سرمایہ اور سامانِ تجارت کی تخمینی قیمت ، سب ملا کر جتنی رقم ہو، اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔

تاہم کوئی تجارتی مال اس طرح کا ہے کہ وہ اکٹھا خریدا ، پھر وہ سال یا دو سال فروخت نہیں ہوا، تو اس مال کی زکوٰۃ اس کے فروخت ہونے پر صرف ایک سال کی ادا کی جائے گی ۔ورنہ عام مال جو دکان میں فروخت ہونے پر صرف ایک سال کی ادا کی جائے گی ۔ورنہ عام مال جو دکان میں فروخت ہوتا رہتا ہے اور نیا اسٹاک رہتا ہے، وہاں چونکہ فرداً فرداً ایک ایک چیز کا حساب مشکل ہے، اس لیے سال بعد سارے مال کی بہ حیثیت مجموعی قیمت کا اندازہ کرکے زکوٰۃ نکالی جائے۔

اگر کوئی رقم کسی کاروبار میں منجمد ہوگئی ہو، جیسا کہ بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے اور وہ رقم دو تین سال یا اس سے زیادہ دیر تک پھنسی رہتی ہے، یا کسی ایسی پارٹی کے ساتھ آپ کو سابقہ پیش آجاتا ہے کہ کئی سال آپ کو رقم وصول نہیں ہوتی تو ایسی ڈوبی ہوئی رقم کی زکوٰۃ سال بہ سال دینی ضروری نہیں ۔جب رقم وصول ہو جائے ، اس وقت ایک سال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے ، وہ جب بھی وصول ہو۔

نقدی اموالِ پر زکوٰۃ کا بیان:

مسلمان تاجر کی ملکیت میں جو بھی مال ہے، یعنی نقد رقم ، بینک اکاؤنٹ ، بانڈز، ڈیپازٹس، سونا چاندی اور مالِ تجارت وغیرہ، سب کی مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔زکوٰۃ ادا کرنے کی غرض سے سونا ، چاندی اور مالِ تجارت کی وہ قیمت معتبر ہے جو وجوبِ زکوٰۃ کے وقت ہوگی ، یعنی قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہے۔لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان تاجر کو وجوبِ زکوٰۃ کی مقررہ تاریخ پر اپنے مالِ تجارت کی محتاط اسٹاک چیکنگ اور صحیح قیمت کا تعین (Valuation) کرنا چاہیے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے نیت مقارنہ کا بیان:

(وَلَا يَجُوزُ أَدَاءُ الزَّكَاةِ إلَّا بِنِيَّةٍ مُقَارِنَةٍ لِلْأَدَاءِ ، أَوْ مُقَارِنَةٍ لِعَزْلِ مِقْدَارِ الْوَاجِبِ) لِأَنَّ الزَّكَاةَ عِبَادَةٌ فَكَانَ مِنْ شَرْطِهَا النِّيَّةُ وَالْأَصْلُ فِيهَا الِاقْتِرَانُ ، إلَّا أَنَّ الدَّفْعَ يَتَفَرَّقُ فَاكْتُفِيَ بِوُجُودِهَا حَالَةَ الْعَزْلِ تَيْسِيرًا كَتَقَدُّمِ النِّيَّةِ فِي الصَّوْمِ .

(وَمَنْ تَصَدَّقَ بِجَمِيعِ مَالِهِ لَا يَنْوِي الزَّكَاةَ سَقَطَ فَرْضُهَا عَنْهُ اسْتِحْسَانًا) لِأَنَّ الْوَاجِبَ

جُزْءٌ مِنْهُ فَكَانَ مُتَعَيِّنًا فِيهِ فَلَا حَاجَةَ إلَى التَّعْيِينِ

(وَلَوْ أَدَّى بَعْضَ النِّصَابِ سَقَطَ زَكَاةُ الْمُؤَدَّى عِنْدَ مُحَمَّدٍ) لِأَنَّ الْوَاجِبَ شَائِعٌ فِي الْكُلِّ ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا تَسْقُطُ لِأَنَّ الْبَعْضَ غَيْرُ مُتَعَيِّنٍ لِكَوْنِ الْبَاقِي مَحَلًّا لِلْوَاجِبِ بِخِلَافِ الْأَوَّلِ .

ترجمہ

اور زکوٰۃ کی ادائیگی جائز نہیں ہے مگر اس نیت کے ساتھ جو ادا سے ملی ہوئی ہو یا مقدار وجوب کی علیحدگی سے ملی ہوئی ہو۔ اس لئے کہ زکوٰۃ عبادت ہے پس نیت اس کیلئے شرط ہوگئی ۔اور نیت میں اصل ملا ہوا ہونا ہے۔البتہ فقیروں کو دینے سے جدائی واقع ہوتی ہے۔پس مقدار وجوب کو نصاب سے الگ کرنے کے وقت نیت ہونے کو کافی سمجھا گیا ہے۔ یہ آسانی کے پیش نظر ہے جس طرح روزے میں نیت کا تقدم کافی ہے۔

اور جس شخص نے اپنا سارا مال صدقہ کردیا جبکہ اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو بطور استحسان اس سے فریضہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے گا۔اس لئے کہ اس میں سے ایک جز واجب ہے۔اور وہ نصاب میں متعین تھا لہٰذا تعین کی ضرورت باقی نہ رہی۔

اور اگر اس نے نصاب کا کچھ حصہ ادا کیا تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ادا کیا ہوا حصہ ادا ہوگیا اور اتنے نصاب سے حکم ساقط ہوگیا۔ کیونکہ زکوٰۃ کی مقدار واجب پورے نصاب میں پھیلی ہوئی ہے۔جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس حصہ کی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی ۔ کیونکہ زکوٰۃ میں اجزاء متعین نہیں ہیں۔ کیونکہ باقی رہنے والا ابھی محل زکوٰۃ ہے۔ یہ مسئلہ اول کے خلاف ہے۔

نیت ہی اعمال میں تفریق کا سبب ہے:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔کہ جب کسی شخص نے باندی خریدی تجارت کیلئے اور اس نے خدمت کی نیت کر لی تو اس باندی کی زکوٰۃ باطل ہوگئی ۔ کیونکہ اتصال نیت پائی گئی ۔جس کی وجہ سے تجارتی باندی اور خدمتگاری والی باندی میں فرق ہوگیا لہٰذا جس طرح تجارتی باندی میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح خدمتگاری والی باندی میں زکوٰۃ نہ ہوگی ۔اور اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ کیونکہ اس کی نیت اس کے عمل کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔اور جب کوئی نیت کسی فعل کے مقارنت کے ساتھ ہو تو وہاں پر اسی فعل کو اعتبار کرنا واجب ہوتا ہے۔اور اسی طرح تجارت کیلئے کسی غلام یا باندی کا ہونا یا خدمت کیلئے کسی غلام یا باندی کا ہونا اس میں واضح فرق ہے۔لہٰذا یہ فرق فعل کے ساتھ اسی متصل نیت کے ساتھ کیا جائے گا۔اور وہ فرق یہ ہے کہ اس نے اس باندی کو خدمت کیلئے روک رکھا ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ،۴،ص۲۴،حقانیہ ملتان)

زکوٰۃ کی ادائیگی میں اقتران نیت سے متعلق مذاہب اربعہ:

ہمارے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت کا اقتران شرط ہے۔ کہ اس میں امام اوزاعی کے سوا فقہاء احناف کے اجماع بھی

ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اقتران نیت ادائیگی کے وقت شرط ہے اور حضرت امام احمد علیہ الرحمہ کے نزدیک نیت کا ملا ہوا ہونا مستحب ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ،۴،ص ۲۷،حقانیہ ملتان)

تمام مال صدقہ کرنے والے کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم:

اگر کوئی شخص اپنا تمام مال خدا کی راہ میں خیرات کردے اور زکوٰۃ کی نیت نہ کرے تو اس کے ذمہ زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے یعنی اس پر زکوٰۃ کا مطالبہ باقی نہیں رہتا بشرطیکہ اس نے وہ مال کسی اور واجب کی نیت سے نہ دیا ہو وہاں اگر کسی شخص نے پورا مال تو نہیں بلکہ تھوڑا سا بغیر نیت زکوٰۃ خدا کی راہ میں خیرات کردیا تو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک اس مال کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر حضرت امام ابو یوسف کے ہاں اس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی قول منقول ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

تمام مال صدقہ کرنے سے سقوط زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

ہمارے نزدیک جس نے تمام مال صدقہ کردیا تو اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور فقہاء احناف کی اس مسئلہ میں دلیل استحسان ہے۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ساقط نہ ہو۔

حضرت امام زفر، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے جس طرح قیاس چاہتا ہے کہ اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ (البنائیہ شرح الہدایہ،۴ص،۲۸،حقانیہ ملتان)

مال کی قیمت کا تعین (Valuation)

سونا چاندی اور مالِ تجارت کی قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ موجودہ بازاری قیمتِ فروخت (Market Value) کا اعتبار ہوگا۔ سونا چاندی کی اشیا اور زیورات میں غالب جز کا اعتبار ہوگا، یعنی سونے کا زیور جتنے قیراط (مثلاً 24 یا 22 یا 20 Carat وغیرہ) کا ہوگا، اُسی کی قیمت لگائی جائے گی۔

صنعت کاروں کی تشخیص کا فقہی مفہوم:

وہ کارخانہ جو پیداواری مقاصد کے لیے استعمال ہو رہا ہے تو اس کے جامد اثاثہ جات (Fixed Assets) یعنی زمین، عمارت، متعلقہ تنصیبات اور اس مشینری کی قیمت پر جو صنعتی پیداواری مقاصد میں استعمال ہو رہی ہے، زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ البتہ مسلمان صنعت کار کو اپنے دیگر تمام اموال کے ساتھ کارخانے میں موجود تمام خام مال (Raw Material) تیار مال (Finished Goods) اور مارکیٹ میں کریڈٹ پر دیے ہوئے تمام مال کی بازاری قیمت فروخت (Market Value) نکال کر اس پر زکوٰۃ دینی ہوگی۔

صنعتی و کاروباری مقصد میں استعمال ہونے والی اشیاء کی زکوٰۃ کا حکم

فرض کریں کہ ایک ٹرانسپورٹر ہے اور اس کی ٹیکسیاں، کاریں، بسیں اور کنٹینرز وغیرہ ہیں، جن کو وہ کرائے اور کاروبار میں استعمال کرتا ہے، ان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ان کے کرائے سے حاصل ہونے والی آمدنی سے جو رقم سال کے آخر میں بچ رہے گی، اس پر زکوٰۃ ہے۔ اور یہی چیزیں اگر کسی تاجر کے شوروم میں ہیں اور وہ ان کا کاروبار کرتا ہے، تو ان کی موجودہ بازاری قیمت پر زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح فرض کریں کہ ٹیکسٹائل میں لومز ہیں یا گارمنٹس فیکٹری میں سلائی کی مشینیں ہیں اور وہ اس کارخانے میں صنعتی مقصد کے لیے استعمال ہو رہی ہیں، تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے، جب کہ یہی لومز یا مشینیں اگر تاجر کے شوروم میں ہیں اور برائے فروخت ہیں تو ان کی موجودہ بازاری قیمت پر زکوٰۃ ہے۔

تشخیصِ زکوٰۃ کے وقت واجب الادا قرض کا مسئلہ

تاجر حضرات کا اکثر مارکیٹ میں لین دین جاری رہتا ہے، کسی سے کچھ لینا ہے اور کسی کو کچھ دینا ہے، تجارت سے ہٹ کر بعض اوقات لوگوں کا شخصی لین دین بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا تشخیص زکوٰۃ کے وقت واجب الوصول (Receivable) رقم کو اپنی مالیت میں جمع کر کے اس سے واجب الادا (Payable) رقم کو منہا کردیا جائے۔ اس کے بعد جو مجموعی مالیت بنے گی اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

طویل المیعاد (Long Term) قرضوں اور صنعتی قرضوں کا مسئلہ

ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کا قرض، بعض صنعتی اور تجارتی قرضوں کی ادائیگی فی الفور لازم نہیں ہوتی بلکہ وہ پانچ، دس، پندرہ سال یا اس سے بھی زائد مدت پر محیط ہوتے ہیں، ماہانہ یا سالانہ اقساط واجب الادا ہوتی ہیں۔ فوری ادائیگی کا نہ قرض خواہ مطالبہ کرتا ہے اور نہ مقروض فرد فوری طور پر قرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں رقم ہونے کے باوجود مقررہ اقساط سے زیادہ ادا نہیں کرتا، ورنہ یہ سوال زیرِ بحث آنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ ایسے قرضوں کے بارے میں ہمارے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ یہ وجوبِ زکوٰۃ اور ادائیگی میں مانع نہیں ہیں۔ اس کی ایک مثال فقہاء نے بیوی کے مہر مؤجل کی دی ہے کہ بیوی مطالبہ نہیں کرتی اور شوہر کا عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سرِ دست ادا نہیں کرنا چاہتا، لہٰذا شوہر تشخیصِ زکوٰۃ کے وقت ایسے دین مہر کو اپنی کل مالیت سے منہا نہ کرے۔ میعادی قرضوں کی نوعیت بھی اس سے مختلف نہیں ہے، اسی طرح طویل المدتی صنعتی قرضوں کا معاملہ ہے، ایک طرف تو ان قرضوں کے مقابل اتنی یا اس سے زیادہ مالیت کے اثاثے موجود ہوتے ہیں، صنعت بیمار قرار پاتی ہے۔ لیکن صنعت کار کی مالی صحت پر اس کے اثرات مرتب نہیں ہوتے، اس کے بنگلے، ذاتی اثاثے، جائیدادیں، کاریں، غیر ملکی مہنگے سفر پوری شان کے ساتھ قائم و دائم رہتے ہیں۔ ان کے اور ان کے اہل و عیال کی بود و باش اور رہن سہن انتہائی تمول کی سطح پر نظر آتے ہیں۔ کچھ ہمارے ملکی قوانین، انکم ٹیکس وغیرہ کے پیچیدہ قوانین، بیوروکریسی کے لامحدود صوابدیدی

اور انضباطی اختیارات، ایسی وجوہ ہیں کہ کالے دھن اور سفید دھن کا مسئلہ آج تک حل نہیں ہو پایا۔ ہمارے اہل ثروت اور صنعت کاروں کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ معاملہ شفاف رکھنا چاہئے اور طویل المدتی قرضوں کو منہا کیے بغیر اپنی پوری مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے تاکہ کل قیامت کے دن اپنے ہی جمع کردہ مال سے نہ داغے جائیں۔ (زکوٰۃ کی اہمیت، مفتی منیب الرحمٰن)

کافر پر وجوب زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

وجوب زکات کے شرائط میں سے ایک شرط اسلام ہے، حنفی، شافعی اور حنبلی مذہب کے نظریہ کے مطابق کافر پر زکات واجب نہیں چاہے کافر اصلی ہو یا مرتد ہو۔ (، مذاہب اربعہ، جزیری)

مالکیوں کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں کہ کافر پر زکات اسی طرح واجب ہے جس طرح مسلمان پر واجب ہے بغیر کسی فرق کے ۔وہ کہتے ہیں کہ مالکیوں کی دلیل یہ ہے کہ اسلام زکات کے وجود کی شرط نہیں ہے بلکہ اسلام زکات کے صحیح ہونے کی شرط ہے لہٰذا ان کی نظر میں کافر پر زکات واجب ہے، ہرچند اسلام کے بغیر صحیح نہیں ہے۔ لیکن قرطبی کے بہ قول، امام مالک کا کوئی قول اہل ذمہ پر زکات واجب ہونے کے سلسلہ میں نقل نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا سمجھ میں یہی آتا ہے کہ مالکیوں کا فتویٰ یہی ہو کہ کافر سے زکات وصول کرنا ضروری نہیں ہے۔

کافر پر وجوب زکوٰۃ میں اہل تشیع کا نظریہ:

مذہب امامیہ کے قدیم اور جدید علماء کے درمیان مشہور یہی ہے کہ کفار جس طرح اصول دین پر مکلف ہیں اسی طرح فروع دین پر بھی مکلّف ہیں۔ اور معاصر علماء کا بھی یہی نظریہ ہے اور ان کی نظر میں کافر پر زکا تو اجب ہے مگر ان سے صحیح نہیں ہے اور امام یا نائب امام زبردستی وصول سکتے ہیں اور اگر تلف کر دیا ہو تو اس کا عوض کافر سے لے سکتے ہیں۔ (مذاہب خمسہ، کتاب الزکوٰۃ)

اہل سنت کی جدید فقہ کے مطابق کافر پر زکات واجب نہیں ہے مگر ان کے بعض علماء استدلال کرتے ہیں کہ چوں کہ غیر مسلمان کو معاف کرنا جب کہ وہ حدود اسلام میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس بات کا سبب بنتا ہے کہ درآمد اور ثروت کی تقسیم عدل پر استوار نہ ہو اور غیر مسلمان کے پاس ثروت جمع ہو جائے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ زکات کے مساوی ٹیکس غیر مسلمان پر عائد کیا جائے اور اسلامی ممالک میں مقیم غیر مسلمانوں کی رفاہ کے لئے مصرف کیا جائے۔

بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ

﴿یہ باب سوائم کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

باب صدقہ سوائم کی مطابقت کا بیان:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام محمد علیہ الرحمہ نے زکوٰۃ کے اموال کو سوائم کی زکوٰۃ سے اس لئے شروع کیا ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات کی اتباع ہو جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مکتوبات عرب کی طرف لکھے تھے۔ ان میں اونٹوں کے جل اور ان کی جانوں کا ذکر ہے۔ (فتح القدیر، ج ۴، ص ۲، بیروت)

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں مویشیوں کی زکوٰۃ سے زکوٰۃ کے باب کو شروع کیا ہے۔ تاکہ رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات کی اتباع ہو جائے۔ اور یہاں صدقات سے مراد زکوٰۃ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان ''،،، میں صدقات سے زکوٰۃ مراد ہے۔ اور سوائم سائمہ کے جمع ہے۔ چرنے والے یا چلنے والے کا سائم (یا وہ جانور جسے چرایا جائے، وغیرہ) کو سائمہ اور ان کے گروہ سوائم کہتے ہیں۔ (عنایہ زرح الہدایہ، ج ۳، ص ۱۷، بیروت)

فَصْلٌ فِی الْإِبِلِ

﴿یہ فصل اونٹ کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

اونٹ کی زکوٰۃ والی فصل کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ فصل اونٹوں کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے۔ اور یہ بات جان لینی چاہیے کہ کتاب میں ابواب جمع ہوتے ہیں اور باب میں فصلیں جمع ہوتی ہیں۔ اور کبھی فصل عنوان سے ملی ہوتی ہے اور کبھی عنوان سے ملی ہوئی نہیں بھی ہوتی۔ لفظ ''ابل'' کو ہمزہ اور با کے کسرہ کے ساتھ اور باء کے سکون کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں لکھا ہے کہ ابل، جمل، بعیر اور جزور یہ اجناس ہیں۔ اور ناقہ ان کی مؤنث آتی ہے۔ اور صحاح میں ہے کہ ابل اسم جمع ہے جس کی کوئی واحد نہیں۔ لیکن اس کی مؤنث ہے اور اس پر تا داخل نہیں ہوتی مگر جبکہ اس کی تصغیر ہو۔ اور جمل ناقہ کا زوج ہے اور لفظ بعیر انسان کے درجے میں ہے۔ اور جمل کیلئے بعیر بھی کہا جاتا ہے اور ناقہ کیلئے بھی بعیر کہا جاتا ہے۔
(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۳۱، حقانیہ ملتان)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ امام خرقی علیہ الرحمہ نے کتاب الزکوٰۃ کا اونٹوں کی زکوٰۃ سے شروع کیا ہے کیونکہ جانوروں میں سب سے بڑا جسم والا زکوٰۃ جانور یہی ہیں۔ اور اہل عرب میں یہی رائج تھا اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عرب

میں اونٹ تھے اور زکوٰۃ کی فرضیت انہی کے ساتھ سے شروع ہوئی ہے۔اور صحیح بخاری میں زکوٰۃ کے باب میں سب سے احسن روایت بھی انہی کے بارے میں ہے۔(المغنی، ج۲،ص۴۳۵، بیروت)

اونٹوں کی زکوٰۃ کا بیان:

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسٍ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا سَائِمَةً ، وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا شَاةٌ إلَى تِسْعٍ ، فَإِذَا كَانَتْ عَشْرًا فَفِيهَا شَاتَانِ إلَى أَرْبَعَ عَشْرَةَ ، فَإِذَا كَانَتْ خَمْسَ عَشْرَةَ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ إلَى تِسْعَ عَشْرَةَ ، فَإِذَا كَانَتْ عِشْرِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ إلَى أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ) وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الثَّانِيَةِ .

(إلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ ، فَإِذَا كَانَتْ سِتًّا وَثَلَاثِينَ فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ) وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الثَّالِثَةِ إلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ (فَإِذَا كَانَتْ سِتًّا وَأَرْبَعِينَ فَفِيهَا حِقَّةٌ) وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الرَّابِعَةِ (إلَى سِتِّينَ ، فَإِذَا كَانَتْ إحْدَى وَسِتِّينَ فَفِيهَا جَذَعَةٌ) وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الْخَامِسَةِ (إلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ ، فَإِذَا كَانَتْ سِتًّا وَسَبْعِينَ فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ إلَى تِسْعِينَ ، فَإِذَا كَانَتْ إحْدَى وَتِسْعِينَ فَفِيهَا حِقَّتَانِ إلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ) بِهَذَا اشْتَهَرَتْ كُتُبُ الصَّدَقَاتِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

(ثُمَّ) إذَا زَادَتْ عَلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ (تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ) فَيَكُونُ فِي الْخَمْسِ شَاةٌ مَعَ الْحِقَّتَيْنِ ، وَفِي الْعَشْرِ شَاتَانِ ، وَفِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ ، وَفِي الْعِشْرِينَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ ، وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ ، إلَى مِائَةٍ وَخَمْسِينَ فَيَكُونُ فِيهَا ثَلَاثُ حِقَاقٍ ، ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ فَيَكُونُ فِي الْخَمْسِ شَاةٌ ، وَفِي الْعَشْرِ شَاتَانِ ، وَفِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ ، وَفِي الْعِشْرِينَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ ، وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ ، وَفِي سِتٍّ وَثَلَاثِينَ بِنْتُ لَبُونٍ ، فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَةً وَسِتًّا وَتِسْعِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ حِقَاقٍ إلَى مِائَتَيْنِ ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ أَبَدًا كَمَا تُسْتَأْنَفُ فِي الْخَمْسِينَ الَّتِي بَعْدَ الْمِائَةِ وَالْخَمْسِينَ وَهَذَا عِنْدَنَا .

ترجمہ

صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔لہٰذا جب وہ پانچ ہو جائیں اور وہ سائمہ ہوں اور ان پر سال گزر گیا تو ان پانچ سے نو(۹) تک ایک بکری (زکوٰۃ) ہوگی۔اگر وہ دس ہو جائیں تو چودہ تک دو بکریاں ہیں۔اور اگر وہ پندرہ ہو جائیں تو انیس تک تین بکریاں ہیں۔اگر وہ بیس ہو جائیں تو چوبیس تک چار بکریاں ہیں۔جب وہ پچیس ہو جائیں تو پینتیس (۳۵) تک ان میں ایک بنت مخاض ہے۔بنت مخاض اس مادہ بچے کو کہتے ہیں جو عمر کے دوسرے سال میں ہو۔جب وہ چھتیس (۳۶) ہو جائیں تو پینتالیس (۴۵) تک ان میں ایک بنت لبون ہے۔اور بنت لبون وہ مادہ بچہ ہے جو عمر کے تیسرے سال میں ہو۔اور جب وہ چھیالیس (۴۶) ہو جائیں تو ساٹھ تک ان میں ایک حقہ ہے اور حقہ وہ مادہ بچہ ہے جو عمر کے چوتھے سال میں ہو اور جب وہ اکسٹھ (۶۱) ہو جائیں تو نوے (۹۰) تک ان میں دو بنت لبون ہیں۔اور جب وہ اکانوے (۹۱) ہو جائیں تو ایک سو بیس (۱۲۰) تک دو حقے ہیں۔انہی دلائل کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ سے مشہور ہوئے ہیں۔

جب وہ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو فریضہ نئے سرے سے شمار کیا جائے گا۔لہٰذا پانچ زیادہ ہونے پر ایک بکری دو حقوں کے ساتھ ہوگی۔اور دس میں دو بکریاں جبکہ پندرہ میں تین بکریاں ساتھ ہوں گی۔اور بیس میں چار بکریاں جبکہ پچیس سے لیکر ایک سو پچاس تک ایک بنت مخاض ہوگا۔اور ایک سو پچاس میں تین حقے ہوں گے۔پھر نئے سرے سے زکوٰۃ کا فریضہ شمار کیا جائے گا۔پانچ میں ایک بکری دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون ہوگا۔جب وہ ایک سو چھیانوے (۱۹۶) ہو جائیں تو دو سو تک ان میں چار حقے ہوں گے۔پھر زکوٰۃ کا فریضہ اسی طرح نئے سرے سے شمار کیا جائے گا جس طرح ایک سو پچاس کے بعد پچاس میں شمار کیا گیا ہے۔اور یہ ہمارے نزدیک ہے۔

سال کے اکثر سائمہ ہونے میں وجوب زکوٰۃ میں فقہی مذاہب:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سال کے اکثر حصے میں چرنے والے اونٹ پر زکوٰۃ ہے۔اس مسئلہ میں ہمارا مذہب اور حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا مذہب ایک ہی ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب تک وہ تمام سال کا سائمہ نہیں ہے اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ سائمہ ہونا شرط ہے اور یہ اسی طرح شرط ہے جس ملک نصاب کیلئے سال کی شرط ہے۔کیونکہ سائمہ ہونے کی صورت میں چارہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن جب وہ چارہ کھائے گا تو اس سے حکم سائم ہونا ساقط ہو جائے گا جس کی بنیاد پر زکوٰۃ اس پر فرض ہوئی تھی۔

ہماری دلیل نص کا عموم ہے۔اور ماشیت کا نصب ہے اور سوم کے نام کے جہاں اطلاق کا تعلق ہے تو سوم چارہ کو ساقط کرنے والا نہیں ہے اور نہ چارہ سوم کو ساقط کرنے والا ہے بلکہ چارہ تو سوم کی مدد کرنے والا ہے یعنی کچھ تو وہ چرنے سے پیٹ بھر کر آیا ہے اور کچھ چارے سے پیٹ بھر لے گا۔لہٰذا امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل کے مطابق چارہ سوم کو ساقط کرنے والے کا حکم صحیح نہیں ہے بلکہ

احناف وحنابلہ کا مؤقف صحیح ہے۔ (المغنی، ج ۲، ص ۴۳۵، بیروت)

اونٹوں کی مختلف عمروں میں مختلف ناموں کا بیان:

امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے ابوریاشی اور حاتم سے سنا ہے اور نضر بن شمیل اور ابوعبید کی کتاب سے حاصل کیا ہے کوئی بات ان میں سے کسی ایک ہی نے کہی ہے ان لوگوں نے کہا کہ اونٹ کا بچہ (جب تک پیٹ میں رہتا ہے) حوار کہلاتا ہے اور جب پیدا ہو چکتا ہے تو اس کو فصیل کہتے ہیں جب دوسرے برس میں لگے تو بنت مخاض، جب تیسرے میں لگے تو بنت لبون، جب تین برس کا ہو جائے تو چوتھے سال تک اس کو حق اور حقہ کہتے ہیں کیونکہ اس وقت تک وہ سواری اور جفتی کے لائق ہو جاتے ہیں اور نر اونٹ جوان نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ چھ برس کا ہو جائے اور حقہ کو طروقة الفحل بھی کہتے ہیں کہ نر اس پر کودتا ہے چار برس پورے ہونے تک جب پانچواں برس لگے تو جذعہ کہلاتا ہے پانچ برس پورے ہونے تک جب چھٹے برس میں لگے اور سامنے کے دانت گرائے تو ثنی ہے چھ برس پورے ہونے تک، جب ساتواں برس لگے تو نر کو رباعی اور مادہ کو رباعیہ کہیں گے سات برس پورے ہونے تک، جب آٹھواں برس لگے اور چھٹا دانت نکالے تو وہ سدیس اور سدس ہے آٹھ برس پورے ہونے تک، جب نواں برس لگے تو وہ بازل ہے کیونکہ اس کی کچلیاں نکل آتی ہیں دسواں برس شروع ہونے تک اب اس کا نام مخلف ہے اس کے بعد اس کا کوئی نام نہیں، مگر یوں کہیں گے کہ ایک سال کا بازل، دو سال کا بازل، ایک سال کا مخلف، دو سال کا مخلف تین سال کا مخلف، پانچ سال تک اسی طرح کہیں گے اور خلفہ حاملہ کو کہتے ہیں ابو حاتم نے کہا ہے وہ جزوعہ ایک وقت کا نام ہے کوئی دانت نہیں ہے اور دانتوں کی فصل سہیل تارے کے نکلنے پر بدلتی ہے ابوداؤد کہتے ہیں کہ ریاشی نے ہم کو یہ شعر سنائے (جن کا مفہوم یہ ہے) جب پہلی رات کو سہیل نکلا تو ابن لبون حق ہو گیا اور حق جذعہ بن گیا دانتوں میں سے کچھ نہ رہا سوائے ہبع کے، ہبع وہ بچہ ہے جو بیوقت پیدا ہوا ہو۔

(سنن ابوداؤد)

اونٹوں کے نصاب میں بکری کو بطور زکوٰۃ کیوں دیا جاتا ہے:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ زکوٰۃ میں اصل یہ ہے کہ ہر قسم کی زکوٰۃ اس قسم سے دی جاتی ہے۔ اور اونٹوں کی زکوٰۃ میں ایک بکری یا بکریوں کو بطور زکوٰۃ دینا واجب ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ خلاف قیاس بھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس خلاف نص ہے۔ لہٰذا نص کے ہوتے ہوئے کسی قسم کے قیاس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (اگر فقہ حنفی محض قیاس یا قرآن وسنت کے خلاف ہوتی تو اس کے مطابق اونٹوں کی زکوٰۃ میں بکری کبھی واجب نہ ہوتی۔ فقہ حنفی سمجھ نہ آنے والوں کو غور کرنا چاہیے)۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۱۷، بیروت)

پانچ اونٹوں سے کم میں عدم وجوب زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک پانچ اونٹوں سے کم میں کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یہی قول حضرت علی، حضرت ابوسعید خدری

شعبی، طاؤس، شہر بن حوشب، عمر بن عبدالعزیز، حکم بن عینیہ اور سلمان بن موسیٰ دمشقی کا ہے۔

حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام حسن کا قول بھی یہی ہے کہ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۱۴۱، حقانیہ ملتان)

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اونٹوں کے نصاب کا بیان:

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : إذَا زَادَتْ عَلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ وَاحِدَةً فَفِيهَا ثَلَاثُ بَنَاتِ لَبُونٍ ، فَإِذَا صَارَتْ مِائَةً وَثَلَاثِينَ فَفِيهَا حِقَّةٌ وَبِنْتَا لَبُونٍ ، ثُمَّ يُدَارُ الْحِسَابُ عَلَى الْأَرْبَعِينَاتِ وَالْخَمْسِينَاتِ فَتَجِبُ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَتَبَ "(إذَا زَادَتْ الْإِبِلُ عَلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ) مِنْ غَيْرِ شَرْطِ عَوْدِ مَا دُونَهَا .

وَلَنَا أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَتَبَ فِي آخِرِ ذَلِكَ فِي كِتَابِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ "(فَمَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ ، فَفِي كُلِّ خَمْسِ ذَوْدٍ شَاةٌ) فَنَعْمَلُ بِالزِّيَادَةِ (وَالْبُخْتُ وَالْعِرَابُ سَوَاءٌ) فِي وُجُوبِ الزَّكَاةِ لِأَنَّ مُطْلَقَ الِاسْمِ يَتَنَاوَلُهُمَا .

ترجمہ:

اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو ان پر تین بنت لبون ہیں اور جب ایک سو تیس ہوں تو ان پر ایک حقہ اور اور دو بنت لبون ہیں۔ پھر ہر چالیس اور پچاس پر حساب پھیرا جائے گا۔ لہٰذا ہر چالیس پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ دیا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ جب اونٹ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو ہر پچاس میں ایک حقہ اور ہر چالیس میں ایک بنت لبون ہے۔ جبکہ اس سے کم میں عود کی شرط نہ ہوگی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جو حکم دیا تھا اس کے آخر میں لکھا ہے جو اس سے کم ہو تو ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری ہے (مراسیل ابوداؤد) لہٰذا ہم اسی زیادتی پر عمل کرتے ہیں۔ اور بختی و عربی اونٹ دونوں برابر ہیں کیونکہ وجوب زکوٰۃ میں اسم کا اطلاق دونوں کو شامل ہے۔

گائے کے نصاب ساٹھ میں زکوٰۃ پر مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہین۔ کہ فقہاء احناف کے نزدیک جب گائے کی تعداد ساٹھ کو پہنچ جائے تو اس میں دو تبیع یا تبیعہ ہیں۔ حضرت امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور محیط برہانی میں بھی اسی طرح

ہے اور جوامع الفقہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح روایت ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص، ۴۵، حقانیہ ملتان)

خیار مصدق میں مذاہب اربعہ:

جب گائے کی تعداد ایک بیس ہو جائے تو ہمارے نزدیک مالک کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو تین مسنات دے اور اگر چاہے تو چار اتبعہ دے۔ اور حضرت امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ حضرت امام مالک اور شوافع میں سے بعض فقہاء نے کہا ہے۔ مصدق کیلئے اختیار ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۴۵، حقانیہ ملتان)

لازمات واجبیہ کے متعین نصاب کا قاعدہ فقہیہ:

لازمات واجبیہ میں نصاب متعین ہوتا ہے۔ وہ تمام فرائض اور واجبات جو مکلفین پر لازم ہوتے ہیں ان کا نصاب متعین ہوتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چالیسواں حصہ ادا کرو، ہر چالیس درہم پر ایک درہم، اور تم پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک دو سو درہم نہ جائیں اور جب دو سو درہم ہو جائیں تو اس میں سے پانچ درہم ادا کرو، اور جو مقدار زائد ہو اس کو اسی حساب سے ادا کرو۔ (سنن ابوداؤد ج اص ۲۲۰، مجتبائی پاکستان لاہور)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقات فرائضیہ یا واجبیہ میں نصاب کا تعین شریعت کی طرف سے ہو چکا ہے۔ لہٰذا احادیث میں مختلف اجناس سے مختلف نصاب کا تعین کیا گیا ہے۔ ہم افادیت کے پیش نظر ان کا نصابی نقشہ بیان کر دیتے ہیں۔

جانور کا نام اور تعداد	شرح زکوٰۃ	جانور کا نام	شرح زکوٰۃ
۵ سے ۹ اونٹ	ایک بکری	۶۰ سے ۶۹ تک	دو، دو سالہ بچھڑیاں
۱۰ سے ۱۴ اونٹ	دو بکریاں	۷۰ سے ۷۹ تک	ایک دو سالہ، ایک، ایک سالہ بچھڑی
۱۵ سے ۱۹ اونٹ	تین بکریاں	۸۰ سے ۸۹ تک	دو، دو سالہ بچھڑیاں
۲۰ سے ۲۴ اونٹ	چار بکریاں	۹۰ سے ۹۹ تک	تین ایک سالہ بچھڑیاں
۲۵ سے ۳۵ اونٹ	ایک سالہ اونٹ کی بچی	۱۰۰ سے	دو ایک سالہ اور ایک دو سالہ بچھڑیاں
۳۶ سے ۴۵ تک	دو سالہ اونٹنی	۴۰ سے ۱۱۹ بکریاں	ایک بکری
۲۶ سے ۶۰ تک	تین سالہ اونٹنی	۱۲۰ سے ۲۰۰ تک	دو بکریاں
۶۱ سے ۷۵ تک	چار اونٹنی	۲۰۱ سے ۳۹۹ تک	تین بکریاں
۷۶ سے ۹۰ تک	۲، دو سالہ اونٹنیاں	۴۰۰ سے ۴۹۹ تک	چار بکریاں
۹۱ سے ۱۲۰ تک	۲، تین سالہ اونٹنیاں	پھر ہر سو پر ایک بکری کا اضافہ کیا جائے گا	
۳۰ سے ۳۹ تک گائے یا بھینس	ایک سالہ بچھڑی	سونے کا نصاب	ساڑھے سات تولے پر چالیسواں حصہ ہے۔
۴۰ سے ۹۵ تک گائے یا بھینس	دو سالہ بچھڑی یا بچھڑا	چاندی کا نصاب	ساڑھے باون تولے پر چالیسواں حصہ ہے۔

(شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۸۱، فرید بک سٹال لاہور)

فَصْلٌ فِی الْبَقَر

﴿یہ فصل گائے کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

گائے کی زکوٰۃ میں بیان کردہ فصل کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ فصل گائے کی زکوٰۃ کے حکم میں ہے۔ اس فصل کو بکریوں کی زکوٰۃ والی فصل سے مقدم کرتے ہوئے اونٹ کی زکوٰۃ والی فصل کے بعد اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ گائے ضخامت و قیمت میں اونٹ کے قریب ہے۔ اور گائے ہی کی جنس سے بھینسیں بھی ہیں۔ اور صحاح میں ہے کہ بقر مذکر و مؤنث دونوں کیلئے بولا جاتا ہے۔ اور اس کی ہاء افراد کیلئے ہے جس طرح تمر کی ہاء تمرۃ آتی ہے۔ اور باقر بقرہ کیلئے اسم جمع ہے۔ جس طرح جامل جمال کی جماعت کیلئے اسم جمع ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص، ۴۰، حقانیہ ملتان)

گائے کے نصاب زکوٰۃ کا بیان:

(لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِينَ مِنْ الْبَقَرِ السَّائِمَةِ صَدَقَةٌ ، فَإِذَا كَانَتْ ثَلَاثِينَ سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ) وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الثَّانِيَةِ (وَفِي أَرْبَعِينَ مُسِنٌّ أَوْ مُسِنَّةٌ) وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الثَّالِثَةِ ، بِهَذَا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاذًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (فَإِذَا زَادَتْ عَلَى أَرْبَعِينَ وَجَبَ فِي الزِّيَادَةِ بِقَدْرِ ذَلِكَ إلَى سِتِّينَ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ فَفِي الْوَاحِدَةِ الزَّائِدَةِ رُبُعُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ ، وَفِي الِاثْنَيْنِ نِصْفُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ ، وَفِي الثَّلَاثَةِ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ عُشْرِ مُسِنَّةٍ .

وَهَذِهِ رِوَايَةُ الْأَصْلِ لِأَنَّ الْعَفْوَ ثَبَتَ نَصًّا بِخِلَافِ الْقِيَاسِ وَلَا نَصَّ هُنَا . وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ أَنَّهُ لَا يَجِبُ فِي الزِّيَادَةِ شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ خَمْسِينَ ، ثُمَّ فِيهَا مُسِنَّةٌ وَرُبُعُ مُسِنَّةٍ أَوْ ثُلُثُ تَبِيعٍ ، لِأَنَّ مَبْنَى هَذَا النِّصَابِ عَلَى أَنْ يَكُونَ بَيْنَ كُلِّ عَقْدَيْنِ وَقْصٌ ، وَفِي كُلِّ عَقْدٍ وَاجِبٌ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : لَا شَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتَّى تَبْلُغَ سِتِّينَ ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِمُعَاذٍ " (لَا تَأْخُذْ مِنْ أَوْقَاصِ الْبَقَرِ شَيْئًا) وَفَسَّرُوهُ بِمَا بَيْنَ أَرْبَعِينَ إلَى سِتِّينَ .

قُلْنَا : قَدْ قِيلَ إِنَّ الْمُرَادَ مِنْهَا الصِّغَارُ (ثُمَّ فِي السِّتِّينَ تَبِيعَانِ أَوْ تَبِيعَتَانِ ، وَفِي سَبْعِينَ مُسِنَّةٌ وَتَبِيعٌ ، وَفِي ثَمَانِينَ مُسِنَّتَانِ ، وَفِي تِسْعِينَ ثَلَاثَةُ أَتْبِعَةٍ ، وَفِي الْمِائَةِ تَبِيعَانِ وَمُسِنَّةٌ .

وَعَلَى هَذَا يَتَغَيَّرُ الْفَرْضُ فِي كُلِّ عَشْرٍ مِنْ تَبِيعٍ إِلَى مُسِنَّةٍ وَمِنْ مُسِنَّةٍ إِلَى تَبِيعٍ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(فِي كُلِّ ثَلَاثِينَ مِنْ الْبَقَرِ تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنٌّ أَوْ مُسِنَّةٌ) (وَالْجَوَامِيسُ وَالْبَقَرُ سَوَاءٌ) لِأَنَّ اسْمَ الْبَقَرِ يَتَنَاوَلُهُمَا إِذْ هُوَ نَوْعٌ مِنْهُ ، إِلَّا أَنَّ أَوْهَامَ النَّاسِ لَا تَسْبِقُ إِلَيْهِ فِي دِيَارِنَا لِقِلَّتِهِ ، فَلِذَلِكَ لَا يَحْنَثُ بِهِ فِي يَمِينِهِ لَا يَأْكُلُ لَحْمَ بَقَرٍ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

تیس گایوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔لہٰذا جب وہ تیس ہو جائیں اور وہ سائمہ ہوں اور ان پر ایک سال گزر گیا تو ان میں ایک تبیع (بچھڑا) یا تبیعہ (بچھڑی) واجب ہے۔اور تبیع یا تبیعہ وہ بچہ ہے جو عمر کے دوسرے سال میں ہو۔اور چالیس میں ایک مسن یا مسنہ واجب ہے۔اور مسن یا مُسنہ وہ بچہ ہے جو عمر کے تیسرے سال میں ہو۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اسی طرح حکم دیا تھا۔(سنن دار قطنی)

جب وہ چالیس سے زیادہ ہو جائیں تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ساٹھ تک یہی مقدار واجب ہے۔لہٰذا ایک زائد میں ایک مسنہ کا چالیسواں حصہ واجب ہے۔اور دو زیادہ ہو جائیں تو مسنہ کا بیسواں حصہ واجب ہے۔اور جب تین زیادہ ہو جائیں تو چالیسویں کے تین حصے واجب ہیں۔

اور یہ روایت امام محمد علیہ الرحمہ کی اصل سے ہے اس لئے کہ معافی نص سے خلاف قیاس ثابت ہوئی ہے کیونکہ یہاں کوئی نص نہیں ہے۔اور امام حسن بن زیاد علیہ الرحمہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ زائد میں کچھ واجب نہیں ہے۔حتیٰ کہ وہ پچاس تک پہنچ جائیں اور پچاس پر ایک مکمل مسنہ واجب ہوگا۔اور مسنہ کی چوتھائی قیمت یا تبیع کی تہائی قیمت واجب ہوگی۔کیونکہ نصاب کی اساس یہی ہے اور دونوں عقود کے درمیان معافی ہے۔اور ہر عقد میں واجب ہے۔

حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہے یہاں تک کہ ان کی تعداد ساٹھ کو پہنچ جائے۔اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: کہ اوقاص بقر (دو دہائیوں کے درمیان گائے کی تعداد) سے کچھ زکوٰۃ نہ لینا۔علماء نے بھی اوقاص کا معنی یہی بیان کیا ہے کہ جو تعداد چالیس اور ساٹھ کے درمیان میں ہو۔ہم احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ اوقاص سے مراد نہایت چھوٹے بچے

ہیں۔اور اس کے بعد ساٹھ میں دو تبیع یا دو تبیعہ ہیں۔اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیع ہے اور اسی (۸۰) میں دو مسنہ ہیں اور نوے (۹۰) میں تین تبیعہ ہیں اور ایک بیس (۱۲۰) میں دو تبیعہ اور ایک مسنہ ہے۔اور اسی حساب کے مطابق قیاس کرتے جائیں گے۔لہٰذا ہر دہائی پر تبیع سے مسنہ کی طرف اور مسنہ سے تبیع کی طرف فرض تبدیل ہوتا جائے گا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گائے کے ہر تیس پر ایک تبیع یا تبیعہ ہے اور ہر چالیس پر مسن یا مسنہ ہے۔

بھینس اور گائے دونوں برابر ہیں کیونکہ بقر کے لفظ کا اطلاق دونوں کو شامل ہے اور بھینس بھی ایک قسم کی گائے ہے البتہ ہمارے شہروں میں چونکہ بھینس بہت کم تعداد میں ہوتی ہے اس لئے لوگوں کے خیالات بھینس کی طرف جلد جانے والے نہیں ہیں۔اور اسی دلیل کے پیش نظر کہ جب کسی نے قسم کھائی ''وہ بقر کا گوشت نہیں کھائے گا'' تو وہ بھینس کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

گائے اور بیل کی زکوٰۃ میں فقہی تصریحات:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انہیں عامل بنا کر یمن بھیجا تو انہیں یہ حکم دیا کہ وہ زکوٰۃ کے طور پر ہر تیس گائے میں سے ایک برس کا بیل یا ایک برس کی گائے لیں اور ہر چالیس گائے میں سے دو برس کی گائے یا دو برس کا بیل وصول کریں۔(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

گائے کے نصاب میں زکوٰۃ کے طور پر بیل دینے کے لیے فرمایا گیا ہے چنانچہ گائے کی زکوٰۃ کے طور پر نر اور مادہ دونوں برابر ہیں چاہے گائے دی جائے اور چاہے بیل دیدیا جائے جیسا کہ آگے آنے والی روایت میں اس کی وضاحت بھی ہے چنانچہ گائے اور بکری کی زکوٰۃ کے طور پر مادہ ہی دینا ضروری نہیں ہے اونٹوں کے برخلاف کہ ان میں مادہ ہی دینا افضل ہے لیکن گائے اور بکری میں اس کی کوئی قید اور تخصیص نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ اگر گائے یا بیل چالیس سے زائد ہوں تو اس زائد مقدار میں اس وقت تک کوئی چیز واجب نہیں ہوتی جب تک کہ تعداد ساٹھ تک نہ پہنچ جائے جب تعداد ساٹھ ہو جائے گی تو ان میں دو تبیعے یعنی ایک ایک برس کے دو بیل یا اتنی ہی عمر کی دو گائیں دینی ہوں گی پھر اس کے بعد ہر چالیس میں ایک مسنہ اور یعنی دو برس کی گائے یا بیل دینا ہوگا اور ہر تیس میں ایک ایک تبیعہ واجب ہوگا مثلاً جب ستر ہو جائیں تو ایک مسنہ اور ایک تبیعہ، اسی ہو جائیں تو دو مسنہ نوے ہو جائیں تو تین تبیعے اور جب سو ہو جائیں تو دو تبیعے اور ایک مسنہ واجب ہو جائے گا۔اسی طرح ہر تیس میں ایک تبیعہ اور ہر چالیس میں ایک مسنہ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

علامہ ابن حجر کا قول ہے اگر گائے یا بیل چالیس سے زائد مقدار میں ہوں تو اس وقت تک کوئی چیز واجب نہیں ہوتی جب تک کہ تعداد ساٹھ تک نہ پہنچ جائے حنفیہ میں سے صاحبین کا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ چالیس سے جو تعداد بھی زائد ہوگی اس کا بھی حساب کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی تا کہ تعداد ساٹھ تک پہنچ جائے جب تعداد ساٹھ تک پہنچ جائے گی تو دو تبیعے واجب ہو جائیں گے باقی حساب مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق ہوگا۔لہٰذا اگر چالیس سے ایک بھی گائے یا بیل زائد ہوگا تو

مسنہ کا چالیسواں حصہ یا ایک تبیعہ کا تیسواں حصہ یعنی ان کی قیمت کا چالیسواں یا تیسواں حصہ دینا ضروری ہوگا اسی طرح جو مقدار بھی زائد ہوگی اس کا اسی کے مطابق حساب کی جائے گا حنفیہ میں صاحب ہدایہ اوران کے متبعین کی رائے میں حضرت امام صاحب کا یہی قول معتبر ہے۔

حدیث کے آخر جملے ولیس علی العوامل شئی (کام کاج کے جانوروں میں کچھ بھی واجب نہیں ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جو جانور کام کاج کے ہوں اور ضروریات میں استعمال ہوتے ہوں جیسے بیل ہل جوتنے یا کنویں سے پانی کھینچنے یا بار برداری کے کام لیے ہوں تو اگر چہ ان کی تعداد بقدر نصاب ہی کیوں نہ ہو لیکن ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ یہی حکم اونٹ وغیرہ کے بارے میں بھی ہے چنانچہ حضرت امام اعظم حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے جانوروں میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

انعام ثلاثہ کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں۔ مالکی مذہب کے علاوہ دیگر تمام مذاہب اس امر پر متفق ہیں کہ سائمہ (چرنے والے جانور) اور نصاب کی شرط کے ساتھ تین قسم کے حیوانات میں زکات واجب ہے وہ یہ ہیں (اونٹ، گائے (بھینس بھی شامل ہے) بھیڑ (بکری بھی شامل ہے) مگر مالکی مذہب میں سائمہ (چرنے) کی شرط نہیں ہے، اس نظریہ کے مطابق زکات ان تین قسموں میں واجب ہے چاہے سائمہ ہوں یا غیر سائمہ۔

سبھی مذاہب اس بات پر متفق القول ہیں کہ گھوڑا، خچر اور گدھے میں زکات واجب نہیں ہے، مگر یہ کہ مال التجارۃ (تجارت کے مال) کا جزو قرار پائیں۔ مگر حنفی مذہب گھوڑے اور گھوڑی میں دو شرط کے ساتھ زکات واجب جانتے ہیں شرط اول سائمہ ہو (چرنے والے) شرط دوم نسل بڑھانے کے لئے گلہ کی دیکھ بھال کی جارہی ہو۔ (مذاہب اربعہ، ص، ۴۱۶، بیروت)

فَصْلٌ فِی الْغَنَمِ

﴿یہ فصل بکری کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

فصل بکریوں کے نصاب زکوٰۃ کی مناسبت کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مصنف نے بکریوں والی فصل کو گھوڑوں والی فصل سے مقدم ذکر کیا ہے۔ کیونکہ بکریوں کی کثرت ہوتی ہے لہٰذا ان کو بیان کرنا ضروری ہے۔ اور یہ دلیل بھی ہے۔ بکریوں کے نصاب پر اتفاق کیا گیا ہے۔ یا ان کی زکوٰۃ بالاتفاق فرض ہے۔ اور لفظ ''غنم'' اسم جنس ہے جس کا اطلاق مذکر و مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ اور یہ بیان کتاب میں ظاہر ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳،ص ۸۰، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جوہری نے کہا ہے کہ غنم اسم جنس ہے جو مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہے۔ اور اور جب اس کی تصغیر لائیں گے تو غنیمہ آئے گی۔ اور اسماء ایسی جمع ہیں جن کی لفظوں میں کوئی واحد نہیں آتی۔

(البنایہ شرح الہدایہ ج ۴،ص، ۳۶، مکتبہ حقانیہ ملتان)

بکریوں کے نصاب زکوٰۃ کا بیان:

(لَيْسَ فِی أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ مِنْ الْغَنَمِ السَّائِمَةِ صَدَقَةٌ ، فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا شَاةٌ إلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً فَفِيهَا شَاتَانِ إلَى مِائَتَيْنِ ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ ، فَإِذَا بَلَغَتْ أَرْبَعَمِائَةٍ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ ، ثُمَّ فِی كُلِّ مِائَةٍ شَاةٍ شَاةٌ) هَكَذَا وَرَدَ الْبَيَانُ فِی كِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَفِی كِتَابِ أَبِی بَكْرٍ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ ، وَعَلَيْهِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ

(وَالضَّأْنُ وَالْمَعْزُ سَوَاءٌ) لِأَنَّ لَفْظَةَ الْغَنَمِ شَامِلَةٌ لِلْكُلِّ وَالنَّصُّ وَرَدَ بِهِ .وَيُؤْخَذُ الثَّنِیُّ فِی زَكَاتِهَا وَلَا يُؤْخَذُ الْجَذَعُ مِنْ الضَّأْنِ إلَّا فِی رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِی حَنِيفَةَ .

وَالثَّنِیُّ مِنْهَا مَا تَمَّتْ لَهُ سَنَةٌ ، وَالْجَذَعُ مَا أَتَى عَلَيْهِ أَكْثَرُهَا .وَعَنْ أَبِی حَنِيفَةَ وَهُوَ قَوْلُهُمَا أَنَّهُ يُؤْخَذُ عَنْ الْجَذَعِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(إنَّمَا حَقُّنَا الْجَذَعُ وَالثَّنِیُّ) وَلِأَنَّهُ يَتَأَدَّى بِهِ الْأُضْحِيَّةُ فَكَذَا الزَّكَاةُ .

وَجْهُ الظَّاهِرِ حَدِيثُ عَلِیٍّ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ مَوْقُوفًا وَمَرْفُوعًا "(لَا يُؤْخَذُ فِی الزَّكَاةِ إلَّا

الثَّنِيُّ فَصَاعِدًا) وَلِأَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْوَسَطُ وَهَذَا مِنْ الصِّغَارِ ، وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ فِيهَا الْجَذَعُ مِنْ الْمَعْزِ ، وَجَوَازُ التَّضْحِيَةِ بِهِ عُرِفَ نَصًّا .

وَالْمُرَادُ بِمَا رُوِيَ الْجَذَعَةُ مِنْ الْإِبِلِ (وَيُؤْخَذُ فِي زَكَاةِ الْغَنَمِ الذُّكُورُ وَالْإِنَاثُ) لِأَنَّ اسْمَ الشَّاةِ يَنْتَظِمُهُمَا ، وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (فِي أَرْبَعِينَ شَاةٍ شَاةٌ) .

ترجمہ:

چالیس سائمہ بکریوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ جب وہ چالیس چرنے والی ہوجائیں تو ایک سو بیس (۱۲۰) تک ان پر ایک بکری ہے جبکہ ان پر ایک سال گزر جائے۔ جب ان پر ایک بکری زائد ہوئی تو دوسو (۲۰۰) تک دو بکریاں ہیں۔ جب دوسو سے ایک بکری زائد ہوئی تو چارسو (۴۰۰) تک تین بکریاں ہیں۔ اور جب چارسو ہوجائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں۔ (اس کے بعد) ہر سو پر ایک بکری ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطوط میں یہی بیان ہوا ہے۔ اور اسی پر اجماع کا انعقاد ہوا ہے۔ (بخاری، ترمذی)

ضأن اور معز دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ لفظ غنم دونوں کو شامل ہے۔ اور نص لفظ غنم کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ اور اس کی زکوٰۃ میں ثنئی کو لیا جائے گا۔ اور ضأن میں جذعہ نہیں لیا جائے گا مگر وہ روایت جو امام حسن نے امام اعظم سے روایت کی ہے۔ اور ثنئی اس بچے کو کہتے ہیں جو ایک سال کا ہو اور جزعہ وہ بچہ جس پر سال کا اکثر حصہ گزر چکا ہو۔ اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ضأن کا جذعہ لیا جائے گا۔ اور صاحبین کا قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک ہمارا حق جذعہ اور ثنئی ہے اور یہ دلیل بھی ہے کہ جذعہ سے قربانی ادا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ بھی جائز ہوئی اور اس کی دلیل حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے موقوفا اور مرفوعا حدیث وارد ہوئی ہے۔ زکوٰۃ نہیں وصول کی جائے گی مگر ثنئی میں یا اس سے زیادہ میں۔ کیونکہ واجب درمیانے درجے کا ہوتا ہے۔ اور جذعہ چھوٹوں میں شمار ہوتا ہے اور اسی وجہ سے معز کا جذعہ زکوٰۃ میں جائز نہیں۔ جبکہ جذعہ کی قربانی کا حکم نص سے ثابت ہوا ہے۔ اور روایت کردہ جذعہ سے مراد اونٹ کا جذعہ ہے۔ (ابوداؤد، مستدرک، مسند احمد بن حنبل)

اور بکری کی زکوٰۃ میں نر اور مادہ کا (بطور زکوٰۃ) لینا جائز ہے۔ اس لئے کہ لفظ شاۃ دونوں کو شامل ہے۔ اور بے شک نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ چالیس بکریوں پر ایک بکری ہے۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

مختلف جانوروں کے نصاب زکوٰۃ کا فقہی بیان:

حضرت انس کے بارے میں مروی ہے کہ جب امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں بحرین جو بصرہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے بھیجا تو انہیں یہ ہدایت نامہ تحریر فرمایا۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے یہ اس صدقہ فرض (زکوٰۃ) کے بارے میں ہدایت نامہ جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں پر فرض کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس

کے نافذ کرنے کے بارے میں اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا۔ لہٰذا جس شخص سے قاعدہ کے مطابق زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جائے تو وہ ادائیگی کرے اور جس شخص سے شرعی مقدار سے زیادہ مطالبہ کیا جائے وہ زائد مطالبہ کی ادائیگی نہ کرے زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ چوبیس اور چوبیس سے کم اونٹوں کی زکوٰۃ میں بکری ہے اس طرح کہ ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری ہے یعنی پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ سے نو تک ایک بکری دس سے چودہ تک دو بکریاں پندرہ سے انیس تک تین بکریاں اور بیس سے چوبیس تک چار بکریاں واجب ہوگی۔ پچیس سے پینتیس تک میں ایک ایسی اونٹنی جو ایک سال کی ہو چھتیس سے پینتالیس تک ایک اونٹنی جو دو سال کی ہو۔ چھیالیس سے ساٹھ تک میں ایک ایسی اونٹنی جو چار سال کی ہو اور اونٹ سے جفتی کے قابل ہو، اکسٹھ سے پچھتر تک میں ایک اونٹنی جو اپنی عمر کے چار سال ختم کر کے پانچویں سال میں داخل ہوگئی اور چھہتر سے نوے تک میں دو ایسی اونٹنیاں جو دو سال کی ہوں اکیانوے سے ایک سو بیس تک میں دو ایسی اونٹنیاں جو تین تین سال کی ہوں اور اونٹ سے جفتی کے قابل ہوں اور جب تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو تو اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ان زائد اونٹنیوں میں ہر چالیس کی زیادت پر دو برس کی اونٹنی اور ہر پچاس کی زیادت پر پورے تین برس کی اونٹنی واجب ہوگی اور جس کے پاس صرف چار ہی اونٹ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہاں اگر وہ شخص چاہے تو صدقہ نفل کے طور پر کچھ دے دے جب پانچ اونٹ ہوں گے تو اس پر زکوٰۃ کے طور پر ایک بکری واجب ہوجائے گی اور جس شخص کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ ان میں زکوٰۃ کے طور پر ایسی اونٹنی واجب ہوتی ہو جو چار برس پورے کر کے پانچویں سال میں لگ گئی ہو یعنی اکسٹھ سے پچھتر تک کی تعداد میں اور اس کے پاس چار برس کی اونٹنی نہ ہو کہ جسے وہ زکوٰۃ کے طور پر دے سکے بلکہ تین برس کی اونٹنی موجود ہوں تو اس سے تین ہی برس کی اونٹنی زکوٰۃ میں قبول کی جاسکتی ہے مگر زکوٰۃ دینے والا اس تین برس کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ اگر اس کے پاس موجود ہوں تو دو بکریاں ورنہ بصورت دیگر تیس درہم ادا کرے اور کسی شخص کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو جس میں تین برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو یعنی چھیالیس سے ساٹھ تک کی تعداد اور اس کے پاس تین برس کی کوئی اونٹنی زکوٰۃ میں دینے کے لیے نہ ہو بلکہ چار برس کی اونٹنی ہو تو اس سے چار برس والی اونٹنی ہی لے لی جائے البتہ زکوٰۃ دینے والا دو بکریاں یا بیس درہم بھی اس کے ساتھ دے دے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں کہ جن میں دو برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو جیسے چھتیس سے پینتالیس تک کی تعداد اور اس کے پاس دو برس کی اونٹنی کے بجائے تین برس کی اونٹنی ہو تو اس سے تین برس کی اونٹنی ہی لے لی جائے مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریں واپس کر دے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں جسمیں دو برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو اور وہ اس کے پاس نہ ہو بلکہ ایک برس کی اونٹنی ہو تو اس سے ایک برس کی اونٹنی ہی لے لی جائے اور وہ زکوٰۃ دینے والا اس کے ساتھ بیس درہم یا دو بکریاں بھی دے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں کہ جن میں ایک برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو جیسے بیس سے پچیس تک کی تعداد، اور ایک برس کی اونٹنی اس کے پاس نہ ہو بلکہ دو برس کی اونٹنی اس کے پاس ہو تو اس سے وہی دو برس والی اونٹنی لے لی جائے مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو دو برکیاں یا بیس درہم واپس کر دے اور اگر اس کے پاس دینے کے قابل ایک برس کی اونٹنی نہ ہو اور نہ دو برس کی اونٹنی ہو بلکہ دو برس کا اونٹ ہو تو وہ اونٹ ہی لے لیا

جائے مگر اس صورت میں کوئی اور چیز واجب نہیں نہ تو زکوٰۃ لینے والا کچھ واپس کرے گا اور نہ زکوٰۃ دینے والا کچھ اجر دے گا اور چرنے والی بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ جب بکریوں کی تعداد چالیس سے ایک سو بیس تک ہو تو ایک واجب ہوتی ہے اور ایک سو بیس سے زائد ہوں تو دو سو تک کی تعداد پر دو بکریاں واجب ہوتی ہیں اور جب دو سو سے زائد ہوں تو تین سو تک تین بکریاں واجب ہوتی ہیں اور جب تین سو سے زائد ہو جائیں تو پھر یہ حساب ہوگا کہ ہر سو بکریوں میں ایک بکری واجب ہوگی۔

جس شخص کے پاس چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں گی تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی ہاں اگر بکریوں کا مالک چاہے تو صدقہ نفل کے طور پر کچھ دے سکتا ہے۔ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ زکوٰۃ میں خواہ اونٹ ہو یا گائے اور بکری بڑھیا اور عیب دار نہ جائے اور نہ بوک (بکرا) دیا جائے ہاں اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا کسی مصلحت کے تحت بوک لینا چاہے تو درست ہے اور متفرق جانوروں کو یکجا نہ کیا جائے اور نہ زکوٰۃ کے خوف سے جانوروں کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے نیز جس نصاب میں دو آدمی شریک ہوں تو انہیں چاہئے کہ وہ دونوں برابر تقسیم کرلیں اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر دینا فرض ہے اگر کسی کے پاس صرف ایک سو نوے درہم ہوں (یعنی نصاب شرعی کا مالک نہ ہو) تو اس پر کچھ فرض نہیں ہے ہاں اگر وہ صدقہ نفل کے طور پر کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ (بخاری)

گزشتہ صفحات میں ایک حدیث گزر چکی ہے۔ جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ تم زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو خوش کرو اگرچہ وہ تمہارے ساتھ ظلم ہی کا معاملہ کیوں نہ کریں۔ اسی طرح ایک حدیث اور گزر چکی ہے۔ جس میں بیان کیا گیا تھا کہ کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے زیادتی کرتے ہیں یعنی مقدار واجب سے زیادہ مال لیتے ہیں تو کیا ہم ان کی طرف سے زیادہ طلب کے جانے والے مال کو چھپا دیں یعنی وہ انہیں نہ دیں تو اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا۔

لیکن یہاں فرمایا گیا ہے کہ جس شخص سے زیادہ مطالبہ کیا جائے وہ ادائیگی نہ کرے۔ لہٰذا بظاہر ان روایتوں میں تعارض اور اختلاف معلوم ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت زکوٰۃ وصول کرنے والے صحابہ تھے ظاہر ہے نہ تو وہ ظالم تھے اور شرعی مقدار سے زیادہ کا مطالبہ کرتے تھے اور نہ صحابہ کے بارے میں ایسا تصور کیا جا سکتا تھا لوگ اپنے گمان اور خیال کے مطابق یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے ساتھ ظلم و زیادت کا معاملہ ہوتا ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کے پیش نظر یہی حکم دیا کہ انہیں بہر صورت خوش کیا جائے اور وہ جو کچھ مانگیں اسے دینے میں تامل نہ کیا جائے اور یہاں حضرت ابوبکر کے ارشاد میں زکوٰۃ وصول کرنے والوں سے صحابہ مراد نہیں ہیں بلکہ دوسرے لوگ مراد ہیں اور ظاہر ہے کہ صحابہ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے ایسی باتوں کا صدور ممکن تھا اس لیے حضرت ابوبکر نے یہ تحریر فرمایا کہ زائد مطالبہ کی ادائیگی نہ کی جائے۔ اس وضاحت سے احادیث میں جو بظاہر تعارض نظر آ رہا تھا وہ ختم ہوگیا۔

فاذا زادت علی عشرین ومائة الخ (اور جب تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو الخ) قاضی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ

حدیث عدد مذکور سے متجاوز ہونے کی صورت میں استقرار اور حساب پر دلالت کرتی ہے یعنی جب اونٹ ایک سو بیس سے زائد ہوں تو ان کی زکوٰۃ کا حساب از سر نو شروع نہ کیا جائے بلکہ ایسی صورت میں ہر چالیس کی زیادتی پر دو برس کی اونٹنی اور ہر پچاس کی زیادتی پر تین برس کی اونٹنی کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جانی چاہئے۔

چنانچہ اکثر ائمہ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ از سر نو حساب شرع کیا جائے گا چنانچہ جب اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے متجاوز ہو جائے تو اس وقت دو حقے یعنی تین برس کی دو اونٹنیاں اور ایک بکری واجب ہوگی اور اسی طرح چوبیس کی تعداد تک ہر پانچ پر ایک بکری واجب ہوتی چلی جائے گی پھر پچیس اور پچیس کے بعد بنت مخاض ایک سال کی اونٹنی واجب ہو جائے گی اسی طرح آخر تک پہلی ترتیب کے مطابق حساب کیا جائے گا امام نخعی اور امام ثوری کا یہی قول ہے ان حضرات کی دلیل یہ ارشاد گرامی ہے کہ جب اونٹوں کی تعداد ایک سو سے زائد ہو جائے تو اس کا حساب از سر نو شروع کیا جائے، حضرت علی کرم اللہ وجہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کے بارے میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ ان کی زکوٰۃ کے طور پر مادہ یعنی اونٹنی یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے جب کہ گائے اور بکری کی زکوٰۃ میں نر اور مادہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ ان کی زکوٰۃ کے طور پر نر یا اس کی قیمت اور مادہ یا اس کی قیمت دونوں ہی دیئے جا سکتے ہیں۔

مالم یکن عندہ بنت مخاض علی وجھا (اور اگر اس کے پاس دینے کے قابل ایک برس کی اونٹنی نہ ہو) ابن مالک نے اس کی وضاحت کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ اس کے تین ئی ہو سکتے ہیں۔ (۱) اس کے پاس سرے سے ایک برس کی اونٹنی موجود ہی نہ (۲) ایک برس کی اونٹنی موجود تو ہو مگر تندرست نہ ہو بلکہ بیمار ہو اس صورت میں بھی گویا وہ نہ ہونے ہی کے درجہ میں ہوگی۔ (۳) ایک برس کی اونٹنی تو موجود ہو مگر اوسط درجہ کی نہ ہو بلکہ نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجے کی ہو ملحوظ رہے کہ زکوٰۃ میں اوسط درجہ کا مال دینے کا حکم ہے۔

بہرکیف ان میں سے کوئی صورت ہو اس کا حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسی صورت میں ابن لبون یعنی دو برس کا اونٹ زکوٰۃ کے طور پر دیا جائے گا پھر اس کی وضاحت بھی فرما دی کہ ابن لبون کے ساتھ مزید کچھ لینا دینا واجب نہیں ہے جیسا کہ اونٹنیوں کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص پر زکوٰۃ کے طور پر دینے کے لیے دو برس کی اونٹنی واجب ہو اور اس کے پاس دو برس کی اونٹنی موجود نہ ہو بلکہ تین برس کی اونٹنی ہو تو زکوٰۃ وصول کرنے والا اس سے وہی تین برس کی اونٹنی لے گا مگر وہ زکوٰۃ دینے والے کو دو بکریاں بیس درہم واپس کرے گا تاکہ زکوٰۃ دینے والے کو دو برس کی اونٹنی کی بجائے تین برس کی اونٹنی دینے کی صورت میں نقصان گھاٹا نہ ہو جیسے اس کے برعکس صورت بھی بیان کی گئی ہے کہ اگر زکوٰۃ دینے والا تین برس کی اونٹنی کی بجائے جو اس پر واجب ہے مگر موجود نہیں ہے دو برس کی اونٹنی دے تو اس کے ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم مزید دے تاکہ زکوٰۃ کے مال میں نقصان نہ رہ جائے بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ فضیلت تانیث عمر کی زیادتی کا بدل ہو جاتی ہے۔

اگرچہ چرنے والی کی قید صرف بکری کے نصاب میں زکوٰۃ میں لگائی گئی ہے لیکن اس کا تعلق ہر جانور سے ہے یعنی خواہ بکری ہو یا اونٹ اور یا گائے ان میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ وہ سال کے اکثر حصے یعنی نصف سال سے زیادہ جنگ میں چریں اگر ان میں سے کوئی بھی جانور ایسا ہو جسے سال کے اکثر حصے میں گھر سے چارہ کھلایا جاتا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بکریوں کا نصاب چالیس بیان کیا گیا ہے یعنی اگر چالیس سے کم بکریاں ہوں گی تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب چالیس بکریاں ہوں گی تو ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر واجب ہو جائے گی اور اگر چالیس سے بھی زائد ہوں تو ایک سو بیس تک ایک ہی بکری واجب رہے گی اسی طرح تین سو تک کی تعداد کے نصاب زکوٰۃ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ جب تعداد تین سو سے تجاوز ہو جائے تو پھر یہ حساب ہوگا کہ ہر سو بکری پر ایک بکری واجب ہوگی یعنی تین سو تک تو تین بکریاں ہوں گی تین سو کے بعد چار سو بکریاں اس وقت واجب ہوں گی جب کہ تعداد پورے چار سال ہو جائے چنانچہ اکثر ائمہ وعلماء کا یہی مسلک ہے لیکن حسن بن صالح کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ تین کے بعد اگر ایک بکری بھی زائد ہوگی تو چار بکریاں واجب ہو جائیں گی۔

ولا ذات عوار (اور عیب دار نہ دی جائے) زکوٰۃ میں عیب دار مال نہ لینے کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ پورا مال یا کچھ مال ایسا ہو جس میں کوئی عیب وخرابی نہ ہو اگر پورا ہی مال عیب دار ہو تو پھر اس میں سے اوسط درجے کا دیکھ کر دیا جائے گا۔

زکوٰۃ میں بوک (بکرا) لینے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ بکریوں کے ساتھ بوک افزائش نسل کے لیے رکھا جاتا ہے اگر بوک لے لیا جائے گا تو بکریوں کے مالک کو نقصان ہوگا یا وہ اس کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا یا پھر بوک لینے سے اس لیے منع فرمایا گیا ہے کہ اس کا گوشت بدمزہ اور بدبودار ہوتا ہے۔

مختلف مقامات پر موجود جانوروں کی زکوٰۃ میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف:

ولا یجمع بین متفرق الخ (اور متفرق جانوروں کو یکجا نہ کیا جائے الخ) اس جملے کا مطلب سمجھنے سے پہلے مسئلہ کی حقیقت جان لیجئے تاکہ مفہوم پوری طرح ذہن نشین ہو جائے مسئلہ یہ ہے کہ آیا زکوٰۃ گلہ یعنی مجموعہ پر ہے یا اشخاص یعنی مال کے مالک کا اعتبار ہوتا ہے؟

حضرت امام شافعی تو فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ گلہ کے اعتبار سے دینی ہوتی ہے ان کے ہاں مالک کا اعتبار نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں گلہ کا اعتبار نہیں ہوتا مالک کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک شخص کے پاس اسی بکریاں ہیں مگر وہ بکریاں ایک جگہ یعنی ایک گلہ ریوڑ میں نہیں ہیں بلکہ الگ الگ دو گلوں میں ہیں تو چونکہ امام شافعی کے نزدیک زکوٰۃ گلہ پر واجب ہوتی ہے اس لیے ان کے مسلک کے مطابق ان دونوں گلوں میں سے دو بکریاں وصول کی جائیں گی لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق دونوں گلوں سے ایک ہی بکری وصول کی جائے گی کیونکہ اگرچہ وہ اسی بکریاں دو گلوں میں تقسیم ہیں مگر ملکیت میں چونکہ ایک شخص کی ہیں اس لیے اس حساب کے مطابق کہ چالیس سے ایک سو بیس تک کی تعداد میں ایک ہی بکری واجب ہوتی ہے اس شخص سے بھی ایک ہی بکری وصول کی جائے گی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ دو اشخاص کی اسی بکریاں ہیں جو ایک ہی گلہ میں ہیں تو امام شافعی کے مسلک کے مطابق اس گلہ میں سے ایک ہی بکری لی جائے گی اور امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق اس گلہ میں سے دو بکریاں لی جائیں گی کیونکہ وہ اسی بکریاں اگرچہ ایک ہی گلہ میں ہیں لیکن مالک اس کے دو الگ الگ اشخاص ہیں اور وہ دونوں اتنی اتنی بکریوں (یعنی چالیس چالیس) کے مالک ہیں کہ ان کی الگ الگ تعداد پر ایک بکری واجب ہوتی ہے۔

اس مسئلہ کو ذہن میں رکھ کر اب سمجھئے کہ حدیث کے اس جملے **ولا یجمع بین متفرق الخ** کا مطلب امام شافعی کے ہاں تو یہ ہے کہ اس ممانعت کا تعلق مالک سے ہے کہ اگر مثال کے طور پر چالیس بکریاں اس کی ہوں اور چالیس بکریاں کسی دوسرے کی ہوں اور یہ دونوں تعداد الگ الگ ہوں تو ان بکریوں کو جو الگ الگ اور متفرق ہیں زکوٰۃ کم کرنے کے لیے یکجا نہ کیا جائے یعنی مالک یہ سوچ کر کہ اگر یہ بکریاں الگ الگ دو گلوں میں ہوں گی تو ان میں سے دو بکریاں دینی ہوں گی اور اگر ان دونوں گلوں کو ملا کر ایک گلہ کر دیا جائے تو پھر ایک ہی بکری دینی ہوگی ان کو یکجا نہ کرے۔

اسی طرح **ولا یفرق بین مجتمع** اور نہ جانوروں کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے میں اس ممانعت کا تعلق بھی مالک سے ہے کہ مثلاً اگر اس کے پاس بیس بکریاں ہوں جو کسی دوسرے شخص کی بکریوں کے گلے میں ملی ہوئی ہوں تو مالک اپنی ان بکریوں کو اس گلے سے الگ نہ کرے یہ سوچ کر کہ اگر یہ بکریاں اس گلے میں رہیں گی تو زکوٰۃ دینی ہوگی اور اگر ان بکریوں کو اس گلے سے الگ کر دیا جائے تو زکوٰۃ سے بچ جاؤں گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق ساعی یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے سے ہے کہ وہ زکوٰۃ لینے کے لیے متفق بکریوں کو یکجا نہ کرے مثلاً دو الگ الگ اشخاص کے پاس اتنی اتنی بکریاں ہوں کہ جو علیحدہ علیحدہ تو حد نصاب کو نہ پہنچتی ہوں اور ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی ہو جیسے دونوں کے پاس بیس بیس بکریاں ہوں مگر جب دونوں کی بکریاں یکجا ہو جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہو جائے لہٰذا زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ لینے کی وجہ سے ان بکریوں کو یکجا کر دے اسی طرح دوسری ممانعت کا تعلق بھی زکوٰۃ وصول کرنے والے ہی سے ہے کہ زکوٰۃ لینے کے لیے علیحدہ علیحدہ جانوروں کو یکجا نہ کرے مثلاً اگر کسی شخص کے پاس اسی بکریاں اس طرح ہوں کہ چالیس تو ایک جگہ ہیں اور چالیس دوسری جگہ ہیں تو زکوٰۃ وصول کرنے والا ان دونوں جگہوں کی بکریوں کو دو الگ الگ نصاب قرار دے کر اس شخص سے دو بکریاں وصول نہ کرے بلکہ دونوں جگہوں کی بکریوں کو ایک ہی نصاب قرار دے اور قاعدہ کے مطابق ایک ہی بکری وصول کرے کیونکہ بکریاں اگرچہ الگ الگ ہیں لیکن ملکیت میں ایک ہی شخص کے ہیں لہٰذا دونوں جگہ کی مجموعہ بکریوں پر کہ جن کی تعداد اسی ہے ایک ہی بکری واجب ہوگی۔

وما کان من خلیطین (جس نصاب میں دو آدمی شریک ہوں) اس جملے کی وضاحت بھی ایک مسئلہ سمجھ لینے پر موقوف ہے مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً دو سو بکریاں ہیں جس میں دو آدمی شریک ہیں اس حساب سے کہ ایک آدمی کی تو ان میں سے چالیس بکریاں ہیں اور دوسرا آدمی ایک سو ساٹھ بکریوں کا مالک ہے اب سوال یہ ہے کہ ان بکریوں پر زکوٰۃ کے طور پر تو بکریاں واجب ہوں مگر وہ دو

بکریاں ان دونوں سے وصول کس حساب سے ہوں گی، ظاہر ہے کہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ پہلے شخص پر تو اس کے حصے کے پیش نظر ایک بکری کا دو خمس واجب ہو اور باقی دوسرے شخص پر واجب ہو بلکہ یہ ہوگا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا تو قاعدہ کے مطابق دونوں شخصوں سے ایک ایک بکری وصول کرے گا مگر اس صورت میں پہلے شخص کو نقصان ہوگا کیونکہ ان مشترک بکریوں میں اس کا حصہ صرف چالیس بکریاں ہیں اسے بھی ایک ہی بکری دینی پڑی۔ اور دوسرے شخص نے بھی ایک بکری دی جس کا حصہ ایک سو ساٹھ بکریاں ہیں (اسی کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا تو دونوں سے ایک ایک بکری وصول کرے گا لیکن پھر بعد میں دونوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اپنے حصے کے مطابق حساب کرلیں یعنی پہلا شخص کہ جس کی چالیس بکریاں ہیں دوسرے شخص کہ جس کی ایک سو ساٹھ بکریاں ہیں۔ اپنی دی ہوئی بکری کے تین خمس وصول کرے اس حساب سے چالیس بکریوں کے مالک پر اس کے حصہ کے مطابق دو خمس پڑیں گے اور باقی ایک سو ساٹھ بکریوں کے مالک پر اس کے حصے کے مطابق پڑ جائیں گے۔ چنانچہ ارشاد گرامی فانهما يتراجعان بالسوية، (انہیں چاہئے کہ وہ دونوں برابر برابر تقسیم کرلیں) کے یہ معنی ہیں۔

ضأن کا فقہی مفہوم:

ضان کا اتنا بڑا بچہ جو چھ ماہ کا ہو لیکن دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو (درمختار عینی)

ضان جس کے چکتی ہو، یہ چکتی کی قید اس لئے لگائی کہ بکری گائے اور اونٹ کے جذعہ کا استثناء مقصود تھا، بکری کا جذعہ چھ ماہ کا ہوتا ہے اور گائے کا سال بھر کا اور اونٹ کا چار سال کا، اور "من الثلاثة " کا لفظ جس کا ذکر آگے آرہا ہے یہ اونٹ اور بقران دونوں نوعوں کے ساتھ اور اسی طرح اپنی دونوں قسموں کے ساتھ، (ردالمحتار من عینی)

بعض فقہاء نے بھی تو ضان کی تعریف "ماله صوف " (جس کے اون ہو) سے کی ہے۔ جس کے معنی صاف یہی ہوئے کہ بھیڑ بھی اس میں شامل ہے۔

جی ہاں قہستانی نے یہ تعریف کی ہے۔ "الضان ماكان من ذوات الصوف والمعز ماكان ذوات الشعر " لیکن اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں کہ یہ تعریف بالاعم ہے۔ بکری اور بیل سے دنبہ کو ممتاز کرنے کے لئے ہے۔ بھیڑ سے ممتاز کرنے کے لئے نہیں (جب اس کی ضرورت ہوئی تو یہ تعریف کیا "ماله الية " جس کی چکتی ہو، تاکہ بھیڑ نکل جائے۔

عبرالمجيد هكذا اوالعبارة فى الاصل هكذا الضان ماكان من ذوات الصوف ولمعز من ذوات الشعر ۔ .قهستانی مجیب نے یوں تعبیر کیا هے حالانکه اصل کتاب میں یوں هے، ضان وه هے جو اون والا هو اور معز جو بالوں والا هو، قهستانی عبدالمنان الاعظمی

(جامع الرموز، کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ کنبد قاموس ایران)

ہماری اس بات پر قرینہ یہ ہے کہ تعریف میں لفظ من استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں، تو تعریف کی عبارت کا ترجمہ یہ ہوا ضان اون والے جانوروں میں سے بعض ہے اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بکری کی تعریف میں یہی کہا گیا ہے۔ "ماكان ذوات

الشعر " جو بالوں والی ہو۔ تو اگر اس عبارت کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ بکری بال والے جانوروں میں سے بعض ہے تو بیل بھینس وغیرہ بھی بکری میں شامل ہو جائیں گے، پس اس مجبوری سے جب بکری والی تعریف کو بالاعم قرار دیا جائے تو ضان والی تعریف کو بھی تعریف بالاعم قرار دیں (کیونکہ دونوں جملے ساتھ ساتھ ہیں تو دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہئے۔

ضأن کی بحث میں فقہی تصریحات کا بیان:

انعام کی قربانی مسنون ہے، انعام چوپایہ کو کہتے ہیں، اضحیہ کے معنی قربانی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ، یا سات ماہہ بچہ کی قربانی مسنون ہے اور ایک سالہ بچہ کی بھی، لیکن اس کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے۔ ضان ہو کہ معز، اور اونٹ اور بقر کا ثنی بھی قربانی کے لئے جائز ہے۔ اونٹ کا ثنی پانچ سالہ اور بقر کا دو سالہ اور شاۃ کا ایک سالہ۔ اور جذعہ کے لئے ضان کی قید اس لئے لگائی کہ بکری چھ ماہہ جائز نہیں، اور ضان چکتی والے جانور کو کہتے ہیں اوپر کی عبارت میں ایک جگہ مطلقا کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکر ہو کہ مؤنث، اور بھینس گائے میں داخل ہے۔ اور شاۃ میں افضل مادہ نہیں بلکہ نر ہے۔ دونوں نوعوں کا یہی حکم ہے۔

(مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام)

() اور مصنف نے "جامع من الضان " کہا، اور ضان وہ اون والا جانور ہے جس کے چکتی ہو، ایسا ہی منح الغفار وغیرہ میں ہے۔ (تعليق الممجد من عينى)

() اور نر مینڈھا مادہ سے افضل ہے اور یہ ضان کا مؤنث ہے۔ قاموس۔ (ردالمحتار)

() مسنہ ہی ذبح کرو۔ یہ نہ ملے تو ضان کا "جذعہ " اس حدیث کی شرح میں تفصیلات ہیں، ہم مذہب حنفی کے موافق بیان کرتے ہیں، قربانی کے جانور کی تین نوعیں ہیں، اونٹ، بقر، غنم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور اصحابہ سے ان کے علاوہ قربانی ثابت نہیں، غنم کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ معز کو فارسی میں بز کہتے ہیں، اور ضاں کو میش اور جاموس گاؤمیش کا معرب ہے یہ گائے کی ہی ایک قسم ہے۔ اور ان سب کا ثنی جائز ہے۔ (اشعة اللمعات)

قرآن میں لفظ ضأن کا استعمال:

ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ

(یہ بڑے چھوٹے چارپائے) آٹھ قسم کے (ہیں) دو (دو) بھیڑوں میں سے اور دو (دو) بکریوں میں سے (یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) ۔ (الانعام، ۱۴۳)

انشأ ثمانية ازواج (اسی اللہ تعالیٰ نے آٹھ زوج پیدا کیئے) ایک ہی جنس کے نر اور مادہ کو زوج (جوڑا) کہا جاتا ہے اور ان دونوں کے ایک فرد کو بھی زوج کہہ لیا جاتا ہے کیا ان کہ ہر ایک دوسرے کے لئے زوج ہوتا ہے۔ قرآن میں اس مقام پر بھی ازواج، افراد ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی افراد اللہ نے پیدا کیے۔ جو باہم ایک دوسرے کا جوڑا ہیں یہ نہیں کہ زوج کہ بمعنی

جوڑے پیدا کیے کیونکہ اس طرح تعداد ۸ کے بجائے ۱۶ ہو جائے گی جو آیت کے اگلے حصہ کے مطابق نہیں ہے۔

یہ ثَمَانِيَةَ سے بدل ہے اور مراد دو قسم نر اور مادہ یعنی بھیڑ سے نر اور مادہ۔ اور بکری سے نر اور مادہ پیدا کیئے (بھیڑ میں ہی دنبہ چھترا شامل ہے)۔

ضأن لغوی کے تعین میں فقہی تصریحات:

اور اگر بطور تنزل ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ اہل لغت کے نزدیک میش کا اطلاق اون والے پر ہوتا ہے تب بھی ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس سے ان کی مراد بھیڑ ہے۔ اسکے بیان کے لئے ہم کو تھوڑی تفصیل میں جانا ہوگا۔

کسی چیز کی تعریف اس کے مساوی لفظ سے بھی کی جاتی ہے۔ جیسے انسان کی تعریف لفظ ناطق سے کی جائے (کہ جن جن افراد پر انسان دلالت کرتا ہے ناطق بنی اس اس پر دلالت کرتا ہے) اور کبھی تعریف کے لئے معرف سے عام لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے السعدانة نبت (کہ سعدانہ ایک مخصوص گھاس کا نام ہے) جبکہ نبت ہر گاس کو کہا جاتا ہے۔ اول الذکر تعریف کامل ہے اور ثانی ناقص، الغرض تعریف دونوں ہی ہے۔

اگر معرَّف کو بعض امور سے ممتاز کرنا ہے تو عام لفظ سے بھی تعریف جائز ہے۔

ویہاں بھی ضان کا ترجمہ لفظ میش سے کر دیا جس کا مفہوم اون والا۔ لیکن اس سے اہل لغت کی غرض ضان میں بھیڑ کو شامل کرنے کی نہیں تھی بلکہ دنبہ کو گائے، بھینس اور بکری سے ممتاز کرنا ہے کہ وہ اون والے جانور نہیں، اور دنبہ اون والا جانور ہے۔ اور جب ضان کو بھیڑ سے بھی ممتاز کرنا ہوا تو اس کی تعریف چکی والے جانور سے کی۔

اگر ہماری بات کا یہ جواب دیا جائے کہ اہل لغت کے اطلاق کو یہاں تعریف مساوی سے پھیر کر تعریف عام قرار دینا ایک بے دلیل اور ادعائی بات ہے۔ اس لئے قابل تقسیم نہیں ظاہر ہے کہ ان کا منشاء ضاں کا ترجمہ پیش کر کے یہی ظاہر کرنا ہے کہ وہی جانور ہے جس کے اون ہوتا ہے چکی ہو یا نہ ہو، اس سے ان کو کوئی غرض نہیں تو لغتہً بھیڑ دنبہ میں شامل ہوئی،

اگر اہل لغت کا مطلب وہی ہے جو آپ کہتے ہیں، لیکن ہمارے لئے حجت اہل لغت کی بات نہیں ہے اہل فقہ کی بات ہے جب وہ ضان کے معنی چکتی والا کہتے ہیں تو وہی مانا جائے گا، اور بھیڑ دنبہ میں شامل نہ ہوگی۔

رہ گئی یہ بات کہ اہل فقہ اور اہل لغت کے معانی میں اختلاف ہوتا ہے۔ تو اس کی نظیر قربانی کے جانور میں ہی لفظ جذع ہے کہ اہل فقہ چھ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں، اہل لغت ایک سالہ بچہ کو، اور مسئلہ کا حل اہل فقہ کے قول پر ہی دیا جاتا ہے۔

(چلپی علی شرح الوقایہ، عینی علی الکنز)

ضأن کے معنی میں چکتی کی قید لگانے والے فقہاء احناف:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ شامی، علامہ طحطاوی اور صدر الشریعہ کی تصریحات کے مطابق ضأن اس قید کے ساتھ متعین

ہو گیا ہے۔ جس کے بعد متاخرین علماء نے یہ کہا ہے۔

جب فقہاء نے چکتی والا کہہ کر اسی جانور کو متعین کر دیا تو اب ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ معنی مجازی ہیں یا حقیقی یا بطور اشتراک۔ (اشعۃ اللمعات، باب الاضحیہ، ج ا، ص ۶۰۸، نوریہ رضویہ سکھر)

پس ان نصوص فقہیہ کی روشنی میں ہمارا فیصلہ تو یہی ہے کہ بھیڑ کی قربانی ناجائز ہے۔ اگر دوسری کسی کتاب میں اس کے جواز کا حکم ہو بھی تو احتیاط اس سے بچنے میں ہی ہے کہ عدم جواز کے یہ دلائل قاہرہ ہم نے ظاہر کر دئے۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ ضأن میں چکتی کی قید نہیں ہے لہٰذا خواہ چکتی ہو یا نہ ہو قربانی جائز ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک بعض متقدمین فقہاء کی قید نہ لگانے کا اعتبار کیا گیا ہے۔ (بہرحال اس مسئلہ کی مکمل تحقیق ہم ان شاء کتاب الاضاحی میں بیان کریں گے)۔ (شرح صحیح مسلم، ج ۶، ص ۱۴۴، فرید بک سٹال لاہور)

ضأن پر اطلاق زکوٰۃ میں فقہی مذاہب اربعہ:

حضرت حسن بن زیاد نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جذع کو ضأن سے شمار کیا جائے گا اور حضرت امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے جذع ضأن سے ہے۔ اور معز اس کو کہتے ہیں جس کو سال مکمل ہو جائے۔ اطلاق نص کی وجہ سے وہ جائز ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ضأن ثنی لیا جائے گا خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ اور حضرت امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہے جذعہ سے ضأن جائز ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک دونوں سے جائز ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ۴۹، ۵۱، حقانیہ ملتان)

نقدی پر حکم زکوٰۃ میں فقہی مذاہب اربعہ:

سونے چاندی کا سکہ اگر حد نصاب تک پہنچ جائے اور ایک سال تک باقی رہ جائے تو تمام مذاہب کے نزدیک اس میں زکات واجب ہے، چوں کہ اہل سنت کے چاروں مذاہب سکہ ہونا شرط نہیں سمجھتے لہٰذا وہ سونے چاندی کے بسکٹ اور ظروف میں بھی زکات کو واجب سمجھتے ہیں لیکن زیور وغیرہ میں صرف حنفی زکات کو واجب جانتے ہیں و مالکی، شافعی اور حنبلی واجب نہیں جانتے۔

فقہائے امامیہ چوں کہ سونے چاندی میں زکات کے واجب ہونے میں سکہ رائج الوقت کو شرط سمجھتے ہیں لہٰذا سونے چاندی کے بسکٹ، ظروف اور زیور وغیرہ میں زکات کے وجوب کے قائل نہیں ہیں۔ (شرائع الاسلام، کتاب الزکوٰۃ)

کاغذی پیسہ (نوٹ) اور دوسرے پیسے

اہل سنت کے چاروں مذاہب کے اکثر فقہا رائج روپے اور پیسے میں زکات کے وجوب کے قائل ہیں اس لئے کہ ان کی نظر میں روپیہ اور نوٹ نے معاملات میں سونے چاندی کی جگہ لے لی ہے، شافعی کی نگاہ میں نوٹ اور روپے کے ذریعہ معاملہ کرنا گویا بینک

پر حوالہ (Order) ہے اس حوالہ کی قیمت کے اعتبار سے انسان اس ورق کا مالک بن جاتا ہے جو بینک کے ذمہ قرض ہے اور بینک مدیون ہے اور جب بھی ان اوصاف کے ساتھ مدیون ہوگا تو اس قرض کی زکات فوراً اور حالا واجب ہے۔

حنفی فقہا کہتے ہیں کہ کاغذی روپے قوی قرض کی مانند ہیں اور انھیں فورا چاندی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے پس اس کی زکات بھی فوراواجب ہے، مالکی فقہا کہتے ہر چند کاغذی روپے قرض کی سند ہے مگر چوں کہ اسے فورا چاندی میں تبدیل لیا جا سکتا ہے اور معاملات میں اس نے سونے کی جگہ لے لی ہے لہٰذا شرائط کے ہوتے ہوئے اس میں زکات واجب ہے۔

(یوسف قرضاوی، ۔ابن رشد، وعبدالرحمٰن جزیری ہمان، ص ر النہایۃ)

ان لوگوں کے نظریات کی بنیاد پر اسکناس (نوٹ) میں یہ قابلیت ہے کہ بغیر کسی مشکل کے اس کا چاندی سے معاوضہ ہوسکتا ہے لہٰذا یہ امر معقول نہیں ہے کہ لوگوں کے پاس نوٹ ہو اور حد نصاب کے برابر چاندی سے تبدیل بھی کیا جا سکتا ہو مگر اس میں سے زکات نہ نکالیں۔

نتیجہ میں اہل سنت کے تین مذاہب، شافعی، مالکی اور حنفی کے فقہا کا نوٹ اور چک میں وجوب زکات پر اجماع قائم ہے صرف حنبلی مذہب والے اس مسئلہ میں مخالف ہیں ان کا کہنا ہے کہ نوٹ اور کاغذی پول میں زکات واجب نہیں ہے مگر یہ کہ اسے سونے چاندی میں تبدیل کر دیا گیا ہو اور زکات کی دیگر شرطیں بھی اس سونے چاندی میں موجود ہوں۔

فَصْلٌ فِی الْخَیْلِ

یہ فصل گھوڑے کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے

فصل گھوڑوں کے نصاب زکوٰۃ کی مناسبت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ فصل گھوڑے کی زکوٰۃ کے احکام میں ہے۔ لفظ ''خیل'' اسم جمع ہے۔ جس کو اہل عرب نے مذکر و مؤنث دونوں کیلئے استعمال کیا ہے۔ جس طرح لفظ ''رکب'' ہے اور یہ ایسا لفظ ہے جس کی لفظوں میں واحد نہیں ہے۔ جبکہ اس کی واحد فرس آتی ہے۔ اور جوہری نے کہا ہے کہ مذکر و مؤنث میں تصغیر کا بغیر تا کے آنا شاذ ہے۔ اور خیل فرسان کو کہتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''واجلب علیهم بخیلك'' اور خیل کی طرح خیول ہے۔ لہٰذا دوسرا اسم جمع ہے جس طرح لفظ ''قوم'' ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۵۱، حقانیہ ملتان)

گھوڑوں کی زکوٰۃ کے نصاب کا بیان:

(إِذَا كَانَتْ الْخَيْلُ سَائِمَةً ذُكُورًا وَإِنَاثًا فَصَاحِبُهَا بِالْخِيَارِ :إِنْ شَاءَ أَعْطَى عَنْ كُلِّ فَرَسٍ دِينَارًا ، وَإِنْ شَاءَ قَوَّمَهَا وَأَعْطَى عَنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ) وَهَذَا عِنْدَ

أَبِي حَنِيفَةَ ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ ، وَقَالَا :لَا زَكَاةَ فِي الْخَيْلِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ وَلَا فِي فَرَسِهِ صَدَقَةٌ) وَلَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(فِي كُلِّ فَرَسٍ سَائِمَةٍ دِينَارٌ أَوْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ) وَتَأْوِيلُ مَا رَوَيَاهُ فَرَسُ الْغَازِي ، وَهُوَ الْمَنْقُولُ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ .وَالتَّخْيِيرُ بَيْنَ الدِّينَارِ وَالتَّقْوِيمِ مَأْثُورٌ عَنْ عُمَرَ

(وَلَيْسَ فِي ذُكُورِهَا مُنْفَرِدَةً زَكَاةٌ) لِأَنَّهَا لَا تَتَنَاسَلُ (وَكَذَا فِي الْإِنَاثِ الْمُنْفَرِدَاتِ فِي رِوَايَةٍ) وَعَنْهُ الْوُجُوبُ فِيهَا لِأَنَّهَا تَتَنَاسَلُ بِالْفَحْلِ الْمُسْتَعَارِ بِخِلَافِ الذُّكُورِ ، وَعَنْهُ أَنَّهَا تَجِبُ فِي الذُّكُورِ الْمُنْفَرِدَةِ أَيْضًا (وَلَا شَيْءَ فِي الْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَمْ يَنْزِلْ عَلَيَّ فِيهِمَا شَيْءٌ) وَالْمَقَادِيرُ تَثْبُتُ سَمَاعًا (إلَّا أَنْ تَكُونَ لِلتِّجَارَةِ) لِأَنَّ الزَّكَاةَ حِينَئِذٍ تَتَعَلَّقُ بِالْمَالِيَّةِ كَسَائِرِ أَمْوَالِ التِّجَارَةِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

جب گھوڑے سائمہ ہوں خواہ مذکر ہوں یا مؤنث ہوں تو ان کے مالک کو اختیار اگر چاہے تو ہر گھوڑے کی زکوٰۃ ایک دینار دے اور اگر چاہے تو ان کی قیمت شمار کرتے ہوئے ہر دو سو درہم پر پانچ درہم دے۔ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے اور امام زفر علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑے کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر سائمہ گھوڑے میں ایک دینار یا دس دراہم ہیں۔ اور صاحبین کی روایت کردہ حدیث کی تاویل یہ ہے کہ اس سے غازی گھوڑا مراد ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دینا یا قیمت کے درمیان اختیار روایت کیا گیا ہے۔

اکیلے مذکر گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ صرف مذکر گھوڑوں سے نسل نہیں بڑھتی۔ اور ایک روایت کے مطابق تنہا گھوڑیوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت کے مطابق یہ بیان کیا گیا ہے کہ صرف گھوڑیوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ کیونکہ گھوڑا ادھار مانگ کر نسل بڑھائی جا سکتی ہے۔ جبکہ گھوڑوں میں ایسا نہیں ہوتا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت صرف گھوڑوں کے بارے میں وجوب زکوٰۃ کا ہے۔ اور خچروں اور گدھوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خچروں اور گدھوں کی زکوٰۃ کے بارے میں مجھ پر کچھ نازل نہیں ہوا۔ اور مقادیر کا ثبوت سماعی ہے لیکن جب خچر اور گدھے تجارت کیلئے ہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں زکوٰۃ مالیت سے متعلق ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے تجارت کے

مالوں میں ہوا کرتا ہے۔

گھوڑوں کی زکوٰۃ میں فقہی اختلاف کا بیان؟

دراصل اس عبارت کے مفہوم کے تعین میں یہ اختلاف اس لیے واقع ہوا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو جنگل میں چرتے ہیں پھر گھوڑے کا مالک اس بارے میں مختار ہے کہ چاہے تو وہ ان کی زکوٰۃ میں ہر گھوڑے پیچھے ایک دینار دے چاہے ان کی قیمت متعین کر کے ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرے جیسا کہ زکوٰۃ کا حساب ہے۔

حضرت امام شافعی اور صاحبین کے ہاں گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ ان حضرات کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمانوں پر ان کے گھوڑے اور غلام میں صدقہ واجب نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف سے دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ ہر گھوڑے پیچھے کہ جو جنگل میں چرے ایک دینار ہے۔

جہاں تک تعین قیمت پر زکوٰۃ کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عمر فاروق سے منقول ہے حضرت شافعی بطور دلیل جو حدیث پیش کرتے ہیں اس کے بارے، میں حضرت امام اعظم کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق غازی و مجاہد کے گھوڑے سے ہے اسی طرح غلام سے مراد غلام ہے جو خدمت کے لیے رکھ چھوڑا ہو۔

وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لیے ثواب کا ذریعہ بنتے ہیں اس کی تشریح آپ نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جسے اس کے مالک نے مسلمانوں کے لیے خدا کی راہ میں باندھا ہے یہاں راہ خدا سے مراد جہاد ہی ہے یعنی اس نے اس مقصد کے لیے گھوڑے پال رکھے ہیں تاکہ جب جہاد کا وقت آئے تو اس پر سوار ہو کر دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہو یا بوقت ضرورت دوسرے مسلمانوں کو دے تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ والے مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ اور صاحب ''الاسرار'' نے بھی اس کو راجح قرار دیا ہے۔ جبکہ شمس الائمہ اور صاحب تحفہ نے امام اعظم علیہ الرحمہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور اس بات پر اجماع کیا ہے کہ امام صاحب گھوڑوں سے جبراً زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ اور کتب ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ مسلمان کے غلام اور گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ امام مسلم نے یہ زیادہ کیا ہے۔ کہ سوائے فطرانے کے زکوٰۃ نہیں ہے۔ (فتح القدیر، ج ۴، ص ۲۵، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۱۴۶۳)

گھوڑوں کی زکوٰۃ میں فقہی مذاہب اربعہ:

حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو جنگل میں چرتے ہیں پھر گھوڑے کا مالک اس بارے میں مختار ہے کہ چاہے تو وہ ان کی زکوٰۃ میں ہر گھوڑے پیچھے ایک دینار دے چاہے ان کی قیمت متعین کر کے ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرے جیسا کہ زکوٰۃ کا حساب ہے۔

اور امام نخعی سے روایت کیا گیا ہے کہ جو روضہ میں ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ اور شمس الائمہ سرخسی نے اس کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔
اور انہوں نے حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کیا ہے اور امام طحاوی نے اسی اختیار کیا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ میں لوگوں کا اختلاف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں۔ کہ فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین ان سے صدقہ لیتے تھے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۲۵، حقانیہ ملتان)

فَصْلُ الْفُصْلَانِ وَالْحُمْلَانِ وَالْعَجَاجِيلِ صَدَقَةٌ

﴿ یہ فصل جانوروں کے بچوں میں زکوٰۃ کے بیان میں ہے ﴾

فصلان، حملان و عجاجیل والی فصل کی مطابقت کا بیان:

مصنف جب بڑے جانوروں کی زکوٰۃ سے متعلق احکام بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے چھوٹے جانوروں سے متعلق احکام زکوٰۃ کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔ ابواب زکوٰۃ میں اس فصل کو مؤخر کرنے کی دلیل واضح ہے۔ کہ پہلے بڑے ہوتے ہیں اور چھوٹے ان کے بعد میں ہوتے ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ پہلے ان جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان کیا ہے جن پر وجوب زکوٰۃ میں ائمہ وفقہاء اور فقہی مذاہب کا اتفاق ہے اور اس کے بعد اختلافی مسائل پر مشتمل جانوروں سے متعلق احکام زکوٰۃ کو بیان کریں گے۔

فصلان، حملان اور عجاجیل کا معنی:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ فصلان یہ فصیل کی جمع ہے۔ فصیل اونٹنی کے اس کو بچے کو کہتے ہیں جو ابھی تک ابن مخاض نہ ہو۔ اور عجاجیل یہ عجول کی جمع ہے اس کا معنی ہے گائے کا بچہ یعنی بچھڑا ہے۔ اور حملان یہ حمل کی جمع ہے۔ بکری کے بچے کو حمل

کہا جاتا ہے۔(فتح القدیر،۴،ص۳۲،بیروت)

جانوروں کے بچوں کی زکوٰۃ میں فقہی تصریحات:

(وَلَيْسَ فِى الْفُصْلَانِ وَالْحُمْلَانِ وَالْعَجَاجِيلِ صَدَقَةٌ) عِنْدَ أَبِى حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَهَا كِبَارٌ ، وَهَذَا آخِرُ أَقْوَالِهِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ ، وَكَانَ يَقُولُ أَوَّلًا يَجِبُ فِيهَا مَا يَجِبُ فِى الْمَسَانِّ ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَمَالِكٍ ، ثُمَّ رَجَعَ وَقَالَ فِيهَا وَاحِدَةٌ مِنْهَا .وَهُوَ قَوْلُ أَبِى يُوسُفَ وَالشَّافِعِىِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .وَجْهُ قَوْلِهِ الْأَوَّلِ أَنَّ الِاسْمَ الْمَذْكُورَ فِى الْخِطَابِ يَنْتَظِمُ الصِّغَارَ وَالْكِبَارَ .

وَوَجْهُ الثَّانِى تَحْقِيقُ النَّظَرِ مِنْ الْجَانِبَيْنِ كَمَا يَجِبُ فِى الْمَهَازِيلِ وَاحِدٌ مِنْهَا وَوَجْهُ الْأَخِيرِ أَنَّ الْمَقَادِيرَ لَا يَدْخُلُهَا الْقِيَاسُ فَإِذَا امْتَنَعَ إِيجَابُ مَا وَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ امْتَنَعَ أَصْلًا ، وَإِذَا كَانَ فِيهَا وَاحِدٌ مِنْ الْمَسَانِّ جَعَلَ الْكُلَّ تَبَعًا لَهُ فِى انْعِقَادِهَا نِصَابًا دُونَ تَأْدِيَةِ الزَّكَاةِ ، ثُمَّ عِنْدَ أَبِى يُوسُفَ لَا يَجِبُ فِيمَا دُونَ الْأَرْبَعِينَ مِنْ الْحُمْلَانِ وَفِيمَا دُونَ الثَّلَاثِينَ مِنْ الْعَجَاجِيلِ ، وَيَجِبُ فِى خَمْسٍ وَعِشْرِينَ مِنْ الْفُصْلَانِ وَاحِدٌ ثُمَّ لَا يَجِبُ شَىْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ مَبْلَغًا لَوْ كَانَتْ مَسَانَّ يُثْنِى الْوَاجِبَ ، ثُمَّ لَا يَجِبُ شَىْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ مَبْلَغًا لَوْ كَانَتْ مَسَانَّ يُثَلِّثُ الْوَاجِبَ ، وَلَا يَجِبُ فِيمَا دُونَ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ فِى رِوَايَةٍ .وَعَنْهُ أَنَّهُ يَجِبُ فِى الْخَمْسِ خُمُسُ فَصِيلٍ ، وَفِى الْعَشْرِ خُمُسَا فَصِيلٍ عَلَى هَذَا الِاعْتِبَارُ ، وَعَنْهُ أَنَّهُ يَنْظُرُ إلَى قِيمَةِ خُمُسِ فَصِيلٍ وَسَطٍ وَإِلَى قِيمَةِ شَاةٍ فِى الْخَمْسِ فَيَجِبُ أَقَلُّهُمَا ، وَفِى الْعَشَرِ إلَى قِيمَةِ شَاتَيْنِ وَإِلَى قِيمَةِ خُمُسَىْ فَصِيلٍ عَلَى هَذَا الِاعْتِبَارُ .

ترجمہ

اورسیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اونٹ کے بچوں اور گائے کے بچوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔لیکن جب ان کے ساتھ بڑے بھی ہوں۔اور امام اعظم علیہ الرحمہ کا آخری قول یہی ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔جبکہ امام اعظم کا پہلا قول یہ تھا کہ ان بچوں میں وہی زکوٰۃ ہوگی جو ایک مسنہ میں واجب ہوتی ہے۔اور یہی حضرت امام زفر اور امام مالک علیہما الرحمہ کا قول ہے۔

اس کے بعد امام اعظم نے رجوع کیا اور فرمایا کہ انہیں جانوروں میں ایک واجب ہوگا۔اور یہ قول حضرت امام شافعی اور حضرت امام اعظم علیہما الرحمہ کا ہے۔اور امام صاحب کے پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ نص میں ذکر کیا گیا لفظ چھوٹے اور بڑے سب کو شامل ہے۔ اور دوسرے قول کی دلیل دونوں کو دیکھنے کی تحقیق ہے۔جس طرح کمزور جانوروں میں اسی طرح کا ایک واجب ہے۔اور دوسرے قول کی یہ دلیل بھی ہے کہ نصاب میں بیان کردہ مقادیر میں قیاس داخل نہ ہوگا۔لہٰذا جب وجوب اس طرح ممتنع ہوا جس پر شریعت کا حکم وارد ہوا ہے تو وجوب اصلی ممتنع ہوگا۔اور جب کوئی ایک بچہ مسنہ ہوا تو یہ تمام بچے نصاب زکوٰۃ کے انعقاد میں اس کے تابع ہوکر شمار کر لیے جائیں گے۔جبکہ ادائیگی زکوٰۃ میں نہیں ہوں گے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک چالیس بکری کے بچوں سے کم پر اور تیس گائے کے بچوں سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔اور اونٹ کے پچیس بچوں پر ایک واجب ہے۔پھر زائد پر کچھ واجب نہیں۔حتیٰ کہ ان کی تعداد وہاں پہنچ جائے کہ اگر وہ مسنین ہوتے تو دو (۲) کا واجب ہوتے۔پھر زائد پر کچھ واجب نہیں ہے۔حتیٰ کہ ان کی تعداد اتنی ہو جائے کہ اگر مسنین ہوتے تو تین واجب ہو جاتے۔اور حضرت امام ابو یوسف علیہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اونٹ کے بچوں میں پچیس سے کم پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں۔اور (اس کے سوا) دوسری روایت یہ ہے کہ پانچ بچوں میں ایک فصیل کا پانچواں حصہ واجب ہے اور دس میں ایک فصیل کے دو پانچویں حصے واجب ہیں۔اسی طرح قیاس کرتے جائیں گے۔

منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد والی روایت سے استدلال زکوٰۃ کا جواب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ قرار پائے تو اہل عرب میں جو کافر ہو گئے یعنی زکوٰۃ کے منکر ہو گئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں یعنی اہل ایمان سے کیونکہ جنگ کریں گے۔جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں (یعنی اسلام لے آئیں) لہٰذا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا یعنی اسلام قبول کر لیا اس نے مجھ سے اپنی جان اور اپنا مال محفوظ کر لیا سوائے اسلام کے حق اور اس کے باطن کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں جو نماز اور روزہ کے درمیان فرق کرے کیونکہ جس طرح جان کا حق نماز ہے اسی طرح بلا شبہ مال کا حق زکوٰۃ ہے اور اللہ کی قسم اگر وہ لوگ جو منکر زکوٰۃ ہو رہے ہیں مجھے بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے جو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیتے تھے تو میں ان کے اس انکار کی وجہ سے ان سے جنگ کروں گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر کہنے لگے خدا کی قسم اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہ میں نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنگ کرنے کے لیے الہام کے ذریعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دل کھول دیا ہے یعنی پر یقین کر دیا ہے لہٰذا مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہی یعنی منکرین زکوٰۃ سے جنگ ہی حق اور درست ہے۔

عناق بکری کے اس بچہ کو کہتے ہیں جوایک برس سے کم عمر کا ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ارشاد میں بکری کا بچہ فرض اور واجب حق کے طلب کرنے کا سلسلہ میں بطور مبالغہ فرمایا ہے۔ یہاں یہ حقیقت پر محمول نہیں ہے کیونکہ نہ تو بکری کا وہ بچہ جوایک سال سے کم ہوزکوۃ ہی میں لیا جاتا ہے اور نہ بکری کے ایسے بچوں میں زکوۃ ہی واجب ہوتی ہے زکوۃ میں لینے کے لیے ادنی درجہ مسنہ ہے (یعنی وہ بچہ جوایک سال کا ہو) اگر بچے بکریوں کے ساتھ ہوں گے تو پھران میں زکوۃ واجب ہوگی لیکن بہرصورت زکوۃ میں مسنہ ہی دیا جائے گا یہی حکم گائے ادراونٹوں کا ہے کہ زکوۃ کے طور پر بھی مسنہ ہی دیا جائے گا پچھلی قسط میں غالباً بتایا جاچکا ہے کہ بکریوں کا مسنہ تو وہ ہے جس کی عمر ایک سال ہواور گائے کا مسنہ وہ ہے جس کی عمر دوسال ہواور اونٹ کا مسنہ وہ ہے جو پانچ سال کا ہو۔

قاعدہ فقہیہ جب وجوب اس طرح ممتنع ہوا جس پر شریعت کا حکم وارد ہوا ہے تو وجوب اصلی ممتنع ہوگا:

فَإِذَا امْتَنَعَ إِيجَابُ مَا وَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ امْتَنَعَ أَصْلًا .

جب وجوب اس طرح ممتنع ہوا جس پر شریعت کا حکم وارد ہوا ہے تو وجوب اصلی ممتنع ہوگا۔(ہدایہ)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی ایسے حکم شرعی کی ممانعت کا حکم آئے جو پہلے کسی حکم شرعی سے ثابت تھا۔ جو وجوب سے ممانعت وجوب اصلی کی ممانعت کہلائے گی۔اس کی مثال حکم نماز ہے جو دلیل شرعی سے ثابت ہے جبکہ حائض کو اس حالت میں نماز پڑھنے سے منع کردیا۔تو یہ وجوب اصلی کی ممانعت ہے۔

مزکیٰ بہ کے معدوم ہونے میں حکم زکوۃ کا بیان:

قَالَ (وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ سِنٌّ وَلَمْ تُوجَدْ أَخَذَ الْمُصَدِّقُ أَعْلَى مِنْهَا وَرَدَّ الْفَضْلَ أَوْ أَخَذَ دُونَهَا) وَأَخَذَ الْفَضْلَ ، وَهَذَا يَبْتَنِي عَلَى أَنَّ أَخْذَ الْقِيمَةِ فِي بَابِ الزَّكَاةِ جَائِزٌ عِنْدَنَا عَلَى مَا نَذْكُرُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ، إلَّا أَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لَهُ أَنْ لَا يَأْخُذَ وَيُطَالِبَ بِعَيْنِ الْوَاجِبِ أَوْ بِقِيمَتِهِ لِأَنَّهُ شِرَاءٌ .وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يُجْبَرُ لِأَنَّهُ لَا بَيْعَ فِيهِ بَلْ هُوَ إعْطَاءٌ بِالْقِيمَةِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور جس پر مسن واجب ہوااور وہ نہیں پاتا تو مصدق اس سے اعلیٰ حاصل کرے اور زیادتی کو واپس پلٹادے۔ یا کمتر کو لیکر اس میں اور زیادتی کردے۔اور یہ اس دلیل پر مبنی ہے کہ ہمارے ہاں زکوۃ میں قیمت لینا جائز ہے۔ان شاء اللہ اس کو ہم بیان کریں گے۔البتہ پہلی صورت میں مصدق کیلئے اختیار ہے کہ وہ اعلیٰ جانور نہ لے اور مالک سے عین کا طالب ہو یا اس کی قیمت طلب کرے

کیونکہ یہ اس کا خریدنا ہے جبکہ دوسری صورت میں وہ جبر کرنے والا ہے۔لہٰذا اس میں مبیع نہیں ہے بلکہ وہ قیمت کے ذریعے زکوۃ دینے والا ہے۔

نصاب میں کمی یا زیادتی کی صورت میں مصدق کے خیار کا بیان:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مصنف کے اس قول سے کہ مصدق اعلیٰ مال پکڑے اور زائد کو واپس لوٹادے۔یا کمتر کو لیکر اس میں زیادتی کرتے ہوئے وصول نصاب کو پورا کرے۔اس سے مصدق کیلئے خیار ثابت ہورہا ہے۔اور اسکا یہ خیار رب المال میں ثابت ہوگا۔صاحب نہایہ نے خیار کا اطلاق اس طرح کیا ہے کہ مصدق کو خیار حاصل ہے کہ وہ ادنیٰ مال کی صورت میں جبر کرتے ہوئے اس میں مال کی زیادتی کا تقاضہ کرے اور اعلی کی صورت میں زائد لوٹانے کے ساتھ وہ جبر نہیں کرے گا۔

(فتح القدیر، ج۴، ۳۷، بیروت)

فقہاء احناف کے نزدیک مصدق کو اعلیٰ یا ادنیٰ وصول کرنے کی اجازت اس لئے بھی ہے کہ ان کے نزدیک قیمت سے زکوۃ ادا کرنا جائز ہے۔لہٰذا جب کل میں انتقال وصول نصاب جائز ہوا تو بعض میں بدرجہ اولیٰ انتقال وصول نصاب جائز ہوا۔

قیمت کے ذریعے زکوۃ دینے کا بیان:

(وَيَجُوزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ) عِنْدَنَا وَكَذَا فِي الْكَفَّارَاتِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ وَالْعُشْرِ وَالنَّذْرِ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا يَجُوزُ اتِّبَاعًا لِلْمَنْصُوصِ كَمَا فِي الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا .وَلَنَا أَنَّ الْأَمْرَ بِالْأَدَاءِ إلَى الْفَقِيرِ إيصَالًا لِلرِّزْقِ الْمَوْعُودِ إلَيْهِ فَيَكُونُ إبْطَالًا لِقَيْدِ الشَّاةِ وَصَارَ كَالْجِزْيَةِ ، بِخِلَافِ الْهَدَايَا لِأَنَّ الْقُرْبَةَ فِيهَا إرَاقَةُ الدَّمِ وَهُوَ لَا يُعْقَلُ .وَوَجْهُ الْقُرْبَةِ فِي الْمُتَنَازَعِ فِيهِ سَدُّ خُلَّةِ الْمُحْتَاجِ وَهُوَ مَعْقُولٌ .

ترجمہ:

اور زکوۃ میں قیمت دینا جائز ہے۔ یہ ہمارے نزدیک ہے۔اور اسی طرح ہے جس طرح کفارات، صدقہ فطر، عشر اور نذر ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: نصوص کی اتباع کرتے ہوئے جائز نہیں ہے۔جس طرح ہدی اور قربانی میں ہے۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ امر بالاداء جو فقیر کی طرف ہے وہ اس کو رزق پہنچانا ہے جس کی طرف اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔پس وہ قید بکری سے وہ باطل ہوجائے گی۔لہٰذا یہ جزیہ کی طرح ہوگیا۔بخلاف ہدی کے کیونکہ اس میں قربت خون کا بہانا ہے اور وہ غیر معقول ہے اور قربت کی دلیل جھگڑے میں اس کو روکنا محتاج کی احتیاط کے پیش نظر ہے۔اور وہ معقول ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہونے میں فقہی مذاہب ثلاثہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مال میں زکوٰۃ رل مل جاتی ہے وہ مال ضائع ہو جاتا ہے۔ (شافعی، بخاری، حمیدی) حمید نے یہ مزید نقل کیا (یعنی حدیث کی وضاحت بیان کی ہے کہ) بخاری نے فرمایا کہ جب تم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور تم زکوٰۃ نہیں نکالتے تو وہ زکوٰۃ مال میں رلی ملی ہوتی ہے لہٰذا حرام مال حلال مال کو ضائع کر دیتا ہے جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ عین مال سے متعلق ہے نہ کہ ذمہ سے تو انہوں نے اسی حدیث کو بخاری کی مذکورہ بالا وضاحت کے ساتھ اپنی دلیل قرار دیا ہے (منتقی، بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو امام احمد بن حنبل سے حضرت عائشہ تک سلسلہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے چنانچہ امام احمد نے حدیث کے لفظ خالطت کے معنی یا اس کی تاویل) کے سلسلے میں یہ وضاحت کی ہے کہ (مثلاً ایک شخص مالدار اور یا غنی ہے مگر اس کے باوجود وہ زکوٰۃ لیتا ہے حالانکہ زکوٰۃ تو صرف فقراء اور مساکین اور مستحقین کے لیے جائز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں حضرت امام بخاری تو اس کا مطلب یہ بیان فرما رہے ہیں کہ مثلاً ایک شخص صاحب نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے مگر وہ اپنے مال میں سے وہ حصہ نہیں نکالتا جو بطور زکوٰۃ اس پر نکالنا واجب ہے اس طرح مال وہ حصہ جو زکوٰۃ کے طور پر اسے نکالنا چاہئے تھا اور اب نہ نکالنے کی صورت میں وہ اس کے حق میں حرام مال ہے اس کے اصل میں مال مخلوط رہے۔

بہر حال ان میں سے کوئی بھی معنی متعین کر لیے جائیں دونوں اقوال کے پیش نظر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حرام مال خواہ وہ مال میں سے بقدر واجب نہ نکالا جانے والا حصہ ہو خواہ صاحب نصاب کا کسی دوسرے سے زکوٰۃ میں حاصل کیا ہوا مال ہو، اصل اور حال مال کو شائع اور تباہ کر دیتا ہے بایں طور کہ اس حرام مال کے ملنے کی وجہ سے پورا مال کسی نہ کسی طرح ضائع ہو جاتا ہے یا اس میں کوئی نقصان واقع ہو جاتا ہے یا مال میں سے برکت اٹھ جاتی ہے اور یا مال نا قابل انتفاع جاتا ہے کیونکہ حرام مال سے نفع اٹھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

اس روایت کے آخر میں ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے؟ اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ مثلاً ایک شخص مالدار یعنی صاحب نصاب ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ زکوٰۃ کے طور پر بقدر واجب مال اسی مال میں سے نکال کر دے جو اس کے پاس ہے یا یہ کہ اگر وہ اسی مال میں زکوٰۃ کے بقدر حصہ نہ نکالے بلکہ اس کی قیمت ادا کرے تو اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی اور دوسرے ائمہ کا مسلک تو یہ ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے یعنی جس مال پر زکوٰۃ واجب ہے اسی مال میں بقدر واجب مال نکال کر زکوٰۃ ادا کرے اور یہ بات انہوں نے حدیث کے لفظ خالطت سے مستنبط کی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا تعلق ذمہ ہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صاحب نصاب اسی مال سے کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہے زکوٰۃ کے طور پر بقدر واجب مال نہ نکالے بلکہ اتنے ہی مال کی قیمت زکوٰۃ میں ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے

اور وہ بری الذمہ ہو جائے گا۔

مگر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ حدیث حضرت امام شافعی وغیرہ کے مذکورہ مسلک کی دلیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اسی معنی کو حدیث کا اصل مفہوم قرار دیا جائے جو حضرت امام بخاری کی طرف سے بیان کیے گئے ہیں۔

حنفی مسلک کی دلیلیں ملا علی قاری نے مرقات میں اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔ طوالت کی وجہ سے انہیں یہاں نقل نہیں کیا گیا ہے۔ اہل علم ان کتابوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

عوامل وحوامل وغیرہ میں زکوٰۃ کا بیان:

(وَلَيْسَ فِي الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامِلِ وَالْعَلُوفَةِ صَدَقَةٌ) خِلَافًا لِمَالِكٍ .لَهُ ظَوَاهِرُ النُّصُوصِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَيْسَ فِي الْحَوَامِلِ وَالْعَوَامِلِ وَلَا فِي الْبَقَرِ الْمُثِيرَةِ صَدَقَةٌ) ، وَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِي وَدَلِيلُهُ الْإِسَامَةُ أَوْ الْإِعْدَادُ لِلتِّجَارَةِ وَلَمْ يُوجَدْ ، وَلِأَنَّ فِي الْعَلُوفَةِ تَتَرَاكَمُ الْمُؤْنَةُ فَيَنْعَدِمُ النَّمَاءُ مَعْنًى .ثُمَّ السَّائِمَةُ هِيَ الَّتِي تَكْتَفِي بِالرَّعْيِ فِي أَكْثَرِ الْحَوْلِ حَتَّى لَوْ عَلَفَهَا نِصْفَ الْحَوْلِ أَوْ أَكْثَرَ كَانَتْ عَلُوفَةً لِأَنَّ الْقَلِيلَ تَابِعٌ لِلْأَكْثَرِ .

ترجمہ:

عوامل، حوامل اور علوفہ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے ان کے نزدیک نصوص کے ظواہر ہیں۔ اور ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ حوامل، عوامل اور ہل چلانے والے بیل میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور زکوٰۃ کا سبب وہ مال نامی ہے اور نامی کی دلیل سائمہ یا تجارت کیلئے استعمال کرنا ہے۔ جبکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں پائی جاتی۔ اور علوفہ کو کھلانے کا بوجھ برداشت کرنا ہے لہٰذا معنی نامیت معدوم ہے اور سائمہ وہ ہے جو سال کے اکثر حصہ میں چرنے کر اکتفاء کرے یہاں تک کہ اگر جانور کو نصف سال یا اکثر سال باندھ کھلایا ہو تو وہ علوفہ ہے۔ لہٰذا قلیل اکثر کے تابع ہے

زکوٰتی جانوروں کے بچوں میں عدم زکوٰۃ کے دلائل:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اونٹ کے بچوں اور گائے کے بچوں میں عدم زکوٰۃ کا حکم نصوص سے ظاہر ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اونٹ کے بچوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گائے کے بچوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بقر مثیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور یہ مذہب حضرت علی المرتضیٰ، عبداللہ

بن عباس، جابر بن عبداللہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ کیونکہ وجوب کا سبب مال نامی ہے اور یہ اموال نامی نہیں ہے۔ کیونکہ نمو کی دلیل سائمہ ہونا ہے۔ یا تجارت کے لئے ان کا شمار ہونا ہے اور ان دونوں میں انتفاء سبب پایا جارہا ہے اور جب انتفائے سبب پایا جائے تو حکم بھی منتفی ہو جائے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص، ۹۷، بیروت)

جن سائمہ جانوروں میں زکوٰۃ واجب ہے اگر ان کے صرف بچے ہوں اور ان بچوں کے ساتھ بڑا جانور ایک بھی نہ ہو تو ان بچوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے یہی صحیح قول ہے اور اگر ان کے ساتھ ایک جانور بھی پوری عمر کا ہوگا تو وہ سب بچے نصاب پورا کرنے میں اس کے تابع ہو جائیں گے اور ان سب کی تعداد ملا کر نصاب پورا ہونے پر بالاجماع زکوٰۃ واجب ہو جائے گی مگر زکوٰۃ میں بچے نہیں دیئے جائیں گے بلکہ پوری عمر کا بکری دیا جائے گا مثلاً کسی کے پاس بکریوں کے انتالیس بچے ایک سال سے کم عمر کے ہیں ایک بکری ایک سال سے اوپر کی ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی پس اگر وہ ایک سال سے زیادہ عمر کی بکری یا وسط درجہ کی ہے تو وہی لی جائے گی اور اول درجہ کی ہے تو صاحب مال اوسط درجہ کی بکری دے گا اور اگر وہ بکری اوسط درجہ سے کم کی ہو تو پھر یہی واجب ہے اسی طرح اونٹوں اور گائے بیلوں میں سمجھ لیجئے، اگر کیجئے جانور واجب ہوں تو اگر بڑوں سے زکوٰۃ پوری نہ ہوتی ہو تو بڑے جانور جو موجود ہیں وہی واجب ہوں گے اور باقی ساقط ہو جائیں گے، چھوٹے جانور ملا کر تعداد پوری نہیں کریں گے۔

جو جانور کام کرتے ہیں مثلاً ہل چلاتے اور زمین سیراب کرتے ہیں یا ان پر بوجھ لادا جاتا ہو یا سواری کے لئے ہوں یا نصف سال سے زیادہ گھر پر چارہ کھلایا جاتا ہو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے لیکن گھر پر چارہ کھانے والے جانور اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان میں زکوٰۃ قیمت کے اعتبار سے واجب ہوگی بلکہ سائمہ بھی اگر تجارت کے لئے ہوں تب بھی اس کی زکوٰۃ قیمت لگا کر دی جائے گی۔

علوفہ وسائمہ کی تعریف:

اگر سال کا اکثر حصہ مفت چر کر گزارا کریں تو سائمہ کہلاتے ہیں۔ ان پر مقرر شرح سے سال گزرنے پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اگر سال کا اکثر حصہ قیمتی چارہ ڈالا جائے تو علوفہ کہلاتے ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں۔

عوامل وحوامل کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

جو جانور کام کاج کے ہوں اور ضروریات میں استعمال ہوتے ہوں جیسے بیل ہل جوتنے یا کنویں سے پانی کھینچنے یا بار برداری کے کام لیے ہوں تو اگرچہ ان کی تعداد بقدر نصاب ہی کیوں نہ ہو لیکن ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ یہی حکم اونٹ وغیرہ کے بارے میں بھی ہے چنانچہ حضرت امام اعظم حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے جانوروں میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

علوفہ کی زکوٰۃ میں فقہی مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ علوفہ جانور میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور یہی فقہاء احناف کا مذہب ہے۔ اور

اسی طرح حضرت عطاء، حسن، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، سعید بن جبیر، لیث بن سعد، امام شافعی، امام احمد، ابوثور، ابوعبید، ابن منذر علیہم الرحمہ کا قول ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ سے روایت ہے اور قتادہ، مکحول اور امام مالک علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اور ان کی دلیل نص کا ظاہری حکم یعنی "ان کے اموال سے صدقہ پکڑیں" ہے۔

ہم احناف اور ہمارے مؤید فقہاء کی دلیل سنن ابوداؤد کی حدیث ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ حوامل، عوامل اور ہل چلانے والے بیل میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۴، ص، ۶۸، حقانیہ ملتان)

مصدق کے درمیانہ مال لینے کا بیان:

(وَلَا يَأْخُذُ الْمُصَدِّقُ خِيَارَ الْمَالِ وَلَا رَذَالَتَهُ وَيَأْخُذُ الْوَسَطَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَا تَأْخُذُوا مِنْ حَزَرَاتِ أَمْوَالِ النَّاسِ) أَيْ كَرَائِمَهَا "(وَخُذُوا مِنْ حَوَاشِي أَمْوَالِهِمْ) أَيْ أَوْسَاطَهَا وَلِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا مِنْ الْجَانِبَيْنِ .

ترجمہ:

اور مصدق اعلیٰ مال نہ پکڑے اور نہ ہی کمتر مال پکڑے۔ بلکہ وہ درمیانہ مال لے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے مالوں میں سے اعلیٰ اور بہتر مال نہ لو۔ (ابوداؤد) اور ان کے مالوں میں سے درمیانہ مال لو۔ اور اس لئے بھی کہ اس میں دونوں اطراف کا خیال ہے۔

مصدق کے درمیانہ مال لینے میں دلیل شرعی کا بیان:

حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصدق بنا کر بھیجا میں ایک شخص کے پاس پہنچا جب اس نے اپنا مال اکھٹا کیا تو اس پر ایک بنت مخاض واجب ہوئی میں نے کہا لا ایک بنت مخاض دے تجھ پر زکوٰۃ میں یہی واجب ہوا ہے وہ بولا بنت مخاض کس کام کی نہ وہ دودھ دیتی ہے اور نہ اس پر سواری کی جا سکتی ہے اس کے بجائے یہ خوب فربہ اور جوان اونٹنی لے لو میں نے کہا وہ چیز میں نہیں لوں گا جس کے لینے کا مجھے حکم نہیں ہوا البتہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے قریب ہی میں موجود ہیں ان سے جا کر عرض کر اگر وہ قبول فرمالیں تو میں لے لوں گا ورنہ واپس کر دوں گا اس نے کہا اچھا میں چلتا ہوں اور وہ اسی اونٹنی کو میرے ساتھ ساتھ لے کر چلا جب ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ شخص بولا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے میرے پاس آیا بخدا اس سے قبل میرے مال کو نہ تو اللہ کے رسول نے ملاحظہ فرمایا اور نہ ہی ان کے قاصد نے دیکھا تو میں نے اپنے مال کو اکھٹا کیا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد بولا تجھ پر ایک بنت مخاض لازم ہے اور حال یہ کہ بنت مخاض نہ دودھ دیتی ہے اور نہ سواری کے لائق ہے اس لئے میں نے اس

کوایک جوان اور فربہ اونٹنی دینی چاہی لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا اور وہ اونٹنی یہ ہے اب میں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آیا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو قبول فرمالیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے اوپر واجب تو یہی بنت مخاض ہوئی ہے لیکن اگر تو اپنی خوشی سے اس کو دے رہا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کا اجر عطا فرمائے گا اور ہم قبول کرلیں گے وہ شخص بولا تو پھر یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ لے لیجئے یہ وہی اونٹنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وہ اونٹنی لے لینے کا حکم فرمایا اور اس کے مال میں خیر و برکت کی دعا کی۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ)

اس حدیث میں دلیل ہے کہ مصدق اعلیٰ مال وصول نہ کرے بلکہ جس قدر کوئی چیز زکوٰۃ میں واجب ہے وہی وصول کرے۔ اور نبی کریم ﷺ نے اس شخص کی اونٹنی کو قبول اس کے اخلاص کی وجہ سے قبول فرمائی اور اس کے دینی جذبے کی قدر کرتے ہوئے قبول فرمایا ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ شارع ہیں۔ آپ ﷺ کا اختیار حاصل ہے۔ اور تیسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ وجوب تو بنت مخاض ہے۔

درمیان سال میں ملنے والے مال کو نصاب زکوٰۃ میں شامل کرنے کا بیان:

قَالَ (وَمَنْ كَانَ لَهُ نِصَابٌ فَاسْتَفَادَ فِي أَثْنَاءِ الْحَوْلِ مِنْ جِنْسِهِ ضَمَّهُ إِلَيْهِ وَزَكَّاهُ بِهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا يَضُمُّ لِأَنَّهُ أَصْلٌ فِي حَقِّ الْمِلْكِ فَكَذَا فِي وَظِيفَتِهِ ، بِخِلَافِ الْأَوْلَادِ وَالْأَرْبَاحِ لِأَنَّهَا تَابِعَةٌ فِي الْمِلْكِ حَتَّى مُلِكَتْ بِمِلْكِ الْأَصْلِ .وَلَنَا أَنَّ الْمُجَانَسَةَ هِيَ الْعِلَّةُ فِي الْأَوْلَادِ وَالْأَرْبَاحِ لِأَنَّ عِنْدَهُمَا يَتَعَسَّرُ الْمَيْزُ فَيَعْسُرُ اعْتِبَارُ الْحَوْلِ لِكُلِّ مُسْتَفَادٍ ، وَمَا شَرْطُ الْحَوْلِ إلَّا لِلتَّيْسِيرِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور جس شخص کے پاس نصاب ہو پس اسے درمیان سال میں اسی جنس سے مال حاصل ہوا تو وہ اس مال کو پہلے مال کے ساتھ ملائے اور اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ نہیں ملایا جائے گا۔ کیونکہ وہ مال مالک کے حق میں اصل ہے لہٰذا یہ حکم کے اعتبار سے بھی اصل رہے گا۔ بخلاف اولاد اور منافع کے کیونکہ اولاد ملکیت کے اعتبار سے اصل کے تابع ہے یہاں تک کہ اصل مملوک ہونے سے ران پر بھی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ مجانست ہی علت ہے جو اولاد اور منافع میں ہے۔ کیونکہ ایک جنس ہونے کے وقت فرق کرنا مشکل ہے۔ لہٰذا ہر مال مستفاد کیلئے الگ سال کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اور سال کی شرط تو صرف آسانی کیلئے بیان کی گئی ہے۔

مال مستفاد کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کسی کو مال حاصل ہوا تو اس پر اس

وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جب تک کہ ایک سال نہ گزر جائے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ایک جماعت کے بارے میں کہا ہے کہ اس نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر پر موقوف کیا ہے یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں ہے بلکہ خود حضرت ابن عمر کا قول ہے۔

پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ مال مستفاد کسے کہتے ہیں؟ فرض کیجیے کہ آپ کے پاس اسی بکریاں موجود ہیں جن پر ابھی سال پورا نہیں ہے اسی درمیان میں اکتالیس بکریاں اور آپ کو حاصل ہو جاتی ہیں خواہ وہ میراث میں حاصل ہوئی ہوں یا تجارت سے منافع کی صورت میں اور خواہ کسی نے آپ کو ہبہ کر دی ہوں بہر حال اس طرح بکریوں کی تعداد اسی کی بجائے ایک سو اکیس ہو گئی چنانچہ یہ اکتالیس بکریاں جو آپ کو درمیان سال حاصل ہوئی ہیں مال مستفاد کہلائیں گی۔ گویا مال مستفاد کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ مال کی جنس سے ہو اور درمیان سال حاصل ہوا ہو۔

اب اس حدیث کی طرف آیئے ابن مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص پر مال کی وجہ سے زکوٰۃ فرض ہو اور سال کے درمیان اسے کچھ مزید مال پہلے سے موجود مال ہی کی جنس سے (مثلاً پہلے سے بکریاں موجود ہوں تو بکریاں ہی یا پہلے سے گائیں موجود ہوں تو گائیں) ملے تو بعد میں حاصل ہونے والے اس مال پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب کہ اس مال پر پورا سال نہ گزر جائے چنانچہ حضرت امام شافع کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اصل (پہلے سے موجود) مال ہی پر پورا سال گزر جانا کافی ہے بعد میں حاصل ہونے والے مال پورا سال گزرے یا نہ گزرے زکوٰۃ مجموعہ مال پر واجب ہو جائے گی۔

اس اختلاف کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس اسی بکریاں ہیں جن پر ابھی چھ مہینے ہی گزرے تھے کہ پھر اسے اکتالیس بکریاں حاصل ہو گئیں چاہے تو انہیں اس نے خریدا ہو چاہے اسے وراثت میں ملی ہوں یا کسی اور طرح اس نے حاصل کی ہوں تو ان بعد میں ملنے والی اکتالیس بکریوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ ہاں اگر ان بکریوں پر بھی ان کو خریدنے یا وراثت میں حاصل ہونے کے وقت سے ایک سال پورا ہو جائے گا تو زکوٰۃ واجب ہوگی حضرت امام شافعی اور ان کے ساتھ ہی حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے۔ مگر حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھ حضرت امام مالک کے نزدیک وہ مال مستفاد (جو بعد میں حاصل ہوا ہے) اصل (یعنی پہلے سے موجود) مال کے تابع ہوگا، جب پہلے سے موجود اسی بکریوں پر ایک سال گزر جائے گا تو مجموعہ بکریوں پر زکوٰۃ میں دو بکریاں نکالنا واجب ہو جائے گا کیونکہ بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب چالیس ہے یعنی چالیس سے کم بکریوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ بلکہ چالیس سے ایک سو بیس کی تعداد پر ایک بکری واجب ہوتی ہے۔ جب تعداد ایک سو اکیس ہو جاتی ہے تو دو بکریاں واجب ہو جاتی ہیں لہٰذا مذکورہ بالا صورت میں پہلے اور بعد کی بکریوں کی مجموعی تعداد چونکہ ایک سو اکیس ہو گئی اس لیے دو بکریاں واجب ہوں گی۔

اب رہ گئی یہ بات کہ حدیث سے تو بظاہر حضرت امام شافعی ہی کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے تو اس بارے میں حنفی علماء کی

جانب سے کہا جاتا ہے کہ اس حدیث کے وہ معنی ہیں ہی نہیں جو شافعی حضرات بیان کرتے ہیں بلکہ اس کا تو مفہوم یہ ہے کہ جو شخص ابتدائی طور پر مال پائے اور حاصل کرے تو اس پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ مال پر ایک سال گزر جائے لہٰذا حدیث میں مال سے مستفاد مراد نہیں ہے۔

مال مستفاد کی زکوٰۃ میں احناف وشوافع کے اختلاف کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مال مستفاد کی دو اقسام ہیں۔(۱) اس مال مستفاد کا درمیان سال میں ہونا ایک ہی جنس سے ہو (۲) اس مال مستفاد کی جنس سے مختلف ہو۔

دوسری صورت میں بالاتفاق اس کو مال کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ اور اس کی صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس اونٹ ہیں کہ درمیان سال اس کے پاس گائے یا بکریاں آگئیں تو کیا ان بکریوں یا گائے کو اونٹوں کے نصاب کے ساتھ ملایا جائے تو جنس کے اختلاف کی بالاتفاق نہیں ملایا جائے گا۔ بلکہ ان اشیاء کیلئے الگ سال کو بطور نصاب شمار کیا جائے گا۔

اور جب مال مستفاد اسی کی جنس سے ہو۔ تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں ہے۔ کہ وہ اصلی سبب سے حاصل ہوا ہے جس طرح اولاد یا منافع ہیں۔ یا اس کا مقصود سبب بنا ہے۔ تو پہلی صورت میں بالاجماع ملایا جائے گا۔ اور دوسری صورت میں جب کسی شخص کے پاس سائمہ میں سے اتنی مقدار ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہے اور اسی میں درمیان سال بیچنے یا ہبہ کے ذریعے اسی کی جنس سے حاصل ہوا یا اسی جنس سے میراث کے ذریعے حاصل ہوا تو اس کو بھی ملایا جائے گا۔ اور احناف کے نزدیک سال کے مکمل ہونے پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے مال مستفاد کیلئے نئے سال کا حساب کیا جائے گا اور اس کے پورا ہونے پر اس میں زکوٰۃ ہوگی۔ خواہ وہ نصاب کے برابر ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ اصل اس میں یہ ہے کہ حق ملکیت حاصل ہوا ہے اگرچہ یہ حق ملکیت غیر سبب سے حاصل ہوا ہے کیونکہ اگر نصاب کے مطابق حق ملکیت حاصل ہوتا تو یہ سبب کے مطابق تھا اور جب نصاب پر مال مستفاد حاصل ہوا ہے جو نصاب کو پہنچنے والا نہیں ہے تو یہ حق ملکیت سبب اصلی کے غیر سے حاصل ہوا ہے۔ لہٰذا اتمام سال پر مال مستفاد سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص، بیروت)

عفو میں حکم زکوٰۃ کا بیان:

قَالَ (وَالزَّكَاةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ فِي النِّصَابِ دُونَ الْعَفْوِ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ فِيهِمَا :حَتَّى لَوْ هَلَكَ الْعَفْوُ وَبَقِيَ النِّصَابُ بَقِيَ كُلُّ الْوَاجِبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَزُفَرَ يَسْقُطُ بِقَدْرِهِ .لِمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ أَنَّ الزَّكَاةَ وَجَبَتْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ الْمَالِ وَالْكُلُّ نِعْمَةٌ .

وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(فِي خَمْسٍ مِنْ الْإِبِلِ السَّائِمَةِ شَاةٌ وَلَيْسَ فِي الزِّيَادَةِ شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ عَشْرًا) وَهَكَذَا قَالَ فِي كُلِّ نِصَابٍ ، وَنَفَى الْوُجُوبَ عَنْ الْعَفْوِ ، وَلِأَنَّ الْعَفْوَ تَبَعٌ لِلنِّصَابِ ، فَيُصْرَفُ الْهَلَاكُ أَوَّلًا إلَى التَّبَعِ كَالرِّبْحِ فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ ، وَلِهَذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ :يُصْرَفُ الْهَلَاكُ بَعْدَ الْعَفْوِ إلَى النِّصَابِ الْأَخِيرِ ثُمَّ إلَى الَّذِي يَلِيهِ إلَى أَنْ يَنْتَهِيَ ، لِأَنَّ الْأَصْلَ هُوَ النِّصَابُ الْأَوَّلُ وَمَا زَادَ عَلَيْهِ تَابِعٌ .

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يُصْرَفُ إلَى الْعَفْوِ أَوَّلًا ثُمَّ إلَى النِّصَابِ شَائِعًا .

ترجمہ:

فرمایا: امام اعظم اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ کے نزدیک نصاب میں زکوٰۃ ہے عفو میں نہیں ہے جبکہ امام محمد اور امام زفر علیہما الرحمہ نے کہا کہ نصاب اور عفو دونوں میں زکوٰۃ ہے۔ اگر عفو ہلاک ہوا اور نصاب باقی رہا تو شیخین کے نزدیک کل واجب باقی ہے۔ جبکہ امام محمد وزفر علیہما الرحمہ کے نزدیک ہلاک شدہ مقدار کے حساب سے ساقط ہو جائے گی۔ اور امام محمد وزفر علیہما الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ مال کی نعمت کے شکر کے طور پر واجب ہوئی ہے اور سارا مال نعمت ہے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پانچ سائمہ اونٹوں میں ایک اونٹ ہے اور زائد میں کچھ نہیں۔ حتیٰ دس تک پہنچ جائیں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اور نصاب میں اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا عفو کے وجوب کی نفی ہوئی اور یہ دلیل بھی ہے کہ عفو نصاب کے تابع ہے۔ لہٰذا ہلاک کو پہلے ہی تابع کی طرف پھیرا جائے گا۔ جس طرح مال مضاربت کے نفع کو پھیرا گیا ہے اور اسی دلیل کی وجہ سے امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہلاک کو عفو کے بعد دوسرے نصاب کی طرف پھیرا جائے گا۔ اس کے بعد اس نصاب کی طرف جو اس سے ملا ہوا ہے حتیٰ کہ نصاب مکمل ہو جائے۔ اس لئے کہ اصل تو پہلا نصاب ہے اور جو اس پر زیادہ ہوا وہ تابع ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اولاً کی عفو طرف پھیرا جائے گا۔ پھر شائع کے طریق پر پورے نصاب کی طرف پھیرا جائے گا۔

عفو کی زکوٰۃ میں ائمہ احناف کے اختلاف کا بیان:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اگر کسی شخص کا عفو ہلاک ہو گیا اور باقی نصاب رہ گیا تو اس کی صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ ایک شخص کے پاس نو (۹) اونٹ ہیں یا اس کے پاس ایک سو بیس (۱۲۰) بکریاں ہیں۔ تو سال کے بعد چار اونٹ یا آٹھ بکریاں ہلاک ہو گئیں تو ان کی ہلاکت کے باوجود شیخین کے نزدیک زکوٰۃ کچھ بھی ساقط نہ ہوگی۔ بلکہ پوری زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔

جبکہ امام محمد اور امام زفر علیہما الرحمہ کے نزدیک پہلے چار اونٹوں میں اور دوسرے نصاب میں بکریوں کے دو ثلث سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے۔

نصاب زکوٰۃ کے بارے نص کے بیان کی وجہ سے ان میں سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ فقہاء کے ہاں یہ اصول مسلمہ ہے کہ

جب کسی نص کے معارض قیاس آجائے تو اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اور نصاب زکوٰۃ میں جانوروں کے تعین میں نصوص واضح ہیں۔ اسی بناء پر فقہاء نے کہا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کے پاس چالیس اونٹ ہوں اور سال کے بعد ان میں سے بیس ہلاک ہوگئے تو امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر چار بکریوں کی زکوٰۃ ہوگی۔ گویا آپ کے نزدیک سال ان بیس پر گزرا ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کی زکوٰۃ ایک بنت لبون ہوگی۔ اور نصف اس سے ساقط ہو جائے گی۔ اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک بیس کے چھتیس حصے بنائے جائیں گے اور پھر بنت لبون کے اتنے ہی حصے بنائے جائیں۔ اور پھر اس میں سے سولہ حصے ساقط ہو جائیں گے۔ کیونکہ چالیس میں سے چار حصے وہ ہوں گے جو عفو ہیں جن کو ہالک کی طرف پھیرا جائے گا۔ اور باقی چھتیس میں وجوب رہ گیا۔ لہٰذا وجوب کی وہی مقدار ہوگی جس میں وہ باقی رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتح القدیر، ج ۴، ص ۵۴، بیروت)

خارجیوں کے وصول زکوٰۃ کے باوجود زکوٰۃ وصول کرنے کا بیان:

(وَإِذَا أَخَذَ الْخَوَارِجُ الْخَرَاجَ وَصَدَقَةَ السَّوَائِمِ لَا يُثَنَّى عَلَيْهِمْ) لِأَنَّ الْإِمَامَ لَمْ يَحْمِهِمْ وَالْجِبَايَةُ بِالْحِمَايَةِ ، وَأَفْتَوْا بِأَنْ يُعِيدُوهَا دُونَ الْخَرَاجِ فيما بينهم وبين الله تعالى فَلِأَنَّهُمْ مَصَارِفُ الْخَرَاجِ لِكَوْنِهِمْ مُقَاتِلَةً ، وَالزَّكَاةُ مَصْرِفُهَا الْفُقَرَاءُ وَهُمْ لَا يَصْرِفُونَهَا إلَيْهِمْ .وَقِيلَ إذَا نَوَى بِالدَّفْعِ التَّصَدُّقَ عَلَيْهِمْ سَقَطَ عَنْهُ ، وَكَذَا الدَّفْعُ إلَى كُلِّ جَائِرٍ لِأَنَّهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ مِنْ التَّبِعَاتِ فُقَرَاءُ ، وَالْأَوَّلُ أَحْوَطُ .

ترجمہ:

اور اگر خارجیوں نے خراج اور سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ وصول کی تو لوگوں سے دوبارہ زکوٰۃ لی وصول کی جائے گی۔ کیونکہ امام نے لوگوں کا تحفظ نہیں کیا۔ جبکہ محصول مدد وحمایت پر ہے۔ اور فتویٰ یہ دیا جائیگا کہ لوگ زکوٰۃ کا اعادہ کریں خراج کا اعادہ نہ کریں۔ کیونکہ وہ (خوارج) خراج کا مصرف ہیں کیونکہ وہ لڑنے والے ہیں۔ اور زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں۔ اور وہ (خوارج) ان پر (فقراء) خرچ نہ کریں گے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب کسی نے زکوٰۃ دیتے ہوئے صدقے کی نیت تو اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور اسی طرح ہر شخص کو دینا جائز ہے (جو ظالم ہے) کیونکہ یہ لوگ اپنے ظلم کی وجہ سے ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور فقیر ہیں۔ اور احتیاط پہلے قول میں ہے۔

احوط کا فقہی مفہوم:

احوط کا فقہی مفہوم یہ ہے کہ دلیل کے پیش نظر جب کسی حکم شرعی میں دوسری طرح عمل کرنے کی بہ جائے اس طرح عمل کرنے میں زیادہ آسانی ہو تو اس کو احوط کہتے ہیں۔

قاعدہ فقہیہ: حقوق اللہ میں عطا کردہ سہولت کو حقوق العباد پر محمول کردیا جائے گا۔

حقوق اللہ میں عطا کردہ سہولت کو حقوق العباد پر محمول کردیا جائے گا۔ (اصول شاشی)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس نصاب زکوٰۃ ہے جو مختلف اجناس کی صورت میں ہے اور اسی طرح مصارف زکوٰۃ بھی مختلف ہوں تو وہ اجناس جو مصارف کیلئے زیادہ فائدہ مند ہوں ان اجناس کو انہی کے قریبی فوائد والے مصارف تک پہنچا دیا جائے گا تاکہ جس مصرف کو جس جنس سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ اسے حاصل کرے، کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زکوٰۃ مختلف اجناس پر نصاب زکوٰۃ کے مکمل ہونے پر فرض ہوئی، اسی طرح بندوں کو بھی اسی سہولت کو محمول کرتے ہوئے مختلف مصارف میں اسے تقسیم کردیا جائے گا۔

واجب الاداء قرض کی ادائیگی میں احوط کا بیان:

اگر کسی شخص نے مختلف لوگوں کا قرض دینا ہو اور قرض دینے والے کے پاس ادائیگی کیلئے مختلف اجناس ہوں تو ایسی صورت میں اُسے چاہیے کہ ہر قرض خواہ کو اس جنس سے قرض ادا کرے جو اسکی قرض خواہ کیلئے زیادہ فائدہ مند ہو۔

بنوتغلب کے جزیے کا بیان:

(وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ فِي سَائِمَتِهِ شَيْءٌ وَعَلَى الْمَرْأَةِ مِنْهُمْ مَا عَلَى الرَّجُلِ) لِأَنَّ الصُّلْحَ قَدْ جَرَى عَلَى ضِعْفِ مَا يُؤْخَذُ مِنْ الْمُسْلِمِينَ وَيُؤْخَذُ مِنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِينَ دُونَ صِبْيَانِهِمْ

ترجمہ:

اور بنوتغلب کے بچے پر سائمہ میں کچھ واجب نہیں ہے اور ان کی عورتوں پر وہی واجب ہے جو ان کے مرد پر واجب ہے۔ کیونکہ صلح کا اجراء اس پر ہوا کہ جو مسلمانوں سے وصول کیا جاتا ہے اس کا دوگنا لیا جائے گا۔ اور مسلمانوں کی عورتوں سے وصول کیا جاتا ہے بچوں سے وصولی نہیں کی جاتی۔

شرح:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف کا یہ قول کہ بنوتغلب کے بچے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اس میں یہ قید

ضروری ہے کہ وہ جانور جو سائمہ ہیں اور اس کے عشر کے وجوب کا بیان کرنا اس کیلئے ہے۔ کیونکہ بنو تغلب کے ساتھ جو صلح ہوئی ہے۔ وہ دوگنا وصول کرنے پر ہے۔ اور اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ کہ تم ادا یہی کرو اور اس کا نام خواہ تم جزیہ رکھ لو یا نہ رکھو۔

ہلاکت مال سے سقوط زکوٰۃ کا بیان:

(وَإِنْ هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوبِ الزَّكَاةِ سَقَطَتْ الزَّكَاةُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :يَضْمَنُ إذَا هَلَكَ بَعْدَ التَّمَكُّنِ مِنْ الْأَدَاءِ لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِي الذِّمَّةِ فَصَارَ كَصَدَقَةِ الْفِطْرِ وَلِأَنَّهُ مَنَعَهُ بَعْدَ الطَّلَبِ فَصَارَ كَالِاسْتِهْلَاكِ .

وَلَنَا أَنَّ الْوَاجِبَ جُزْءٌ مِنْ النِّصَابِ تَحْقِيقًا لِلتَّيْسِيرِ فَيَسْقُطُ بِهَلَاكِ مَحَلِّهِ كَدَفْعِ الْعَبْدِ بِالْجِنَايَةِ يَسْقُطُ بِهَلَاكِهِ وَالْمُسْتَحِقُّ فَقِيرٌ يُعِينُهُ الْمَالِكُ وَلَمْ يَتَحَقَّقْ مِنْهُ الطَّلَبُ ، وَبَعْدَ طَلَبِ السَّاعِي قِيلَ يَضْمَنُ وَقِيلَ لَا يَضْمَنُ لِانْعِدَامِ التَّفْوِيتِ ، وَفِي الِاسْتِهْلَاكِ وُجِدَ التَّعَدِّي ، وَفِي هَلَاكِ الْبَعْضِ يَسْقُطُ بِقَدْرِهِ اعْتِبَارًا لَهُ بِالْكُلِّ .

ترجمہ:

اور اگر وجوب زکوٰۃ کے بعد مال ہلاک ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو گئی۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب مال کی ادائیگی پر قدرت پا لینے کے بعد ہلاک ہوا ہے تو وہ زکوٰۃ کا ضامن ہو گا۔ کیونکہ زکوٰۃ جب ذمہ میں آتی ہے تو یہ صدقہ فطر کی طرح ہوتی ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس نے طلب کے بعد زکوٰۃ کو روکا ہے۔ لہٰذا تلف ہونا تلف کرنے کے مشابہ ہو گیا۔ اور ہمارے نزدیک واجب نصاب کے جزء سے ہے۔ ثبوت آسانی کی بناء پر یہ جزء اپنے محل کے تلف ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا۔ جس طرح غلام کو جنایت کے بدلے میں دینا اس کی ہلاکت کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور مستحق اس فقیر کو کہتے ہیں جس کی تعیین مالک کرے۔ اور ایسے فقیر کا مانگنا ثابت ہی نہیں ہوا۔ البتہ ساعی کے مانگنے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ وہ ضامن ہو گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ضامن نہ ہو گا۔ اس لئے کہ فوت کرنا ہی معدوم ہے اور تلف کرنے میں تعدی (زیادتی) پائی جاتی ہے۔ اور کل پر قیاس کرتے ہوئے بعض نصاب ہلاک ہونے میں اسی مقدار ساقط ہو گا۔

شرح:

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر کسی کا فقیر پر دین تھا اس نے فقیر کو قرض سے بری کر دیا تو اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی خواہ اس سے زکوٰۃ کی اس نے نیت کی ہو یا نہ، اس لیے کہ یہ ہلاک ہونیوالے مال کی طرح ہے اور اگر بعض نے ساقط کیا تو سابقہ دلیل کی بنا پر بعض سے ساقط ہو جائیگی لیکن باقی سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگر چہ باقی سے ادائیگی کی نیت کی گئی

ہو کیونکہ جو ساقط ہے مال نہیں اور جو باقی ہے اس کا مال ہونا ممکن ہے تو باقی ساقط سے بہتر ٹھہرا لہٰذا اس سے سقوط نہیں ہو گا۔

(تبیین الحقائق، کتاب الزکوٰۃ)

وقت سے پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی کا بیان:

(وَإِنْ قَدَّمَ الزَّكَاةَ عَلَى الْحَوْلِ وَهُوَ مَالِكٌ لِلنِّصَابِ جَازَ) لِأَنَّهُ أَدَّى بَعْدَ سَبَبِ الْوُجُوبِ فَيَجُوزُ كَمَا إذَا كَفَّرَ بَعْدَ الْجُرْحِ ، وَفِيهِ خِلَافُ مَالِكٍ (وَيَجُوزُ) (التَّعْجِيلُ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَةٍ) لِوُجُودِ السَّبَبِ ، وَيَجُوزُ لِنُصُبٍ إذَا كَانَ فِي مِلْكِهِ نِصَابٌ وَاحِدٌ خِلَافًا لِزُفَرَ لِأَنَّ النِّصَابَ الْأَوَّلَ هُوَ الْأَصْلُ فِي السَّبَبِيَّةِ وَالزَّائِدُ عَلَيْهِ تَابِعٌ لَهُ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے سال مکمل ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کر دی اور وہ نصاب کا مالک بھی ہے تو جائز ہے۔ کیونکہ اس نے ادائیگی وجوب سبب کے بعد کی ہے لہٰذا جائز ہے۔ جس طرح کسی نے زخمی کرنے کے بعد کفارہ دیا ہو۔ اور اس میں حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔ اور ایک سال سے زیادہ جلدی کرنا بھی جائز ہے کیونکہ وجود سبب پایا گیا ہے۔ جب اس کی ملکیت میں ایک نصاب ہو تو بھی کئی نصابوں کی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ جبکہ اس میں حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے اس لئے کہ سبب ہونے میں پہلا نصاب ہی اصل ہے۔ اور جو اس سے زائد ہے وہ اسی کے تابع ہے۔ اللہ ہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

سال سے پہلے ادائیگی زکوٰۃ میں فقہ مالکی و حنفی کا اختلاف:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ جلدی ادا کر دینے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

حنفیہ اور اکثر ائمہ کے نزدیک یہ بات جائز اور درست ہے کہ مال پر سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کر دی جائے بشرطیکہ زکوٰۃ دینے والا نصاب شرعی کا مالک ہو۔

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر کسی نے دو سال قبل زکوٰۃ ادا کر دی تو ہمارے نزدیک اس کیلئے ایسا کرنا جائز ہے۔ جبکہ صاحب ''اسرار'' نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کیلئے ایسا کرنا جائز نہیں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حولان حول نصاب کیلئے ہے اور شرط مشروط سے مقدم ہوتی ہے۔ اور مشروط کو شرط پر مقدم کرنا جائز نہیں۔ جیسا نصاب کو مقدم کرنا ہے۔

جبکہ ائمہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ اس نے وجوب سبب کے بعد ادا کی ہے اور یہ اسی طرح جیسے کسی نے اول وقت میں نماز پڑھ لی۔ اور مسافر روزے دار ہوگیا۔ اور اسی طرح یہاں حولان حول کی شرط وجوب ادا کیلئے ہے۔ جبکہ ہماری بحث جواز سے متعلق ہے۔ وجوب سے متعلق ہی نہیں اور اسی طرح ہوگیا جس طرح زخم کے بعد اس کا کفارہ ادا کرنا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ احناف کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ سال سے قبل زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم منصوص ہے اور نص وہی ہے۔ (جسے ہم ابوداؤد، ترمذی وغیرہ کتب احادیث کے حوالے سے اوپر ذکر چکے ہیں۔ لہٰذا نص کے ہوتے ہوئے کسی قسم کے قیاس یا کسی نحوی، صرفی، لغوی قاعدے کا اعتبار ہرگز نہ کیا جائے گا)۔ اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حول صفت واقع ہے۔ تو یاد رہے کہ حول کا شروع بھی وہ جس پر حال گزرے لہٰذا وہ بھی حول ہے۔ اور نیکی میں سبقت کا حکم بھی موجود ہے۔ لہٰذا حول کا اسناد کے شروع کی جانب کیا جائے گا۔ (فتح القدیر، ج ۴، ص، بیروت)

نصاب واحد میں تقدم زکوٰۃ میں امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک جب نصاب ایک ہی ہو تو اسے سال سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سبب کا تقدم لازم آتا ہے جو جائز نہیں ہے۔ جبکہ دیگر فقہاء احناف کی طرف ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وجوب زکوٰۃ کا سبب سال کا پہلا لمحہ ہے۔ باقی سال تو اس کے تابع ہے۔ اور متبوع کے مقدم میں کونسا اعتراض ہے جو کہ ہمیشہ مقدم ہی ہوا کرتا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۴، ص، بیروت)

زکوٰۃ کے حکم تاخیر میں ائمہ احناف کے فقہی اختلاف کا بیان:

فقیہ ابو جعفر نے امامِ اعظم سے روایت کیا، امام ابو یوسف نے اسے امالی میں ذکر کیا جیسا کہ خلاصہ میں ہے اور امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی منتقی میں ہے جیسا کہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے وُہ یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ علی الفور لازم ہوجاتی ہے، اور امام محمد سے ہے کہ جس نے ادائیگی میں تاخیر کی اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ یہ بات اس بارے میں واضح ہے کہ شیخین سے یہی مذہب ظاہر الروایۃ میں مروی ہے۔

(جامع الرموز، کتاب الزکوٰۃ، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بغیر مجبوری کے تاخیر سے گناہ لازم آتا ہے جیسا کہ امام کرخی اور حاکم شہید نے المنتقی میں تصریح کی ہے۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جس کا تذکرہ فقیہ ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کیا ہے کہ بغیر عذر ادائیگی کو مؤخر کرنا مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ جب کراہت کا ذکر مطلقاً ہو تو اس وقت وہ مکروہِ تحریمی پر محمول ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ تاخیرِ زکوٰۃ کی وجہ سے گواہی مردود ہوجائیگی کیونکہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے، تو تینوں

بزرگون سے یہ ثابت ہُوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفورم لازم ہوتی ہے (فتح القدیر، کتاب الزکوٰۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

علامہ حسن بن منصور قاضی خان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ آدمی قدرت کے بعد تاخیر زکوٰۃ کی وجہ سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ امام کرخی نے فرمایا: گنہ گار ہوگا۔ اسی طرح حاکم شہید نے منتقی میں ذکر کیا ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ جس شخص نے بغیر عذر زکوٰۃ کو مؤخر کیا اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ ہشام نے امام ابُویُوسف سے نقل کیا کہ وُہ گنہگار نہ ہوگا۔

گنہگار ہونا (امام ابو یوسف کے حوالے سے) پہلے ذکر کیا ہے اور وہی قاضی خاں کے ہاں راجح، اظہر اور اشہر ہے، جیسا کہ اس پر خود انہوں نے تصریح کی ہے، اور یہی معتمد ہے، جیسا کہ اس پر طحطاوی، شامی اور دیگر لوگوں نے تصریح کی ہے، اسی طرح ہدایہ اور کافی میں اسی کو مقدم رکھا ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الزکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۹۹، بیروت)

اتمام سال سے قبل زکوٰۃ کی ادائیگی میں مذاہب اربعہ:

ہمارے نزدیک سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز ہے اور وہ ادا ہوجائے گی۔ حضرت امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور ابوثور کا قول بھی یہی ہے۔

حضرت حسن بصری، نخعی، زہری، اوزاعی، ثوری، شعبی، مجاہد، حاکم ابن ابی یعلی، سعید بن جبیر، سن بن حی علیہم الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک سال سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ (البنائیہ، ۴، ص ۸۲، حقانیہ)

باب زکوٰۃ المال

﴿یہ باب مال کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

زکوٰۃ المال کا معنی اور باب کی مطابقت فقہی کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب مال کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے مصنف جب ناطق مالوں کی زکوٰۃ سے فارغ ہوئے تو اب انہوں نے صامت مالوں کی زکوٰۃ کے بیان کو شروع کیا ہے۔ اور مصنف کا ناطق کو مقدم کرنا اس لئے ہے کیونکہ ناطق کی صامت پر فضیلت ہے۔ اور مال زکوٰۃ بھی کتاب الزکوٰۃ کی انواع میں سے ایک نوع ہے۔ اور کتاب میں ابواب جمع ہوتے ہیں۔ اور مال سے مراد مال تجارت ہے جس طرح نقدی ہوتی ہے۔ سامان تجارت اور اسی طرح دیگر تجارت کے اموال ہیں۔ اگرچہ مال ایسا اسم ہے جو سوائم وغیر سب کو شامل ہے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک مال ہر وہ چیز ہے جس کی انسان ملکیت رکھتا ہو۔ خواہ وہ دراہم سے ہو یا دنانیر سے ہو، یا گندم ہو یا جَو یا حیوان یا کپڑے ہوں یا ساز و سامان وغیرہ ہو۔ اور ثوری سے روایت ہے کہ مال سے مراد مال نصاب ہے۔ اور حضرت لیث سے روایت ہے کہ جسے اہل علاقہ مال کہیں اور مطرزی سے بھی اس طرح روایت کیا گیا ہے۔ کہ اصطلاح میں مال وہ ہے جس کو دشمن کے مقابلہ کیلئے جمع کیا جائے۔ اور صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ

تھوڑے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ وہ کم ہے اور عرف میں اس پر مال اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔اور اس کی جمع اموال آتی ہے۔
(البنائیہ شرح الہدایہ، ج۴،ص،۸۵،حقانیہ ملتان)

فصل فی الفضة

﴿یہ فصل چاندی کے نصاب زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

فصل فی الفضہ کی مطابقت فقہی کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔ کہ چاندی کو دوسری اشیاء پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اکثر لوگوں کے ہاتھوں میں دیکھی جاتی ہے۔(اسی طرح سونے وغیرہ کی نسبت سے اس کا استعمال کثیر ہے کیونکہ سونے کا پہننا مردوں کیلئے جائز نہیں ہے البتہ عورتیں اس کا استعمال کرتی ہیں ۔ جبکہ اسکے مقابلے میں چاندی مرد وعورت دونوں کے استعمال میں آتی ہے۔حتیٰ کہ لوگ قربانی کے جانوروں یا اپنے دیگر جانوروں کے گلے میں بھی بعض اوقات چاندی کی اشیاء بنوا کر ڈالتے ہیں۔اور اسی طرح چاندی کی تختیوں میں تعویز بھی لپیٹ کر گلے میں باندھے جاتے ہیں ۔ آج کل کے دور میں قیمتی انعامات وشیلڈز وغیرہ میں بھی چاندی کا استعمال کیا جاتا ہے۔لہٰذا اسی وجہ سے اس کو مقدم ذکر کیا ہے تا کہ اس سے متعلق شرعی حکم بھی لوگوں پر واضح ہو جائے)۔

(عنایہ شرح الہدایہ،۳،ص ۱۱۷، بیروت)

چاندی کے نصاب زکوٰۃ کا بیان:

(لَيْسَ فِيمَا دُونَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ) وَالْأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا (فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ) (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَتَبَ إلَى مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنْ خُذْ مِنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ ، وَمِنْ كُلِّ عِشْرِينَ مِثْقَالًا مِنْ ذَهَبٍ نِصْفَ مِثْقَالٍ).

ترجمہ:

دوسو دراہم سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پانچ اوقیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔(سنن دار قطنی)اور ایک اوقیہ چالیس دراہم کا ہوتا ہے۔لہٰذا جب دوسو ہو جائیں اور ان پر سال گزر جائے تو ان پر پانچ دراہم واجب ہیں۔اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ ہر دوسو پر پانچ دراہم وصول کریں ۔(سنن دار قطنی)اور ہر بیس

مثقال سونے میں نصف مثقال وصول کریں۔

دوسو دراہم کے نصاب زکوٰۃ ہونے کا بیان:

حضرت علی کرم اللہ وجہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے گھوڑوں اور غلاموں میں زکوٰۃ معاف رکھی ہے یعنی اگر غلام تجارت کے لیے نہ ہوں تو ان میں نہیں ہے اور گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کا جو اختلاف ہے اسے بیان کیا جاچکا ہے تم چاندی کی زکوٰۃ ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم کے حساب سے ادا کرو جب کہ چاندی بقدر نصاب دوسو درہم ہو کیونکہ ایک سونوے درہم یعنی دوسو درہم سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب دوسو درہم چاندی ہو تو اس میں سے پانچ درہم زکوٰۃ کے طور پر دینا واجب ہے۔(ترمذی،ابوداؤد) ابوداؤد نے حارث اعور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ زہیر نے جو حارث .سے روایت نقل کرتے ہیں کہا کہ میرا گمان ہے کہ حارث نے یہ کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم ہر سال ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم یعنی چالیسواں حصہ ادا کروں اور تم پر اس وقت تک کچھ واجب نہیں جب تک کہ تمہارے پاس دوسو درہم پورے نہ ہوں جب دوسو درہم پورے ہوں تو ان میں بطور زکوٰۃ پانچ درہم واجب ہوں گے اور جب دوسو درہم سے زائد ہوں گے تو ان میں اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اواق اوقیہ کی جمع ہے ایک اوقیہ چالیس درہم یعنی ساڑھے دس تولہ 122.47) گرام) کے برابر ہوتا ہے اس طرح پانچ اوقیہ دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ تقریباً216,1/2 گرام کے برابر ہوئے جو چاندی کا نصاب زکوٰۃ ہے اس مقدار سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے گویا جو شخص دوسو درہم کا مالک ہوگا وہ بطور زکوٰۃ پانچ درہم ادا کرے گا۔

یہ تو درہم کا نصاب تھا چاندی اگر سکہ کے علاوہ کسی دوسری صورت میں ہو مثلاً چاندی کے زیورات و برتن ہوں یا چاندی کے سکے ہوں تو اس کو بھی اسی پر قیاس کی جائے اور اسی طرح اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

کرنسی نوٹ پر حکم زکوٰۃ کا بیان:

نوٹ پر حکم زکوٰۃ میں نصاب سونے کا ہوگا یا چاندی کا نصاب ہوگا۔اگر چاندی کا نصاب بنایا جائے تو اس میں فقراء کا زیادہ نفع ہے۔کیونکہ چاندی کی صورت میں نہایت تھوڑے نصاب کی صورت میں صاحب نصاب ہونا پایا جاتا ہے۔

اور اگر سونے کا نصاب بنایا جائے تو یہ نصاب اتنا زیادہ ہے کہ چاندی کی بہ نسبت بہت کم لوگ اس نصاب کے مطابق صاحب نصاب بن سکیں گے۔

اس میں بین الاقوامی زر کی صورت میں دیکھا جائے تو سونا ہی ہے جس کی ضمانت پر لین دین ہوتا ہے اور نصاب ہونے میں اصل اعتبار بھی اسی کا کیا جائے گا۔

موجودہ کرنسی نوٹ کی زکوٰۃ کے مسئلہ میں غیر مقلدین کا نظریہ:

رفیق طاہر لکھتا ہے۔کرنسی جو آجکل رائج ہے یہ اپنی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔آپکے پاس پانچ ہزار کا نوٹ بھی ہو کل کلاں حکومت اعلان کردے کہ ہم نے یہ نوٹ منسوخ کردیا ہے اسکی جگہ نیا نوٹ رائج کردیا گیا ہے آپ کے پانچ ہزار کے نوٹ کی حیثیت ردی کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ نہیں ! شریعت ایسی کرنسی کو مانتی ہے جو ڈی ویلیو نہیں ہوسکتی , جو اپنی حیثیت اپنے اندر رکھتی ہے , کوئی خارجی امر اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔اسی لیے شرع نے سونے اور چاندی کے سکوں یعنی درہم و دینار کو معیار بنایا ہے۔اور سونے چاندی کے سوا دنیا کی تمام تر کرنسیاں خواہ وہ پیپر کرنسی ہو , چپ کرنسی ہو , یا الیکٹرانک کرنسی , سب اسی پر پرکھی جائیں گی ۔یعنی جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت موجود ہوگی اس پر زکوۃ فرض ہے۔

دوسو دراہم سے زائد میں نصاب زکوٰۃ کا بیان:

قَالَ (وَلَا شَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتَّى تَبْلُغَ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا فَيَكُونُ فِيهَا دِرْهَمٌ ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا :مَا زَادَ عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَزَكَاتُهُ بِحِسَابِهِ ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ (وَمَا زَادَ عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَبِحِسَابِهِ) وَلِأَنَّ الزَّكَاةَ وَجَبَتْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ الْمَالِ ، وَاشْتِرَاطُ النِّصَابِ فِي الِابْتِدَاءِ لِتَحَقُّقِ الْغِنَى وَبَعْدَ النِّصَابِ فِي السَّوَائِمِ تَحَرُّزًا عَنْ التَّشْقِيصِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ مُعَاذٍ (لَا تَأْخُذْ مِنْ الْكُسُورِ شَيْئًا) وَقَوْلُهُ فِي حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ (وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ الْأَرْبَعِينَ صَدَقَةٌ) وَلِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ ، وَفِي إيجَابِ الْكُسُورِ ذَلِكَ لِتَعَذُّرِ الْوُقُوفِ ، وَالْمُعْتَبَرُ فِي الدَّرَاهِمِ وَزْنُ سَبْعَةٍ ، وَهُوَ أَنْ تَكُونَ الْعَشَرَةُ مِنْهَا وَزْنَ سَبْعَةِ مَثَاقِيلَ ، بِذَلِكَ جَرَى التَّقْدِيرُ فِي دِيوَانِ عُمَرَ وَاسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِ .

ترجمہ:

امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ زائد پر کچھ واجب نہیں۔حتیٰ کہ چالیس تک پہنچ جائیں تو اس پر ایک درہم ہوگا۔پھر ہر چالیس دراہم پر ایک درہم ہوگا۔یہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ دوسو سے زائد پر زکوٰۃ اسی حساب کے مطابق ہوگی۔اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ والی روایت میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔اور جو دوسو سے زائد ہو اس میں اسی کے حساب سے زکوٰۃ ہے۔(سنن ابوداؤد) کیونکہ زکوٰۃ نعمت مال کے شکرانے

کیلئے واجب ہوئی ہے اور ابتداء میں نصاب کی شرط ثبوت غناء کیلئے ہے۔اور سوائم کے اندر نصاب کے بعد حصوں سے بچنے کیلئے ہے ۔اور سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے۔کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی روایت میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔کسور سے کچھ نہ پکڑو۔(سنن دارقطنی) اور حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔چالیس سے کم پر صدقہ نہیں ہے۔(سنن نسائی، ابن حبان، مستدرک) کیونکہ شرعی طور پر حرج کو دور کیا گیا ہے۔حالانکہ کسور واجب کرنے کی وجہ سے حرج ہوگا۔کیونکہ کسور سے واقف ہونا متعذر ہے۔اور دراہم میں وزن سبعہ معتبر ہے۔اور وزن سبعہ یہ ہے کہ دس دراہم سات مثقال کے وزن کے برابر ہوں۔اسی قیاس کے مطابق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دفتر میں اجراء حکم تھا۔اور اسی حکم کو باقی رہنے دیا گیا۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں اور پانچ راس سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ واجب نہیں۔(بخاری ومسلم)

ایک وسق آٹھ صاع کے برابر، ایک صاع آٹھ رطل کے برابر اور ایک رطل چونتیس تولہ ڈیڑھ ماشہ کے برابر ہوتا ہے حساب سے پانچ وسق انگریزی اسی طولی کے سیر کے حساب پچیس من ساڑھے بارے سیر (نوکو نٹل چوالیس کلوگرام) کے برابر ہوتے ہیں گویا پچیس من 12.1/2 سیر یا اس سے زائد کھجوروں میں دسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر نکالا جائے گا اس مقدار سے کم اگر کھجوریں پیدا ہوں تو اس حدیث کے بموجب اس میں زکوٰۃ کے طور پر دسواں حصہ واجب نہیں ہوگا چنانچہ حضرت امام شافعی اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمین کی پیداوار میں کوئی نصاب مقرر نہیں ہے جس قدر بھی پیداوار ہو اس کا دسوں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا واجب ہے مثلاً اگر دس سیر پیداوار ہو تو اس میں سے ایک سیر زکوٰۃ کے طور پر نکالا جائے اور اگر دس ہی چھٹانک پیدا ہو تو اس سے بھی ایک چھٹانک نکالا جائے زمین کی دوسری پیداوار مثلاً گیہوں جو چنا وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔زمین کی پیداوار کے عشر کے بارے میں حنفیہ کا فتویٰ امام اعظم ہی کے قول پر ہے۔یہ حدیث چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ کے مسلک کے بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہے اس لیے ان کی طرف سے اس حدیث کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حدیث میں کھجور سے مراد وہ کھجوریں ہیں جو تجارت کے لیے ہوں کیونکہ اس وقت عام طور پر کھجوروں کی خرید وفروخت وسق کے حساب سے ہوتی تھی اور ایک وسق کھجور کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی اس حساب سے پانچ وسق کی قیمت دوسو درہم ہوئے جو مال تجارت میں زکوٰۃ کے لیے متعین نصاب ہے۔

ایک درہم تین تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کے برابر ہوتا ہے اس طرح دوسو میں چھ سوتیس ماشہ یعنی ساڑھے باون تولہ تولہ تقریباً ساڑھے دوسو سولہ گرام چاندی ہوئی۔لہٰذا دوسو درہم کی زکوٰۃ کی چالیسویں حصہ کے مطابق پانچ درہم ہوئے جو پندرہ ماشہ چھ رتی یعنی ایک تولہ میں ماشہ چھ رتی کے برابر ہوتے ہیں۔اسی طرح درہم کے علاوہ چاندی کے زیورات یا برتن وغیرہ کی

صورت میں ساڑھے باون تولہ یعنی ساڑھے دوسوسولہ گرام ہوتو اس کی زکوٰۃ کے طور پر چالیسواں حصہ ایک تولہ تین ماشہ چھ رتی یعنی ساڑھے پندرہ گرام چاندی یا اتنی ہی چاندی کی قیمت زکوٰۃ کے طور پر ادا کی جائے گی اور اگر چاندی سکے کی شکل میں ہو اور ایک سکہ بارے ماشہ اور قیمت کے اعتبار سے ایک روپیہ کا ہو تو اس حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کے ساڑھے باون روپے ہوئے لہٰذا ان کی زکوٰۃ کے طور پر اسی چاندی کے روپے کے حساب سے یعنی وہی بارے ماشہ والا ایک روپیہ پانچ آنے واجب ہوں گے اور اگر سکہ ساڑھے گیارہ ماشہ اور قیمت کے اعتبار سے ایک روپیہ کا ہو تو اس حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت چون روپے بارہ آنے چھ صحیح چھ بٹا تیس پائی کے برابر ہوگی جس پر زکوٰۃ واجب ہوگی لہٰذا اس میں سے اس چاندی کے روپے کے حساب سے یعنی وہی ساڑھے گیارہ ماشہ والا ایک روپیہ پانچ آنے دس پائی اور بتیس بٹا تیس پائی بطور زکوٰۃ نکالنا ہوگا۔ مذکورہ بالا تفصیل کو حسب ذیل جدول سے سمجھئے۔

تعداد درہم	تعین زکوٰۃ	وزن چاندی	تعین زکوٰۃ
۲۰۰ درہم	۵ درہم	ساڑھے ۵۲ تولہ	ایک تولہ تین ماشہ چھ رتی
سکہ بارہ ماشہ والا	زکوٰۃ		
سکہ ساڑھے گیارہ ماشہ والا	قیمتی۔۔قابل اصلاح		

نصاب کا یہ سارا حساب سمجھنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ اگر نصاب سے زیادہ روپے ہوں تو اس کا سیدھا حساب یہ ہے کہ ڈھائی روپیہ فی سیکڑا یعنی ہر سو روپیہ میں ڈھائی روپے کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

اگرچہ حدیث میں سونے کا نصاب ذکر نہیں کیا گیا لیکن اس کے بارے میں بھی جانتے چلئے کہ سونے کا نصاب بیس مثقال یعنی ساڑھے ساتھ تولہ تقریباً ساڑھے ستائس گرام ہے اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگر اس مقدار میں یا اس سے زائد مقدار میں سونا ہو تو موجودہ مقدار کا چالیسواں حصہ یا اس حصہ کی قیمت زکوٰۃ کے طور پر ادا کی جائے گی۔

اگر سونا اور چاندی دونوں مجموعی اعتبار سے بقدر نصاب ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی مثلاً کسی شخص کے پاس سوا چھبیس تولہ چاندی ہو اور اسی کے ساتھ سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر سونا بھی ہو تو وہ شخص صاحب نصاب کہلائے گا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر تجارت کا مال ہو اور اسی کے ساتھ سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر نقد روپیہ ہو تو وہ بھی صاحب نصاب کہلائے گا اور اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سونا اور چاندی کسی بھی شکل وصورت میں ہوں خواہ وہ گئی اور ڈلی کی صورت میں ہوں یا پترے ہوں خواہ زیورات کی شکل میں ہوں یا برتنوں کی صورت میں ہوں بہرصورت ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ گوٹہ کناری اور کمخواب وغیرہ میں جو چاندی ہوتی ہے اس کی مقدار کا بھی اندازہ کرایا جائے اگر وہ مقدار نصاب کو پہنچے تو اس کی زکوٰۃ بھی ادا کی جائے موتی، مونگا، یاقوت اور دوسرے، جواہرات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی خواہ لاکھوں روپیہ کی قیمت ہی کے کیوں نہ موجود ہوں ہاں اگر جواہرات تجارت

کے مقصد سے ہوں گے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سونے چاندی کے سکوں کی زکوٰۃ کا بیان:

(وَإِذَا كَـانَ الْـغَالِبُ عَلَى الْوَرِقِ الْفِضَّةَ فَهُوَ فِي حُكْمِ الْفِضَّةِ ، وَإِذَا كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهَا الْغِـشُّ فَهُوَ فِي حُكْمِ الْعُرُوضِ يُعْتَبَرُ أَنْ تَبْلُغَ قِيمَتُهُ نِصَابًا) لِأَنَّ الدَّرَاهِمَ لَا تَخْلُو عَنْ قَلِيـلِ غِشٍّ لِأَنَّهَا لَا تَنْطَبِعُ إلَّا بِهِ وَتَخْلُو عَنْ الْكَثِيرِ ، فَجَعَلْنَا الْغَلَبَةَ فَاصِلَةً وَهُوَ أَنْ يَزِيدَ عَـلَى النِّصْفِ اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ ، وَسَنَذْكُرُهُ فِي الصَّرْفِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ، إلَّا أَنَّ فِي غَـالِبِ الْغِشِّ لَا بُدَّ مِنْ نِيَّةِ التِّجَارَةِ كَمَا فِي سَائِرِ الْعُرُوضِ ، إلَّا إذَا كَانَ تَخْلُصُ مِنْهَا فِضَّةٌ تَبْلُغُ نِصَابًا لِأَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ فِي عَيْنِ الْفِضَّةِ الْقِيمَةُ وَلَا نِيَّةُ التِّجَارَةِ .

ترجمہ:

اور جب کسی سکے میں چاندی غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہوگا۔ اور جب اس میں کھوٹ غالب ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہوں گے۔ اگر ان کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ دراہم تھوڑی بہتی کھوٹ سے خالی نہیں ہوتے کیونکہ وہ کھوٹ کے بغیر ڈھلنے والا ہی نہیں ہے۔ البتہ درہم زیادہ کھوٹ سے خالی ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم نے غلبے کو فاصل قرار دیا ہے۔ اور غلبے کی تعریف یہ ہے کہ اسکی حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے وہ نصف سے زائد ہو۔ اس کو ہم ان شاءاللہ کتاب الصرف میں بیان کریں گے۔ لیکن کھوٹ کے غلبے کی صورت میں تجارت کی نیت لازمی ہے۔ جس طرح تمام اسباب میں ہے۔ لیکن جب اس سے چاندی کی مقدار نصاب نکالا جا سکتا ہو۔ کیونکہ عین چاندی میں قیمت ونیت کا اعتبار نہیں ہے۔

سونے اور چاندی میں کھوٹ ملی ہوئی ہو حکم زکوٰۃ:

اگر سونا اور چاندی میں کھوٹ ملا ہوا ہو تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر چاندی میں کھوٹ ملا ہوا ہو اور چاندی غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور سونے میں کھوٹ ملا ہوا ہو اور سونا غالب ہو تو سونے کے حکم میں ہے اور اگر ان دونوں میں ملا ہوا کھوٹ غالب ہو تو یہ دونوں اسباب تجارت کی مانند ہیں پس اگر ان میں تجارت کی نیت کی ہو تو قیمت کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی اور اگر تجارت کی نیت نہ کی ہو تو ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ درہموں اور روپیوں میں کھوٹ ملا ہوا ہو تو اگر چاندی غالب ہے تو وہ خالص درہموں اور روپیوں یعنی چاندی کے حکم میں ہیں، اور اگر کھوٹ اور چاندی برابر برابر ہوں تب بھی مختار یہ ہے کہ زکوۃ واجب ہوگی اور اگر کھوٹ غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں نہیں ہے پس اگر وہ سکہ رائج الوقت ہیں یا سکہ تو اب نہ رہے لیکن ان میں تجارت کی نیت کی ہو تو ان کی قیمت کے اعتبار سے زکوۃ دی جائے گی، اور اگر ان درہموں کا رواج نہیں رہا ہو تو ان میں زکوۃ واجب نہیں لیکن اگر بہت ہوں اور ملاوٹ سے چاندی الگ ہو سکتی ہو اور ان میں اتنی چاندی ہو کہ دو سو درہم کی مقدار ہو جائے یا کسی دوسرے مال، چاندی سونا یا

اسبابِ تجارت کے ساتھ مل کر نصاب ہو جائے تب بھی زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر چاندی اس سے جدا نہ ہو سکتی ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے کھوٹے درہموں میں جو اس وقت سکہ رائج ہوں ہر حال میں زکوۃ واجب ہوگی خواہ ان میں چاندی مغلوب ہی ہو اور الگ نہ ہو سکتی ہو اور خواہ ان میں تجارت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ ان میں نیتِ تجارت کا ہونا شرط نہیں ہے ملاوٹ کے سونے کا بھی وہی حکم ہے جو ملاوٹ کی چاندی کا بیان ہوا ہے۔

اور اگر سونا اور چاندی آپس میں ملے ہوئے ہوں تو اگر چاندی مغلوب ہو اور سونا غالب ہو خواہ وزن کے اعتبار سے غالب ہو یا قیمت کے اعتبار سے تو وہ سونے کے حکم میں ہے اور اگر چاندی غالب ہو لیکن سونا اپنے نصاب کو پہنچ جائے تب بھی وہ کل سونے کے حکم میں ہے اور اس کل میں سونے کی زکوۃ واجب ہوگی اور اگر سونا نصاب کو نہ پہنچے لیکن چاندی نصاب کو پہنچ جائے تو کل میں چاندی کی زکوۃ واجب ہوگی، اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ مخلوط سونا قیمت میں چاندی سے کم ہو ورنہ کل میں سونے کی زکوۃ واجب ہوگی جاننا چاہئے کہ سونا اور چاندی کے مخلوط ہونے کی بارہ صورتیں مرتب ہوئیں یعنی سونا غالب ہو اور سونا اور چاندی بقدرِ نصاب ہوں، یا سونا غالب ہو اور فقط سونا بقدرِ نصاب ہو، یا چاندی غالب ہو اور ہر ایک بقدرِ نصاب ہو، یا چاندی غالب ہو اور فقط سونا بقدرِ نصاب ہو یا دونوں برابر ہوں اور ہر ایک بقدرِ نصاب ہو، یا دونوں برابر ہوں اور فقط سونا بقدرِ نصاب ہو (ان چھ صورتوں میں حکم سونے کا ہوگا اور سونے کی زکوۃ واجب ہوگی) یا چاندی غالب ہو اور فقط چاندی بقدرِ نصاب ہو (ان صورت میں حکم چاندی کا ہوگا اور چاندی کی زکوۃ واجب ہوگی)، یا سونا غالب ہو اور دونوں میں سے کوئی بقدرِ نصاب نہ ہو، یا چاندی غالب ہو اور دونوں میں سے کوئی بقدرِ نصاب نہ ہو، یا دونوں برابر ہوں اور بقدرِ نصاب نصاب نہ ہو (ان صورتوں میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی یا سونا غالب ہو اور فقط چاندی بقدرِ نصاب ہو یا دونوں برابر ہوں اور فقط چاندی بقدرِ نصاب ہو (یہ دونوں صورتیں ناممکن ہیں کیونکہ سونا بہت قیمتی چیز ہے) ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سونا یا چاندی سے الگ الگ نصاب پورا نہیں ہوتا لیکن دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اس کا حکم جیسا کہ آگے آتا ہے یہ ہے کہ سونے کی زکوۃ واجب ہوگی۔ (زبدۃ الفقہ)

کھوٹ ملے ہوئے سونے چاندی کا حکم:

اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ شامل ہو سونا چاندی خالص نہ ہو مثلاً سونے میں تانبا یا پیتل ملا ہوا ہو اور چاندی میں ایلومینیم ملا ہوا ہو تو اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) سونا اور چاندی زیادہ ہے اور کھوٹ کم ہے۔ (۲) سونا، چاندی اور کھوٹ برابر برابر ہیں۔ (۳) سونا اور چاندی کم ہے اور کھوٹ زیادہ ہے۔

ان صورتوں میں زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ پہلی دونوں صورتوں میں جبکہ سونا چاندی کھوٹ سے زیادہ ہوں یا کھوٹ کے برابر ہو تو یہ کھوٹ بھی سونا چاندی کے حکم میں ہوگی۔ اور زکوٰۃ کی فرضیت میں سونے چاندی کے نصاب کو دیکھا جائے گا۔

تیسری صورت میں جبکہ کھوٹ سونے چاندی پر غالب ہو تو وہ سونا چاندی بھی عروض یعنی سامان تجارت کے حکم میں ہوگا۔ سامان تجارت پر زکوٰۃ واجب ہونے کا جو نصاب ہے وہی نصاب اس صورت میں معتبر ہوگا۔

پینشن پر پیداوار کی زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی، کیونکہ یہ رقم نہ اصلاً محنت سے حاصل ہوئی ہے، نہ اصلاً سرمایے سے اور نہ ان دونوں کے تعامل سے، بلکہ یہ سابقہ خدمات کے صلے میں دیا جانے والا ایک 'Benefit' ہے۔ البتہ اگر کسی کے ہاں سال گزرنے کے بعد یہی پینشن حد نصاب تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس پر ڈھائی فی صد کے حساب سے مال کی زکوٰۃ لگے گی۔

فَصۡلٌ فِی الذَّهَبِ

﴿یہ فصل سونے کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

فصل فی زکوٰۃ ذہب کی مطابقت کا بیان:

مصنف نے اس فصل میں سونے کی زکوٰۃ کو بیان کیا ہے۔اور چاندی کی زکوٰۃ کو اس پر مقدم کیا ہے کیونکہ چاندی کو خریدنے میں لوگوں کی کثرت سے تعداد ہے جبکہ سونے چاندی کی نسبت مہنگا ہوتا ہے۔اور اس کو خریدنے تک لوگوں کی رسائی بہت کم ہوتی ہے۔لہٰذا جس نصاب سے لوگوں کا واسطہ تعداد میں زیادہ پڑتا ہے مصنف نے اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور قلیل تعلق والے کو اس سے مؤخر ذکر کیا ہے۔البتہ اہمیت ماہیت میں بہر حال سونا چاندی سے افضل ہے۔اور لوگوں کے ہاں بھی سونے کا معیار چاندی سے کہیں زیادہ ہے۔

سونے کی زکوٰۃ میں نصاب کا بیان:

(لَيۡسَ فِيمَا دُونَ عِشۡرِينَ مِثۡقَالًا مِنۡ الذَّهَبِ صَدَقَةٌ .فَإِذَا كَانَتۡ عِشۡرِينَ مِثۡقَالًا فَفِيهَا نِصۡفُ مِثۡقَالٍ) لِمَا رَوَيۡنَا وَالۡمِثۡقَالُ مَا يَكُونُ كُلُّ سَبۡعَةٍ مِنۡهَا وَزۡنَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَهُوَ الۡمَعۡرُوفُ (ثُمَّ فِي كُلِّ أَرۡبَعَةِ مَثَاقِيلَ قِيرَاطَانِ) لِأَنَّ الۡوَاجِبَ رُبۡعُ الۡعُشۡرِ وَذَلِكَ فِيمَا قُلۡنَا إذۡ كُلُّ مِثۡقَالٍ عِشۡرُونَ قِيرَاطًا (وَلَيۡسَ فِيمَا دُونَ أَرۡبَعَةِ مَثَاقِيلَ صَدَقَةٌ) عِنۡدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَعِنۡدَهُمَا تَجِبُ بِحِسَابِ ذَلِكَ وَهِيَ مَسۡأَلَةُ الۡكُسُورِ ، وَكُلُّ دِينَارٍ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فِي الشَّرۡعِ فَيَكُونُ أَرۡبَعَةُ مَثَاقِيلَ فِي هَذَا كَأَرۡبَعِينَ دِرۡهَمًا .

قَالَ (وَفِي تِبۡرِ الذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَحُلِيِّهِمَا وَأَوَانِيهِمَا الزَّكَاةُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا تَجِبُ فِي حُلِيِّ النِّسَاءِ وَخَاتَمِ الۡفِضَّةِ لِلرِّجَالِ لِأَنَّهُ مُبۡتَذَلٌ فِي مُبَاحٍ فَشَابَهُ ثِيَابَ الۡبِذۡلَةِ .

وَلَنَا أَنَّ السَّبَبَ مَالٌ نَامٍ وَدَلِيلُ النَّمَاءِ مَوۡجُودٌ وَهُوَ الۡإِعۡدَادُ لِلتِّجَارَةِ خِلۡقَةً ، وَالدَّلِيلُ هُوَ الۡمُعۡتَبَرُ بِخِلَافِ الثِّيَابِ .

ترجمہ:

جو سونا بیس مثقال سے تھوڑا ہو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔لہٰذا جب وہ بیس مثقال ہو تو نصف مثقال اس میں زکوٰۃ ہے۔اسی

حدیث کی وجہ سے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔اور مثقال کی تعریف یہ ہے کہ ہر سات مثقال دس دراہم کے برابر ہوں اور یہی عرف عام ہے۔اس کے بعد ہر چار مثقال پر دو قیراط ہیں۔ کیونکہ چالیسواں حصہ ہی واجب ہے۔اور یہ اسی میں ہوگا جس طرح ہم نے کہا ہے۔کیونکہ ہر مثقال بیس قیراط کا ہوتا ہے۔اور حضرت سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک چار مثقال سے تھوڑے پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔جبکہ صاحبین کے نزدیک اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہے اور یہ بھی مسئلہ کسور ہے۔اور شریعت کے مطابق ہر دینا دس دراہم کا ہے۔لہٰذا اس میں چار مثقال چالیس دراہم کے کی طرح ہوں گے۔

فرمایا: ڈلی والے سونے اور چاندی اور ان کے زیورات اور برتنوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ عورتوں۔کے زیور اور مردوں کی چاندی کی انگوٹھی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔کیونکہ وہ مباح چیز میں مصروف ہونے والا ہے۔لہٰذا یہ روزمرہ کپڑوں میں مصروف ہونے کی طرح ہوگا۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ سبب زکوٰۃ مال نامی ہے اور اس میں نمو کی دلیل پائی جاتی ہے۔اور وہ تجارت کیلئے پیدائشی طور پر پایا جانا ہے۔اور دلیل یہی اعتبار کی جائے گی۔ کپڑوں والی دلیل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

زیورات کی زکوٰۃ فقہی اختلاف کا بیان:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت، تم اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو اگرچہ وہ زیور ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ قیامت کے دن تم میں اکثریت دوزخیوں کی ہوگی۔(ترمذی)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے جد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن دو عورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان دونوں نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کڑوں کو دیکھ کر فرمایا کہ کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو! ان دونوں نے کہا کہ نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم یہ بات پسند کرتی ہو کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے دو کڑے پہنائے۔انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس سونے کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اکثریت دوزخیوں کی ہوگی کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی اکثریت چونکہ دنیا اور دنیا کی چیزوں کی محبت میں گرفتار ہوتی ہے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی بلکہ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا ان میں جذبہ بھی نہیں ہوتا اس لیے عورتوں کی اکثریت کو دوزخی فرمایا گیا ہے چنانچہ عورتوں کو آگاہ فرمایا گیا کہ اگر تم دوزخ کی ہولناکیوں سے بچنا چاہتی ہو تو دنیا کی محبت اور دنیاوی عیش و عشرت کی طمع و حرص سے باز آؤ۔خدا نے تمہیں جس قدر مال دیا ہے اس پر قناعت کرو اور اس میں سے زکوٰۃ و صدقہ نکالتی رہو تا کہ قیامت کے دن خدا کی رحمت تمہارے ساتھ ہو اور تم دوزخ میں جانے سے بچ جاؤ۔

عورتوں کے زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف۔ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا تو مسلک یہ ہے کہ مطلقاً زیور

میں زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ حد نصاب کو پہنچتا ہو حضرت امام شافعی کا پہلا قول بھی یہی ہے حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ عورتوں کے ان زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جن کا استعمال مباح ہے لہذا جن زیورات کا استعمال حرام ہے ان حضرات کے نزدیک بھی ان میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، حضرت امام شافعی کا آخری قول بھی یہی ہے حضرت امام اعظم کے مسلک کی دلیل بھی یہی حدیث ہے جس سے مطلقاً زیورات میں زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہو رہا ہے۔

کون سے زیورات مباح ہیں اور کون سے زیورات غیر مباح وحرام ہیں؟ اس کی تفصیل جاننے کے لیے محرر اور شافعی مسلک کی دوسری کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ میں سونے کا وضح جو ایک زیور کا نام ہے پہنا کرتی تھی ایک دن میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا اس کا شمار بھی جمع کرنے میں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو چیز اتنی مقدار میں ہو کہ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے یعنی حد نصاب کو پہنچتی ہو تو زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس کا شمار جمع کرنے میں نہیں ہوتا۔ (سنن ابوداود،)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ قرآن کریم نے مال جمع کرنے کے بارے میں یہ جو وعید بیان فرمائی ہے کہ آیت (والذین یکنزون الذھب والفضة الآیه)۔ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس میں سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب سے آگاہ کر دیجئے)۔ تو کیا سونے کا میرا یہ زیور بھی اس وعید میں داخل ہے اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیا کہ جو مال بقدر نصاب ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو وہ مال اس وعید میں داخل نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم تو دردناک عذاب کی خبر اس مال کے مالک کے بارے میں دے رہا ہے جسے بغیر زکوٰۃ دیئے جمع کیا جائے۔

استعمال کے زیورات پر زکوٰۃ کا فقہی بیان:

سونا اور چاندی از روئے شریعت خلقی طور پر (In Born) مال ہیں، لہذا یہ کسی بھی ہیئت (Form,Shape) میں ہوں، ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ مثلاً برتن، مالیاتی سکے (Coins) سونے یا چاندی کی ڈلی (Gold Bullion)، استعمال کے زیورات وغیرہ۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان امراة اتت رسول الله صلی الله علیه وسلم، ومعها ابنة لها، وفی یدِ ابنتها مسکتان غلیظتان من ذهب، فقال لها :اتعطین زکاة هذا؟ قالت :لا، قال :ایسرك ان یسورك الله بهما یوم القیمة سوارین من نار؟ قال :فخلعتهما فالقتهما الی النبی صلی الله علیه وسلم وقالت :هما لله ولرسوله ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک خاتون اپنی ایک لڑکی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے اور بھاری کنگن تھے۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے عرض کیا: نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کیا تم اس بات پر خوش ہوگی کہ اللہ تعالیٰ (زکوٰۃ نہ دینے کی بناء پر) ان کنگنوں کے عوض قیامت کے دن تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ یہ (وعیدِ عذاب) سنتے ہی اس نے وہ کنگن اتار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیے اور عرض کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں (یعنی یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں صدقہ ہیں)۔

(سنن ابی داؤد، جلد2، رقم الحدیث1558: مطبوعہ موسسہ الریان، بیروت)

عن ام سلمة قالت :کنت البس وضاحا من ذهب، فقلت :یا رسول الله، اکنز هو؟ فقال :ما بلغ ان تؤدّی زکاته فزکّی فلیس بکنز ۔ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کے اوضاح (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی، میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا یہ بھی اُس کنز میں شامل ہے (یعنی جس پر سورۃ توبہ آیت 34: ۔ 35 میں عذابِ جہنم کی وعید آئی ہے)؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سونے کے زیورات اتنی مقدار کو پہنچ جائیں کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اور پھر ان کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو ان پر کنز کا اطلاق نہیں ہوتا۔ (سنن ابی داؤد، جلد2، رقم الحدیث1559: مطبوعہ موسسہ الریان، بیروت، مؤطا امام مالک)۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ استعمال کے زیورات پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ دونوں خواتین نے سونے کے زیورات پہن رکھے تھے۔

اگر سونا یا چاندی مخلوط (Mixed) ہو اور کسی اور چیز کی ملاوٹ اس میں ہو تو غالب جز کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر شے مخلوط میں غالب مقدار سونا ہے تو اسے سونا قرار دے کر ان کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی ورنہ نہیں اور موجود بازاری قیمتِ فروخت کا اعتبار ہوگا، قیمتِ خرید کا نہیں۔ سونے کے زیورات کو وزن کرتے وقت نگینوں کا وزن منہا ہو جائے گا، البتہ ہیرے (Diamond) اور دوسرے قیمتی پتھر مثلاً زمرد، عقیق، یاقوت وغیرہ اگر تجارت کے لیے ہیں تو ان پر زکوٰۃ ہے، ذاتی استعمال میں ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں اگر اولاد کو مالک بنا دیا ہے اور زیورات مقدارِ نصاب سے کم ہیں اور بیٹا یا بیٹی صاحبِ نصاب نہیں ہیں تو ان پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

فقہ شافعی وحنبلی کے مطابق زیورات والی عورت کا زکوٰۃ لینا:

جب کوئی عورت زیور کی مالکہ ہو تو اور اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں تو وہ اس سے غنی اور مالدار نہیں بن جاتی، چاہے یہ زیور سونے یا چاندی کا ہو اور زکاۃ کے نصاب کو بھی پہنچتا ہو، بلکہ یہ فقیر اور محتاج ہی رہے گی، اور اس وصف کی بنا پر وہ زکاۃ لینے کی مستحق ہے، شافعیہ اور حنابلہ نے اسی کو بیان کیا اور صراحت کی ہے.

شافعی فقیہ الرملی کا کہنا ہے کہ:

عورت کا وہ زیور جو اس کے لائق ہے اور عادتاً زیبائش کے لیے جس کی وہ محتاج اور ضرورتمند ہوتی ہے وہ اس کے فقر میں مانع

نہیں"(نهاية المحتاج للرملي (6 /. (150)

یعنی وہ فقیر ہی رہے گی اور فقر کے وصف کی بنا پر زکاۃ لینے کی مستحق ٹھرے گی۔

اور فقہ حنبلی کی کتاب " کشاف القناع "میں ہے: یا اس کے پاس استعمال کے لیے زیور ہو جس کی وہ ضرورتمند ہے تو یہ اس کے زکاۃ لینے میں مانع نہیں (کشاف القناع (1 /. (587)

یعنی وہ فقیر اور محتاج ہی رہے گی، اور باوجود اس کے کہ اس کی زیبائش کی ضرورت کے لیے اس کے پاس زیور ہے وہ زکاۃ لینے کی مستحق ہے، اور اس طرح اس سے فقر کا وصف زائل نہیں ہوتا ۔

زیورات کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حضرت امام مالک ،امام احمد بن حنبل ،اور ایک قول کے مطابق حضرت امام شافعی علیہم الرحمہ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور امام شافعی کے راجح قول کے مطابق زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔

جن کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے ان کی موافقت میں حضرت عبداللہ بن عباس ،عبداللہ بن عمرو بن عاص ،حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام میں سے حضرت سعید بن مسیب ،سعید بن جبیر ،عطاء ،مجاہد ،عبداللہ بن شداد ،جابت بن زید ،ابن سیرین ،میمون بن مہران ،زہری ،ثوری ،اور اصحاب رائے کا نظریہ یہی ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔

(المغنی ،۲،ص ،۲۲۳ ،بیروت)

علامہ ابواسحاق شیرازی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ کے مسئلہ پر استخارہ کیا تو انہوں نے وجوب زکوٰۃ کا حکم سمجھا ہے۔لہٰذا ان کا موقف احادیث کے موافق ہے کہ زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(المہذب ج ۶ ص ،۳۳ ،بیروت)

فَصْلٌ فِی الْعُرُوضِ

﴿یہ فصل مال تجارت کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

مال تجارت والی فصل کی مطابقت کا بیان:

یہ فصل عروض یعنی مال تجارت کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے عروض کی عین کو ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔اور عرض کی جمع ہے۔ اور اس کا معنی قیمتی مال ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو نقد نہ ہو۔اور عرض کو جب دونوں یعنی فتحہ کے ساتھ پڑھیں تو اس سے مراد حطام دنیا ہے۔اسی طرح صحاح اور مغرب میں ہے۔اور اگر اس کے راء کو سکون کے ساتھ پڑھیں تو اس کا معنی متاع ہے۔اور ہر وہ چیز جو دراہم ودنانیر کے بدلے میں ہوتی ہے۔لہٰذا اس کو سکون راء کے ساتھ پڑھنا اولیٰ نہیں بلکہ واجب ہے۔ کیونکہ اس میں ان اموال کے احکام ہیں جو دراہم ودنانیر اور حیوانات کے سوا ہیں۔(البنائیہ شرح الہدایہ ج ۴، ص ۱۰۱ حقانیہ ملتان)

مال تجارت کی زکوٰۃ کا بیان:

(الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ فِي عُرُوضِ التِّجَارَةِ كَائِنَةً مَا كَانَتْ إذَا بَلَغَتْ قِيمَتُهَا نِصَابًا مِنْ الْوَرِقِ أَوْ الذَّهَبِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيهَا (يُقَوِّمُهَا فَيُؤَدِّي مِنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ) ، وَلِأَنَّهَا مُعَدَّةٌ لِلِاسْتِنْمَاءِ بِإِعْدَادِ الْعَبْدِ فَأَشْبَهَ الْمُعَدَّ بِإِعْدَادِ الشَّرْعِ ، وَتُشْتَرَطُ نِيَّةُ التِّجَارَةِ لِيَثْبُتَ الْإِعْدَادُ ، ثُمَّ قَالَ (يُقَوِّمُهَا بِمَا هُوَ أَنْفَعُ لِلْمَسَاكِينِ) احْتِيَاطًا لِحَقِّ الْفُقَرَاءِ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَهَذَا رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَفِي الْأَصْلِ خَيَّرَهُ لِأَنَّ الثَّمَنَيْنِ فِي تَقْدِيرِ قِيَمِ الْأَشْيَاءِ بِهِمَا سَوَاءٌ ، وَتَفْسِيرُ الْأَنْفَعِ أَنْ يُقَوِّمَهَا بِمَا تَبْلُغُ نِصَابًا . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُقَوِّمُهَا بِمَا اشْتَرَى إنْ كَانَ الثَّمَنُ مِنْ النُّقُودِ لِأَنَّهُ أَبْلَغُ فِي مَعْرِفَةِ الْمَالِيَّةِ ، وَإِنْ اشْتَرَاهَا بِغَيْرِ النُّقُودِ قَوَّمَهَا بِالنَّقْدِ الْغَالِبِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُقَوِّمُهَا بِالنَّقْدِ الْغَالِبِ عَلَى كُلِّ حَالٍ كَمَا فِي الْمَغْصُوبِ وَالْمُسْتَهْلَكِ .

ترجمہ:

مال تجارت کے سامان میں زکوٰۃ واجب ہے۔خواہ سامان کسی طرح کا بھی ہو اس شرط کے ساتھ کہ اس کی قیمت سونے

یا چاندی کے نصاب کو پہنچنے والی ہو۔اس لئے کہ مال تجارت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سامان کی قیمت لگائی جائے پھر ہر دو سو دراہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرے۔(سنن ابوداؤد) کیونکہ بندہ جب تجارت کرتا ہے تو یہ تجارت کرنا سامان کیلئے طلب نمو ہے۔لہٰذا یہ طلب نمو شریعت والے طلب نمو کی طرح ہو گیا۔اور تجارت کی نیت اس لئے شرط ہے تاکہ نامی ہونا ثابت ہو جائے۔

اس کے بعد صاحب قدوری نے کہا ہے۔کہ سامان کی قیمت ایسی نقدی سے لگائی جائے جس سے مسکینوں کو فائدہ ہو۔فقراء کے حق میں احتیاط کی وجہ سے یہ حکم ہے۔مصنف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے جبکہ مبسوط میں مالک کو اختیار دیا گیا ہے۔اس لئے کہ چیزوں کی قیمت کا اندازہ کرنے میں دونوں نقد برابر ہیں۔اور زیادہ نفع بخش تفسیر یہ ہے کہ ایسی نقدی کے ساتھ قیمت لگائے جس کے ساتھ اندازہ کرنے میں نصاب برابر ہو جائے۔اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ وہ سامان کی قیمت اسی نقدی کے ساتھ لگائے جس نقدی سے اس نے خریداری کی تھی۔لیکن شرط یہ کہ ثمن نقدی سے دی ہو۔کیونکہ مالیت کو پہچاننے میں یہ سب سے زیادہ وسیع ہے۔اور اگر اس نے سامان نقدی کے سوا کسی دوسری چیز سے خریداری کر کے لیا ہے تو پھر اس طرح کی نقدی سے اندازہ کرے جو سب زیادہ چلنے والی ہو۔اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ہر حالت میں غالب نقدی کے ساتھ قیمت کا اندازہ کیا جائے گا۔جس طرح غصب شدہ اور ہلاک شدہ سامان میں کیا جاتا ہے۔

شرح

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم تجارت کے لیے جو مال تیار کریں اس کی زکوٰۃ نکالا کریں۔(ابوداؤد)

مال تجارت (عروض) میں زکوٰۃ:

سونے، چاندی اور مویشیوں کے علاوہ جو مال ہو وہ سامانِ تجارت میں شامل ہے۔

مال تجارت سے کیا مراد ہے:

مال تجارت (عروض) سے مراد ہر وہ مال ہے جو اس نیت سے خریدا ہو کہ اسے تجارت میں لگائیں گے یا آگے فروخت کریں گے۔اور یہ نیت ابھی تک برقرار ہو۔

☆ لہٰذا وہ مال جو آگے بیچنے کے ارادے سے نہیں خریدا بلکہ گھریلو ضروریات کے لیے خریدا ہے، (جیسے پہننے کے لیے کپڑا، گھر میں پکانے کے لیے چاولوں کا ٹرک، یا رہائشی مکان تعمیر کرنے کے لیے پلاٹ خریدا) تو یہ مال مال تجارت نہیں کہلائے گا۔

☆ ایسا مال جو آگے بیچنے کی نیت سے نہیں خریدا بلکہ گھریلو ضروریات کے لیے خریدا تھا بعد میں اسے بیچنے کا ارادہ کر لیا تب بھی

وہ مال مال تجارت نہیں بنے گا۔اس لیے کہ جب اسے خریدا تھا اس وقت بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ایسا مال محض بیچنے کے ارادے سے تو مال تجارت نہیں بنتا لیکن اگر کوئی شخص (بالفعل) تجارت شروع کر دے یعنی ارادے کے بعد کسی سے سودا وغیرہ طے کر لے اور اسے بیچ دے تو یہ مال مال تجارت (عروض) بن جائے گا۔ چنانچہ حاصل ہونے والی رقم پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

☆ اس کے برعکس جو مال تجارت کی نیت سے خریدا تھا اور اسی نیت کی وجہ سے مال تجارت (عروض) بن چکا تھا، لیکن اب اسے آگے بیچنے کا ارادہ ترک کر دیا۔مثلاً کوئی پلاٹ یا فلیٹ آگے بیچنے کی نیت سے خریدا تھا مگر اب اسے اپنی رہائش میں استعمال کرنے کا ارادہ کر لیا تو وہ مال بھی مال تجارت نہیں رہے گا۔صرف ارادے سے ہی اس کی مال تجارت ہونے کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

مال تجارت میں نصاب زکوٰۃ:

مال تجارت (عروض) خواہ کسی قسم کا ہو (کپڑا ہو یا اناج، جنرل اسٹور کا سامان ہو یا اسٹیشنری کا سامان، مشینری ہو یا بجلی کا سامان) اگر سونے کے نصاب (ساڑھے سات تولہ) یا چاندی کے نصاب (ساڑھے باون تولہ) میں سے کسی ایک کی بازاری قیمت کے برابر ہو تو اس مال پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔

پھر حولان حول (سال گزرنے) کی شرط کے ساتھ اس کا ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔نیت اور تملیک پائی جائے تو ادائیگی صحیح ہو جاتی ہے۔

مال تجارت کے نصاب پر سال پورا ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ کل مال تجارت کی بازاری قیمت لگا لی جائے اور اس کل قیمت کا ڈھائی فیصد (چالیسواں حصہ) رقم زکوٰۃ کے مستحق کو دے دی جائے یا کل رقم کے اڑھائی فیصد کے برابر وہی مال تجارت مستحق کو دیدیا جائے۔

ضروری وضاحت مال تجارت میں خود دکان کی قیمت اور اس میں موجود فرنیچر کی قیمت، اسی طرح کارخانے میں مشینری کی قیمت کو شمار نہیں کیا جائے گا۔

وجہ صاف ظاہر ہے کہ خود دکان اور اس میں فرنیچر اور فیکٹری کی مشین چونکہ آگے بیچنے کی نیت سے نہیں خریدی لہٰذا وہ مال تجارت میں شامل نہیں ہو گی۔

بلکہ اس نظر سے دیکھا جائے کہ یہ دکان فرنیچر اور مشینری وغیرہ روزگار کا آلہ اور ذریعہ ہیں تو یہ حاجت اصلیہ میں شامل ہونگے اور زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے مال کا حاجت اصلیہ سے زائد ہونا ضروری ہے۔لیکن اگر کسی نے فرنیچر کی دکان بنائی یا ایسی دکان جس میں کارخانے کی مشینری فروخت ہوتی ہو تو اب یہ چیزیں مالِ تجارت میں شامل ہونگی۔کیونکہ ایسی دکانوں میں فرنیچر یا مشینری بیچنے کے ارادے سے خرید کر رکھی جاتی ہے۔

مال تجارت کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔اورابن منذر نے کہا ہے کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔اوراس کی روایت حضرت عمر بن خطاب،ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہے۔

فقہاء سبعہ سے بھی اسی طرح روایت ہے اور وہ حضرت سعید بن میسّب،قاسم بن محمد،عروہ بن زبیر،ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حرب،خارجہ بن زید،عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ،سلمان بن یسار،طاؤس،حسن بصری،اورابراہیم نخعی،اوزاعی،ثوری،حضرت امام شافعی،،امام احمداورامام اسحاق وغیرہ تمام کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے۔

حضرت امام مالک اورربیعہ نے کہاہے کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ،۴ص،۱۰۲،حقانیہ ملتان)

کمپنی اورمشترک کاروبار کے حصہ داروں کی زکوٰۃ:

مشترکہ تجارت اورکمپنی فیکٹری وغیرہ کے حصہ داروں کی زکوٰۃ مجموعہ رقم اور مال پر واجب نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ ہر حصہ دار کی زکوٰۃ اس کے حصہ کے حساب سے ادا کرنا واجب ہوگا؛ لہٰذا جس کا حصہ نصاب کو پہنچے گا؛اس پر اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا اور جس کا حصہ نصاب کونہیں پہنچتا ہے اوراسکے پاس اس کے علاوہ اتنا مال نہیں ہے.جس کوملا کر نصاب مکمل ہوسکتا ہے تو ایسے حصہ دار پر زکوٰۃ ہی واجب نہیں ہے اور جس کے پاس شرکت کے حصہ کے علاوہ اتنا مال ہے.جس کوملا کر نصاب مکمل ہوجاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے؛لیکن وہ اپنے حصہ کی زکوٰۃ اپنے طور پر نکالا کریگا۔(ایضاح النوادر:ر،ناشر: مکتبہ الاصلاح،مرادآباد)

شیرز کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہی دلائل:

مِلوں اورکمپنیوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؛بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مال مِل کر شیئر ہولڈر مالک نصاب بن جاتا ہو؛البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں؛چونکہ مشینری اورمکان اورفرنیچر وغیرہ کی لاگ بھی شامل ہوتی ہے جودرحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے؛اس لیے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کرکے جس قدر رقم اس کی مشینری اورمکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے،اُس کواپنے حصے کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کرکے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔سال کے ختم پر جب زکوٰۃ دینے لگےاس وقت جوشیئرز کی قیمت ہوگی وہی لگے گی۔(درمختاروشامی)

پراویڈنٹ فنڈ جوابھی وصول نہیں ہوااُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؛لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا،اس وقت اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی،بشرطیکہ یہ رقم بقدرِ نصاب ہو یا دیگر مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہوجاتی ہو وصولیابی سے قبل کی زکوٰۃ پراویڈنٹ کی رقم پر واجب نہیں،یعنی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

صاحب نصاب اگرکسی سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے؛البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ

گیا تواس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔(درمختاروشامی)

شیرز کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں عام طور پر یہ بحث کی جاتی تھی کہ شیرز کی نوعیت صنعتی ہے یا تجارتی ؟اگراس کی نوعیت صنعتی ہو یعنی اس کے ذریعہ مشنریز اورآلات خرید کئے جاتے ہوں اور پھران سے مال تیار کیا جاتا ہوتواصولی طور پر مشنریز کی صورت میں جوسرمایہ محفوظ ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہیے؛ البتہ جوحصص تجارت میں مشغول کئے جائیں ان پر زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے؛لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج کل حصص بجائے خودایک تجارت بن گئے ہیں اور بڑے پیمانے پراس کی خریدوفروخت عمل میں آتی ہے؛اسی لیے عصرِ حاضر کے محقق علماء نے شیرز کومطلق ایک تجارت تسلیم کیا ہےاوریہی موجودہ ماہرینِ اقتصادیات کی رائے ہے؛لہٰذا شیرز بجائے خود سامانِ تجارت ہےاوراس میں زکوٰۃ واجب ہے،جن لوگوں نے اس نیت سے حصص خریدے ہوں کہ حصص کوباقی رکھتے ہوئے کمپنی جونفع دے اس سے استفادہ کرنا ہے،ان کوتوزکوٰۃ حصص کی اصل قیمت کے لحاظ سے ادا کرنی ہوگی،جوخود کمپنی کوتسلیم ہواورجن لوگوں نے حصص اس مقصد کے لیے خرید کیا ہوکہ قیمت بڑھنے کے بعد اسے فروحت کردیں گے ان لوگوں کوموجودہ مارکٹ کی قیمت کے لحاظ سے حصص کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے،مثلاً کمپنی کے نزدیک اس کی قیمت پچیس روپے ہے اور بازار میں اس وقت یہ حصص ڈھائی سوروپے کے حساب سے فروخت کئے جارہے ہیں تو پہلی صورت میں پچیس روپے کے حساب سے اوردوسری صورت میں ڈھائی سوروپے کے حساب سے قیمت لگا کرزکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ (جدید فقہی مسائل)

باونڈز کی زکوٰۃ کابیان:

باونڈز اصل میں قرض کی سنداوراس کی دستاویز ہے؛ گوآج کل باونڈز کی بھی خریدوفروخت ہونے لگی ہے؛مگر شرعاً یہ ناجائز اور حرام ہے،فقہ کی اصطلاح میں باونڈز کی حیثیت دین قوی کی ہے،اس لیے قرض کی وصولی کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوگی،سود کی شکل میں جورقم حاصل ہووہ تو حرام ہونے کی وجہ سے کل کی کل واجب التصدق ہے؛لیکن اگراس شخص نے صدقہ نہ کیا ہوتو پھراس کا حکم بھی زکوٰۃ کے باب میں دوسرے اموالِ حرام کا سا ہوگا،مال حلال کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ سودی رقم کا حساب بھی محفوظ نہ رہے توامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق دوسرے اموال کے ساتھ ملا کراس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(جدید فقہی مسائل)

انعامی باؤنڈز کی خریدوفروخت کے عدم جواز کابیان:

پرائزبونڈ خواہ بینک کے جاری کردہ ہوں یا کسی اورسرکاری یا غیر سرکاری ادارہ کے یہ درحقیقت سوداورجوئے کی ایسی مرکب شکلیں ہیں جواسلامی شریعت کی رو سے قطعاً ناجائز ہیں۔ان پرائزبونڈز میں سودتواس لیے ہے کہ انعامی بونڈز کی رقم بینک یا کسی بھی متعلقہ ادارہ کے ذمہ قرض ہےاورانعامی بونڈز رکھنے والوں کوبصورت انعام جوکچھ ملتا ہے وہ اسی قرض پر ملتا ہے جوکہ جملہ انعامی بونڈز رکھنے والوں سے مشروط ہیاورقرض پر ہرقسم کامشروط نفع شریعت کی رو سے سود ہے۔

اور اگر اس نفع کو صرف انعام بھی تصور کرلیا جائے تو بھی اس کا حصول جائز نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے قرض دے کر ہدیہ تک لینے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح پرائز بونڈز کے انعام میں بھی جوا شامل ہے بایں معنیٰ کہ پرائز بونڈز کے حصہ داران زائد رقم وصول کرنے کی غرض سے رقم جمع کراتے ہیں لیکن یہ زائد رقم قرعہ اندازی اور اس میں نام آنے کے ساتھ مشروط ہے، اسلیے غیر یقینی طور پر تردد میں رہتے ہیں کہ نام آئے گا یا نہیں کیونکہ زائد رقم کے ملنے اور نہ ملنے کے امکانات برابر ہیں اور اسی کو شرعی اصطلاح میں قمار (جوا) کہتے ہیں۔

کاروباری نقطہ نظر سے جس کاروبار میں نفع نہ ہو وہ نقصان ہے تو جن انعامی بونڈز رکھنے والوں کے نام نہیں آتے وہ گویا نقصان میں ہیں اور نفع نقصان کے درمیان معلق رہنے والا معاملہ شرعاً جوا کہلاتا ہے کہ یا تو اصل رقم سے زائد رقم مل جائے گی اور یا اصل تو محفوظ رہیگی لیکن جس نفع کی لالچ میں بونڈز خریدے تھے کم از کم وہ نفع حاصل نہیں ہوا۔

اس لئے پرائز بونڈز کی خرید وفروخت کرنا اور اس سے ملنے والا انعام یا نفع از روئے شریعت ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم (جامعہ العلوم الاسلامیہ کراچی)

پرائز بونڈ پر جو رقم ملتی ہے وہ جوا ہے اور سود بھی، جوا اس طرح ہے کہ بونڈ خریدنے والوں میں سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کو اس بونڈ کے بدلے میں دس روپے ہی ملیں گے یا مثلاً پچاس ہزار۔ اور سود اس طرح ہے کہ پرائز بونڈ خرید کر اس شخص نے متعلقہ ادارے کو دس روپے قرض دیئے اور ادارے نے اس روپے کے بدلے اس کو پچاس ہزار دس روپے واپس کئے، اب یہ زائد رقم جو اِنعام کے نام پر اس کو ملی ہے، خالص سود ہے۔ (یوسف لدھیانوی)

انعامی باؤنڈز کی خرید وفروخت کے جواز کا بیان:

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک انعامی باؤنڈز کی بیع جائز ہے۔ اور حکومت کی طرف سے اس کو خریدنے کی ترغیب کیلئے جو انعام جاری کیا جاتا ہے۔ وہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس انعام پر ربو یا قمار کی تعریف صادق نہیں آتی۔ مودودی اور مولوی مزمل نے اس پر مصنوعی انداز فکر سے گفتگو کی ہے انہوں نے پہلے اس کو ناجائز فرض کرلیا ہے۔ پھر اس کے بعد زبردستی قمار کے معنی پہنا کر نا جائز بنا دیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم، ج۴، ص ۱۱۴، فرید بک سٹال لاہور)

انعامی باؤنڈز کی خرید وفروخت میں مصنف کا نظریہ:

ہمارے نزدیک حکومتی انعامی باؤنڈز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے جواز میں سعیدی صاحب نے جتنے دلائل ذکر کیے ہیں۔ ان سے جواز کی قطعیت یا اباحت ثابت نہیں ہوتی۔ اور جہاں دیوبندی مکتب فکر کا نظریہ ہے وہ واقعی مصنوعی انداز فکر ہے۔ لیکن دلائل شرعیہ سے ہم اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس بیع کو اگر ہم اسلامی احکام میں بیان کردہ بیوع جو جائز ہیں ان میں کسی جزی پر منطبق کریں تو اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے اس میں اشتباہ پڑ گیا اور شریعت

نے اشتباہ سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو خود سنا ہے اور اسے یاد رکھا ہے کہ جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کی طرف میلان رکھو جو تم کو شک میں نہ ڈالے کیونکہ حق دل کے اطمینان کا باعث ہے اور باطل شک وتردد کا موجب ہے) (مشکوٰۃ المصابیح)

ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ شبہات میں پڑنے سے بچو اور جو چیزیں شبہات میں مبتلا کرنے والی ہوں ان سے اجتناب کرو بعض علماء کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ از قسم اقوال واعمال جس چیز کی حلت وحرمت کے بارے میں تمہارا ضمیر شک میں مبتلا ہو جائے تو اس چیز کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرلو جس کے بارے میں تمہارا ضمیر کسی شک میں مبتلا نہ ہو کیونکہ انسان کا ضمیر چونکہ غلط راہنمائی نہیں کرتا اس لئے کسی چیز کے بارے میں ضمیر کا شک میں مبتلا ہونا اس چیز کے غلط اور باطل ہونے کی علامت ہے اور کسی چیز کے بارے میں ضمیر کا مطمئن ہو جانا اس چیز کے صحیح اور حق ہونے کی علامت ہے گویا کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے اور اس کے حلال یا حرام ہونے کی پہچان کے لئے یہ ایک قاعدہ اور کسوٹی ہے تاہم یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ بات ہر شخص کو حلال نہیں ہوتی بلکہ یہ وصف خاص ان صالح انسانوں کو نصیب ہوتا ہے جن کے ذہن وفکر اور جن کے دل ودماغ تقویٰ وایمان داری اور راستبازی وحق پسندی کے جوہر سے معمور ہوتے ہیں۔

قرض پر قیاس کرنے کی وجہ سے انعامی باؤنڈز کی ممانعت:

انعامی باؤنڈز کی صرف ایک ہی صورت بن سکتی ہے کہ اس کو قرض پر قیاس کیا جائے۔ اور یہ کہا جائے کہ حکومت لوگوں سے قرض لیکر مختلف کاروبار پر خرچ کرتی ہے۔ اور تمام کے مال کو بعینہ واپس کرتی ہے۔ جبکہ بعض کو بطور انعام اصل رقم سے زائد دیتی ہے اور یہی زیادہ دینا غلط ہے۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو باؤنڈز خریدتا ہے وہ اس توقع یا امید پر خریدتا ہے کہ اس کو اصل رقم سے زائد رقم ملے گی اور یہی سود ہے۔

علامہ سعیدی صاحب کی تحقیق ہے کہ سود کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ یہ ابتدائی معاملہ ہے جبکہ انتہائی معاملہ جو مقام مسبب پر ہے اور جس پر حکم کا اطلاق ہونا ہے اگر اس دیکھا جائے تو اس پر سود کی تعریف بھی صادق آجائے گی۔ اور اس قاعدہ فقہیہ بھی صادق آئے گا۔ اور یہ اعتراض بھی دور ہو جائے گا کہ آپ خریدنے والے کی نیت تو نہیں جانتے کہ وہ زیادہ کی نیت کر رہا ہے یا نہیں تو اس کا جواب بڑا آسان ہے اگر حکومت اعلان کردے کہ کسی باؤنڈز خریدنے والے کو اصل رقم سے زائد رقم نہ ملے گی۔ تو اس وقت حال اسی بات پر دلالت کرے گا۔ کہ لوگوں کا باؤنڈز کو خریدنا یہ اصل سے رقم سے زائد وصول کرنے کے ساتھ بطور حکم متعین ہو گیا۔ اور فقہی قاعدے کے مطابق حال بھی اسی طرح دلالت کرنے والا ہے جس طرح قول دلالت کرتا ہے۔ اور قاعدہ حسب ذیل ہے۔

صاحب اصول کرخی لکھتے ہیں۔

حال اسی طرح دلالت کرتا ہے جس طرح قول دلالت کرتا ہے۔ قاعدہ فقہیہ:

ان للحالة من الدلالة كما للمقالة ۔(الاصول)

بے شک حال اسی طرح دلالت کرتا ہے جس طرح قول دلالت کرتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی سے مشورہ کئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اسکی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کنواری کی اجازت کس طرح ہے؟ فرمایا: اسکی خاموشی۔ (مسلم ج ا ص ۴۵۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حال بھی ایسی ہی دلالت کرتا ہے جس طرح قول دلالت کرتا ہے، اسی وجہ سے کنواری لڑکی کے سکوت کو اجازت کے قائم مقام کیا گیا ہے کہ وہ شادی بیاہ کے تمام معاملات کو دیکھتے ہوئے اور گھر میں اس بیاہ سے پہلے گھر والوں اور والدین کے مشوروں کے سننے کے باوجود اس نے انکار نہیں کیا حتی کہ وہ تمام شادی کے ابتدائی معاملات کو خوشی سے نمٹاتی رہی اور ابتدائی تمام مراحل و مراسم میں اس کا سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تمام معاملات پر راضی ہے اور اسکی یہی حالت اسی طرح دلیل ہے جس طرح کسی سے نکاح کے بارے میں اس کا قول معتبر ہوتا ہے۔

انعامی باؤنڈز کو خریدنے میں لوگوں کا حال یعنی اصل رقم سے زائد وصول کرنے کا حال اسی طرح دلالت کرنے والا ہے۔ جس طرح وہ کسی کو رقم قرض دیکر اس سے زائد رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔

جہاں تک لوگوں کے خریدنے کو ہم انعام کی قید سے مقید کر رہے ہیں تو اس سلسلے میں بھی ہمارے پاس دلیل موجود ہے۔ کہ بہت سے مواقع ہیں جہاں فقہاء احناف کے اصول کے مطابق بھی مفہوم مخالف جائز ہے۔ اور یہاں مفہوم مخالف اعتبار کرنے سے یعنی اصل رقم سے زائد رقم نہ ملنے کا اعلان لوگوں کے عمل کو قلعی کھولنے والا ہے۔ اور لوگوں کے فعل کا بطور حقیقت اس طرح اظہار ہوگا کہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یقیناً ہر شخص انعامی باؤنڈز انعام کی خاطر خریدنے والا ہے۔ اور جس کا نام انعام ہے جبکہ اصل میں وہ سود ہے۔

قاعدہ فقہیہ مفہوم مخالف اگرچہ حجت علی الاطلاق نہیں تاہم اپنی شرائط واقسام کے ساتھ یہ حجت ہوتا ہے:

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کی کوئی قسم معتبر نہیں۔ (شرح نووی مسلم، ج ا، ص ۴۸۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مفہوم مخالف کی تعریف:

مسکوت عنہ کا حکم نفی اور اثبات میں مذکور کے خلاف ہو اور وہ حکم مسکوت عنہ کیلئے منطوق کے خلاف ثابت ہوگا اس کو دلیل خطاب کہتے ہیں

وہ مواقع جہاں مفہوم مخالف بالکل معتبر نہیں ہوتا:

ا۔ قتل اولاد:

ترجمہ: اپنی اولاد کو تنگی رزق کی وجہ سے قتل مت کرو۔ (بنی اسرائیل) اس آیت میں اپنی اولاد کو رزق کی تنگی کی وجہ سے قتل کرنے کی ممانعت کا بیان ہے، تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ قتل اولاد کی ممانعت تو خوف رزق کی وجہ سے ہے لہٰذا اگر رزق کی تنگی کی وجہ نہ ہو تو پھر اولاد کو قتل کر دیا جائے گا، تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہاں مفہوم مخالف بالکل معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ نص کے خلاف ہے۔

مفہوم مخالف کے معتبر ہونے کی شرائط:

ا۔ مفہوم مخالف اس وقت حجت ہوگا جب کوئی حجت جو اس سے معارض ہو مضبوط یا موافق نہ ہو۔

۲۔ منطوق سے اظہار احسان یا امتنان مقصود نہ ہو، جس طرح قرآن میں آیا ہے۔ ترجمہ: وہ ذات جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ (نحل ۱۴)

اس آیت میں گوشت کو لفظ "تازہ" کے ساتھ مقید کیا گیا ہے یہ وہ موقع ہے جہاں پر اللہ تعالی کے احسانات کا ذکر ہے اس لئے اُس گوشت کو تازہ کی صفت سے موصوف کیا ہے لہٰذا یہاں پر مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہوئے یہ معنی ہرگز نہیں ہوگا کہ باسی گوشت کھانے کی ممانعت ہے کیونکہ یہاں سے مراد اظہار احسان مقصود ہے۔

۳۔ وہ مفہوم مخالف کسی حکم خاص یا واقعہ خاصہ سے متعلق سوال کا جواب نہ ہو۔ جس طرح قرآن میں آیا ہے۔ ترجمہ: اے ایمان والو؛ دگنا چوگنا کر کے سود نہ کھاؤ۔ (آل عمران ۱۳۰) اس حکم کا مفہوم مخالف تو یہ ہوگا کہ اگر سود دگنا یا چوگنا نہ کیا جائے تو پھر اس کو کھانا چاہیے حالانکہ سود کسی طرح بھی جائز نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر حکم ایک خاص واقعہ کی طرف منسوب ہے جواب جائز نہیں

۴۔ اگر منطوق میں صفت کا ذکر تبعاً ہو تو مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ ترجمہ: تم اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو، جب تم مساجد میں معتکف ہو۔ (البقرہ، ۱۸۷) اس آیت میں مساجد کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کیونکہ حالت اعتکاف میں علی الاطلاق جماع منع ہے۔

۵۔ سیاق کلام سے عموم کا قصد ظاہر نہ ہو اور اگر سیاق کلام سے عموم ظاہر ہو تو پھر وہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا، اس کی مثال یہ ہے۔ ترجمہ: اللہ تعالی ہر موجود پر قادر ہے۔ (حشر ۶) اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالی معدوم پر قادر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی معدوم اور ممکن پر بھی قادر ہے۔

۶۔ مفہوم مخالف مراد لینے سے اصل یعنی منطوق باطل نہ ہو۔

۷۔ جب منطوق سے کسی صفت سے تعظیم کا قصد وارادہ نہ ہو جیسے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے وہ خاوند کے سوا کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے۔

اس حدیث میں اللہ اور آخرت پر ایمان کی قید محض اس حکم کی تعظیم واحترام کیلئے ہے لہٰذا اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں۔

۸۔منطوق میں جو قید لگائی گئی ہو وہ اکثر واغلب نہ ہو، اور اگر منطوق کی قید اکثر واغلب ہوئی تو مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا اسکی مثال یہ ہے۔

ترجمہ: اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی پہلے والی لڑکیاں جن کی تمہارے ہاں پرورش ہوئی۔ (وہ بھی تم پر حرام ہیں)۔ (النساء ۲۳) اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ بیوی کی وہ پہلی لڑکیاں جو کسی دوسرے خاوند سے ہیں جن کی پرورش بھی سابقہ خاوند کے ہاں ہوئی وہ حلال ہوں۔

مفاہیم مخالفہ کا اعتبار:

۱۔مفہوم صفت:

جب ذات کی کسی ایک صفت پر حکم کو معلق کیا جائے جیسے ''خودرَو گھاس کھانے والی بکریوں پر زکوٰۃ ہے'' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جن بکریوں کو کاٹ کر یا خرید کر گھاس کھلائی جائے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ وصف عام ہے علت ہو یا نہ ہو۔

۲۔مفہوم علت:

جب کسی چیز کی علت پر حکم کو معلق کیا جائے جیسے ''شراب نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام کی گئی ہے'' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ شراب اپنے اور وصف مثلاً مخصوص رنگ یا بو کی وجہ سے حرام نہیں کی گئی۔ یہ وصف خاص ہے۔

۳۔مفہوم شرط:

یہاں شرط سے مراد شرط شرعی ہے۔ جس کا وجود مشروط پر موقوف ہوتا ہے اور مشروط میں داخل اور موثر نہ ہو جیسے استقبال قبلہ نماز کیلئے شرط ہے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کسی اور جانب نماز پڑھنا شرط نہیں ہے اور اسی طرح شرط سے مراد شرط لغوی مراد نہیں ہے۔ جس طرح کوئی شخص کہے کہ اگر تم میری عزت کروگے تو میں تمہاری عزت کروں گا۔

۴۔مفہوم عدد:

جب حکم کو کسی عدد پر معلق کیا جائے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اس سے کم یا زیادہ پر حکم معلق نہیں ہوگا جیسے قرآن میں آیا ہے۔

ترجمہ: اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض روک رکھیں۔ (البقرہ ۲۲۸) اس مفہوم مخالف یہ ہے کہ مطلقہ کی عدت نہ تو دو حیض ہے اور نہ ہی چار حیض ہے۔

۵۔مفہوم غایت:

جب کسی چیز کی انتہاء پر حکم کو معلق کیا جائے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اس بیان کردہ غایت کے علاوہ میں یہ حکم معتبر نہ ہوگا جیسے

قرآن میں ہے۔ ترجمہ: اپنے چہروں کو دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ۔ (مائدہ ۶) اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کہنیوں کے بعد کندھوں تک ہاتھوں کو دھونا وضو میں فرض نہیں ہے۔

۶۔مفہوم لقب:

جب کسی حکم کو علم شخصی یا علم نوعی پر معلق کیا جائے جیسے ''زید کھڑا ہے'' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کوئی اور شخص نہیں کھڑا۔ اور ایسے ہی ''بکریوں میں زکوٰۃ ہے'' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بکریوں کے علاوہ اور کسی جانور پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۷۔مفہوم حصر:

جب کسی چیز کے حکم کو حصر کے ساتھ محصور کیا جائے جیسے ''زید کے سوا کوئی اور شخص کھڑا نہیں ہوا''۔

۸۔مفہوم زماں:

جب کسی حکم کو زمانے کے ساتھ معلق کیا جائے جیسے قرآن میں آیا ہے ترجمہ: حج معروف مہینوں میں ہے۔ (البقرہ ۱۹۷) اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ان مہینوں کے علاوہ حج نہیں ہے۔

۹۔مفہوم مکاں:

جب کسی حکم کو مکاں کے ساتھ معلق کیا جائے جیسے ''میں زید کے سامنے بیٹھا'' یعنی اس کے پیچھے نہیں بیٹھا۔

(ارشاد الفحول ص ۱۷۰، مطبوعہ مصر)

انعامی باؤنڈز کو مفہوم غایت پر اگر منطبق کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ابتدائی طور پر اگرچہ اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی لیکن انتہائی اعتبار سے اس پر سود کی تعریف صادق آتی ہے۔ اور یہی حکم ممانعت ہے۔

باؤنڈز کی اباحت پر فتویٰ:

شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ علامہ مفتی محمد عبدالعلیم سیالوی مدظلہ العالی لکھتے ہیں۔ باؤنڈز کی بیع جائز ہے۔ اور باؤنڈز کا لین دین قرض نہیں تجارت ہے۔ اس میں قمار وسود نہیں ہے۔ شریعت کے مطابق جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم جامعہ نعیمیہ لاہور ص ۲۱۵)

سال کے ابتداء وانتہاء میں کامل نصاب والے مال کی زکوٰۃ کا بیان:

(وَإِذَا كَانَ النِّصَابُ كَامِلًا فِي طَرَفَيِ الْحَوْلِ فَنُقْصَانُهُ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ لَا يُسْقِطُ الزَّكَاةَ) لِأَنَّهُ يَشُقُّ اعْتِبَارُ الْكَمَالِ فِي أَثْنَائِهِ أَوْ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ فِي ابْتِدَائِهِ لِلِانْعِقَادِ وَتَحَقُّقِ الْغِنَى وَفِي انْتِهَائِهِ لِلْوُجُوبِ ، وَلَا كَذَلِكَ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ حَالَةُ الْبَقَاءِ ، بِخِلَافِ مَا لَوْ هَلَكَ الْكُلُّ حَيْثُ يَبْطُلُ حُكْمُ الْحَوْلِ ، وَلَا تَجِبُ الزَّكَاةُ لِانْعِدَامِ النِّصَابِ فِي الْجُمْلَةِ ،

وَلَا كَذَلِكَ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى لِأَنَّ بَعْضَ النِّصَابِ بَاقٍ فَيَبْقَى الِانْعِقَادُ .

ترجمہ:

اور جب سال کی دونوں اطراف میں نصاب مکمل ہو جبکہ اس کے درمیان نصاب کم ہو تو وہ زکوٰۃ کو ساقط کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ دوران سال نصاب کو پورا رکھنے میں مشقت ہے۔ البتہ ابتدائے سال میں اس کا پورا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ (سبب) منعقد ہو جائے۔ اور غناء ثابت ہو جائے۔ اور انتہاء سال میں بھی اس لئے پورا ہونا ضروری ہے تاکہ وجوب ثابت رہے۔ اور درمیان یہ شرط نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس کی حالت بقاء ہے۔ بخلاف اس حالت کہ جب کل مال ہی ہلاک ہو گیا ہو۔ تو سال کا حکم بھی باطل ہو جائے گا۔ اور زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ نصاب کلی طور پر معدوم ہے جبکہ پہلے مسئلہ میں حکم اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں کچھ نصاب باقی ہے۔ لہٰذا انعقاد بھی باقی رہے گا۔

حرفت میں استعمال ہونے والی اشیاء پر زکوٰۃ

کسی خاص پیشے یا حرفت میں جو اشیاء استعمال ہوتی ہیں وہ دو طرح کی ہوتی ہیں: ایک وہ جو ہلاک یا تلف ہو جاتی ہیں، جیسے واشنگ فیکٹری یا لانڈری میں صابن یا واشنگ پاؤڈر وغیرہ، ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ دوسری وہ اشیاء جن کا مصنوع میں اثر قائم رہتا ہے یا وہ خود موجود رہتی ہیں، جیسے فنِ طب، حکمت اور دوا سازی میں استعمال ہونے والی بوتلیں، شیشیاں وغیرہ اور رنگریز کی دکان پر کپڑے کو رنگنے کا رنگ وغیرہ، ان چیزوں کے اسٹاک پر زکوٰۃ ہے۔

وقص جانوروں کی زکوٰۃ کا مسئلہ:

حضرت طاؤس (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل کے پاس وقص گائیں لائی گئیں (تاکہ وہ اس میں سے زکوٰۃ وصول کریں) مگر انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے مجھے کچھ لینے کا حکم نہیں فرمایا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی زکوٰۃ کے طور پر کچھ واجب نہیں فرمایا) دار قطنی اور امام شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ وقص وہ جانور کہلاتے ہیں جو (ابتدائی طور پر یا پہلے دوسرے نصاب کے بعد) حد نصاب کو نہ پہنچیں۔

علامہ طیبی شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وقص قاف کے زیر کے ساتھ جانوروں کی اس تعداد کو کہتے ہیں جو فرض حد نصاب کو نہ پہنچے خواہ ابتداء ایسی تعداد ہو خواہ دو نصابوں کے درمیان ہو۔

اس بات کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ گائے یا بیل اگر تیس سے کم تعداد میں ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں چنانچہ تیس سے کم وہ تعداد ہے جو ابتدائی طور پر ہی حد نصاب کو نہیں پہنچتی تیس سے کم یہ تعداد وقص کہلائے گی۔

دو نصابوں کے درمیان وقص یہ ہے کہ مثلاً تیس گائے یا بیل پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جب تعداد تیس سے بڑھ جائے گی مگر چالیس تک نہ پہنچے تو اس درمیانی تعداد یعنی اکتیس سے لے کر انتالیس تک میں زکوٰۃ کے طور پر کچھ دینا واجب نہیں ہوتا ہاں جب

تعداد پوری چالیس ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ کی مقدار بڑھ جاتی ہے لہٰذا اکتیس سے لے کر انتالیس تک کی تعداد بھی وقص کہلاتی ہے اسی طرح چالیس کے بعد زکوٰۃ کی مقدار اسی وقت بڑھتی ہے جب کہ تعداد پوری ساٹھ ہو جائے۔ ان دونوں عدد کی درمیانی تعداد کو وقص کہیں گے کیونکہ اس تعداد میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ پھر جب تعداد ساٹھ سے متجاوز ہوگی زکوٰۃ کی مقدار اسی وقت بڑھے گی جب تعداد ستر ہو جائے، ان دونوں عدد کی درمیانی تعداد بھی وقص کہلائے گی کیونکہ اس تعداد میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اسی طرح ہر دہائی کے بعد حکم متغیر ہوتا چلا جاتا ہے بایں طور زکوٰۃ کی مقدار میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، دو دہوئیں کے درمیان جتنے بیل اور گائے ہوں گی ان سب کو وقص کہیں گے اور ان میں زکوٰۃ معاف ہوگی۔

حدیث میں وقص کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے ابتدائی وقص یعنی تیس سے کم تعداد مراد ہے کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس جو گائیں لائی گئی تھیں ان کی تعداد تیس سے کم تھی۔

دو نصابوں کے درمیان کے وقص میں صاحبین کے نزدیک مطلقاً زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک چالیس سے ساٹھ تک کے درمیان وقص میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مگر باقی وقص میں واجب نہیں ہوتی۔

قیمت سامان کو سونے چاندی کی قیمت سے ملا کر نصاب بنانے کا بیان:

قَالَ (وَتُضَمُّ قِيمَةُ الْعُرُوضِ إلَى الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ حَتَّى يَتِمَّ النِّصَابُ) لِأَنَّ الْوُجُوبَ فِي الْكُلِّ بِاعْتِبَارِ التِّجَارَةِ وَإِنْ افْتَرَقَتْ جِهَةُ الْإِعْدَادِ (وَيُضَمُّ الذَّهَبُ إلَى الْفِضَّةِ) لِلْمُجَانَسَةِ مِنْ حَيْثُ الثَّمَنِيَّةُ ، وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ صَارَ سَبَبًا ، ثُمَّ يُضَمُّ بِالْقِيمَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا بِالْإِجْزَاءِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْهُ ، حَتَّى إنَّ مَنْ كَانَ لَهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ وَخَمْسَةُ مَثَاقِيلَ ذَهَبٍ تَبْلُغُ قِيمَتُهَا مِائَةَ دِرْهَمٍ فَعَلَيْهِ الزَّكَاةُ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا ، هُمَا يَقُولَانِ الْمُعْتَبَرُ فِيهِمَا الْقَدْرُ دُونَ الْقِيمَةِ حَتَّى لَا تَجِبَ الزَّكَاةُ فِي مَصُوغٍ وَزْنُهُ أَقَلُّ مِنْ مِائَتَيْنِ وَقِيمَتُهُ فَوْقَهَا ، هُوَ يَقُولُ : إنَّ الضَّمَّ لِلْمُجَانَسَةِ وَهِيَ تَتَحَقَّقُ بِاعْتِبَارِ الْقِيمَةِ دُونَ الصُّورَةِ فَيُضَمُّ بِهَا .

ترجمہ:

اور سامان تجارت کی قیمت کو سونے اور چاندی کے ساتھ ملائیں تاکہ نصاب مکمل ہو جائے۔ اس لئے کہ ان تمام میں وجوب زکوٰۃ تجارت کے اعتبار کے ساتھ ہے۔ اگرچہ بڑھنے اور نمو کی جہت الگ ہے۔ اور سونے کو چاندی کے ملایا جائے گا اس لئے کہ ثمن میں یہ دونوں ایک جنس سے ہیں۔ اسی دلیل کی بناء پر وہ سبب زکوٰۃ ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک قیمت کے ساتھ

ملانا ہے۔جبکہ صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک اجزاء کے ساتھ ملانا ہے۔اور حضرت امام اعظم سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ یہاں تک کہ جوشخص سو دراہم رکھتا ہو۔اور پانچ مثقال ایسا سونا ہو کہ جس کی قیمت سو دراہم کو پہنچتی ہو۔تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔جبکہ صاحبین کا اختلاف ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ سونے چاندی میں وزن کا اعتبار کیا جائے گا۔ قیمت معتبر نہ ہوگی۔یہاں تک کہ ایسے ڈھلے ہوئے برتن میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جس کا وزن دو (۲) سو دراہم سے تھوڑا ہو۔اور اس کی قیمت دو سو دراہم سے زیادہ ہو۔حضرت امام اعظم فرماتے ہیں کہ ایک جنس ہونے کی وجہ سے ملانا ہے۔اور قیمت کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے۔جبکہ صورت کے اعتبار سے ثابت نہیں ہوتا لہٰذا اس کو قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا۔اللہ ہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

شرح

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مال جب بشرائط معلومہ نصاب کو پہنچے تو بنفسہٖ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب اور ایراثِ حکم میں مستقل ہے جسے اپنے حکم میں دوسری شئ کی حاجت نہیں اور نصاب کے بعد جو خمس نصاب ہو وُہ بھی نصاب وسبب ایجاب ہے، ہاں جو خمس سے کم ہے وُہ اپنے نوع میں مثلاً چاندی یا سونا، سونے میں موجب زکوٰۃ نہیں ہوسکتا کہ شرع مطہر نے اسے عفو رکھا ہے **کما قدمنا فی المسئلة الثانية** (جیسا کہ ہم مسئلہ ثانیہ میں پیچھے بیان کر آئے۔ت) اسی طرح جو راسا نصاب کو نہیں پہنچا **بنفسه** سببیتِ وجوب کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر جب اس نوع کے ساتھ دوسری نوع بھی ہو یعنی زر و سیم مخلط ہوں تو ازانجا کہ وجہ سببیت ثمنیت تھی اور وُہ دونوں میں یکساں، تو اس حیثیت سے ذہب وفضّہ جنسِ واحد لہٰذا ہمارے نزدیک جو ایک نوع میں موجب زکوٰۃ نہ ہوسکتا تھا خواہ اس لیے کہ نصاب ہی نہ تھا یا اس لیے کہ نصاب کے بعد عفو تھا اس مقدار کو دوسری نوع سے تقویم کر کے ملا دیں گے کہ شاید اب اس کا موجب زکوٰۃ ہونا ظاہر ہو پس اگر اس ضم سے کچھ مقدار زکوٰۃ بڑھے گی (بایں معنی کہ نوع ثانی قبل ضم نصاب نہ تھی اسکے ملنے سے نصاب ہوگئی یا اگلی نصاب خمس کی تکمیل ہوگئی) تو اسی قدر زکوٰۃ بڑھا دیں گے اور اب اگر کچھ عفو بچا تو وہ حقیقۃً عفو ہوگا ورنہ کچھ نہیں اور اگر ضم کے بعد بھی کوئی مقدار زکوٰۃ زائد نہ ہو تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ اصلاً موجب زکوٰۃ نہ تھا۔(فتاوٰی رضویہ، کتاب الزکوٰۃ)

علامہ بن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

النقدان يضم احدهما الى الأخر في تكميل النصاب عندنا ۔ہمارے نزدیک تکمیل نصاب کے لیے دونوں نقود (سونے و چاندی) کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔ (فتح القدیر، فصل فی العروض، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ عثمان بن علی حنفی زیلعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

يضم الذهب الى الفقة با لقيمة فيكمل به النصاب لان الكل جنس واحد سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائیگا تا کہ نصاب مکمل ہو جائے کیونکہ یہ آپس میں ہم جنس ہیں۔

(تبیین الحقائق باب زکوٰۃ المال مطبعۃ کبریٰ امیریۃ بولاق مصر)

خلاصہ میں ہے: **اصل هذا ان الذهب يضم الى فضة فى تكميل النصاب عندنا و هذاا ستحسان** ۔ہمارے نزدیک تکمیل نصاب کی خاطر سونے کو چاندی کے ساتھ ملانا یہ اصل ہے اور یہ بطورِ استحسان ہے۔

(خلاصة الفتاوى الفصل الخامس فى زكوٰة المال ،مكتبه حبيبيه كوئٹه)

نقایہ میں ہے: **ى ضم الذهب الى الفضة بالقيمة لاتمام النصاب** ۔اتمامِ نصاب کے لیے سونے کو قیمت کے اعتبار سے چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا ۔**(النقايه ،كتاب الزكوٰة نور محمد كار خانه تجارت كتب كراچى)**

ان عباراتِ ائمہ وتقریرِ فقیر سے واضح ہُوا کہ یہ ملانا صرف بغرضِ تکمیل نصاب ہوتا ہے،نصاب کہ بنفسہٖ کامل ہے محتاجِ ضم نہیں کہ خود سبب مستقل ہے تو شرح مطہر اُس کے سبب ایک مقدار واجب فرما چکی اب نصاب کو دوسری چیز سے ضم کرنے کا ایجاب تکمیل نصاب نہیں تعطیل نصاب ہے، یا یُوں کہئے کہ اس ضم سے مقصود تحصیل واجب ہے نہ تبدیل واجب۔ولہٰذا ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ذہب وفضہ کا کامل نصابوں میں حکمِ ضم نہیں بلکہ نصابِ ذہب پر جُدا زکوٰۃ واجب ہوگی اور نصابِ فضہ پر جُدا۔ہاں اگر کوئی یہ چاہے کہ میں ایک ہی نوع زکوٰۃ میں دوں اور وہ قیمت لگا کر ضم کرلے تو ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ بھی نہیں،مگر اس وقت واجب ہوگا کہ تقویم ایسی کرے جس میں فقراء کا نفع زائد ہو مثلاً ایک نقد زیادہ رائج ہے دوسرا کم،تو جو رائج تر ہے اُس سے تقویم کرے۔

امام ملک العلاء ابوبکر مسعود کاسانی قدس سرّہ الربانی بدائع میں فرماتے ہیں۔

اذا كان كل واحد منهما نصاباً تاماً ولم يكن زائداً عليه لا يجب الضم بل ينبغى ان يؤدى من كل واحد منهماز كوته ولو ضم احدهما الى الأخرحتى يؤدى كله من الفضة اومن الذهب فلا باس به عند نا ولكن يجب ان يكون التقويم بما هو انفع للفقراء رواجا والا فيؤدى من كل واحد منهما ربع عشرة .

اگر دونوں (سونا و چاندی) کا نصاب بلا اضافہ کیے کامل ہے تو اب ایک دوسرے کے ساتھ ملانا واجب نہیں بلکہ ہر ایک کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور اگر کسی نے ملا کر سونے چاندی میں سے ہر ایک کی زکوٰۃ ادا کردی تو بھی ہمارے ہاں کوئی حرج نہیں لیکن یہ لازم ہے کہ قیمت اس کے ساتھ لگائی جائے جو رواجاً فقراء کے لیے زیادہ نافع ہو، ورنہ ہر ایک میں سے چالیسواں حصہ ادا کردیا جائے ۔ **(بدائع الصنائع ،فصل واما مقدار الواجب فيه ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى)**

اس نفیس تقریر سے یہ فائدے حاصل ہُوئے کہ اگر ایک جانب نصابِ تام بلاعفو ہے اور دوسری طرف نصاب سے کم،تو یہاں یہی طریقہ ضم متعین ہوگا کہ اس غیر نصاب کو اُس نصاب سے تقویم کر کے ملا دیں، یہ نہ ہوگا کہ نصاب کو تقویم کر کے غیر نصاب سے ملائیں۔مثلاً چاندی نصاب ہے اور سونا غیر نصاب،تو اس سونے کو چاندی کریں گے چاندی کو سونا نہ کریں گے،اور عکس ہے تو عکس۔ اسی طرح اگر ایک طرف نصابِ تام بلاعفو ہے اور دوسری جانب نصاب مع عفو،تو صرف اس عفو کو اس نصاب سے ملائیں گے نصاب

مع العفو مجموع کو ضم نہ کریں گے کہ محتاجِ تکمیل صرف وہی عفو ہے نہ کہ نصاب، مثلاً یا یا تولے سونا اور ۰ تولے چاندی ہے جس میں تولے چاندی عفو ہے تو صرف اس تولے چاندی کو سونا کریں گے نہ کہ مجموع ۰ تولے کو۔ یونہی اگر دونوں جانب عفو ہے تو صرف ان عفوؤں کو باہم ملائیں گے، دونوں طرف کے نصاب الگ نکال لیں گے۔ ہندیہ میں ہے:

لوفضل من النصابين اقل من اربعة مثاقيل واقل من اربعين درهما فانه تضم احدى الزيادتين الى الاخرى حتى يتم اربعين درهما او اربعة مثاقيل ذهب كذافى المضمرات ۔

اگر دونوں نصابوں پر چار مثقال سے کم اور چالیس ۰ دراہم سے کم اضافی ہُو تو ایک اضافہ کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے حتی کہ چالیس درہم کامل ہوجائیں یا چار مثقال سونا مکمل ہوجائے، جیسا کہ مضمرات میں ہے۔ (فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی زکوٰۃ الذهب والفضہ نورانی کتب خانہ پشاور)

پس ثابت ہُوا کہ قابلِ ضم وہی ہے جو خود نصاب نہیں، پھر اگر یہ قابلیت ایک ہی طرف ہے جب تو طریقہ ضم آپ ہی متعین ہوگا کماسبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) اور دونوں جانب ہے تو البتہ یہ امر غور طلب ہوگا کہ اب ان میں کس کو کس سے تقویم کریں کہ دونوں صلاحیتِ ضم رکھتے ہیں، اس میں کثرت وقلّت کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی کہ خواہی نخواہی قلیل ہی کو کثیر سے ضم کریں کثیر کو نہ کریں کہ جب نصابیت نہیں تو قلیل وکثیر دونوں احتیاجِ تکمیل میں یکساں۔

ردالمحتار میں ہے: **لا فرق بين ضم الاقل الى الاكثر و عكسه** ۔اقل کو اکثر ساتھ ملانا یا اس کے برعکس کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ (**ردالمحتار، باب زكوٰة المال مصطفى البابى مصر**)

بلکہ حکم یہ ہوگا جو تقویم فقیروں کے لیے انفع ہو اسے اختیار کریں، اگر سونے کو چاندی کرنے میں فقراء کا نفع زیادہ ہے تو وہی طریقہ برتیں، اور چاندی کو سونا ٹھہراتے ہیں تو یہی ٹھہرائیں، اور دونوں صورتیں نفع میں یکساں تو مزکی کو اختیار۔

درمختار میں ہے: **لو بلغ باحد هما نصاباً دون الاخر تعين مايبلغ به ولو بلغ باحدهما نصاباً و خمساً وبالاخر اقل قومه بالا نفع للفقير سراج** ۔اگر ایک کو ضم کرنے نصاب بنتا ہے دوسری سے نہیں، تو جس سے بنتا ہو وہ ضم کے لیے متعین ہوگا، اور اگر ایک کو ضم کرنے سے نصاب اور خمس بنتا ہے اور دوسرے سے کم بنتا ہے تو فقیر کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو اس سے قیمت بنائے۔۔**درمختار باب زكوٰة المال مطبع مجتبائى دهلى**

وفى ردالمحتار عن النهر عن الفتح يتعين ما يبلغ نصاباً دون مالا يبلغ فان بلغ بكل منهما واحد هما اروج تعين التقويم بالا روج ۔فتح سے منقول ہے کہ نصاب کو پہنچانے والے کی قیمت ضم کے لیے متعین ہوگی دوسرے کی نہیں، اگر دونوں سے نصاب پورا ہو جبکہ ایک رواج سے زائد ہے تو جو زیادہ رائج ہو اس کے ساتھ قیمت لگانا متعین ہوگا۔

وفى شرح النقايه للقهستانى و ان تسايا فالما لك مخير ۔اور شرح نقایہ للقہستانی میں ہے: اگر دونوں برابر ہوں تو مالک کو اختیار ہے۔ (جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران)

جب یہ امور ممہد ہو لیے تمام صورتوں کے احکام معلوم ہوگئے کہ اختلاطِ زروسیم انہی تین حال میں منحصر ہے۔

(۱) یا کسی کی طرف کوئی مقدار قابلِ ضم نہ ہوگی اور یہ جب ہی ہوگا کہ دونوں نصاب ہوں اور دونوں بے عفو، اس کا حکم، اول ہی گزرا کہ ہر ایک کی زکوٰۃ جدا واجب ہوگی اور ایک ہی نوع سے دینا چاہیے تو نفع فقراء کا لحاظ واجب۔

(۲) یا صرف ایک طرف مقدار قابلِ ضم ہوگی یہ یونہی ہوگا کہ ایک نصاب بلاعفو ہو اور دوسرا راساً غیر نصاب یا نصاب مع العفو، تو اس کی دو صورتیں نکلیں، ان کا ضابطہ (۳) بھی معلوم ہو چکا کہ خاص اسی قابل ضم کو دوسرے کے ساتھ تقویم کریں گے۔

(۴) یا دونوں طرف مقدار قابل ضم ہو یہ اس طرح ہوگا کہ دونوں نصاب سے کم یا ایک کم اور ایک میں عفو یا دونوں میں عفو، اس کی تین صورتیں ہوئیں، ضابطہ (۵) بھی مذکور ہُوا کہ جو مقداریں دونوں طرف قابلِ ضم ہیں انہی کو آپس میں ملائیں گے اور نفعِ فقراء کا لحاظ رکھیں گے یعنی جس تقویم میں زیادہ مالیت واجب الادا ہو وہی اختیار کریں گے اور مالیت برابر ہو تو جس کا رواج زیادہ ہے اسے لیں گے اور قدر رواج سب یکساں ہوں تو اختیار دیں گے۔

سونے کو چاندی سے ملانے میں فقہی مذاہب:

فقہاء احناف کے نزدیک سونے کی قیمت کو چاندی کی قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ نے اس کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت امام شافعی، امام احمد اور ابوداؤد ظاہری نے کہا ہے کہ سونے کی قیمت کو چاندی کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ کیونکہ علت جنسیت قیمت ہے اور وہ ہر ایک قیمت الگ الگ ہے۔

حضرت امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ دونوں مختلف جنس ہیں لہٰذا ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔

فقہاء احناف کی دلیل وہ روایت ہے جس کو بکیر بن عبد اللہ بن اشج نے روایت کیا ہے کہ سنت میں سے یہ ہے کہ سونے کو چاندی سے ملایا جائے۔ تا کہ زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہو۔ اور جب سنت کا اطلاق اس کے ساتھ ہو رہا ہے تو اس پر عمل کرنا چاہیے جس طرح صاحب مبسوط نے ذکر کیا اور بدائع وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے۔

دراہم ودنانیر ملا کر نصاب زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک اگر وہ چاہے تو دراہم کو دنانیر کے ساتھ ملائے اور اگر وہ چاہے تو دنانیر کو دراہم کے ساتھ ملائے اور نصاب زکوٰۃ بنا کر اس سے زکوٰۃ ادا کرے۔ اسی طرح امام اوزاعی، امام ثوری اور امام احمد سے ایک روایت ہے۔

صاحبین نے کہا ہے ان کے اجزاء کو ملایا جائے گا۔ اور اسی طرح امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ سے ایک روایت ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے ضم کی روایت نہیں بیان کی گئی۔ اور امام احمد سے ایک روایت اسی طرح بھی بیان کی گئی ہے۔ ابوثور ، ابوداؤد اور دوسرے فقہاء اس جانب گئے ہیں کہ قیمت کو ملایا جائے گا۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص، ۱۰۸، حقانیہ ملتان)

باب فِیمَنْ یَمُرُّ عَلَی الْعَاشِرِ

﴿یہ باب عاشر کے پاس سے گزرنے والے کے بیان میں ہے﴾

عاشر کے پاس سے گزرنے والے باب کی مطابقت کا بیان:

یہ باب کتاب الزکوٰۃ کی اتباع میں اسی طرح مصنف نے ذکر کیا ہے، جس طرح مبسوط اور جامع صغیر کی شرح میں اس باب کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور مناسبت کی دلیل ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ عشر گزرنے والے مسلم سے لیا جاتا ہے اور یہ بعینہ زکوٰۃ ہے۔ البتہ جس طرح عاشر مسلمان سے وصول کرتا ہے اسی طرح ذمی اور مستأمن سے بھی وصول کرتا ہے۔ اور ان دونوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کرتا اسی وجہ سے کتاب الزکوٰۃ کو اس سے مقدم ذکر کیا اور اس کو کتاب الزکوٰۃ سے مؤخر ذکر کیا ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۱۱۰، حقانیہ ملتان)

انکار کرنے والے کا قول یمین کے ساتھ قبول کیا جائے گا:

(إذَا مَرَّ عَلَى الْعَاشِرِ بِمَالٍ فَقَالَ أَصَبْتُهُ مُنْذُ أَشْهُرٍ أَوْ عَلَيَّ دَيْنٌ وَحَلَفَ صُدِّقَ) وَالْعَاشِرُ مَنْ نَصَبَهُ الْإِمَامُ عَلَى الطَّرِيقِ لِيَأْخُذَ الصَّدَقَاتِ مِنْ التُّجَّارِ ، فَمَنْ أَنْكَرَ مِنْهُمْ تَمَامَ الْحَوْلِ أَوْ الْفَرَاغَ مِنْ الدَّيْنِ كَانَ مُنْكِرًا لِلْوُجُوبِ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ الْيَمِينِ (وَكَذَا إذَا قَالَ : أَدَّيْتُهَا إلَى عَاشِرٍ آخَرَ) ، وَمُرَادُهُ إذَا كَانَ فِي تِلْكَ السَّنَةِ عَاشِرٌ آخَرُ ؛ لِأَنَّهُ ادَّعَى وَضْعَ الْأَمَانَةِ مَوْضِعَهَا بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يَكُنْ عَاشِرٌ آخَرُ فِي تِلْكَ السَّنَةِ ؛ لِأَنَّهُ ظَهَرَ كَذِبُهُ بِيَقِينٍ

ترجمہ:

جب تاجر اپنا مال لیکر عاشر کے پاس سے گزرا۔ پس اس نے کہا کہ میں نے چند ماہ سے اس کو پایا ہے یا مجھ پر قرض ہے۔ اور اس نے قسم کھائی تو اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی۔ اور عاشر وہ آدمی ہے جس کو امام نے راستوں پر مقرر کیا ہوتا کہ وہ تاجروں سے صدقات وصول کرے۔ پس ان میں سے جس نے سال پورا ہونے یا قرض سے فراغت کا انکار کیا تو وہ وجوب کا انکار کرنے والا ہوگا اور انکار کرنے والے کا قول قسم کے ساتھ قبول کر لیا جاتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

اور اسی طرح اگر اس شخص نے کہا کہ میں نے عشر دوسرے عشر وصول کرنے والے کو دیا ہے۔ جبکہ اس سال کوئی دوسرا عشر وصول کرنے والا ہو۔ تو اس کا یہ دعویٰ امانت کو اس جگہ پر رکھنے والا ہے۔ مگر جب اس سال کوئی دوسرا عشر وصول کرنے والا ہی نہیں ہے تو

پھر اس کا جھوٹ یقین کے ساتھ ظاہر ہو گیا۔

قرائن بھی دلیل شرعی بنتے ہیں

ہدایہ کی عبارت میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ تاجر اس عشر وصول کرنے والے سے کہا کہ میں نے دوسرے عاشر کو عشر ادا کر دیا ہے اور عاشر کو معلوم ہو کہ اس سال کوئی دوسرا عاشر مقرر نہیں ہوا تو دوسرے عاشر کا مقرر نہ ہونا یہ بطور قرینہ ثبوت فراہم کرے گا کہ تاجر جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ وہ خلاف قرینہ بات کہہ رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرائن کا شریعت اسلامیہ میں اعتبار کیا جاتا ہے اور یہ بطور حجت بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ (رضوی عفی عنہ) ہدایہ میں بیان کردہ مسئلے کا استنباط اس فقہی اصول کے مطابق ہے۔

جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا قاعدہ:

اذا ظهر كذبه بيقين فبطل الاقرار ،(ماخوذ من الهدايه ج ٢ ص ٤١١)

جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔ بہت سے احکام میں جہاں اقرار کو شرعاً قبول کر لیا جاتا ہے لیکن جب کسی اقرار کا جھوٹا ہونا یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس وقت وہ سابقہ اقرار باطل ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہر ہونے والا یقینی ثبوت اقرار سے قوی ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت اس حکم سے مستنبط ہے۔

ترجمہ: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحقاف، ۱۵)

اس آیت مبارکہ میں حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت کو بیان کیا گیا ہے جو اڑھائی سال ہے جبکہ دوسری آیت میں دودھ پلانے کی مدت "حولین کاملین" یعنی دو سال بیان کی گئی ہے۔ ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ، ۲۳۳) اس سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے۔

اگر کسی عدت والی عورت نے یہ اقرار کیا کہ اس کی عدت ختم ہو چکی ہے پھر چھ ماہ سے پہلے ہی اس نے بچے کو جنم دیا، تو نسب ثابت ہوگا (ہدایہ، ۴۱۱) اس مسئلہ کی دلیل یہی قاعدہ ہے کہ جب اس کا اقرار ظاہری یقین و دلیل کی وجہ سے باطل ہوا تو اثبات نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا۔ اس طرح ولادت بچہ کی وجہ سے عورت پر حد بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ یہ اس قدر قوی قرینہ ہے کہ دلیل نقلی سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے۔

تاجر کا قول کہ اس نے عشر فقراء کو ادا کر دیا:

(وَكَذَا إذَا قَالَ : أَدَّيْتُهَا أَنَا) يَعْنِي إلَى الْفُقَرَاءِ فِي الْمِصْرِ ؛ لِأَنَّ الْأَدَاءَ كَانَ مُفَوَّضًا إلَيْهِ فِيهِ ، وَوِلَايَةُ الْأَخْذِ بِالْمُرُورِ لِدُخُولِهِ تَحْتَ الْحِمَايَةِ ، وَكَذَا الْجَوَابُ فِي صَدَقَةِ السَّوَائِمِ فِي ثَلَاثَةِ فُصُولٍ ، وَفِي الْفَصْلِ الرَّابِعِ وَهُوَ مَا إذَا قَالَ : أَدَّيْتُ بِنَفْسِي إلَى الْفُقَرَاءِ فِي الْمِصْرِ لَا يُصَدَّقُ وَإِنْ حَلَفَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يُصَدَّقُ ؛ لِأَنَّهُ أَوْصَلَ الْحَقَّ

إلَى الْمُسْتَحِقِّ .وَلَنَا أَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لِلسُّلْطَانِ فَلَا يَمْلِكُ إبْطَالَهُ بِخِلَافِ الْأَمْوَالِ الْبَاطِنَةِ .ثُمَّ قِيلَ الزَّكَاةُ هُوَ الْأَوَّلُ وَالثَّانِي سِيَاسَةٌ .

وَقِيلَ هُوَ الثَّانِي وَالْأَوَّلُ يَنْقَلِبُ نَفْلًا وَهُوَ الصَّحِيحُ ، ثُمَّ فِيمَا يُصَدَّقُ فِي السَّوَائِمِ وَأَمْوَالِ التِّجَارَةِ لَمْ يَشْتَرِطْ إخْرَاجَ الْبَرَاءَةِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ، وَشَرَطَهُ فِي الْأَصْلِ وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ لِأَنَّهُ ادَّعَى ، وَلِصِدْقِ دَعْوَاهُ عَلَامَةٌ فَيَجِبُ إبْرَازُهَا .وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الْخَطَّ يُشْبِهُ الْخَطَّ فَلَا يُعْتَبَرُ عَلَامَةً .

ترجمہ:

اور ایسے ہی جب وہ کہے کہ میں خود صدقہ ادا کر چکا ہوں یعنی شہر کے فقیروں کو ادا کر چکا ہوں۔اس لئے کہ شہر کے فقراء کو ادا کرنا اسی کے ذمہ پر تھا اور عاشر کو جو گزرنے کی وجہ سے ولایت حاصل تھی یہ تاجر اس کی حمایت میں شامل ہوگیا ہے۔اور صدقہ سوائم کی تینوں صورتوں میں یہی حکم ہے۔اور چوتھی صورت میں یہ ہے کہ اس نے کہا کہ شہر کے فقراء کو میں نے خود ادا کر دیا ہے۔تو ہرگز تسلیم نہ کیا جائے گا خواہ اس نے قسم کھائی ہو۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ تسلیم کرلیا جائے گا کیونکہ اس نے حقدار تک حق پہنچا دیا ہے۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ سوائم کی زکوٰۃ لینے کا حق بادشاہ کو حاصل ہے لہٰذا یہ شخص اس حق کو باطل کرنے کی ملکیت نہیں رکھتا۔جبکہ باطنی اموال میں ایسا نہیں ہے۔پھر یہ کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ تو اولاً ہے اور دوسری طریقہ تو بطور سیاست ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنا طریقہ ثانی ہے جبکہ اولاً تو نفل (زائد (زکوٰۃ، مال) کو منتقل کرنا ہے۔اور یہی صحیح روایت ہے۔اور جامع صغیر میں برأت کے اظہار کی شرط نہیں لگائی بلکہ سوائم کی صورتوں اور تجارت کے مالوں میں اس کے قول کو تسلیم کر جائے گا۔اور مبسوط میں شرط بیان کی گئی ہے۔اور حضرت امام حسن علیہ الرحمہ نے حضرت سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ سے یہی روایت کیا ہے۔اس لئے کہ اس نے جو دعویٰ کیا ہے یہی اس کے دعویٰ کے سچا ہونے کی علامت ہے۔لہٰذا اس کو ظاہر کرنا واجب ہے۔اور پہلے کی دلیل یہ ہے کہ ایک خط دوسرے خط کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

ظالم عاشر کی مذمت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عاشرین پر لعنت کی ہے۔اس حدیث کو ظلم پر محمول کیا جائے گا یعنی وہ عاشرین جو لوگوں سے ظلم کے ساتھ مال میں زیادتی کرتے ہیں اور عشر زیادہ وصول کرتے ہیں وہ لعنت کے مستحق ہیں۔
(البنایہ شرح الہدایہ،۴،ص،۱۱۰،حقانیہ ملتان)

تصدیق عشر وغیرہ میں مسلمان وذمی کیلئے ایک جیسا حکم ہوگا:

قَالَ (وَمَا صُدِّقَ فِيهِ الْمُسْلِمُ صُدِّقَ فِيهِ الذِّمِّيُّ) ؛ لِأَنَّ مَا يُؤْخَذُ مِنْهُ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنْ الْمُسْلِمِ فَتُرَاعَى تِلْكَ الشَّرَائِطُ تَحْقِيقًا لِلتَّضْعِيفِ (وَلَا يُصَدَّقُ الْحَرْبِيُّ إلَّا فِي الْجَوَارِي يَقُولُ :هُنَّ أُمَّهَاتُ أَوْلَادِي ، أَوْ غِلْمَانٍ مَعَهُ يَقُولُ :هُمْ أَوْلَادِي) ؛ لِأَنَّ الْأَخْذَ مِنْهُ بِطَرِيقِ الْحِمَايَةِ وَمَا فِي يَدِهِ مِنْ الْمَالِ يَحْتَاجُ إلَى الْحِمَايَةِ غَيْرَ أَنَّ إقْرَارَهُ بِنَسَبِ مَنْ فِي يَدِهِ مِنْهُ صَحِيحٌ ، فَكَذَا بِأُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ ؛ لِأَنَّهَا تَبْتَنِي عَلَيْهِ فَانْعَدَمَتْ صِفَةُ الْمَالِيَّةِ فِيهِنَّ ، وَالْأَخْذُ لَا يَجِبُ إلَّا مِنْ الْمَالِ .

ترجمہ:

اور جن صورتوں میں مسلمان کے قول تسلیم کیا جاتا ہے ان میں ذمی کی تصدیق کی جائے گی۔کیونکہ جو ذمی سے لیا جاتا ہے وہ اس سے دوگنا ہوتا ہے جو مسلمان سے لیا جاتا ہے۔لہٰذا زیادتی ثابت کرنے کیلئے بھی شرائط کا اعتبار کیا جائے گا۔اور حربی کی تصدیق صرف باندیوں سے ہوگی۔البتہ جب وہ کہتا ہے کہ یہ میری اولاد کی مائیں ہیں۔یا ان لڑکوں سے تصدیق ہوگی جو اس کے ساتھ ہیں اور وہ کہتا ہے کہ یہ میری اولاد ہے۔اس لئے کہ حربی سے عشر لینے کا سبب اسکی مدد وحفاظت ہے۔اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کی مدد وحفاظت کا محتاج ہے۔ہاں البتہ جو شخص اس کے قبضہ میں ہے اس کے نسب کا اقرار اسی کی جانب سے ہوگا۔اور ام ولد کا اقرار بھی اسی طرح ہوگا۔(قاعدہ فقہیہ)اس لئے کہ ام ولد ہونے کی بناء ولد کا ہونا ہے۔لہٰذا جب باندیوں میں مال ہونے کی صفت معدوم ہوئی تو عشر واجب نہ ہوا۔ہاں البتہ مال سے ہوگا۔

عاشر وعشر کے بارے میں فقہی تصریحات:

۱.عاشر اُس کو کہتے ہیں جسے بادشاہِ اسلام نے راستہ پر اِس لئے مقرر کیا ہو کہ جو تاجر لوگ مال لیکر گزریں ان سے صدقات وصول کرے اور وہ اس لئے مقرر کیا جاتا ہے تا کہ وہ اس کے عوض میں تاجروں کو چوروں اور ڈاکوؤں سے بچائے اور امن دے پس اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کی حفاظت پر قادر ہو اس لئے بادشاہ ان سے جو مال لیتا ہے وہ ان اموال کی حفاظت کے لئے لیتا ہے۔

۲.عاشر کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد، مسلمان اور غیر ہاشمی ہو پس عاشر کا غلام اور کافر ہونا درست نہیں ہے، اور ہاشمی کے لئے اگر بادشاہ بیت المال سے کچھ مقرر کر دے یا ہاشمی تبرع کے طور پر اس خدمت کو انجام دے اور اس کا معاوضہ عشر وزکوٰۃ سے نہ لے تو اس کو مقرر کرنا جائز ہے۔

۳. مال دو قسم کا ہوتا ہے اول ظاہر اور وہ مویشی ہیں اور وہ مال ہے جس کو تاجر لیکر عاشر کے پاس سے گزرے دوم اموالِ باطن ہیں وہ سونا چاندی اور تجارت کا وہ مال ہے جو آبادی میں اپنی جگہوں میں ہو عاشر اموال ظاہر کا صدقہ لیتا اور ان اموالِ باطن کا صدقہ بھی لیتا ہے جو تاجر کو ساتھ ہوں۔

۴. صدقہ وصول کرنے کی ولایت کے لئے کچھ شرطیں ہیں اول یہ کہ بادشاہِ اسلام کی طرف سے چوروں اور ڈاکوں سے حفاظت پائی جائے، دوم یہ کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو، سوم مال کا ظاہر ہونا اور مالک کا موجود ہونا پس اگر مالک موجود ہے اور مال گھر میں ہے تو عاشر اس سے زکوٰۃ نہیں لے گا۔

۵. شرع میں عاشر کا مقرر کرنا جائز و درست ہے حدیث شریف میں جو عاشر کی مذمت آئی ہے وہ اس عاشر کے متعلق ہے جو لوگوں کے مال ظلم سے لیتا ہے۔

۶. اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کے مال کو سال پورا نہیں ہوا، یا یہ کہیکہ اس کے ذمہ قرضہ ہے یا یہ کہے کہ میں نے زکوٰۃ دیدی ہے، یا یہ کہے کہ میں نے دوسرے عاشر کو دیدی ہے اور جس کو وہ دینا بتاتا ہے وہ واقعی عاشر ہے، اگر وہ ان تمام صورتوں میں اپنے بیان پر حلف اٹھائے تو اس کا قول مان لیا جائے گا اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ دوسرے عاشر کی رسید دکھائے، اگر سائمہ جانوروں کے متعلق بیان کرے کہ ان کی زکوٰۃ اس نے اپنے شہر کے فقیروں کو دیدی ہے تو اس کا قول نہیں مانا جائے گا بلکہ اس سے دوبارہ وصول کی جائیگی خواہ بادشاہِ اسلام کو اس کی ادائگی کا علم بھی ہو کیونکہ یہ اموالِ ظاہرہ میں سے ہے۔ جس کی زکوٰۃ لینے کا حق بادشاہ ہی کو ہے اس کو خود تقسیم کردینے کا اختیار نہیں ہے اگر صاحبِ مال یہ کہے کہ یہ مالِ تجارت کا نہیں ہو تو اس کا قول مانا جائے گا۔

۷. جن امور میں مسلمانوں کا قول مانا جاتا ہے ذمی کافر کا قول بھی مانا جائیگا کیونکہ اس کے مال میں بھی وہ تمام شرطیں پائی جانی ضروری ہیں جو زکوٰۃ میں ہیں اور اس سے زکوٰۃ کا ہی دو چند لیا جاتا ہے لیکن ذمی کافر اگر یہ کہے کہ میں نے فقرا کو دیدیا ہے تو اس کا قول نہیں مانا جائے گا اس لئے کہ اہل ذمہ کے فقرا اس کا مصرف نہیں ہیں اور مسلمانوں میں صرف کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے۔

مسلم، ذمی اور حربی کے عشر کا بیان:

قَالَ (وَيُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِ رُبُعُ الْعُشْرِ وَمِنَ الذِّمِّيِّ نِصْفُ الْعُشْرِ وَمِنَ الْحَرْبِيِّ الْعُشْرُ) هٰكَذَا أَمَرَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سُعَاتَهُ (وَإِنْ مَرَّ حَرْبِيٌّ بِخَمْسِينَ دِرْهَمًا لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَكُونُوا يَأْخُذُونَ مِنَّا مِنْ مِثْلِهَا) ؛ لِأَنَّ الْأَخْذَ مِنْهُمْ بِطَرِيقِ الْمُجَازَاةِ ، بِخِلَافِ الْمُسْلِمِ وَالذِّمِّيِّ ؛ لِأَنَّ الْمَأْخُوذَ زَكَاةٌ أَوْ ضِعْفُهَا فَلَا بُدَّ مِنَ النِّصَابِ وَهٰذَا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ، وَفِي كِتَابِ الزَّكَاةِ لَا نَأْخُذُ مِنَ الْقَلِيلِ وَإِنْ كَانُوا يَأْخُذُونَ مِنَّا مِنْهُ ؛ لِأَنَّ الْقَلِيلَ لَمْ يَزَلْ عَفْوًا وَلِأَنَّهُ لَا يَحْتَاجُ إلَى الْحِمَايَةِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور مسلمان سے عشر کا چوتھائی حصہ وصول کیا جائے گا جبکہ ذمی سے نصف عشر اور حربی سے مکمل عشر وصول کیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے نمائندہ کو اسی طرح حکم دیا تھا۔ اور اگر حربی پچاس دراہم کے ساتھ گزرے تو اس سے کچھ نہ وصول کیا جائے ہاں البتہ اس قلیل مال سے وہ ہم سے لیتے ہیں۔ کیونکہ حربیوں سے وصول کرنا بدلے کے اعتبار سے ہے، بہ خلاف مسلمان کے اور ذمی کے کیونکہ جوان سے لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ ہے یا زکوٰۃ سے زیادہ ہے۔ کیونکہ نصاب کا ہونا ضروری ہے یہ مسئلہ جامع صغیر کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ حربی کے مال سے کچھ مت لو۔ اگرچہ حربی ہم سے اسی طرح مال سے لیتے ہیں۔ کیونکہ قلیل مال میں ہمیشہ معافی ہے اور یہ دلیل بھی ہے کہ قلیل مال حفاظت کا محتاج بھی نہیں ہوتا۔

شرح

(۱) کافر حربی کا قول کسی بات میں نہیں مانا جائے گا اور اس سے عشر لیا جائے گا لیکن اگر وہ باندیوں کو اُم ولد اور غلاموں کو اپنی اولاد بتائے تو اس کا قول مانا جائے گا کیونکہ نسب جس طرح دار السلام میں ثابت ہوتا ہے دار الحرب میں بھی ثابت ہوتا ہے اور بیٹے کی ماں ہونا نسب کے تابع ہے اس صورت میں باندی اور غلام مال نہ رہیں گے

(۲) عاشر مسلمانوں سے مال کا چالیسواں حصہ لیگا اور ذمی کافروں سے مسلمانوں کی نسبت دوگنا یعنی بیسواں حصہ لے گا اور حربی کافروں سے دسواں حصہ لیگا بشرطیکہ ان تینوں میں سے ہر ایک کا مال بقدر نصاب ہو اور کافر بھی مسلمانوں سے خراج لیتے ہیں ذمی و حربی کافروں سے جو کچھ لیا جائے گا وہ جزیہ کے مصارف میں صرف کیا جائے گا، اگر حربی کافر ہمارے تاجروں سے کم و بیش لیتے ہوں تو ان سے بھی اس قدر لیا جائے اور اگر وہ کچھ نہ لیتے ہوں تو ہم بھی کچھ نہ لیں گے، اگر مسلمانوں کا سارا مال لیتے ہوں تو ان کا بھی سارا مال لیا جائے گا لیکن اس قدر چھوڑ دیا جائے گا کہ جس سے وہ اپنے ملک میں واپس پہنچ جائیں، اور اگر وہ ان کا لینا یا نہ لینا معلوم نہ ہو تو ان سے عشر مذکور یعنی دسواں حصہ ہی لیا جائے گا

۱۰. اگر کوئی شخص باغیوں کے عاشر کے پاس سے گزرا اور اس نے عشر لے لیا پھر وہ شخص بادشاہ کے عاشر کے پاس سے گزرا تو اس سے دوبارہ عشر لیا جائے گا کیونکہ باغیوں کے عاشر کے پاس جانا اس کا قصور ہے لیکن بادشاہ کے باغی لوگ کسی شہر پر غالب ہوجائیں اور وہاں کے لوگوں سے چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ لیں لیں یا مال والا شخص اُن کے پاس سے گزرنے پر مجبور ہوا اور وہ اس سے عشر وصول کرلیں تو اب اس شخص یا ان لوگوں پر کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ بادشاہ نے ان کی حفاظت نہیں کی اور بادشاہ جو مال لیتا ہے ان کی حفاظت کی وجہ سے لیتا ہے پس قصور اُس کا ہے نہ کہ مال والوں کا اہل حرب کے غالب آنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے، جو باغیوں کا بیان ہوا ہے

۱۱. امانت کے مال میں سے عشر نہیں لیا جائے گا اور اسی طرح مالِ مضاربت میں بھی عشر نہیں لیا جائے گا، ماذون غلام کی کمائی میں بھی یہی حکم ہے کہ عشر نہیں لیا جائے گا لیکن ماذون غلام کا آقا اس کے ساتھ ہو تو اس سے عشر لیا جائے گا

۱۲ . اگر کوئی شخص عاشر کے پاس سے ایسی چیز لیکر گزرا جو بہت جلد خراب ہو جاتی ہے مثلاً سبزیاں، دودھ، کھجوریں، تازہ پھل وغیرہ تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے عشر نہیں لیں گے اور صاحبین کے نزدیک عشر لیں گے، لیکن اگر عامل کے ساتھ فقراء ہوں یا اپنے عملہ کے لئے لے لیا تو اما مصاحب کے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور اگر مالک عشر میں قیمت دیدے تو بھی بالاتفاق لے لینا جائز ہے۔

دوسو دراہم والے حربی عشر لیا جائے گا:

قَالَ (وَإِنْ مَرَّ حَرْبِيٌّ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَلَا يُعْلَمُ كَمْ يَأْخُذُونَ مِنَّا نَأْخُذُ مِنْهُ الْعُشْرَ) لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :فَإِنْ أَعْيَاكُمْ فَالْعُشْرُ (وَإِنْ عُلِمَ أَنَّهُمْ يَأْخُذُونَ مِنَّا رُبْعَ الْعُشْرَ أَوْ نِصْفَ الْعُشْرِ نَأْخُذُ بِقَدَرِهِ ، وَإِنْ كَانُوا يَأْخُذُونَ الْكُلَّ لَا نَأْخُذُ الْكُلَّ) ؛ لِأَنَّهُ غَدْرٌ (وَإِنْ كَانُوا لَا يَأْخُذُونَ أَصْلًا لَا نَأْخُذُ) لِيَتْرُكُوا الْأَخْذَ مِنْ تُجَّارِنَا وَلِأَنَّا أَحَقُّ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ .

ترجمہ:

اور جب حربی دوسو دراہم لیکر گزرے اور اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ لوگ ہم سے کس قدر وصول کرتے ہیں تو عاشر اس سے عشر وصول کرے گا۔ کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر وہ تمہیں پریشان کریں تو ان سے عشر وصول کرو۔ اور اگر اسے معلوم ہو کہ ہم سے عشر کا چوتھائی یا اس کا نصف وصول کیا جاتا ہے تو ہمارا عاشر اسی قدر ان سے وصول کرے۔ اور اگر معلوم ہو کہ حربی لوگ ہم سے سارا مال لے لیتے ہیں تو ہمارا عاشر سارا مال وصول نہ کرے گا کیونکہ یہ ان سے عہد شکنی ہو گی۔ اور اگر حربی لوگ ہم سے کچھ نہ لیتے ہوں تو ہمارا عاشر بھی کچھ وصول نہ کرے تا کہ وہ ہمارے تاجروں سے لینا ترک کر دیں اور یہ دلیل بھی ہے کہ ہم اچھے اخلاق کے زیادہ حقدار ہیں۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ کہ آپ نے عاملین سے فرمایا: کہ جب تمہیں معلوم نہ ہو کہ وہ تمہارے تاجروں سے کیا لیتے ہیں تو تم ان سے عشر وصول کرو۔ اور اگر اس بات کا تمہیں علم ہو کہ حربی ہم سے چالیسواں حصہ وصول کرتے ہیں یا وہ بیسواں حصہ وصول کرتے ہیں تو تم بھی ان سے اسی مقدار وصول کرو۔ البتہ اس صورت میں ہمارا فیصلہ مختلف ہے جب حربی پورا مال لیتے ہوں تو تم ان سے پورا مال وصول نہ کرو کیونکہ ہمارا ان سے معاہدہ ہو چکا ہے لہٰذا اس میں ان سے خلاف ورزی نہ کی جائے گی۔ عہد پورا کرنے کے بارے میں شرعی اصول بھی موجود ہیں۔ کیونکہ امان کے بعد ان کے حقوق کا تحفظ مسلمانوں کے حقوق کی طرح ہوتا ہے۔ اس بارے فقہی اصول حسب ذیل ہے۔

امان کے بعد ذمیوں کے حقوق میں قاعدہ فقہیہ:

اَمان کے بعد ذمیوں کے حقوق قصاص و دیت میں مسلمانوں کے برابر ہیں۔ (ہدایہ ۵۴۴) اس کا ثبوت یہ ہے ترجمہ: اور جب تک یہ جزیہ نہ دیں اس وقت تک ان سے جنگ کرتے رہو۔ (توبہ ۲۹) اس کی اصل یہ حدیث مبارکہ بھی ہے۔

امان کے بعد قتل کرنا:

حضرت رفاعہ بن شداد قتبانی حضرت عمرو بن الحمق خزاعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی آدمی کو اس کے خون کی امان دی، پس پھر اسے قتل کر دیا تو پس بے شک قیامت کے دن اسے عہد شکنوں کے جھنڈے تلے رکھا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۹۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

ذمی کا معنی:

ذمی وہ شخص ہے جس کا معاہدہ ہو، جبکہ جوہری نے کہا ہے کہ اہل ذمہ اہل عقد ہیں یہ وہ مشرکین ہیں جو جزیہ ادا کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ جزیہ کا معنی امان ہے اور ذمی کو ذمی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی امان میں داخل ہوتا ہے کیونکہ ذمیوں سے جزیہ لینے کے بعد مسلمان ان کی جان اور مال کے ضامن ہو جاتے ہیں۔

ذمی کی تعریف:

جزیہ کے بدلے میں کفار کو مسلمانوں کے ملک میں رکھنے کا التزام کرنا، ان کی حفاظت کرنا اور ان کی طرف سے مدافعت کرنا اور ان کا مسلمانوں کی اطاعت کرنا، ذمی کا عقد صرف مسلمانوں کا امیر یا نائب کر سکتا ہے کیونکہ ذمی وہ سیاسی مصلحتیں ہیں جن کی صرف امام یا نائب ہی فکر کرتا ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۴۴۶، دار الفکر بیروت)

جزیہ کی مقدار:

جزیہ کی دو اقسام ہیں ایک قسم یہ ہے کہ جس کی مقدار صلح کرنے کے بعد باہمی رضامندی کے ساتھ مقرر کی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے ایک ہزار دو سو حلوں پر صلح کی اور دوسری قسم یہ ہے کہ امیر اپنی صوابدید کے مطابق جزیہ دینے والوں پر مقرر کرتا ہے اس میں ان کی مرضی کا دخل نہیں ہوتا۔

جزیہ کی دوسری قسم کے تین مراتب ہیں کیونکہ اہل ذمہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ۱۔ غنی ۲۔ متوسط ۔۳۔ فقیر۔ لہٰذا غنی پر ایک سال میں اڑتالیس درہم سالانہ ہیں۔ اور متوسط پر چوبیس درہم سالانہ ہیں اور محنت و مزدوری کرنے والے غریب لوگوں پر سالانہ بارہ درہم جزیہ ہے۔ (بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۱۱۱ HMS کمپنی کراچی)

حربی سے وصولی کے بعد دوبارہ عشر وصول نہ کیا جائے:

قَالَ (وَإِنْ مَرَّ حَرْبِيٌّ عَلَى عَاشِرٍ فَعَشَرَهُ ثُمَّ مَرَّ مَرَّةً أُخْرَى لَمْ يَعْشُرْهُ حَتَّى يَحُولَ الْحَوْلُ) ؛ لِأَنَّ الْأَخْذَ فِي كُلِّ مَرَّةٍ اسْتِئْصَالُ الْمَالِ وَحَقُّ الْأَخْذِ لِحِفْظِهِ ، وَلِأَنَّ حُكْمَ الْأَمَانِ الْأَوَّلِ بَاقٍ ، وَبَعْدَ الْحَوْلِ يَتَجَدَّدُ الْأَمَانُ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمَكَّنُ مِنْ الْإِقَامَةِ إلَّا حَوْلًا ، وَالْأَخْذُ بَعْدَهُ لَا يَسْتَأْصِلُ الْمَالَ (فَإِنْ عَشَرَهُ فَرَجَعَ إلَى دَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ خَرَجَ مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ عَشَرَهُ أَيْضًا) ؛ لِأَنَّهُ رَجَعَ بِأَمَانٍ جَدِيدٍ .وَكَذَا الْأَخْذُ بَعْدَهُ لَا يُفْضِي إلَى الِاسْتِئْصَالِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور اگر حربی کا گزر ایسے عاشر پر ہوا جس نے اس سے عشر وصول کرلیا۔ پھر وہ حربی دوبارہ اسی مقام سے گزرا تو اس سے دوبارہ عشر نہ لیا جائے گا۔ حتیٰ کہ سال اس کی طرف لوٹ آئے۔ کیونکہ ہر مرتبہ عشر وصول کرنا تو مال کو بنیاد سے ہی ختم کرنا ہے۔ حالانکہ وصول عشر حفاظت مال کی وجہ سے ہے۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ پہلے امان کا حکم باقی ہے۔ اور امان سال گزرنے کے بعد نئے حکم کے ساتھ ہوگی کیونکہ حربی کو ٹھہرنے کا حق صرف ایک سال کیلئے دیا گیا ہے۔ اور سال کے بعد عشر وصول کرنا استیصال نہیں ہے۔ اور اگر اس عشر وصول کرلیا پھر وہ دارالحرب کی طرف واپس گیا پھر وہ اسی دن واپس آگیا تو بھی اس سے عشر وصول کیا جائے گا کیونکہ وہ نئی امان کے ساتھ آیا ہے اور اسی طرح اس کے بعد عشر وصول کرنا استیصال کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف کے اس قول " لَا يُمَكَّنُ مِنْ الْإِقَامَةِ إلَّا حَوْلًا ، " میں لفظ "الا" کاتب کا سہو ہے۔ اور اس کے حذف کے بعد اس کا معنی یہ ہوگا کہ حربی کیلئے دارالاسلام میں ایک سال میں ایک سال کا قیام ممکن نہیں ہے۔ اور صحیح روایت اسی طرح ہے۔ کیونکہ حربی کو مکمل ایک سال کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ اس کی اجازت ایک سال سے کم عرصے کیلئے ہوتی ہے۔ لہٰذا حربی جب دارالاسلام میں داخل ہوگیا تو امام اسے کہے گا کہ اگر تو نے پورا سال قیام کیا ہے تو تجھ پر جزیہ ہے۔ اور اگر واقعی اس نے ایک سال قیام کیا اور امام نے اس پر ایک سال جزیہ مقرر کردیا تو اب اس کیلئے دارالحرب میں جانا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہ ذمی بن کر دارالاسلام میں بقیہ زندگی بسر کرے گا۔ (فتح القدیر، کتاب الزکوٰۃ)

شراب وسور کے عشر کے بارے میں فقہی بیان:

(وَإِنْ مَرَّ ذِمِّيٌّ بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ عَشَرَ الْخَمْرَ دُونَ الْخِنْزِيرِ) وَقَوْلُهُ عَشَرَ الْخَمْرَ :أَيْ

مِنْ قِيمَتِهَا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَعْشُرُهُمَا ؛ لِأَنَّهُ لَا قِيمَةَ لَهُمَا .وَقَالَ زُفَرُ :يَعْشُرُهُمَا لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْمَالِيَّةِ عِنْدَهُمْ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ :يَعْشُرُهُمَا إذَا مَرَّ بِهِمَا جُمْلَةً كَأَنَّهُ جَعَلَ الْخِنْزِيرَ تَبَعًا لِلْخَمْرِ ، فَإِنْ مَرَّ بِكُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الِانْفِرَادِ عَشَرَ الْخَمْرَ دُونَ الْخِنْزِيرِ .

وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الظَّاهِرِ أَنَّ الْقِيمَةَ فِي ذَوَاتِ الْقِيَمِ لَهَا حُكْمُ الْعَيْنِ وَالْخِنْزِيرُ مِنْهَا ، وَفِي ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ لَيْسَ لَهَا هَذَا الْحُكْمُ وَالْخَمْرُ مِنْهَا ، وَلِأَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لِلْحِمَايَةِ وَالْمُسْلِمُ يَحْمِي خَمْرَ نَفْسِهِ لِلتَّخْلِيلِ فَكَذَا يَحْمِيهَا عَلَى غَيْرِهِ وَلَا يَحْمِي خِنْزِيرَ نَفْسِهِ بَلْ يَجِبُ تَسْيِيبُهُ بِالْإِسْلَامِ فَكَذَا لَا يَحْمِيهِ عَلَى غَيْرِهِ .

ترجمہ:

اور اگر ذمی شراب یا سور لیکر گزرا تو شراب سے عشر وصول کیا جائے گا۔ خنزیر سے وصول نہیں کیا جائے گا۔ اور مصنف (صاحب متن) کے قول "عشر الخمر" کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قیمت سے دسواں حصہ لیا جائے گا۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ان دونوں سے عشر وصول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اور حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ ان دونوں کا عشر وصول کیا جائے۔ کیونکہ یہ دونوں مالیت میں کفار کے نزدیک برابر ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: دونوں کا عشر لیا جائے گا مگر جب وہ ایک ساتھ لیکر جائے۔ لہٰذا انہوں نے خنزیر کو شراب کے تابع کر دیا ہے۔ اور اگر وہ دونوں کا علیحدہ علیحدہ لیکر گزرا تو صرف شراب (قیمت) کا عشر وصول کیا جائے گا۔ خنزیر کا عشر وصول نہ کیا جائے گا۔ اور ظاہر الروایت کے مطابق اس فرق کی دلیل یہ ہے کہ ذوات القیم میں قیمت کا حکم عین ذات کے حکم کی طرح ہے۔ اور خنزیر بھی ذوات القیم میں سے ہے۔ اور ذوات الامثال کیلئے یہ حکم نہیں ہے۔ اور شراب ذوات الامثال میں سے ہے۔ کیونکہ وصول عشر کا حق حمایت وحفاظت کی بناء پر ہے اور مسلمان سرکہ کرنے کیلئے اپنی ذاتی شراب کو محفوظ کرتا ہے۔ لہٰذا اسی طرح اپنے غیر کیلئے اس کی حفاظت کرے اور وہ اپنے خنزیر کی حفاظت نہیں کرے گا بلکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑ دینا لازم ہے۔ لہٰذا ایسے ہی وہ غیر کی حفاظت نہ کرے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ ہر قسم کے غلّہ میں فی جریب ایک درم اور اُس غلّہ کا ایک صاع اور خربوزے، تربوز کی پالیز اور کھیرے، ککڑی، بیگن وغیرہ ترکاریوں میں فی جریب پانچ درم انگور و خرما کے گھنے باغوں میں جن کے اندر زراعت نہ ہو سکے۔ دس درم پھر زمین کی حیثیت اور اس شخص کی قدرت کا اعتبار ہے، اس کا اعتبار نہیں کہ اُس نے کیا بویا یعنی جو زمین جس چیز کے بونے کے لائق ہے اور یہ شخص اُس کے بونے پر قادر ہے تو اس کے اعتبار سے

خراج ادا کرے، مثلاً انگور بو سکتا ہے تو انگور کا خراج دے، اگر چہ گیہوں بوئے اور گیہوں کے قابل ہے تو اس کا خراج ادا کرے اگر چہ جو بوئے۔ (درمختار، کتاب الزکوٰۃ)

ذمیوں کے حقوق میں اسلامی احکام:

یہ معاہدہ کے مال، جان، زمین، مذہب، حاضر، غائب، قبیلہ، گرجا غرض ہر تھوڑی بہت چیز کی حفاظت پر جو ان کے قبضہ میں ہے، شامل ہے، کسی پادری کو کسی راہب کو کسی کاہن کو اس کے عہدے سے الگ نہ کیا جائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس معاہدہ کی تجدید کی اور اس کے ایک ایک حرف کو قائم رکھا۔ ان کے زمانے میں حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ حضرت خالدؓ نے ایک اور معاہدہ کیا جس میں سب سے زیادہ قابل لحاظ شرط یہ تھی۔ (کتاب الخراج صفحہ)

جو بوڑھا شخص بیکار ہو جائے گا یا اس کا جسم ماوف ہو جائے گا یا کوئی متمول شخص اس قدر محتاج ہو جائے گا کہ اس کے ہم مذہب لوگ اس پر صدقہ کرنے لگیں گے تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی۔

حضرت خالدؓ نے اسی سلسلہ میں اور بھی متعدد معاہدے کئے اور ان معاہدوں کو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے قائم رکھا، ان معاہدوں میں اگر چہ باہم اختلاف ہے لیکن سب میں قدر مشترک یہ ہے۔ (کتاب الخراج)

ان لوگوں کے گرجے نہ گرائے جائیں گے اور وہ رات دن میں، بجز اوقات نماز کے ہر وقت ناقوس بجا سکیں گے اور اپنے تہوار کے دن صلیب نکالیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں بہ کثرت معاہدے ہوئے، ان میں سب سے زیادہ مفصل، سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ فیاضانہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت ابوعبیدہؓ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ کیا اس معاہدے کے الفاظ یہ ہیں۔ (الخراج لابی یوسف، باب فصل فی الکنائس والبیع)

جب وہ شام میں داخل ہوئے تو یہ شرط کرلی کہ ان کے گرجوں سے کچھ تعرض نہ کریں گے بشرطیکہ نئے گرجے نہ تعمیر کریں بھولے بھٹکے مسلمانوں کو راستہ دکھائیں اپنے مال سے نہروں پر پل باندھیں، جو مسلمان ان کے پاس سے ہو کر گزریں تین دن تک ان کی مہمانی کریں، کسی مسلمان کو نہ گالی دیں، نہ ماریں، نہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور نہ مسلمانوں کے احاطہ میں سور نکالیں، مجاہدین کے لئے راستوں میں آگ جلائیں مسلمانوں کی جاسوسی نہ کریں، اذان سے پہلے اور اذان کے اوقات میں ناقوس نہ بجائیں، اپنے تہواروں کے دن جھنڈے نہ نکالیں، ہتھیار نہ لگائیں اور اس کو اپنے گھروں میں بھی نہ رکھیں۔

ان لوگوں نے تمام شرطیں منظور کرلیں، صرف یہ درخواست کی کہ سال میں ایک بار بغیر جھنڈیوں کے صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے، حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کی یہ درخواست منظور کی۔

قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ نرمی اور یہ فیاضی اس لئے اختیار کی تھی کہ اور لوگوں کو صلح کی ترغیب ہو؛ چنانچہ اس معاہدے کے بعد جب رومیوں سے جنگ ہوئی اور فتح کے بعد اطراف وحوالی کے تمام عیسائیوں نے صلح کر لی تو ان لوگوں نے ایک شرط یہ پیش کی کہ جو رومی مسلمانوں کی جنگ کے لئے آئے تھے اور اب وہ عیسائیوں کے پناہ گزین ہیں ان کو امن دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کے ساتھ واپس چلے جائیں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ شرط بھی منظور کرلی۔

اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان معاہدوں کی پابندی کی گئی یا نہیں؟ اور کی گئی تو کیونکر؟ اسلام میں معاہدے کی پابندی فرض ہے اور اس میں کسی مذہب کی تخصیص نہیں بلکہ خود معاہدہ کی اخلاقی عظمت کا یہی اقتضاء ہے اس بنا پر صحابہ کرام نے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا ان کا پورا کرنا ان کا مذہبی فرض تھا، چنانچہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔ (کتاب الخراج، صفحہ ۸۶)

مسلمانوں کو ان کے ظلم ونقصان سے روکو اور ان کے مال کھانے سے منع کرو، اور ان کو جو حقوق تم نے جن شرائط پر دیئے ہیں ان کو پورا کرو۔

وفات کے وقت جو وصیت کی اس میں یہ الفاظ فرمائے۔ (بخاری کتاب المناقب باقضیۃ البیعۃ والا فقاق علی عثمان)

اور میں اپنے جانشین کو خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو پورا کرے اور ان کی حمایت میں لڑے اور ان کو تکلیف مالا یطاق نہ دے۔

ذمیوں کے معاہدے کی پابندی کا جس قدر خیال رکھا جاتا تھا، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار ایک عیسائی رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے رہا تھا حضرت غرفہؓ نے سنا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، اس نے حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں استغاثہ کیا، تو انہوں نے غرفہ کو بلا کر کہا کہ ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہے حضرت غرفہؓ نے کہا نعوذ باللہ کیا ہم نے ان سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ گالیاں دیں، ہم نے صرف یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے گرجوں میں جو چاہیں کہیں حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا یہ سچ ہے۔ (اسد الغابہ تذکرہ حضرت غرفہ بن حارثؓ الکندی)

خود ذمیوں کو اس پابندی معاہدہ کا اعتراف تھا، ایک بار حضرت عمرؓ کی خدمت میں ذمیوں کا ایک وفد آیا تو انہوں نے پوچھا کہ غالباً مسلمان تم لوگوں کو ستاتے ہوں گے سب نے ہمزبان ہو کر کہا۔ (طبری، ص ۲۵۶)

ہم پابندی عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ لیکن صرف اسی قدر کافی نہیں، یہ جو کچھ ہے قول ہے ہم عملاً دکھانا چاہتے ہیں کہ ذمیوں کو جو حقوق دیئے گئے ان کو عملاً پورا کیا گیا۔

بنو تغلب کے بچے پر عاشر گزرے تو حکم زکوٰۃ کا بیان:

(وَلَوْ مَرَّ صَبِيٌّ أَوْ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ بِمَالٍ فَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ شَيْءٌ، وَعَلَى الْمَرْأَةِ

مَا عَلَى الرَّجُلِ) لِمَا ذَكَرْنَا فِي السَّوَائِمِ (وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ لَهُ فِي مَنْزِلِهِ مِائَةً أُخْرَى قَدْ حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ لَمْ يُزَكِّ الَّتِي مَرَّ بِهَا) لِقِلَّتِهَا وَمَا فِي بَيْتِهِ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ حِمَايَتِهِ (وَلَوْ مَرَّ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ بِضَاعَةً لَمْ يَعْشُرْهَا) ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَأْذُونٍ بِأَدَاءِ زَكَاتِهِ .

ترجمہ:

اوراگر بنوتغلب کا بچہ یا عورت مال لیکر گزری تو بچے پر کچھ واجب نہیں ہے اور عورت پر اسی طرح واجب ہے جس طرح مرد پر واجب ہوتا ہے۔اس کی دلیل وہی ہے جو سوائم کے باب میں گزر چکی ہے۔اوراگر کوئی شخص ایک سو دراہم لیکر عاشر کے پاس سے گزرااوراس نے عاشر کو یہ بھی بتایا کہ میرے گھر میں اس کے سواایک سو(۱۰۰)اور دراہم بھی موجود ہیں۔اوراس پر بھی سال گزر گیا ہے۔تواس صورت میں عشر وصول کرنے اس دراہم کی زکوۃ نہ وصول کرے گا۔کیونکہ قلیل ہے اور جواس کے گھر میں ہیں وہ حفاظت کے اعتبار سے عاشر کی مدد میں داخل نہیں ہوئے ہیں۔اوراگر کوئی شخص بضاعت (مال کا ایک حصہ) لیکر گزرا تو عاشراس کا عشر وصول نہ کرے گا۔اس لئے کہ اس شخص کو اس کی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

شرح

بنوتغلب قبیلے سے تعلق رکھنے والا بچہ یا عورت مال لیکر گزرے بچے پر عدم وجوب اور عورت پر وجوب کا حکم اسی طرح ہے جس طرح مردوں کیلئے حکم وجوب ہے۔اوراس کے دلائل سوائم کے باب میں گزر چکے ہیں جن کی طرف صاحب ہدایہ نے بتایا ہے وہاں اس کی تفصیل پڑھ لی جائے۔

مضاربت کے حکم میں فقہی قیاس کا بیان:

قَالَ (وَكَذَا الْمُضَارَبَةُ) يَعْنِي إِذَا مَرَّ الْمُضَارِبُ بِهِ عَلَى الْعَاشِرِ وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ أَوَّلًا يَعْشُرُهَا لِقُوَّةِ حَقِّ الْمُضَارِبِ حَتَّى لَا يَمْلِكَ رَبُّ الْمَالِ نَهْيَهُ عَنْ التَّصَرُّفِ فِيهِ بَعْدَ مَا صَارَ عُرُوضًا فَنُزِّلَ مَنْزِلَةَ الْمَالِكِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَا ذَكَرْنَا فِي الْكِتَابِ وَهُوَ قَوْلُهُمَا ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا نَائِبٍ عَنْهُ فِي أَدَاءِ الزَّكَاةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ يَبْلُغُ نَصِيبُهُ نِصَابًا فَيُؤْخَذُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّهُ مَالِكٌ لَهُ .

ترجمہ:

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔کہ مضاربت کا بھی یہی حکم ہے۔یعنی جب مضارب مال لیکر کر عاشر کے پاس سے گزرا تو حضرت

سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عشر وصول کرنے والا اس سے زکوۃ وصول کرے گا۔اس کی دلیل حق مضاربت کا قوی ہونا ہے۔یہاں تک اس کے تجارتی مال ہوجانے کے بعد رب المال اس کو اس میں تصرف سے روکنے کا مالک نہیں ہوگا۔لہٰذا مضارب مالک کے مرتبے میں ہوگیا پھر امام صاحب نے اس سے رجوع کرلیا جسے ہم نے کتاب میں ذکر کیا ہے۔اور صاحبین کا قول یہی ہے کیونکہ مضارب نہ مالک ہے اور ادائے زکوۃ میں نہ اس کا خلیفہ ہے۔ہاں البتہ مال میں اس قدر فائدہ ہو کہ اس کا حصہ نصاب تک پہنچ جائے تو اس میں وصول کیا جائے گا کیونکہ اب مضارب اس کیلئے ملکیت رکھتا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔اگر مضارب نے مالک سے کوفہ میں مال وصول کیا جبکہ مضارب بصرہ کا رہنے والا ہے وہ کوفہ میں بطور مسافر آیا تھا تو جب تک وہ کوفہ میں قیام پذیر رہے گا اس وقت تک مال مضاربت پر اس کا نفقہ نہ آئے گا تو جب وہاں سے سفر کرتے ہوئے نکلے گا تو بصرہ پہنچنے تک اس کا نفقہ ہوگا کیونکہ اس کا اب کوفہ سے نکلنا مضارب کے طور پر ہے اور پھر جب تک بصرہ میں رہے گا وہ خرچہ نہ پائے گا کیونکہ بصرہ اس کا وطن اصلی ہے تو یہاں اس کی اقامت وطن کی وجہ سے ہے مضاربت کے لئے نہیں۔تو اب اگر وہ بصرہ سے نکل کر کوفہ آیا تو واپس بصرہ پہنچنے تک نفقہ اس کا حق ہے کیونکہ پہلے کوفہ میں اس کا قیام وطن اقامت کے طور پر تھا تو وہاں سے سفر کرنے پر وہ وطن باطل ہوگیا تو اب دوبارہ اس کا کوفہ آنا مضاربت کے لئے کیونکہ کوفہ اس کا وطن نہیں تو وہاں اس کا قیام صرف مال کے لئے ہے۔(ردمحتار، کتاب المضاربہ)

اگر مضارب نے اپنے ذاتی مال سے نفقہ لیا یا اس نے مضاربت کے معاملہ میں قرض لیا تو وہ اسیمضاربت کے مال سے وصول کرے گا یہ مجرائی اولا راس المال سے پھر ثانیا نفقہ سے اور پھر ثالثا نفع سے ہوگی اور اگر مضاربت کا تمام مال ہلاک ہوجائے تو مضارب کچھ بھی رب المال سے وصول نہ کرسکے گا، ذخیرہ میں یوں ہے۔(فتاویٰ ہندیہ، کتاب المضاربہ)

عبد ماذون سے عشر وصول کرنے کا بیان:

(وَلَوْ مَرَّ عَبْدٌ مَأْذُونٌ لَهُ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَلَيْسَ عَلَيْهِ دَيْنٌ عَشَرَهُ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ :لَا أَدْرِي أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ رَجَعَ عَنْ هَذَا أَمْ لَا .

وَقِيَاسُ قَوْلِهِ الثَّانِي فِي الْمُضَارَبَةِ وَهُوَ قَوْلُهُمَا أَنَّهُ لَا يَعْشُرُهُ ؛ لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيمَا فِي يَدِهِ لِلْمَوْلَى وَلَهُ التَّصَرُّفُ فَصَارَ كَالْمُضَارِبِ .وَقِيلَ فِي الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا أَنَّ الْعَبْدَ يَتَصَرَّفُ لِنَفْسِهِ حَتَّى لَا يَرْجِعَ بِالْعُهْدَةِ عَلَى الْمَوْلَى فَكَانَ هُوَ الْمُحْتَاجَ إِلَى الْحِمَايَةِ ، وَالْمُضَارِبُ يَتَصَرَّفُ بِحُكْمِ النِّيَابَةِ حَتَّى يَرْجِعَ بِالْعُهْدَةِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ فَكَانَ رَبُّ الْمَالِ هُوَ الْمُحْتَاجَ .

فَلَا يَكُونُ الرُّجُوعُ فِي الْمُضَارِبِ رُجُوعًا مِنْهُ فِي الْعَبْدِ وَإِنْ كَانَ مَوْلَاهُ مَعَهُ يُؤْخَذُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّ الْمِلْكَ لَهُ إِلَّا إِذَا كَانَ عَلَى الْعَبْدِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِمَالِهِ لِانْعِدَامِ الْمِلْكِ أَوْ لِلشُّغْلِ .

ترجمہ:

اور اگر تجارت میں اذن شدہ غلام دوسو (۲۰۰) دراہم لیکر عاشر کے ہاں سے گزرا اور اس غلام پر قرض بھی نہیں ہے تو عاشر اس سے عشر وصول کرے گا۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مجھے معلوم نہیں ہے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے اس رجوع کر لیا تھا یا نہیں کیا تھا اور مضاربت کے مسئلہ میں حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے دوسرے قول پر قیاس اس طرح ہوگا۔ کہ عاشر اس سے عشر وصول نہ کرے۔ اور صاحبین کا قول بھی یہی ہے۔ اس لئے کہ غلام کے پاس جتنا بھی ہے وہ سب مالک کا ہے۔ اور اجازت شدہ غلام صرف تجارتی مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔ لہذا عبد ماذون (تجارتی غلام) مضارب کی طرح ہو گیا۔ اور ان دونوں کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ غلام اپنے لئے تصرف کرتا ہے یہاں تک کہ مالک پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اس طرح ماذون غلام حمایت کا محتاج ہے اور مضارب خلیفہ ہونے کی وجہ سے تصرف کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام ذمہ داری رب المال پر لازم آتی ہے۔ تو اس صورت میں رب المال حمایت کا محتاج ہوا۔ لہذا حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا مضارب کے مسئلہ میں رجوع کرنا ماذون غلام کے مسئلہ میں رجوع کرنے کو لازم نہیں۔ اور اگر ماذون غلام کے ساتھ اس کا مالک ہو تو اس سے عشر وصول کیا جائے گا۔ اس لئے کہ ملکیت تو اسی کی ہے۔ ہاں البتہ غلام پر اتنا قرض ہو کہ جو اس کے تمام مال کو گھیرے ہوئے ہو۔ کیونکہ مالک کی ملکیت یا معدوم ہوگی یا پھر مصروف ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب تک اپنے وطن میں ہوگا نفقہ نہ پائے گا اگر چہ خرید وفروخت وکار مضاربت کرتا ہے اگر چہ رب المال دوسری جگہ کا ساکن ہو اور وہیں اس سے عقد مضاربت کیا ہو، اسے سفرخرچ دیا جاتا ہے اور یہ جب تک وطن میں ہے مسافر نہیں۔ اسی طرح اگر اس کے غیر وطن میں رب المال نے اسے روپیہ دیا یہ وہاں بطور مسافرت گیا ہوا تھا تو فی الحال جب تک اس شہر میں ہے نفقہ نہ پائے گا اگر چہ کار مضاربت انجام دے کہ اس بار اس کا یہ سفر مضاربت کے لیے نہ تھا بلکہ قبل عقد مضاربت تھا، ہاں جب وہاں سے چلا جائے گا اور پھر بغرض مضاربت وہاں آئے گا تو سفرخرچ پائے گا کہ اب یہ سفر بغرض مضاربت ہے بخلاف وطن مضارب کہ اگر جائے مضاربت سے سفر ہی کر کے خاص کار مضاربت ہی کے لئے اپنے وطن کو آئے جب تک وطن میں رہے گا نفقہ نہ ملے گا کہ وطن میں آدمی کسی طرح آئے مسافر نہیں رہ سکتا۔ (بدائع الصنائع، بتصرف ومحیط برہانی)

مال مضارب میں ضمانت کا بیان:

ایک شخص نے کسی کو مضاربۃ پر مال دیا پھر مضارب نے دوسرے شخص کو اس کے کچھ دراہم لے کر شریک بنا لیا جبکہ یہ دراہم

مضاربۃ میں شامل نہیں کئے پھر مضارب اور اس کے ہم شریک نے اپنی شراکت کے مال سے جو س خریدا پھر مضارب مضاربت کے مال سے آٹا لایا اور آٹے اور جو س سے پیڑے بنائے تو فقہاء کرام نے فرمایا اگر یہ پیڑے شریک کی اجازت سے بنے تو پیڑے بنانے سے قبل آٹے کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا اور یوں جو س کی قیمت کا بھی اندازہ کیا جائے تو جتنا حصہ آٹے کا بنے وہ مضاربہ ہوگا جو حصہ جو س کا ہے وہ مضارب اور اس کے شریک کا ہوگا، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب رب المال نے مضارب کو "جو چاہے کر " کہا ہو اور اگر اس نے یہ نہ کہا ہو اور مضارب نے یہ کارروائی اس کی اجازت کے بغیر کی ہو تو اس صورت میں پیڑے مضارب کے ہوں گے اور وہ آٹے کی مثل رب المال کا ضامن ہوگا، اور جو س کے حصہ کا شریک کو ضمان دے گا اور اگر رب المال کی اجازت تھی اور شریک کی اجازت نہ تھی تو پیڑے مضاربت میں شمار ہوں گے اور جو س کے حصہ کے برابر شریک کو ضمان دے گا، اور اجازت کا معاملہ بالعکس ہو تو پیڑے مضارب اور اس کے شریک کے ہوں گے اور آٹے برابر رب المال کو ضمان دیگا اھ، اور خانیہ میں جو یہ ہے کہ مضارب جب مضاربۃ اور ذاتی مال کے ہمراہ سفر کریگا تو نفقہ دونوں مالوں پر منقسم ہوگا خواہ دونوں مالوں کو خلط کیا یا نہ کیا، رب المال نے اس کو "جو چاہے کر" کہا ہو یا نہ کہا ہو، حد سفر ہو یا کم ہو جب وہ رات کو واپس گھر نہ لوٹ سکتا ہو، الخ۔ یہ میری سمجھ سے بالا ہے کیونکہ یہ حکم تو مضاربت کا ہے حالانکہ اگر رب المال کی اجازت کے بغیر خلط کیا ہو تو ضامن ہوتا ہے جبکہ ضمان اور مضاربت اپنے حال پر جمع نہیں ہو سکتے جیسا کہ بزازیہ میں مضاربت کے مال کی ہلاکت کی نوعیت کے بیان میں ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان ،مضاربہ)

خارجیوں کے عشر وصول کرنے کا بیان:

(وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرِ الْخَوَارِجِ فِي أَرْضٍ قَدْ غَلَبُوا عَلَيْهَا فَعَشَرَهُ يُثَنَّى عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ)

مَعْنَاهُ :إذَا مَرَّ عَلَى عَاشِرِ أَهْلِ الْعَدْلِ ؛ لِأَنَّ التَّقْصِيرَ جَاءَ مِنْ قِبَلِهِ حَيْثُ إنَّهُ مَرَّ عَلَيْهِ .

ترجمہ:

اور اگر کوئی ایسی جگہ رہتا ہے جہاں خارجی مسلط ہیں اور وہ خارجیوں کے عاشر کے پاس سے گزرا۔ اور خارجیوں کے عاشر نے اس سے عشر وصول کر لیا ہے۔ تو دوبارہ اس سے صدقہ وصول کیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہل عدل کے عاشر کے پاس سے گزرے اور جب وہ کسی خارجی عاشر کے پاس سے گزرا ہے تو اس میں قصور اس کا ہے۔

خارجیوں کی تعریف وبغاوت کا بیان:

امام محمد بن عبد الکریم شہرستانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو عوام کی متفقہ مسلمان حکومت وقت کے خلاف مسلح بغاوت کرے اسے خارجی کہا جائے گا؛ خواہ یہ خروج وبغاوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں خلفاء راشدین کے خلاف ہو یا تابعین اور بعد کے کسی بھی زمانہ کی مسلمان حکومت کے خلاف ہو۔ (الملل والنحل، ص ۱۴۴)

علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔کہ خوارج بدعتیوں کا ایک گروہ ہے۔ یہ لوگ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے کافر اور دائمی دوزخی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔اسی وجہ سے مسلم اُمراء وحکام پر طعن زنی کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جمعہ اور عیدین وغیرہ کے اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے۔(نووی، روضۃ الطالبین، 51 : 10)

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔وہ ایسے لوگ ہیں جو دین سے خارِج ہو گئے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو بدعات کا ارتکاب کرتے تھے (یعنی وہ اُمور جو دین میں شامل نہ تھے ان کو دین میں شامل کرتے تھے)۔(دینِ اِسلام سے نکل جانے اور بہترین مسلمانوں کے خلاف (مسلح بغاوت اور دہشت گردی کی) کارروائیاں کرنے کی وجہ سے اُنہیں خوارِج کا نام دیا گیا۔

(عمدۃ القاری، 84 : 24)

علامہ ابنِ نجیم حنفی، خوارج کی تعریف یوں کرتے ہیں : خوارج سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس طاقت اور (نام نہاد دینی) حمیت ہو اور وہ حکومت کے خلاف بغاوت کریں۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ کفر یا نافرمانی کے ایسے باطل طریق پر ہے جو ان کی خود ساختہ تاویل کی بنا پر حکومت کے ساتھ قتال کو واجب کرتی ہے۔وہ مسلمانوں کے قتل اور ان کے اموال کو لوٹنا جائز سمجھتے ہیں۔

(البحر الرائق، 234 : 2)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں ۔خوارج، خارجۃ کی جمع ہے جس کا مطلب ہے : گروہ۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو بدعات کا ارتکاب کرتے ۔ان کو (اپنے نظریہ، عمل اور اِقدام کے باعث) دینِ اسلام سے نکل جانے اور خیارِ اُمت کے خلاف (مسلح جنگ اور دہشت گردی کی) کارروائیاں کرنے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔(فتح الباری، 283 : 12)

حافظ ابن کثیر نے بھی اس آیت کی تفسیر میں جو حدیث بیان فرمائی ہے، اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل زیغ۔ جو متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ سے مراد خوارج ہیں (. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 347 : 1)

مفسر شہیر امام خازن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر لباب التاویل میں اہلِ زَیغ کی تفسیر فرماتے ہوئے جن گمراہ فرقوں کا نام لیا ہے ان میں خوارج کا نام بھی شامل ہے (. خازن، لباب التأویل، 217 : 1)

ابو حفص الحنبلی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی جو مفصل روایت بیان فرمائی ہے، وہ بڑی ہی فکر انگیز، حقیقت کشا اور قابلِ غور ہے۔ یہ روایت اہلِ زَیغ کی اصلیت اور ان کے باطنی انجام کو پوری طرح بے نقاب کر دیتی ہے۔ ابو حفص الحنبلی مذکورہ آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ (آیت مذکورہ میں اہل زَیغ سے) مراد خوارج ہیں۔حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ جب بھی یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے تو فرماتے : میں نہیں سمجھتا کہ اہل زیغ سے خوارج کے علاوہ کوئی اور گروہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ابو غالب روایت کرتے ہیں : میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دمشق کی جامع مسجد کی طرف چل رہا تھا اور وہ دراز گوش پر سوار تھے۔ جب وہ مسجد کے دروازے کے قریب پہنچے تو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا : خوارج دوزخ کے کتے ہیں۔انہوں نے یہ تین بار

فرمایا۔ پھر انہوں نے ان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا اور بتایا : آسمان کے نیچے یہ بدترین لوگ ہیں۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے انہیں قتل کیا اور وہ بھی خوش نصیب ہیں جو ان کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ یہ بتا کر ابوامامہ رونے لگ گئے۔ان کی بدنصیبی پر بہت ہی افسردہ ہوئے اور بتایا : یہ مسلمان تھے لیکن اپنی کرتوتوں سے کافر ہو گئے۔ پھر یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس میں اہل زیغ کا ذکر ہے۔ ابو غالب روایت کرتے ہیں : میں نے ابوامامہ سے پوچھا : کیا یہی (خوارج) وہ (اہل زیغ) لوگ ہیں؟ بولے : ہاں ! میں نے پوچھا : آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں یا ان کے بارے میں آپ نے یہ سب کچھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا : اگر ایسی بات ہو تب تو میں بڑی جسارت کرنے والا کہلاؤں گا۔ میں نے ایک، دو یا سات بار نہیں بلکہ بارہا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، اگر یہ بات سچی نہ ہو تو میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات تین بار فرمائے۔(اللباب فی علوم الکتاب، 437 : 3)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو امام سیوطی نے بھی اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل زیغ سے خوارج مراد لیے ہیں. (سیوطی، الدر المنثور، 148 : 2)

النحاس نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل زیغ، خوراج ہی ہیں۔(النحاس، معانی القرآن، 349 : 1)

خوارج رسوائی اور مستحق لعنت ہیں:

جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا :) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ تو جو کفر تم کرتے رہے تھے سو اس کے عذاب (کا مزہ) چکھ لوo (آل عمران، 106 : 3)

امام ابنِ ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے آیتِ مذکورہ کے ذیل میں حدیث روایت کی ہے :

عَنْ أَبِی أُمَامَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم :أَنَّهُمُ الْخَوَارِجُ.

(ابن أبی حاتم، تفسیر القرآن العظیم، 594 : 2)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : اس (آیت میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جانے والوں) سے خوارج مراد ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے بھی آیت مذکورہ کے تحت اس سے خوارج ہی مراد لیے ہیں. (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 347 : 1) یہ قول ابن مردویہ نے حضرت ابو غالب اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے، امام احمد نے اسے اپنی مسند میں، امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابو غالب کے طریق سے روایت کیا ہے۔ امام سیوطی کا بھی یہی موقف ہے۔انہوں نے بھی اس آیت میں مذکور لوگوں سے خوارج ہی مراد لئے ہیں۔

(سیوطی، الدر المنثور، 148 : 2)

خارجیوں کے بارے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ خارجی تمام مخلوق خدا سے زیادہ شریر ہیں کیونکہ یہ لوگ ان آیات کو جو کافروں کے متعلق نازل ہوتیں انہیں مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۰۲۴، وزارت تعلیم اسلام آباد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کے احوال کو صحیح طور پر بیان فرمادیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں۔ کہ مشرکین اور کافروں کے عقائد کے متعلق جو آیات بتوں کو خطاب کرتے نازل ہوئی ہیں ان لوگوں نے اللہ کی مقدس مخلوق انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام پر انہی آیات کو چسپان کردیا اور بتوں کے متعلق شرک ہونے والے عناصر کا رخ نیک لوگوں کی طرف کردیا اس طرح یہ لوگ مشرکین کو مشرک کہنے کی بجائے مسلمانوں کو مشرک بنانے میں لگ گئے۔ ان لوگوں کا جب ایک گمراہ امام چلا، بس پھر کیا تھا کہ سارا گمراہانہ ٹولہ اسی کی راہ لیتے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا، اور اسی نقطہ پر جا پہنچا جہاں گمراہوں کا امام شیطان پہنچا تھا۔ کیونکہ اللہ کے نبیوں علیہم السلام اور ولیوں سے مخالفت کا سب سے پہلے قدم اٹھا کر اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے انکار کر کے غیر اللہ سمجھ کر دشمنی کا بیج بویا تھا۔ اسی کے بوئے ہوئے بیج کا اثر بدعقیدہ لوگوں کی سرشت میں بس چکا ہے۔

حضرت ابوامامہ نے جب دمشق کے سرحد منصوبہ پر ان کے سر لٹکے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ بدترین جہنمی کتے ہیں آسمان کے نیچے تمام قتلوں سے بہتر ان کا قتل ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

"يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُم بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ .

جس دن کچھ منہ اونجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے کیا تم ایمان لا کر کافر ہوئے تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِىْ رَحْمَةِ اللهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ .

اور وہ جن کے منہ اونجالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو انہوں نے فرمایا: میں نے ایک بار یا دو بار یا تین مرتبہ یا چار مرتبہ نہیں بلکہ میں نے سات مرتبہ سنا ہے جو میں نے تم کو حدیث بیان کی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی، ج ۲، ص ۱۲۴، فاروقی کتب خانہ ملتان)

خارجی آیات کے مفاہیم کو بدلتے ہیں:

حضرت ابو یحیٰ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک خارجی نے صبح کی نماز میں یہ آیت پڑھی اور فی الحقیقت آپ کی طرف (یہ) وحی کی گئی ہے اور اُن (پیغمبروں) کی طرف (بھی) جو آپ سے پہلے (مبعوث ہوئے) تھے کہ (اے انسان!) اگر تُو نے شرک کیا تو یقیناً تیرا عمل برباد ہوجائے گا اور تُو ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا مزید بیان کیا: پھر اس سورت کو چھوڑ کر اس نے دوسری سورت کی

یہ آیت پڑھ ڈالی پس آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے، جو لوگ یقین نہیں رکھتے کہیں آپ کو کمزور ہی نہ کردیں۔ (خوارج ان آیات قرآنی کو چن چن کر نماز میں پڑھتے تھے جن سے بزعم خویش ان بدبختوں کے معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص شان کا کوئی شائبہ پیدا ہوتا تھا۔ یہ ان کی گستاخانہ سوچ اور بدبختی تھی)۔

(رَوَاهُ ابْنُ اَبِى شَيْبَةَ. الحديث رقم : 49 اخرجه ابن ابى شيبة فى المصنف، 7/554، الرقم. 37891 :)

آج کل کے خارجی بھی آیات کے مفاہیم کو تبدیل کرتے ہوئے کبھی رسول اللہ ﷺ کے علم پر بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں غیب کا علم نہیں دیا گیا۔ کبھی آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر بحث، کبھی حیات مصطفیٰ ﷺ پر بحث، کبھی آپ ﷺ پر درود بھیجنے پر بحث کرتے ہیں۔ مختلف آیات ڈھونڈ کر مقام نبوت مصطفیٰ ﷺ کو کم کرنے کی ناپاک جسارت کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں اور لوگوں کو تبلیغ اسلام کے نام ان کے دلوں سے رسول اللہ ﷺ کی محبت نکالتے میں اپنی زندگیاں برباد کردیتے ہیں۔

خلفاء راشدین کے خلاف خارجیوں کا فتویٰ:

خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں لڑنے کے لئے پیش پیش تھے۔ جونہی آپ رضی اللہ عنہ نے خون خرابے سے بچنے کے لئے تحکیم یعنی ثالثی کے راستے کو اپنایا تو وہ پُر اَمن مصالحت اور ثالثی کے عمل کو رَد کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے نکل گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافر کہنے لگے اور واضح طور پر باغی اور دہشت گرد گروہ تیار کر کے نام نہاد جہاد کے نام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امت مسلمہ کے خلاف برسر پیکار ہوگئے۔ اپنے منظم ظہور کے وقت انہوں نے یہ نعرہ لگایا تھا: لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ. اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں کرسکتا۔

خوارج کے اس عمل سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آگاہی ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ. (مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب التحريض على قتل الخوارج، 2 : 749، رقم 1066)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمن خارجی:

حضرت امام مسلم علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں۔ کہ وہ (حضرت زید بن وہب) اس لشکر میں تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج سے جنگ کے لئے گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ایک گروہ ظاہر ہوگا وہ ایسا (خوبصورت) قرآن پڑھے گا کہ ان کے پڑھنے کے سامنے تمہارے قرآن پڑھنے کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، ان کی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کی کچھ حیثیت نہ ہوگی، ان کے روزوں کے سامنے تمہارے روزوں کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ وہ یہ سمجھ کر قرآن پڑھیں گے کہ وہ ان کے حق میں ہے حالانکہ وہ ان کے خلاف حجت ہوگا۔ نماز ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی اور وہ اسلام سے ایسے خارج ہوں گے جیسے تیر شکار سے خارج ہوجاتا ہے۔ جو لشکر ان کی سرکوبی کے لیے جارہا ہوگا اگر وہ اس ثواب کو جان لے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر کیا ہے تو وہ باقی اعمال کو چھوڑ کر اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں۔ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک ایسا آدمی ہوگا جس کے شانہ میں ہڈی نہیں ہوگی اور اس کے شانہ کا سر عورت کے پستان کی طرح ہوگا جس پر سفید رنگ کے بال ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (اپنے لشکر سے) فرمایا : تم معاویہ اور اہلِ شام کی طرف جاتے ہو مگر ان خوارج کو چھوڑ جاتے ہو تا کہ یہ تمہارے پیچھے تمہاری اولاد اور تمہارے اَموال کو ایذا دیں، بخدا ! مجھے امید ہے کہ یہ وہی قوم ہے جس نے ناحق خون بہایا اور لوگوں کی چراگاہوں یعنی اَموال کو لوٹ لیا، تم اللہ کا نام لے کر ان سے قتال کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

حضرت سلمہ بن کہیل کہتے ہیں : پھر مجھ سے (اس کے راوی) زید بن وہب نے ایک ایک منزل کا تذکرہ کیا اور بیان کیا کہ جب ہم جا کر ان سے ملے تو ہمارا ایک پل سے گزر ہوا، اس وقت خوارج کا سپہ سالار عبد اللہ بن وہب راسبی تھا، اس نے حکم دیا کہ اپنے نیزے پھینک دو اور تلواریں میان سے نکال لو کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ تم پر اس طرح حملہ کریں گے جس طرح یومِ حروراء میں کیا تھا۔ چنانچہ وہ پھرے، انہوں نے اپنے نیزے پھینک دیے اور تلواریں سونت لیں، لوگوں نے ان پر اپنے نیزوں سے حملہ کیا اور بعض نے بعض کو قتل کرنا شروع کر دیا، اس روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ان میں اسی ناقص آدمی کو تلاش کرو، انہوں نے اسے ڈھونڈا لیکن وہ نہ ملا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اٹھے اور وہاں گئے جہاں ان کی لاشیں ایک دوسرے پر پڑی تھیں، آپ نے فرمایا : ان لاشوں کو اٹھاؤ۔ تو اس (علامت والے مطلوب) شخص کو زمین پر لگا ہوا پایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اللہ اکبر، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم تک صحیح احکام پہنچائے۔ عبیدہ سلمانی کھڑے ہوئے اور کہا : امیر المؤمنین ! اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ کیا آپ نے خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ہاں اللہ رب العزت کی قسم ! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ حلف لیا اور آپ نے تین مرتبہ قسم کھائی۔

بعض روایات میں اس ناقص بازو والے شخص کی علامات بھی بیان کی گئی ہیں کہ وہ شخص سیاہ رنگ کا ہوگا اور اُس کا ہاتھ بکری کے تھن یا عورت کے پستان کے سر کی طرح ہوگا۔ جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ گروہ خوارج کا قلع قمع کر چکے تو فرمایا : اس نشانی والے آدمی کو تلاش کرو۔ انہوں نے اسے ڈھونڈا مگر وہ نہ ملا، فرمایا : اس کو پھر جا کر تلاش کرو، بخدا نہ میں نے جھوٹ بولا ہے نہ مجھے جھوٹ بتایا گیا ہے، یہ بات انہوں نے دو یا تین بار کہی، حتیٰ کہ لوگوں نے اسے ایک کھنڈر میں ڈھونڈ لیا اور اس کی لاش لا کر حضرت علی کے سامنے رکھ دی۔ اِس واقعے کے راوی عبید اللہ کہتے ہیں : میں اس سارے معاملہ میں ان کے پاس موجود تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ان خوارج کے بارے میں ہی تھا۔

(مسلم، کتاب الزکاة، باب التحريض على قتل الخوارج، 749 : 2، رقم 1066)

خارجیوں کے بارے میں احکام:

خارجیوں پر لعنت کی گئی ہے۔ سورۃ الرعد میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَيُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ج اُولٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ o الرعد، 25 : 13

اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں، انہی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے o

یہ آیت صراحتاً بتا رہی ہے کہ زمین میں فساد پھیلانے والے خارجی ہیں۔ اس کی تائید درج ذیل روایت سے ہوتی ہے، جسے امام قرطبی نے بیان کیا ہے :

1. وقال سعد بن أبی وقاص : والله الذی لا إله إلا هو ! إنهم الحرورية. قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، 9 : 314

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، فساد انگیزی کرنے والوں سے مراد الحروریہ یعنی خوارج ہیں۔

2۔ انسانی جان کی ہلاکت اور اموال واملاک کی تباہی فساد فی الارض ہے، جیسا کہ ابو حفص الحنبلی کی درج ذیل روایت سے عیاں ہوتا ہے :

قال وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرض إما بالدعاء إلى غير دين الله، وإما بالظلم كما في النفوس والأموال وتخريب البلاد. (أبو حفص الحنبلی، اللباب فی علوم الکتاب، 425 : 9)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : (اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں)۔ یا تو اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور طرف جبراً دعوت دینے سے یا لوگوں کی جان و مال پر ظلم سے اور ملک میں تخریب کاری سے۔

علامہ ابو حفص کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ جان و مال لوٹنے کے علاوہ اسلام سے ہٹ کر اپنے خود ساختہ عقائد کی طرف جبراً دعوت دینا بھی فساد فی الارض کے زمرے میں آتا ہے۔

3۔ امام رازی نے بھی التفسیر الکبیر 176 : 9)) میں اسی معنی کو نقل فرمایا ہے۔

6)) خوارِج حسن عمل کے دھوکے میں رہتے ہیں خوارُج نماز، روزے اور تلاوت قرآن جیسے اعمال کی ادائیگی میں بظاہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی آگے نظر آتے تھے۔ (اِس پر آئندہ صفحات میں احادیث مبارکہ آئیں گی۔) یہی حالت دور حاضر کے خوارج کی ہے۔ وہ بھی بظاہر شکل وصورت اور حسن عمل میں بڑے نیک، پرہیز گار اور پابندِ شریعت نظر آتے ہیں مگر باطن میں اَعتقادی اور تشدد پسندانہ فتنوں کا شکار ہیں جن سے امت مسلمہ کو نقصان ہو رہا ہے اور باہمی خون خرابے سے اس کی قوت وشوکت متاثر ہو رہی ہے۔

1۔ سورۃ الکہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا o اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا o الکہف، 103 : 18، 104

فرما دیجیے : کیا ہم تمہیں ایسے لوگوں سے خبردار کر دیں جو اعمال کے حساب سے سخت خسارہ پانے والے ہیں o یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیا کی زندگی میں ہی برباد ہوگئی اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے کام انجام دے رہے ہیں o

امام طبری نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں درج ذیل روایات نقل کی ہیں :

اس آیت میں ان اہلِ کتاب کا ذکر ہے جو اپنا سماوی دین چھوڑ کر کفر کی راہ پر چل نکلے اور دین میں باطل بدعات کو شامل کر لیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ان خسارہ پانے والوں سے مراد خوارج ہیں کیونکہ جب ابن الکواء خارجی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : أنت وأصحابک (تو اور تیرے ساتھی)۔

ایک روایت میں ہے جسے حضرت ابو طفیل بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن الکواء نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا (اعمال کے حساب سے سخت خسارہ پانے والوں) سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا : اے اہلِ حروراء ! تم مراد ہو۔ (طبری، جامع البیان، 33 : 16، 34)

خارجیوں کی علامات:

1۔ وہ کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات کا اطلاق مومنین پر کریں گے۔ (بخاری، 2539 : 6)

2۔ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ (بخاری، کتاب التوحید، 2702 : 6، رقم 6995)

3۔ غیر مسلم اقلیتوں کے قتل کو حلال سمجھیں گے۔ (المستدرک، 166 : 2، رقم 2657)

4۔ عبادت میں بہت متشدد اور غلو کرنے والے ہوں گے۔ (أبو یعلی، المسند، 90 : 1، رقم 90)

5۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی اور اس کا خون اور مال حلال قرار دیں گے۔

دور حاضر کے خارجی:

ہمارے دور میں بھی بعض وہم پرست لوگوں کا گروہ ہے جس کی تعداد میں اب کچھ اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں پر آئے دن شرک و بدعت کے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ اور وہم میں یہ لوگ اس حد تک گر جاتے ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں کو شرک سمجھ بیٹھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے کوئی عام گھریلو استعمال کی چیز بھی کسی نے کسی سے مانگی تو فوراً ٹوک دیتے ہیں کہ خبردار! اللہ کے سوا کسی مت مانگو ورنہ شرک ہو جائے گا۔

اور غالی تو ہم پرست وہ لوگ ہیں جو عبادات کو بھی شرک و بدعت کہنے سے نہیں گھبراتے ان کے دلوں سے خوف خدا اس قدر دور ہو چکا ہے۔ کہ شرعی احکام کا لحاظ کیے بغیر مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگانے میں بہادر ہیں حتیٰ ایسے لوگوں کے نزدیک نماز جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا، اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا، محفل میلاد کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا وغیرہ وہ کام ہیں جن

کے بجالانے پر اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے۔ اس کو بھی بدعت کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم نص قرآن سے ثابت ہے۔ اور اس وقت میں عموم ہے۔ جو اپنی اصل پر ہی رہے گا۔

اور صلوٰۃ وسلام کی ممانعت پر قرآن کی نص اور حدیث صحیح سے کوئی نص تو درکنار کسی ضعیف حدیث سے بھی حکم ممانعت نہیں دیکھا سکتے۔ اور محض نفسانی خواہشات اور شیطان کی اتباع نے انہیں مقام نبوت ﷺ کا دشمن بنا رکھا ہے۔ اسی طرح روضہ رسول ﷺ کی حاضری کو خود ان خارجیوں میں بعض نے جائز کہا ہے اور بعض نے (نعوذ باللہ) حرام کہا ہے جیسے ابن تیمیہ وغیرہ کی طرح غیر مستند محقق بھی شامل ہیں۔

اہل سنت کی علامات وحقانیت:

مشہور محدث و محقق امام سخاوی علیہ الرحمہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا اہل سنت (یعنی سنی) ہونے کی علامت ہے۔ (القول البدیع، فضائل اعمال)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے بعض چہرے چمکتے ہوں گے آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ جن قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے چمکتے ہوں گے۔ (مسند ابو یعلی)

جمہور مفسرین کے نزدیک سفیدی سے مراد نور ایمانؐ کی سفیدی ہے یعنی مومنین کے چہرے نور ایمان سے منور ہوں گے اور سیاہی سے مراد کفر کی سیاہی ہے یعنی کافروں کے چہروں پر کفر کی قدورت چھائی ہوگی، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اہل سنت و جماعت مراد لئے ہیں۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے پس ایک فرقہ جنتی ہے باقی ستر دوزخی ہیں اور نصرانی بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے پس ایک فرقہ جنتی ہے اور اکہتر دوزخ میں ہوں گے۔ اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی پس ایک فرقہ جنتی ہے جبکہ ۷۲ فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: وہ جماعت ہے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۸۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس سے پہلی حدیث میں سواد اعظم سے مراد اہل سنت و جماعت ہے اور یہ حدیث اہل سنت و جماعت والوں کیلئے معیار عظمت ہے نیز اس حدیث سے اہل سنت و جماعت مراد لینا کسی دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ اہل سنت و جماعت کے سوا باقی بہتر فرقے اکٹھے کر لئے جائیں تو وہ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں بنتے۔ امام المحدثین امام جلال الدین علیہ الرحمہ ''اتمام الدرایہ'' میں فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنھم اور تمام ائمہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ عقائد اور دوسرے مسائل میں بھی ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ عنہ اہل سنت کے امام ہیں اور طریقت میں سید الطائفہ حضرت جنید علیہ الرحمہ امام ہیں۔ (انجاح الحاجہ، ج ۲، ص ۲۸۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

بَابُ الْمَعْدِنِ وَالرِّكَازِ

﴿یہ باب کانوں اور دفینوں کے بیان میں ہے﴾

باب المعدن کی مطابقت فقہی کا بیان:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ معدن عدن سے بنا ہے۔اس کا معنی ہے۔اقامت ہے۔جس طرح کہا ہے کہ "عَدَنَ بِالْمَكَانِ إِذَا أَقَامَ بِهِ" وہ مکان میں جب قیام پذیر ہوا۔اور اسی سے جنات عدن ہے کہ یہ ہر چیز کا مرکز ہوتا ہے۔اور اہل لغت نے کہا ہے کہ معدن کا اصل میں معنی یہ ہے کہ کسی مکان میں مقید ہو کر استقرار پکڑنا ہے۔پھر یہ معدن کا لفظ ان چیزوں سے متعلق مشہور ہو گیا ہے جو قرار پکڑنے والی ہیں اور اللہ تعالی نے جن چیزوں کو زمین کی تخلیق کے دن بنایا تھا۔حتیٰ کہ لفظ ابتدائی طور پر ہی بغیر کسی قرینے کے ان اشیاء کی طرف منتقل ہو گیا۔اور کنز اور ثابت شدہ مال کو کہتے ہیں جو لوگوں کے فعل کی وجہ سے ہوتا ہے۔اور رکاز عام ہے اور یہ "رکز" سے بنا ہے اور مفہوم عام ہے خواہ اس کو انسان نے رکھا ہو یا اللہ تعالی نے کو اس کو پوشیدہ کیا ہو۔اور ان کا حقیقی معنی مشترک ہے جو دفینوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔(فتح القدیر،ج ۴،ص،۱۲۵،بیروت)

سونے چاندی کے دفینوں میں خمس کا بیان:

قَالَ (مَعْدِنُ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَوْ حَدِيدٍ أَوْ رَصَاصٍ أَوْ صُفْرٍ وُجِدَ فِي أَرْضِ خَرَاجٍ أَوْ عُشْرٍ فَفِيهِ الْخُمُسُ) عِنْدَنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِيهِ ؛ لِأَنَّهُ مُبَاحٌ سَبَقَتْ يَدُهُ إلَيْهِ كَالصَّيْدِ إلَّا إذَا كَانَ الْمُسْتَخْرَجُ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً فَيَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ ، وَلَا يُشْتَرَطُ الْحَوْلُ فِي قَوْلٍ ؛ لِأَنَّهُ نَمَاءٌ كُلُّهُ وَالْحَوْلُ لِلتَّنْمِيَةِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ) وَهُوَ مِنْ الرَّكْزِ فَأُطْلِقَ عَلَى الْمَعْدِنِ وَلِأَنَّهَا كَانَتْ فِي أَيْدِي الْكَفَرَةِ فَحَوَتْهَا أَيْدِينَا غَلَبَةً فَكَانَتْ غَنِيمَةً .

وَفِي الْغَنَائِمِ الْخُمُسُ بِخِلَافِ الصَّيْدِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي يَدِ أَحَدٍ إلَّا أَنَّ لِلْغَانِمِينَ يَدًا حُكْمِيَّةً لِثُبُوتِهَا عَلَى الظَّاهِرِ ، وَأَمَّا الْحَقِيقِيَّةُ فَلِلْوَاجِدِ فَاعْتَبَرْنَا الْحُكْمِيَّةَ فِي حَقِّ الْخُمُسِ وَالْحَقِيقَةَ فِي حَقِّ الْأَرْبَعَةِ الْأَخْمَاسِ حَتَّى كَانَتْ لِلْوَاجِدِ

ترجمہ:

سونے یا چاندی،لوہے،رنگ یا پیتل کی وہ کان جو خراجی یا عشری زمین میں پائی گئی تو اس میں ہمارے نزدیک خمس ہے۔جبکہ

امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا کہ اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ ایک مباح چیز ہے جو پہلی مرتبہ اسے ملی ہے جس طرح شکار ہے ہاں البتہ جب کان نکالی گئی چیز سونا یا چاندی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔اور ایک قول کے مطابق سال گزرنا بھی ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ مال تو سارے کا سارا نمو ہی ہے اور سال گزرنے کی شرط نمو کی وجہ سے تھی۔جبکہ ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ رکاز میں خمس ہے (ائمہ ستہ) اور رکاز،رکز سے مشتق ہے لہذا معدن پر بھی اس کا اطلاق ہوا۔کیونکہ یہ کانیں کفار کے قبضہ میں تھیں۔اور جب ہمارا غلبہ ان پر ہو گیا تو یہ کانیں غنیمت میں آ گئیں اور غنائم میں خمس ہوتا ہے بہ خلاف شکار کے کیونکہ شکار کسی کے قبضہ میں نہیں ہوتا۔البتہ غازیوں کا قبضہ بطور حکم قبضہ تھا جو اس کے ظاہری ثبوت کی وجہ سے تھا۔اور حقیقت میں قبضہ اس شخص کا ہوا جس نے اسے پایا ہے لہذا ہم نے خمس کے حق میں حکم قبضے کا اعتبار کیا ہے۔اور چار خمس کے حق میں قبضہ حقیقی کا اعتبار کیا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس کو پانے والا ہو۔

رکاز کی زکوٰۃ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو معاف ہے اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے اگر کان کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے۔(بخاری و مسلم)

حدیث میں مذکور رکاز سے کیا مراد ہے؟

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جس رکاز کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کان (معدن) مراد ہے لیکن اہل حجاز رکاز سے زمانہ جاہلیت کے دفینے (زمین دوز کیے ہوئے خزانے) مراد لیتے ہیں جہاں تک حدیث کا ظاہر مفہوم اور اس کا سیاق وسباق ہے اس کے پیش نظر وہی معنی زیادہ مناسب اور بہتر معلوم ہوتے ہیں جو حضرت امام اعظم نے مراد لیے ہیں پھر یہ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی بھی رکاز کے اسی معنی کی وضاحت کرتا ہے چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب دریافت کیا گیا کہ رکاز وہ سونا اور چاندی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس کی تخلیق کے وقت ہی پیدا فرمایا ہے۔

کان میں سے نکلنے والی چیزوں کی قسمیں

اس موقع پر یہ بھی جان لیجئے کہ جو چیزیں کان سے برآمد ہوتی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ چیزیں جو منجمد ہوں اور آگ میں ڈالنے سے نرم ہو جائیں نیز منقش کئے جانے کے قابل ہوں یعنی جو سکے وغیرہ ڈھالنے کے کام آ سکتی ہوں جیسے سونا، چاندی، لوہا اور رانگا وغیرہ۔(۲) وہ چیزیں جو منجمد نہیں ہوتیں جیسے پانی، تیل، رال اور گندھک وغیرہ۔

(۳) وہ چیزیں جو آگ میں ڈالنے سے نرم نہ ہوتی ہوں اور نہ سکے وغیرہ کے لیے ڈھالی جاسکتی ہوں جیسے پتھر، چونا، ہڑتا اور یاقوت وغیرہ، چنانچہ ان تینوں اقسام میں سے صرف پہلی قسم میں زکوٰۃ کے طور پر خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے اور اس کے لیے ایک سال گزرنا شرط نہیں ہے حضرت امام شافعی کے نزدیک معدنیات میں سے صرف سونے چاندی میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے دوسری معدنیات مثلاً لوہے، رانگ وغیرہ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

سونے چاندی کے معادن میں خمس وربع عشر ہونے میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف:

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک سونے چاندی کے معادن میں عشر کا چوتھائی ہے۔ جس طرح زکوٰۃ میں ہوتا ہے البتہ نصاب کی شرط کا ہونا ضروری ہے۔ اور دو سو دراہم سے کم میں نہیں ہے۔ جبکہ بعض اصحاب نے تکمیل حول کی شرط بھی بیان کی ہے۔

جبکہ ہمارے نزدیک سونے چاندی کے معادن میں خمس واجب ہے اور یہ اسی طرح واجب ہوگا جس طرح دوسری غنائم میں ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل کا جواب یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال بن حارث کے قبیلے سے ربع عشر وصول کرنا ختم کیا اور وہ معدنیات والا قبیلہ تھا۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ وہ زمین نمو والی تھی لہٰذا اس کیلئے مناسب یہی تھا کہ اس میں عشر واجب کیا جائے۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جب کنز معادن کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اور اس میں خمس ہے۔ اس حدیث میں "قال فیہ وفی الرِّکَازِ الْخُمُسُ" رکاز کا عطف کنز پر ڈالا گیا ہے۔ اور اصول یہ ہے کسی چیز کا عطف اس کی ذات پر نہیں ڈالا جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع، ج ۵، ص ۳۹، بیروت)

اپنے گھر میں پائے گئے دفینے کا بیان:

(وَلَوْ وَجَدَ فِي دَارِهِ مَعْدِنًا فَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا فِيهِ الْخُمُسُ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا وَلَهُ أَنَّهُ مِنْ أَجْزَاءِ الْأَرْضِ مُرَكَّبٌ فِيهَا وَلَا مُؤْنَةَ فِي سَائِرِ الْأَجْزَاءِ فَكَذَا فِي هَذَا الْجُزْءِ ؛ لِأَنَّ الْجُزْءَ لَا يُخَالِفُ الْجُمْلَةَ ، بِخِلَافِ الْكَنْزِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُرَكَّبٍ فِيهَا (وَإِنْ وَجَدَهُ فِي أَرْضِهِ فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِيهِ رِوَايَتَانِ) وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى إحْدَاهُمَا وَهُوَ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَنَّ الدَّارَ مُلِكَتْ خَالِيَةً عَنْ الْمُؤَنِ دُونَ الْأَرْضِ وَلِهَذَا وَجَبَ الْعُشْرُ ، وَالْخَرَاجُ فِي الْأَرْضِ دُونَ الدَّارِ فَكَذَا هَذِهِ الْمُؤْنَةُ

ترجمہ:

اور اگر اس نے اپنے گھر میں معدن پایا تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس میں کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اور صاحبین نے کہا ہے کہ اس میں بھی خمس واجب ہے اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جسے ہم نے روایت کیا ہے اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ معدن زمین کے اجزاء سے زمین کے اندر مرکب ہے۔ جبکہ زمین کے اجزاء میں کوئی مؤنت اور بار (پھل) نہیں ہے لہٰذا اس جز کے اندر بھی کسی بار کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس دلیل کی وجہ سے جز اپنے کل سے مخالف نہیں ہوا کرتا۔ بہ خلاف کنز کے کیونکہ زمین میں مرکب نہیں ہوتا۔ اور اگر اس نے اپنی مملوکہ زمین میں معدن پایا تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس بارے میں دو روایات ہیں اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایک روایت جو جامع صغیر میں ہے وہ یہ ہے کہ وہ گھر اس طرح مملوک ہوا ہے کہ وہ تمام مشکلات واخراجات سے خالی ہے جبکہ زمین ایسی نہیں ہوتی اسی وجہ سے عشر اور خراج زمین میں واجب ہے جبکہ گھر میں واجب نہیں ہے۔ کیونکہ محض خرچ ہوگا۔

کان اور دفینہ کا بیان:

۱. کان (مادن) اور دفینہ میں خمس لیا جائے گا

۲. کان سے جو چیزیں نکلتی ہیں تین قسم کی ہیں: اول جو آگ میں پگھل جاتی ہیں، دوم مائعات یعنی بہنے والی چیزیں، سوم جو نہ پگھلتی ہیں اور نہ بہنے والی ہیں پہلی قسم کی چیزوں میں خُمس یعنی پانچوں حصہ واجب ہے اور وہ چیزیں یہ ہیں: سونا، چاندی، لوہا، رانگ، تانبا اور کانسی وغیرہ پارہ میں بھی خُمس واجب ہے یہی صحیح ہے دوسری اور تیسری قسم کی چیزوں میں خمس واجب نہیں ہے، بہنے والی چیزوں کی مثال پانی اور تیل وغیرہ ہیں اور وہ چیزیں جو نہ پگھلتی ہیں نہ بہتی ہیں ان کی مثال چونا، گچ، جواہرات مثلاً یاقوت، زمرد، فیروزہ، موتی، سرمہ اور پھٹکڑی وغیرہ ہیں پس ان دونوں قسموں میں کوئی خمس نہیں لیا جائے گا

۳. کان یا دفینہ عشری زمین میں نکلے یا خراجی زمین میں ہر حال میں اس میں خمس واجب ہوگا

۴. اگر کسی کے گھر یا اس کی دکان میں کان نکل آئی تو خمس واجب ہونے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں خمس واجب نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک خمس واجب ہے اور باقی چار حصہ بالاتفاق مالک مکان کا ہوگا مملوکہ زمین کی کان میں امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں ہیں کتاب الاصل کی روایت میں مملوکہ زمین اور گھر میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک ان میں کچھ واجب نہیں ہے سب مالک کا ہے اور دوسری روایت میں جو جامع الصغیر کی ہے اس کے مطابق دونوں میں فرق ہے یعنی گھر (مکان ودکان) میں کچھ لازم نہیں ہے اور مملوکہ زمین میں خمس واجب ہے بعض کے نزدیک اصل کی روایت کو ترجیح ہے اور بعض کے نزدیک جامع الصغیر کی روایت کو ترجیح ہے اور قیاس بھی اسی کا مقتضی ہے۔

کنز کی زکوٰۃ کے وجوب کا بیان:

(وَإِنْ وَجَدَ رِكَازًا) أَيْ كَنْزًا (وَجَبَ فِيهِ الْخُمُسُ) عِنْدَهُمْ لِمَا رَوَيْنَا وَاسْمُ الرِّكَازِ يَنْطَلِقُ عَلَى الْكَنْزِ لِمَعْنَى الرَّكْزِ وَهُوَ الْإِثْبَاتُ ثُمَّ إنْ كَانَ عَلَى ضَرْبِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ كَالْمَكْتُوبِ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الشَّهَادَةِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ اللُّقَطَةِ وَقَدْ عُرِفَ حُكْمُهَا فِي مَوْضِعِهِ ، وَإِنْ كَانَ عَلَى ضَرْبِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ كَالْمَنْقُوشِ عَلَيْهِ الصَّنَمُ فَفِيهِ الْخُمُسُ عَلَى كُلِّ حَالٍ لِمَا بَيَّنَّا ثُمَّ إنْ وَجَدَهُ فِي أَرْضٍ مُبَاحَةٍ فَأَرْبَعَةُ أَخْمَاسِهِ لِلْوَاجِدِ ؛ لِأَنَّهُ تَمَّ الْإِحْرَازُ مِنْهُ إذْ لَا عِلْمَ بِهِ لِلْغَانِمِينَ فَيَخْتَصُّ هُوَ بِهِ ، وَإِنْ وَجَدَهُ فِي أَرْضٍ مَمْلُوكَةٍ ، فَكَذَا الْحُكْمُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ؛ لِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ بِتَمَامِ الْحِيَازَةِ وَهِيَ مِنْهُ ، وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ هُوَ لِلْمُخْتَطِّ لَهُ وَهُوَ الَّذِي مَلَّكَهُ الْإِمَامُ هَذِهِ الْبُقْعَةَ أَوَّلَ الْفَتْحِ ؛ لِأَنَّهُ سَبَقَتْ يَدُهُ إلَيْهِ وَهِيَ يَدُ الْخُصُوصِ فَيَمْلِكُ بِهَا مَا فِي الْبَاطِنِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى الظَّاهِرِ ، كَمَنْ اصْطَادَ سَمَكَةً فِي بَطْنِهَا دُرَّةٌ مَلَكَ الدُّرَّةَ ثُمَّ بِالْبَيْعِ لَمْ تَخْرُجْ عَنْ مِلْكِهِ ؛ لِأَنَّهُ مُودَعٌ فِيهَا بِخِلَافِ الْمَعْدِنِ ؛ لِأَنَّهُ مِنْ أَجْزَائِهَا فَيَنْتَقِلُ إلَى الْمُشْتَرِي وَإِنْ لَمْ يُعْرَفْ الْمُخْتَطُّ لَهُ يُصْرَفُ إلَى أَقْصَى مَالِكٍ يُعْرَفُ فِي الْإِسْلَامِ عَلَى مَا قَالُوا وَلَوْ اشْتَبَهَ الضَّرْبُ يُجْعَلُ جَاهِلِيًّا فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ ؛ لِأَنَّهُ الْأَصْلُ وَقِيلَ يُجْعَلُ إسْلَامِيًّا فِي زَمَانِنَا لِتَقَادُمِ الْعَهْدِ

ترجمہ

اور جس نے کنز (دفن شدہ مال) پایا۔ تو احناف ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس میں خمس واجب ہوگا۔ اسی حدیث کی بناء پر جس کو ہم روایت کر چکے ہیں۔ اور رکاز کا اطلاق کنز پر ہوتا ہے۔ کیونکہ رکز کا معنی اثبات ہے۔ پھر اگر یہ دفن شدہ مال اہل اسلام کی قسم میں سے ہے جس طرح اس پر کلمہ شہادت لکھا ہوا ہوتا ہے۔ تو یہ لقطہ کے حکم میں ہوگا۔ اور لقطہ کا حکم اس کے مقام پر پہچان لیا گیا ہے۔ اور اگر دفن شدہ مال اہل جاہلیت کے طرز پر ہے جیسا کہ اس پر بت کی تصویر ہو تو اس میں ہر حال میں خمس واجب ہے۔ اسی دلیل کی نبیاد پر جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر اس نے زمین مباح میں پایا تو چار خمس پانے والے کی طرح ہے۔ کیونکہ اپنی حفاظت میں لینا اسی کی جانب ہے۔ کیونکہ غازیوں کو تو اس کا علم بھی نہ تھا۔ لہٰذا یہی آدمی اس کے ساتھ خاص ہو گیا۔ اور اگر اس نے مملوکہ زمین میں پایا تو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک یہی حکم ہے۔ کیونکہ یہ حقدار اس وجہ سے ہوا ہے کہ اس کو اپنی حفاظت میں لایا ہے۔ اور یہ اسی آدمی سے پایا گیا ہے۔ اور شیخین کے نزدیک یہ مختط لہ (جس کیلئے خط کھینچا گیا ہو) کا ہے۔ اور مختط لہ وہ شخص ہے جس کو امام نے فتح سے پہلے زمین کا مالک بنا دیا ہو۔ کیونکہ مختط لہ کا ہاتھ اسی جانب بڑھ چکا ہے۔ اور یہ خاص قبضہ ہے لہٰذا اس قبضہ خاص کی وجہ سے

اس چیز کا مالک ہونا ہے اور جو زمین میں ہے اس کا بھی مالک یہی ہوگا۔ اگرچہ اس کا قبضہ ظاہر پر ہے جس طرح کسی نے مچھلی کا شکار کیا جس کے پیٹ میں موتی ہے پھر فروخت کرنے کی وجہ سے یہ دفینہ اس کی ملکیت سے خارج نہ ہوگا۔ کیونکہ زمین کے ودیعت کیا ہوتا ہے۔ بہ خلاف کان کے کیونکہ وہ زمین اجزاء میں سے ہے لہٰذا معدن مشتری کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اور اگر مختط لہ معلوم نہ ہو تو دفینہ آخری مالک کی طرف پھیرا جائے گا۔ جو اسلام میں پہنچانا جاتا ہے۔ متاخرین مشائخ کا قول بھی یہی ہے اور اگر ٹھیکہ مشتبہ ہو جائے تو ظاہری مذہب کے مطابق اس کو کفر قرار دیا جائے گا کیونکہ اس میں اصل یہی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسلامی قرار دیا جائے گا۔

کنز کی تعریف و پہچان کرنے کا بیان:

امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ کہ میں سونے کے اوضاع (ایک قسم کا زیور) پہنا کرتی تھی میں نے پوچھا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ بھی کنز کی تعریف میں آتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مال اتنی مقدار کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ دینا لازم ہو جاتا ہے اور پھر اس کی زکوٰۃ دی جائے تو وہ کنز میں شمار نہیں ہوگا۔ (سنن ابو داؤد)

کنز اصطلاح شرع میں اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوۃ ادا نہ کی جاتی ہو۔ حضرت ابن عمر سے یہی مروی ہے بلکہ فرماتے ہیں جس مال کی زکوۃ دے دی جاتی ہو وہ اگر ساتویں زمین تلے بھی ہو تو وہ کنز نہیں اور جس کی زکوۃ نہ دی جاتی ہو وہ گو زمین پر ظاہر پھیلا پڑا ہو تو کنز ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی موقوفاً اور مرفوعاً یہی مروی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں بغیر زکوۃ کے مال سے اس مالدار کو داغا جائے گا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ یہ زکوۃ کے اترنے سے پہلے تھا زکوۃ کا حکم نازل فرما کر اللہ نے اسے مال کی طہارت بنا دیا۔ خلیفہ برحق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ اور عراک بن مالک نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اسے قول ربانی (آیت خذ من اموالھم الخ،) نے منسوخ کر دیا ہے۔

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ تلواروں کا زیور بھی کنز یعنی خزانہ ہے۔ یاد رکھو میں تمہیں وہی سناتا ہوں جو میں نے جناب پیغمبر حق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار ہزار اور اس سے کم تو نفقہ ہے اور اس سے زیادہ کنز ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ مال کی کثرت کی مذمت اور کمی کی مدحت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں بطور نمونے کے ہم بھی یہاں ان میں سے چند نقل کرتے ہیں۔

مسند عبدالرزاق میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سونے چاندی والوں کے لئے ہلاکت ہے تین مرتبہ آپ کا یہی فرمان سن کر صحابہ پر شاق گذرا اور انہوں نے سوال کیا کہ پھر ہم کس قسم کا مال رکھیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم سے یہ حالت بیان کر کے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ذکر کرنے والی زبان شکر کرنے والا دل اور دین کے کاموں میں مدد دینے والی بیوی۔

مسند احمد میں ہے کہ سونے چاندی کی مذمت کی یہ آیت جب اتری اور صحابہ نے آپس میں چرچا کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر آتا ہوں اپنی سواری تیز کر کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اور روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر ہم اپنی اولادوں کے لئے کیا چھوڑ جائیں؟ اس میں ہے کہ حضرت عمر کے پیچھے ہی پیچھے حضرت ثوبان بھی تھے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ اسی لئے مقرر فرمائی ہے کہ بعد کا مال پاک ہو جائے۔ میراث کے مقرر کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر مارے خوشی کے تکبیریں کہنے لگے۔ آپ نے فرمایا لو اور سنو میں تمہیں بہترین خزانہ بتاؤں نیک عورت جب اس کا خاوند اس کی طرف نظر ڈالے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے فوراً بجالائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کی ناموس کی حفاظت کرے۔ حسان بن عطیہ کہتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے ایک منزل میں اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ کھیلیں مجھے برا معلوم ہو آپ نے افسوس ظاہر کیا اور فرمایا میں نے تو اسلام کے بعد سے اب تک ایسی بے احتیاطی کی بات کبھی نہیں کی تھی اب تم اسے بھول جاؤ اور ایک حدیث بیان کرتا ہوں اسے یاد رکھو لو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب لوگ سونا چاندی جمع کرنے لگیں تم ان کلمات کو بکثرت کہا کرو۔

اللهم انی اسئلك الثبات فی الامر والعزیمة علی الرشد واسئلك شكر نعمتك واسئلك حسن عبادتك واسئلك قلبا سلیما واسئلك لسانا صادقا واسئلك من خیر ماتعلم واعوذبك من شر ماتعلم واستغفرك لما تعلم انك انت علام الغیوب۔

یا اللہ میں تجھ سے کام کی ثابت قدمی اور بھلائیوں کی پختگی اور تیری نعمتوں کا شکر اور تیری عبادتوں کی اچھائی اور سلامتی والا دل اور سچی زبان اور تیرے علم میں جو بھلائی ہے وہ اور تیرے علم میں جو برائی ہے اس کی پناہ اور جن برائیوں کو تو جانتا ہے ان سے استغفار طلب کرتا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ تو تمام غیب جاننے والا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

آیت میں بیان ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال کو خرچ نہ کرنے والے اور اسے بچا بچا کر رکھنے والے دردناک عذاب دیئے جائیں گے۔ قیامت کے دن اسی مال کو خوب تپا کر گرم آگ جیسا کر کے اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور کمر داغی جائے گی اور بطور زجر و توبیخ کے ان سے فرمایا جائے گا کہ لو اپنی جمع جتھا کا مزہ چکھو۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ گرم پانی کا تریڑ دوزخیوں کے سروں پر بہاؤ اور ان سے کہو کہ عذاب کا لطف اٹھاؤ تم بڑے ذی عزت اور بزرگ سمجھے جاتے رہے ہو بدلہ اس کا یہ ہے۔ ثابت ہوا کہ جو شخص جس چیز کو محبوب بنا کر اللہ کی اطاعت سے اسے مقدم رکھے گا اسی کے ساتھ اسے عذاب ہوگا۔ ان مالداروں نے مال کی محبت میں اللہ کے فرمان کو بھلا دیا تھا آج اسی مال سے انہیں سزا دی جا رہی ہے جیسے کہ ابولہب کھلم کھلا حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کرتا تھا اور اس کی بیوی اس کی مدد کرتی تھی قیامت کے دن آگ کے اور بھڑکانے کے لئے وہ اپنے گلے میں رسی ڈال کر لکڑیاں لا لا کر اسے سلگائے گی اور وہ اس میں جلتا رہے گا۔ یہ مال جو یہاں سے سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں یہی مال قیامت کے دن سب سے زیادہ مضر ثابت ہوں گے۔ اسی کو گرم کر کے اس سے داغ دیئے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایسے مالداروں کے جسم اتنے لمبے چوڑے کر دیئے جائیں گے کہ ایک ایک دینار و درہم اس پر آ جائے پھر کل مال آگ جیسا بنا کر علیحدہ علیحدہ کر کے سارے جسم پر پھیلا دیا جائے گا یہ نہیں ایک کے بعد ایک داغ لگے۔ بلکہ ایک ساتھ سب کے سب۔ مرفوعاً بھی یہ روایت آئی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

(تفسیر ابن کثیر، سورۃ توبہ، ۳۴)

دارالحرب میں امان کے ساتھ داخل ہونے والے کے رکاز کا حکم:

(وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَوَجَدَ فِي دَارِ بَعْضِهِمْ رِكَازًا رَدَّهُ عَلَيْهِمْ) تَحَرُّزًا عَنْ الْغَدْرِ ؛ لِأَنَّ مَا فِي الدَّارِ فِي يَدِ صَاحِبِهَا خُصُوصًا (وَإِنْ وَجَدَهُ فِي الصَّحْرَاءِ فَهُوَ لَهُ) ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِ أَحَدٍ عَلَى الْخُصُوصِ فَلَا يُعَدُّ غَدْرًا وَلَا شَيْءَ فِيهِ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ مُتَلَصِّصٍ غَيْرِ مُجَاهِرٍ (وَلَيْسَ فِي الْفَيْرُوزَجِ الذی يُوجَدُ فِي الْجِبَالِ خُمُسٌ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا خُمُسَ فِي الْحَجَرِ) (وَفِي الزِّئْبَقِ الْخُمُسُ) فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ آخِرًا وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ .

ترجمہ:

اور جو شخص امان کے ساتھ دارالحرب میں داخل ہو پھر اس نے کسی حربی کے ہاں رکاز پایا تو وہ اس رکاز کو مکان کے مالکوں کی طرف واپس کر دے۔ تا کہ وہ عذر اور عہد شکنی سے بچ جائے۔ کیونکہ جو چیز گھر میں موجود ہوتی ہے وہ مالک ہی کے قبضہ میں ہوتی ہے اور اس نے رکاز دارالحرب کے صحراء میں پایا تو رکاز اسی پانے والا کا ہوگا کیونکہ یہ کسی خاص کے قبضہ میں نہیں ہے۔ لہٰذا یہ عذر شمار نہ ہوگا۔ اور اس میں کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس شخص کے درجے میں ہوگا جو خفیہ مال چوری کرتا ہے۔ اور وہ فیروز (قیمتی موتی) جو پہاڑوں میں پایا جاتا ہے اس میں خمس نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پتھر میں خمس نہیں ہے۔ (کامل ابن عدی، ابن ابی شیبہ) اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے دوسرے قول کے مطابق زیبق (الکحل، پارہ) میں خمس نہیں ہے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

شرح

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ محیط برہانی میں ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ کو جامع صغیر میں رکاز کے

باب میں لکھا ہے۔جبکہ شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ رکاز سے مراد معدن ہے۔اور امام قدوری نے اس کو کنز میں لکھا ہے۔لہذا اس طرح یہ مسئلہ کنز اور معدن ہونے میں برابر ہے۔

علامہ ترازی نے کہا ہے۔کہ یہاں یہ جاننا چاہیے کہ جب وہ شخص کسی معدن یا کنز یا رکاز کو پائے اور اگر اس نے صحراء میں پایا تو بغیر خمس کے اسی کا ہے۔خواہ وہ امان کے ساتھ ہو یا غیر امان کے ساتھ ہو۔

میں (علامہ عینی) کہتا ہوں۔مصنف نے اس کو امان کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ جب اس نے ان کے گھروں میں سے کسی ایک گھر میں میں پایا۔اور البتہ اگر اس نے صحرا میں پایا تو کسی کی بھی ملکیت نہیں ہے تو وہ اسی کا ہوگا۔جس نے اس کو پایا ہے۔اور اس میں خمس نہیں ہے۔خواہ وہ امان کے ساتھ داخل ہوا ہے یا نہیں۔

فقہ مالکی کے مطابق فقیہ ابن ماجستون نے کہا ہے ہے قنیہ میں ہے کہ جب وہ امان کے ساتھ داخل ہوا ہے تو وہ اس کیلئے پاک نہیں ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ج۴، ص،۱۳۶، حقانیہ ملتان)

خمس کے فرض ہونے کی کیفیت کا بیان

()۔سیدنا عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ (مال) ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ اسی مال میں سے اپنے گھر والوں کے لیے سال بھر کا خرچ لے لیتے تھے، اس کے بعد جو کچھ بچتا، اس کو اس مصرف میں خرچ کر دیتے تھے جہاں اللہ کا مال یعنی صدقہ خرچ کیا جاتا ہے۔ پھر (سیدنا عمرؓ نے) اپنے پاس بیٹھے ہوئے صحابہؓ سے کہا کہ میں تمہیں اس اللہ کی قسم دلاتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں (بتاؤ !) کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا کہ بے شک آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا اور اس مجلس میں سیدنا علی، عباس، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر اور سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔(بخاری، ۱۳۱۸)

عنبر وموتیوں میں خمس نہ ہونے کا بیان:

(وَلَا خُمُسَ فِي اللُّؤْلُؤِ وَالْعَنْبَرِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفُ :فِيهِمَا وَفِي كُلِّ حِلْيَةٍ تَخْرُجُ مِنْ الْبَحْرِ خُمُسٌ ؛ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخَذَ الْخُمُسَ مِنْ الْعَنْبَرِ .

وَلَهُمَا أَنَّ قَعْرَ الْبَحْرِ لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ الْقَهْرُ فَلَا يَكُونُ الْمَأْخُوذُ مِنْهُ غَنِيمَةً وَإِنْ كَانَ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً ، وَالْمَرْوِيُّ عَنْ عُمَرَ فِيمَا دَسَرَهُ الْبَحْرُ وَبِهِ نَقُولُ (مَتَاعٌ وُجِدَ رِكَازًا فَهُوَ لِلَّذِي وَجَدَهُ وَفِيهِ الْخُمُسُ) مَعْنَاهُ :إذَا وُجِدَ فِي أَرْضٍ لَا مَالِكَ لَهَا ؛ لِأَنَّهُ غَنِيمَةٌ بِمَنْزِلَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

ترجمہ:

طرفین کے نزدیک عنبر اور موتی میں خمس نہیں ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک ان دونوں میں خمس ہے اور ہر وہ زیور جو سمندر سے نکلے اس میں خمس ہے۔اس لئے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے خمس وصول کیا تھا۔اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ سمندر کے جوش وخروش پر غلبہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔لہذا جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ غنیمت نہ ہوگا خواہ وہ سونا چاندی ہی کیوں نہ ہو اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایسی صورت میں ہے جب سمندر نے اسے کنارے پر نکال پھینکا ہو اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔لہذا سامان بطور رکاز پایا گیا ہے اور یہ اسی کا ہوگا جس نے اسے پایا ہے۔اور اس میں خمس واجب ہے یعنی ایسی زمین سے حاصل کیا گیا ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے۔کیونکہ یہ مال سونے چاندی کے حساب سے غنیمت کے حکم میں ہے۔

سمندر سے نکلنے والی اشیاء میں زکوۃ میں فقہی تصریحات:

وقال ابن عباس - رضى الله عنهما - ليس العنبر بركاز هو شىء دسره البحر.

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عنبر کو رکاز نہیں کہہ سکتے۔عنبر تو ایک چیز ہے جسے سمندر کنارے پر پھینک دیتا ہے۔

وقال الحسن فى العنبر واللؤلؤ الخمس، فإنما جعل النبى صلى الله عليه وسلم فى الركاز الخمس، ليس فى الذى يصاب فى الماء .

اور امام بصری رحمہ اللہ نے کہا عنبر اور موتی میں پانچواں حصہ لازم ہے۔حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاز میں پانچواں حصہ مقرر فرمایا ہے۔تو رکاز اس کو نہیں کہتے جو پانی میں ملے۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 1498)

وقال الليث حدثنى جعفر بن ربيعة، عن عبد الرحمن بن هرمز، عن أبى هريرة - رضى الله عنه - عن النبى صلى الله عليه وسلم " أن رجلا من بنى إسرائيل سأل بعض بنى إسرائيل بأن يسلفه ألف دينار، فدفعها إليه، فخرج فى البحر، فلم يجد مركبا، فأخذ خشبة فنقرها فأدخل فيها ألف دينار، فرمى بها فى البحر، فخرج الرجل الذى كان أسلفه، فإذا بالخشبة فأخذها لأهله حطبا - فذكر الحديث - فلما نشرها وجد المال ."

اور لیث نے کہا کہ مجھ سے جعفر بن ربیعہ نے بیان کیا انہوں نے عبدالرحمٰن بن ہرمز سے انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دوسرے بنی اسرائیل کے شخص سے ہزار اشرفیاں قرض مانگیں۔اس نے اللہ کے بھروسے پر اس کو دے دیں۔اب جس نے قرض لیا تھا وہ سمندر پر گیا کہ سوار ہو جائے اور قرض خواہ کا قرض ادا کرے لیکن سواری نہ ملی۔آخر اس نے قرض خواہ تک پہنچنے سے ناامید ہو کر ایک لکڑی لی اس کو خریدا اور ہزار

اشرفیاں اس میں بھر کر وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی۔ اتفاق سے قرض خواہ کام کاج کو باہر نکلا سمندر پر پہنچا تو ایک لکڑی دیکھی اور اس کو گھر میں جلانے کے خیال سے لے آیا۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ جب لکڑی کو چیرا تو اس میں اشرفیاں پائیں۔

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ دریا میں سے جو چیزیں ملیں عنبر موتی وغیرہ ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اور جن حضرات نے ایسی چیزوں کو رکاز میں شامل کیا ہے ان کا قول صحیح نہیں۔

حضرت امام اس ذیل میں یہ اسرائیلی واقعہ لائے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ قال الاسماعیلی لیس فی هذا الحدیث شئی یناسب الترجمة رجل اقترض قرضاً فارتجع قرضه و کذا قال الداودی حدیث الخشبة لیس من هذا الباب فی شئی واجاب عبدالملك بانه اشاربه الی ان کل ماالقاه البحر جاز اخذه ولا خمس فیه الخ (فتح الباری)

یعنی اسماعیلی نے کہا کہ اس حدیث میں باب سے کوئی وجہ مناسبت نہیں ہے ایسا ہی داؤدی نے بھی کہا کہ حدیث خشبہ کو (لکڑی جس میں روپیہ ملا) اس سے کوئی مناسبت نہیں۔ عبدالملک نے ان حضرات کو یہ جواب دیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ ہر وہ چیز جسے دریا باہر پھینک دے اس کا لینا جائز ہے اور اس میں خمس نہیں ہے اس لحاظ سے حدیث اور باب میں مناسبت موجود ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وذهب الجمهور الی انه لا یجب فیه شئی یعنی جمہور اس طرف گئے ہیں کہ دریا سے جو چیزیں نکالی جائیں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

اسرائیلی حضرات کا یہ واقعہ قابل عبرت ہے کہ دینے والے نے محض اللہ کی ضمانت پر اس کو ایک ہزار اشرفیاں دے ڈالیں اور اسکی امانت و دیانت کو اللہ نے اس طرح ثابت رکھا کہ لکڑی کو معہ اشرفیوں کے قرض دینے والے تک پہنچا دیا۔ اور اس نے بایں صورت اپنی اشرفیوں کو وصول کر لیا۔ فیالواقع اگر قرض لینے والا وقت پر ادا کرنے کی صحیح نیت دل میں رکھتا ہو تو اللہ پاک ضرور ضرور کسی نہ کسی ذریعہ سے ایسے سامان مہیا کرا دیتا ہے کہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔ مگر آج کل ایسے دیانت دار عنقا ہیں۔

اموال باطنہ کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

ائمہ اربعہ اور ساری امت کا (سوائے چند شاذ لوگوں کے) اس بات پر اتفاق ہے کہ سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔ خواہ تاجر مقیم ہوں یا مسافر، ارزانی کے وقت سامان خرید کر نرخوں کے گراں ہونے کا انتظار کرنے والے تاجر ہوں۔ تجارت کا مال نئے یا پرانے کپڑے ہوں، یا کھانے پینے کا سامان۔ ہر قسم کا غلہ، پھل فروٹ، سبزی، گوشت وغیرہ۔ مٹی، چینی دھات وغیرہ کے برتن ہوں یا جاندار چیزیں غلام، گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ۔ گھر میں پلنے والی بکریاں ہوں یا جنگل میں چرنے والے ریوڑ، غرض تجارت کے ہر قسم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے۔ علاوہ ازیں شہری اموالِ تجارت بیشتر اموالِ باطنہ ہیں، جبکہ (مویشی) جانوروں

کی اکثریت اموالِ ظاہرہ ہیں۔ (القواعد النورانیہ الفقهیہ، ص 90-89 : طبع مصر)

معدن کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

امام احمد بن حنبل کے نزدیک جو کچھ زمین سے نکلا ہے اس میں زکوٰۃ واجب ہے یہاں تک اس میں سال کے گزرنے کی شعط بھی نہیں ہے۔ اور امام شافعی کا صحیح مذہب بھی اسی طرح ہے اور اسی طرح امام مالک نے کہا ہے جبکہ انہوں نے اس میں سال کے گرزنے کی شرط کا اعتبار کیا ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک وہی روایت ہے جس کو امام بخاری سمیت ائمہ ستہ نے بیان کیا ہے جو رکاز کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے۔ (البنائیہ شرح الهدایہ، ج ۴، ص ۱۲۵، حقانیہ ملتان)

بَابُ زَكَاةِ الزُّرُوعِ وَالثِّمَارِ

﴿یہ باب زمینی پیداوار اور پھلوں کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے﴾

زکوٰۃ زروع کی مطابقت کا بیان:

یہ باب زراعت اور پھلوں کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے۔ جب مصنف نے عبادت مالیہ مطلقہ کے احکام بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے عبادت مالیہ مقیدہ کے احکام شروع کیے ہیں۔ (اور یہ عمومی عرف بھی ہے کہ مطلق مقید سے مقدم ہوتا ہے لہٰذا اس لئے اس کو مؤخر ذکر کیا ہے)۔ اور عشر کا مطلب یہ ہے کہ وہ مدد جو عرف میں پہچانی جائے۔ اور یہ مقید ہے جبکہ زکوٰۃ کا اطلاق بھی اس پر ہوتا ہے اور زکوٰۃ کو مصارف زکوٰۃ کی طرف پھیرا گیا ہے۔

علامہ بدرالدین کردری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی وجہ تسمیہ میں دو شرائط ہیں اور نصاب اور اس کا باقی رہنا ہے۔ لہٰذا اس کی بقا اس کی فرع ہے۔ اور فطرانے کو عشر پر اسی لئے مقدم نہیں کیا کیونکہ عشر کی ماسبت بالزکوٰۃ اس کی بہ نسبت مضبوط ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی بناء قدرت میسرہ ہے۔ اور ان کا سبب متحد ہے اور وہ مال ہے بہ خلاف فطرانے کے کیونکہ اس کا سبب رأس ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۱۴۲، حقانیہ ملتان)

زمینی پیداوار سے عشر کا بیان:

(قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ :فِي قَلِيلِ مَا أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ وَكَثِيرِهِ الْعُشْرُ ، سَوَاءٌ سُقِيَ سَيْحًا أَوْ سَقَتْهُ السَّمَاءُ ، إلَّا الْحَطَبَ وَالْقَصَبَ وَالْحَشِيشَ .وَقَالَا :لَا يَجِبُ الْعُشْرُ إلَّا فِيمَا لَهُ ثَمَرَةٌ بَاقِيَةٌ إذَا بَلَغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ ، وَالْوَسْقُ سِتُّونَ صَاعًا بِصَاعِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .وَلَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ عِنْدَهُمَا عُشْرٌ) فَالْخِلَافُ فِي مَوْضِعَيْنِ :فِي اشْتِرَاطِ النِّصَابِ ، وَفِي اشْتِرَاطِ الْبَقَاءِ .

لَهُمَا فِي الْأَوَّلِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ) وَلِأَنَّهُ صَدَقَةٌ فَيُشْتَرَطُ فِيهِ النِّصَابُ لِيَتَحَقَّقَ الْغِنَى .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَا أَخْرَجَتْ الْأَرْضُ فَفِيهِ الْعُشْرُ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ) وَتَأْوِيلُ مَا رَوَيَاهُ زَكَاةُ التِّجَارَةِ ؛ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَتَبَايَعُونَ بِالْأَوْسَاقِ وَقِيمَةُ الْوَسْقِ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْمَالِكِ فِيهِ فَكَيْفَ بِصِفَتِهِ وَهُوَ الْغِنَى وَلِهَذَا لَا

يُشْتَرَطُ الْحَوْلُ ؛ لِأَنَّهُ لِلِاسْتِنْمَاءِ وَهُوَ كُلُّهُ نَمَاءٌ .

وَلَهُمَا فِي الثَّانِي قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ) وَالزَّكَاةُ غَيْرُ مَنْفِيَّةٍ فَتَعَيَّنَ الْعُشْرُ وَلَهُ مَا رَوَيْنَا ، وَمَرْوِيُّهُمَا مَحْمُولٌ عَلَى صَدَقَةٍ يَأْخُذُهَا الْعَاشِرُ ، وَبِهِ أَخَذَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيهِ ؛ لِأَنَّ الْأَرْضَ قَدْ تُسْتَنْمَى بِمَا لَا يَبْقَى وَالسَّبَبُ هِيَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ وَلِهَذَا يَجِبُ فِيهَا الْخَرَاجُ أَمَّا الْحَطَبُ وَالْقَصَبُ وَالْحَشِيشُ فَلَا تُسْتَنْبَتُ فِي الْجِنَانِ عَادَةً بَلْ تُنَقَّى عَنْهَا حَتَّى لَوْ اتَّخَذَهَا مُقَصَّبَةً أَوْ مُشَجَّرَةً أَوْ مَنْبَتًا لِلْحَشِيشِ يَجِبُ فِيهَا الْعُشْرُ ، وَالْمُرَادُ بِالْمَذْكُورِ الْقَصَبُ الْفَارِسِيُّ أَمَّا قَصَبُ السُّكَّرِ وَقَصَبُ الذَّرِيرَةِ فَفِيهِمَا الْعُشْرُ ؛ لِأَنَّهُ يَقْصِدُ بِهِمَا اسْتِغْلَالَ الْأَرْضِ ، بِخِلَافِ السَّعَفِ وَالتِّبْنِ ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الْحَبُّ وَالتَّمْرُ دُونَهُمَا .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو۔ اور اسی طرح خواہ اسے جاری پانی یا بارش کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو۔ جبکہ نزکل، ایندھن اور گھاس میں نہیں۔ اور صاحبین نے کہا عشر صرف ان میں واجب ہے جن کا پھل باقی رہتا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ پانچ وسق ہو جائے۔ اور ایک وسق نبی کریم ﷺ کے صاع سے ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔ یہاں اختلاف دو جگہوں میں ہے۔ (۱) نصاب کی شرط لگانے میں ہے۔ (۲) بقاء کی شرط لگانے میں ہے۔ پہلی صورت میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پانچ وسق سے کم پر صدقہ نہیں ہے۔ (بخاری) لہٰذا عشر بھی زکوٰۃ ہی ہے۔ پس اس میں ثبوت غناء کیلئے نصاب شرط ہوگا۔ اور حضرت سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زمین نے جو کچھ نکالا ہے اس میں عشر ہے۔ (مشکوٰۃ) اس میں کسی قسم کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اور صاحبین کی بیان حدیث کی تاویل یہ ہے کہ زکوٰۃ تجارت ہے۔ اس لئے کہ لوگ اوساق کے ساتھ خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اور ایک وسق کی قیمت چالیس دراہم تھی اور اس میں مالک کا اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی صف یعنی غناء کا اعتبار کس طرح کیا جائے؟ اور اسی دلیل کی وجہ سے سال گزرنے کی شرط بھی نہیں ہے۔ اس لئے سال کا گزرنا نمو حاصل کرنے کیلئے تھا۔ یہ تو سارے کا سارا نمو (بڑھوتی) ہے۔ اور صاحبین کی دلیل دوسری شرط میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے (سنن دار قطنی) اور جب زکوٰۃ کی نفی ہوئی تو عشر ہی متعین ہو گیا۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل وہی حدیث ہے جسے روایت کر چکے ہیں۔ اور صاحبین کی بیان کردہ حدیث اس صدقہ پر محمول ہے جس کو عاشر وصول کرتا ہے۔ اور روایت میں امام اعظم علیہ الرحمہ بھی اسی سے استدلال فرماتے ہیں۔ اور اس دلیل کی وجہ سے بھی زمین سے نمو ایسی چیز سے حاصل ہوتا ہے جو باقی رہنے والی

ہی نہیں ہے۔اور سبب بھی یہی یعنی زمین کا نامی ہونا ہے۔اور اس میں خراج بھی اسی وجہ سے واجب ہے۔اور ایندھن ،نزکل (بانس) کی لکڑی اور گھاس کا حکم تو عرف عام کے مطابق باغات میں نہیں لگائی جاتیں۔ بلکہ ان کو باغات سے اکھاڑا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر مالک اس کو نزکل کا کھیت یا ایندھن کے درختوں کا باغ یا گھاس اگانے ہی جگہ بنالے۔تو اس میں عشر واجب ہوگا۔اور یہاں نزکل سے مراد فارسی نزکل ہے۔البتہ گنے اور چرائتہ ان دونوں میں عشر واجب ہے۔ کیونکہ ان دونوں سے زمین کی پیداوار مقصود ہوتی ہے۔ بہ خلاف کھجور کی شاخوں اور بھوسے کے کیونکہ ان میں مقصود چھوارہ اور دانہ ہوتا ہے۔بھوسہ اور شاخیں غیر مقصود ہوتی ہیں

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک عشر کا حکم شرعی:

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ سے اختلاف ہے کیونکہ آپ کے نزدیک علی الاطلاق عشر واجب ہے اور آپ کا استدلال اس آیت مبارکہ سے ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ (البقرہ،۲۶۷)

اے ایمان والو اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو۔اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا۔ اور خاص ناقص کا ارادہ نہ کرو کہ دو تو اس میں سے ۔اور تمہیں ملے تو نہ لو گے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ سراہا گیا ہے۔کنز الایمان)

حضرت امام ابوحنیفہ کے ہاں ہر اس چیز میں عشر یعنی دسواں حصہ نکالنا واجب ہے جو زمین سے پیدا ہو خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہو لیکن بانس، لکڑی اور گھاس میں عشر واجب نہیں ہے اس بارے میں حضرت امام صاحب کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ **ما اخرجتہ الارض ففیہ العشر**۔زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں دسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔

زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہونے کے لیے کسی مقدار معین کی شرط نہیں ہے اسی طرح سال گزرنے کی بھی قید نہیں بلکہ جس قدر اور واجب بھی پیداوار ہوگی اسی وقت دسواں حصہ نکالنا واجب ہو جائے گا دوسرے مالوں کے برخلاف کہ ان میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ بقدر نصاب ہوں اور ان پر ایک سال پورا گزر جائے۔

زمین کی پیداوار پر عشر دینے میں فقہی بیان:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس چیز کو آسمان نے یا چشموں نے سیراب کیا ہو یا خود زمین سرسبز و شاداب ہو تو اس میں دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور جس زمین کو بیلوں یا اونٹوں کے ذریعے کنویں سے سیراب کیا گیا ہو تو اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ واجب ہے (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ جو زمین بارش سے سیراب کی جاتی ہو یا چشموں، نہروں اور ندی نالوں کے ذریعے اس میں پانی آتا ہو تو ایسی زمین سے جو بھی غلہ وغیرہ پیدا ہوگا اس میں سے دسواں حصہ بطور زکوٰۃ دینا واجب ہوگا۔

عشری اس زمین کو کہتے ہیں جسے عاثور سیراب کیا جائے اور عاثور اس گڑھے کو کہتے ہیں جو زمین پر بطور تالاب کھودا جاتا ہے اس میں سے کھیتوں وغیرہ میں پانی لے جاتے ہیں۔بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ عشری اس زمین کو کہتے ہیں جو پانی کے قریب ہونے کی وجہ سے ہمیشہ تروتازہ اور سرسبز و شاداب رہتی ہے۔

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر نے انہیں ان کے والد نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ زمین جسے آسمان (بارش کا پانی) یا چشمہ سیراب کرتا ہو۔ یا وہ خود بخود نمی سے سیراب ہو جاتی ہو تو اس کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جائے اور وہ زمین جسے کنویں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے۔ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا کہ یہ حدیث یعنی عبداللہ بن عمر کی حدیث کہ جس کھیتی میں آسمان کا پانی دیا جائے دسواں حصہ ہے پہلی حدیث یعنی ابوسعید کی حدیث کی تفسیر ہے۔اس میں زکوٰۃ کی کوئی مقدار مذکور نہیں ہے اور اس میں مذکور ہے۔اور زیادتی قبول کی جاتی ہے۔اور گول مول حدیث کا حکم صاف صاف حدیث کے موافق لیا جاتا ہے۔ جب اس کا راوی ثقہ ہو۔جیسے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز نہیں پڑھی۔لیکن بلال رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ آپ نے نماز (کعبہ میں) پڑھی تھی۔اس موقع پر بھی بلال رضی اللہ عنہ کی بات قبول کی گئی اور فضل رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ دیا گیا۔

اصول حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ثقہ اور ضابط شخص کی زیادتی مقبول ہے۔اسی بنا پر ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ زکوٰۃ میں مال کا کون سا حصہ لیا جائے گا یعنی دسواں حصہ یا بیسواں حصہ اس حدیث یعنی ابن عمر کی حدیث میں زیادتی ہے تو یہ زیادتی واجب القبول ہوگی۔بعضوں نے یوں ترجمہ کیا ہے یہ حدیث یعنی ابوسعید کی حدیث پہلی حدیث یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نصاب کی مقدار مذکور نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک پیداوار سے دسواں حصہ یا بیسواں حصہ لیے جانے کا اس میں ذکر ہے۔خواہ پانچ وسق ہو یا اس سے کم ہو۔اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تفصیل ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔تو یہ زیادتی ہے۔اور زیادتی ثقہ اور معتبر راوی کی مقبول ہے۔

زمینی پیداوار میں قید وسق میں مذاہب اربعہ:

غلہ اور پھلوں کے نصاب عشر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔حضرت امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک پانچ وسق کو نصاب قرار دیا گیا ہے۔جبکہ حضرت امام اعظم کے نزدیک وسق کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ زمینی پیداوار میں جس بھی پھل اور سبزیاں ہیں ان کی مقدار کے مطابق ان میں عشر یا نصف عشر دینا واجب ہے۔(المغنی، ج ۲، ص ۲۹۰، بیروت)

عشر کس میں واجب ہے اور بیسواں حصہ کس میں؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو غلہ بارش نہر

اورچشموں کے پانی سے پیدا ہو یازمین کی تری سے اس کی پیداوار ہو تو اس میں دسواں حصہ وصول کیا جائے گا اور جو کچھ اونٹوں سے سینچا جائے یاڈول سے سنچائی کی جائے تو اس میں بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ (سنن نسائی، کتاب الزکوۃ)

غلہ وکھجور کی زکوۃ کا حکم شرعی:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا غلہ اور کھجور میں اس وقت تک زکوۃ واجب نہیں جب تک کہ ان کی مقدار پانچ وسق (پچیس من ساڑھے بارے سیر) نہ ہو۔ (نسائی)

نصف عشر کے وجوب کا بیان:

قَالَ : (وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْ سَانِيَةٍ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ) ؛ لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ وَتَقِلُّ فِيمَا يُسْقَى بِالسَّمَاءِ أَوْ سَيْحًا وَإِنْ سُقِيَ سَيْحًا وَبِدَالِيَةٍ فَالْمُعْتَبَرُ أَكْثَرُ السَّنَةِ كَمَا مَرَّ فِي السَّائِمَةِ . (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : فِيمَا لَا يُوسَقُ كَالزَّعْفَرَانِ ، وَالْقُطْنِ يَجِبُ فِيهِ الْعُشْرُ إذَا بَلَغَتْ قِيمَتُهُ قِيمَةَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنْ أَدْنَى مَا يُوسَقُ) كَالذُّرَةِ فِي زَمَانِنَا ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ التَّقْدِيرُ الشَّرْعِيُّ فِيهِ فَاعْتُبِرَتْ قِيمَتُهُ كَمَا فِي عُرُوضِ التِّجَارَةِ (وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَجِبُ الْعُشْرُ إذَا بَلَغَ الْخَارِجُ خَمْسَةَ أَعْدَادٍ مِنْ أَعْلَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ نَوْعُهُ . فَاعْتُبِرَ فِي الْقُطْنِ خَمْسَةُ أَحْمَالٍ كُلُّ حِمْلٍ ثَلَاثُمِائَةِ مَنٍّ ، وَفِي الزَّعْفَرَانِ خَمْسَةُ أَمْنَاءٍ) ؛ لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِالْوَسْقِ كَانَ بِاعْتِبَارِ أَنَّهُ أَعْلَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ نَوْعُهُ .

ترجمہ:

جوزمین ڈول، رہٹ یا اونٹنی سے سیراب کی گئی ہو تو اس میں نصف عشر ہے۔ دونوں اقوال کے مطابق یہی حکم ہے کیونکہ اس میں مشقت زیادہ ہے۔ اور جس کو دریا یا بارش کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو تو اس میں مشقت تھوڑی ہے۔ اور دریا کے پانی یا کسی بڑے ڈول سے سیراب کیا گیا تو اس میں سال کے اکثر حصے کا اعتبار کریں گے جس طرح سائمہ جانوروں میں سال کے اکثر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک ایسی چیزوں میں عشر واجب ہے۔ جو ایک وسق نہیں ہیں جس طرح زعفران اور روئی ہے۔ جب وہ ایسے پانچ اوسق کو پہنچ جائے تو ادنیٰ وسق سے ہوں جس طرح ہمارے دور میں جوار ہے۔ اس لئے جب کوئی چیز غیر وسق سے ہو تو اس میں شرعی نصاب کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ تو پھر اس کی قیمت کا اندازہ کریں گے۔ جس طرح تجارت کے سامان میں ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ اس میں عشر واجب ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی پیداوار ایسی نوع

سے ہو جس کا اندازہ کرنا ممکن ہو اور اعلیٰ درجے کے حساب سے پانچ عدد کو پہنچ جائے۔ لہٰذا امام محمد علیہ الرحمہ نے روئی کے اندر پانچ حمل کا اعتبار کیا ہے اور ہر حمل (بڑی گانٹھ) تین سو من کی ہوتی ہے جبکہ زعفران میں پانچ من کا اعتبار کیا ہے کیونکہ وسق کا اعتبار اسی طرح ہوتا ہے۔ یہی سب سے اعلیٰ حساب ہے۔ جس کے ساتھ اندازہ کیا جاتا ہے۔

جس میں عشر یا عشر کا نصف ہے اس کا بیان:

سیدنا جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جس (کھیت) میں نہروں اور بارش (کے ذریعے) سے پانی دیا جائے اس میں عشر (یعنی دسواں حصہ) زکوۃ ہے اور جو اونٹ لگا کر سینچی جائے اس میں نصف العشیر (یعنی بیسواں حصہ زکوۃ) فرض ہے (صحیح مسلم،503)

عشر یعنی کھیتی اور پھلوں کی زکوۃ کا بیان:

۴. اگر زمین ایسی ہو جس کو بارش کے پانی نے سیراب کیا ہو یا ندی، نالوں اور نہروں کے جاری پانی سے بغیر آلات کے سیراب ہوئی ہو تو اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے، اور اگر چرس یا رہٹ وغیرہ آلات کے ذریعہ پانی دیا ہو، یا پانی مول لیکر سیراب کیا ہو تو اُس زمین کی پیداوار میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے اگر سال کا کچھ حصہ ندی نالوں وغیرہ سے پانی دیا اور کچھ آلات یعنی چرس اور رہٹ وغیرہ سے دیا تو سال کے نصف سے زیادہ حصہ میں جس طرح پانی دیا جائے گا اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر دونوں طرح برابر پانی دیا ہو تو بیسواں حصہ واجب ہے کھیتی کے اخراجات مثلاً کام کرنیوالوں کی مزدوری بیلوں وغیرہ کا خرچہ، نہروں کی کھدائی، محافظ کی اجرت اور بیج وغیرہ اس میں سے وضع نہیں کئے جائیں گے بلکہ ان کو منہا کئے بغیر کل آمدنی میں سے دسواں یا بیسواں حصہ لیا جائے گا۔

۵. خراجی پانی وہ ہے جن پر پہلے کفار کا قبضہ تھا پھر مسلمانوں نے ان سے زبردستی لے لیا ہو اس کے علاوہ سب پانی عشری ہیں، دریاؤں اور بارشوں کا پانی تو عشری ہے ہی کنوئیں اور چشمے وغیرہ جن کو اسلام کے غلبہ کے بعد مسلمانوں نے بنایا ہو یا جن کا کچھ حال معلوم نہ ہو وہ سب اسلامی ہوں گیا وران کا پانی عشری ہوگا۔

۶. اگر کسی شخص نے عشری زمین اجارہ پر دی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک عشر مالک پر واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک مستاجر پر واجب ہوگا بعض کے نزدیک صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے اور متاخرین کی ایک جماعت نے امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا ہے پس اگر مالک زمین کی پوری اجرت لیتا ہو اور مستاجر کے پاس بہت کم بچے تو امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور عشر مالکِ زمین سے لیا جائے اور اگر مالک کم اجرت لے اور مستاجر کے پاس زیادہ بچے تو فتویٰ صاحبین کے قول پر دیا جائے اور عشر مستاجر سے لیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

.اگر کسی مسلمان نے زمین مانگ کر زراعت کی تو زمین مانگ کر لینے والے پر عشر واجب ہوگا اور اگر کافر کو زمین مانگی ہوئی دی

تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مالکِ زمین پر عشر واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اس کافر پر عشر واجب ہے امام صاحب سے بھی ایک روایت میں اسی طرح ہے لیکن امام محمد کے نزدیک ایک عشر واجب ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک دو عشر واجب ہوں گے ۸۔

اگر زمین مزارعت (کھیتی کی شرکت) پر دی تو صاحبین کے قول کے بموجب کاشتکار اور زمیندار دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق عشر واجب ہوگا اسی پر فتویٰ ہے

۹۔ اگر عشری زمین کو کوئی شخص غصب کر کے اس میں کھیتی کرے، پھر اس میں زراعت سے کچھ نقصان نہ ہو تو زمین کے مالک پر عشر واجب نہ ہوگا بلکہ غاصب پر واجب ہوگا اور اگر زراعت سے اس میں نقصان ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمین کے مالک پر عشر واجب ہوگا صاحبین کے نزدیک پیداوار میں ہے

۰۔ عشری زمین جس میں زراعت تھی اور وہ تیار ہو چکی تھی، اگر اس کو مالک نے مع زراعت کے فروخت یا فقط زراعت بیچی تو بیچنے والے پر عشر واجب ہوگا خریدار پر نہ ہوگا اور اگر زمین بیچی اور زراعت ابھی سبز تھی اگر خریدار نے اس کو اسی وقت جدا کر دیا تو عشر بیچنے والے پر ہوگا اور اگر پکنے تک اس کو رکھا تو عشر خریدار پر واجب ہوگا یعنی اگر صرف کھیتی بیچی اور وہ پک چکی ہے یا ابھی نہیں پکی لیکن خریدار نے مالک زمین کی اجازت سے پکنے تک بدستور رہنے دیا تو عشر خریدار پر ہے اور اگر زمین کھیتی کے بغیر بیچی اور اس کو خریدار کے سپرد کر دیا اور فصل کے لئے تین مہینے ابھی باقی ہیں تو عشر خریدار پر ہے ورنہ بائع پر ہے، اور اگر زمین کو کھیتی کے ساتھ بیچا اور وہ کھیتی ابھی کچی (سبز) ہے تو ہر حال میں خریدار پر عشر ہے، اور اگر دانہ بن چکا تھا اور کھیتی پک چکی تھی تو عشر بائع پر ہے اور اگر خریدار نے کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا اور اس نے تیسرے کے ہاتھ بیچ دیا یہاں تک کہ زراعت کا وقت جاتا رہا تو عشر کسی پر لازم نہیں ہوگا

۱۱۔ جس زمین کا کوئی مالک نہ ہو یعنی سرکاری زمین ہو اور وہ حکومت کو اس کا محصول دیتے ہوں تو ان پر عشر واجب نہیں ہے

۱۲۔ اگر عشری اناج کو بیچا تو صدقہ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ خریدار سے اس کا عشر لے یا بائع سے لے

۱۳۔ عشر کے واجب ہونے کا وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ ہے کہ جب کھیتی اُگ جائے اور پھل ظاہر ہو جائیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک کھیتی یا پھل پکنے کے وقت ہے اور امام محمد کے نزدیک کاٹ کر اور روند کر دانے نکالنے کے وقت ہے (امداد الفتاوی میں فتوی کے لئے امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا گیا ہے) اگر اپنی زمین کا عشر زراعت کرنے سے پہلے یا بیج بونے کے بعد اگنے سے پہلے ادا کر دیا تو جائز نہیں اور اگر بونے اور اگنے کے بعد ادا کیا تو جائز ہے اگر پھلوں کا عشر پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد دیا تو جائز ہے اور اگر پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے دیا تو جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ اگر عشر ادا کرنے سے پہلے اس کی پیداوار کھائے تو اس کے عشر کا ضمان دیگا عشر جدا کرنے کے بعد باقی مال کا کھانا حلال ہے، اسی طرح اگر کل پیداوار کا عشر ادا کرنے کا ارادہ ہے تب بھی کھانا حلال ہے اور اگر دستور کے موافق تھوڑا سے کھا لے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

۱۵۔ اگر فصل کٹنے کے بعد اس کے فعل کے بغیر کچھ پیداوار تلف یا چوری ہوگئی تو جس قدر باقی ہے اس میں عشر واجب ہوگا ضائع

شدہ میں واجب نہیں، اگر سب پیداوار ہلاک ہو جائے تو کل کا عشر ساقط ہو جائے گا، اگر مالک خود ہلاک کر دے تو عشر ضامن ہوگا اور وہ اس کے ذمہ قرض ہو جائے گا اور اگر مالک کے علاوہ کوئی اور شخص ہلاک کر دے تو مالک اس سے ضمان لے گا اور اس میں سے عشر ادا کریگا۔

۱۶۔ مرتد ہونے سے عشر ساقط ہو جاتا ہے۔ (کیونکہ مرتد واجب القتل ہے)۔

۱۷۔ اگر مالک وصیت کئے بغیر مر جائے تب بھی عشر ساقط ہو جائے گا جبکہ اس نے پیداوار کو خود تلف کر دیا ہو اور اگر کوئی شخص جس پر عشر تھا مر گیا اور اناج موجود ہے تو اس میں سے عشر لیا جائے گا بخلاف زکوۃ کے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

غلات اربعہ کی زکوۃ میں مذاہب اربعہ:

غلات اربعہ (جو، گیہوں، کشمش اور خرما) پر زکات کے وجوب میں اہل سنت کے تمام مذاہب متفق ہیں ان سبھوں کا نظریہ یہ ہے کہ اگر بارش کے پانی سے کھیتی ہوئی ہے تو عُشر اور اگر سنچائی سے ہوئی ہے تو فیصد یعنی نصف عُشر زکات واجب ہے۔

حنفی مذہب کے علاوہ اہل سنت کے سارے مذاہب غلات اربعہ میں حد نصاب کو معتبر جاتے ہیں، حد نصاب ۵ وسق ہے اور ہر وسق ۶۰ صاع ہے، جو مجموعہ ۹۱۰ کلوگرام کے لگ بھگ ہوتا ہے اس سے کم میں زکات واجب نہیں ہے مگر حنفی مذہب میں اس مقدار سے کم ہو یا زیادہ زکات واجب ہے۔ غلوں اور زراعت کی نوعیت میں ہر مذہب میں اختلاف ہے حنفی کہتے ہیں، سبزی، نرکٹ اور لکڑی کے علاوہ زمین سے نکلنے والی تمام چیزوں میں زکات واجب ہے۔

مالکی اور شافعی کہتے ہیں زکات ان تمام چیزوں میں واجب ہے جنھیں انسان سال بھر کے خرچہ کے لئے ذخیرہ کرتا ہے جیسے گیہوں، جو خرما اور کشمش، حنبلی کہتے ہیں : ہر وہ چیز جو تولی اور وزن کی جائے اس میں زکات واجب ہے۔

غلات کی زکوۃ میں اہل تشیع کا نظریہ:

امامیہ کے نظریہ کے مطابق زکات صرف غلات اربعہ، گیہوں، جو، خرما اور کشمش میں حد نصاب تک پہنچنے کے بعد واجب ہے اس کے علاوہ میں واجب نہیں ہے، ہاں مستحب ہے۔ (وسائل شیعہ)

جب کسی نے زمین سے شہد حاصل کیا تو عشر کا حکم:

(وَفِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ إِذَا أُخِذَ مِنْ أَرْضِ الْعُشْرِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجِبُ ؛ لِأَنَّهُ مُتَوَلِّدٌ مِنَ الْحَيَوَانِ فَأَشْبَهَ الْإِبْرَيْسَمَ . وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ) وَلِأَنَّ النَّحْلَ يَتَنَاوَلُ مِنَ الْأَنْوَارِ وَالثِّمَارِ وَفِيهِمَا الْعُشْرُ فَكَذَا فِيمَا يَتَوَلَّدُ مِنْهُمَا بِخِلَافِ دُودِ الْقَزِّ ؛ لِأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ مِنَ الْأَوْرَاقِ وَلَا عُشْرَ فِيهَا . ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَجِبُ فِيهِ الْعُشْرُ قَلَّ أَوْ كَثُرَ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ النِّصَابَ . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ

اللَّهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِيهِ قِيمَةُ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ كَمَا هُوَ أَصْلُهُ .

وَعَنْهُ أَنَّهُ لَا شَيْءَ فِيهِ حَتَّى يَبْلُغَ عَشْرَ قِرَبٍ لِحَدِيثِ (بَنِي شَبَّابَةَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُؤَدُّونَ إلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ) وَعَنْهُ خَمْسَةُ أَمْنَاءٍ ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ خَمْسَةُ أَفْرَاقٍ كُلُّ فَرَقٍ سِتَّةٌ وَثَلَاثُونَ رِطْلًا ؛ لِأَنَّهُ أَقْصَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ .وَكَذَا فِي قَصَبِ السُّكَّرِ وَمَا يُوجَدُ فِي الْجِبَالِ مِنْ الْعَسَلِ وَالثِّمَارِ فَفِيهِ الْعُشْرُ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَجِبُ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ وَهُوَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ ، وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْمَقْصُودَ حَاصِلٌ وَهُوَ الْخَارِجُ .

ترجمہ:

اورشہد جب عشری زمین سے حاصل کیا گیا تو اس میں عشر واجب ہے۔اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ شہد میں کچھ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ حیوان سے بنا ہے لہٰذا وہ ریشم کی طرح ہو گیا۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا شہد میں عشر واجب ہے۔ کیونکہ شہد کی مکھی پھلوں اور شگوفوں کو چوستی ہے اور ان دونوں میں عشر واجب ہے۔ پس اس میں بھی عشر ہوگا۔ جو ان دونوں سے پیدا ہوا ہے۔ بہ خلاف ریشم کے کیڑوں کے کیونکہ پتیاں کھاتے ہیں اور پتیوں میں عشر نہیں ہوتا۔ پھر حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک شہد میں عشر واجب نہیں ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔اس لئے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ اس میں نصاب کا اعتبار نہیں کرتے۔اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ شہد میں پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں۔ جس طرح وہ انہیں حاصل ہے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ شہد میں کچھ واجب نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ دس مشکیزوں کی مقدار کو پہنچ جائے۔اور اس کی دلیل بنی شبابہ والی حدیث ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اسی طرح کرتے تھے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یہ روایت بھی ہے کہ شہد جب پانچ من ہو جائے تو اس میں عشر واجب ہے۔اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک پانچ فرق ہے اور ایک فرق میں چھتیس (۳۶) رطل ہوتے ہیں۔ کیونکہ فرق کا معیاری پیمانہ ہے۔ گنے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے اور جو پھل اور شہد پہاڑوں میں پائے جائیں ان میں بھی عشر واجب ہے۔اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ان میں عشر نہیں ہے۔ کیونکہ سبب معدوم ہے یعنی زمین نامی نہ پائی گئی۔اور ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے کہ مقصود حاصل ہے اور وہ پیداوار کا ہونا ہے۔

شہد کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہی اختلاف کا بیان:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد کی زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ ہر دس مشک میں ایک مشک بطور زکوٰۃ واجب ہے (ترمذی اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے نیز اس بارے

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر احادیث جو نقل کی جاتی ہیں وہ صحیح نہیں۔

شہد کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے حضرت امام شافعی تو فرماتے ہیں کہ شہد میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک شہد میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ کم مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں ہو بشرطیکہ عشری زمین میں نکلا ہو۔ان کی دلیل یہ ارشاد گرامی ہے کہ زمین کی ہر پیداوار میں عشر ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ شہد کا دسواں حصہ لے کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور انہوں نے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنگل کہ جس کا نام سلبہ تھا وہ میرے واسطے مقرر فرمادیں (تاکہ کوئی دوسرا شخص وہاں سے شہد کا چھتہ نہ توڑ سکے) چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ جنگل ان کے واسطے متعین فرمادیا جس وقت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو سفیان بن وصب نے ان کو تحریر فرمایا اور بذریعہ تحریر دریافت فرمایا کہ وہ جنگل بلال رضی اللہ عنہ کے پاس رہے یا نہ رہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا اگر وہ تجھ کو شہد کا دسواں حصہ ادا کرتے رہیں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو حصہ ادا کرتے تھے اگر تم کو بھی بلال اسی قدر حصہ ادا کرتے رہیں وہ جنگل بلال کے پاس ہی رہنے دو اور اگر وہ اس قدر حصہ ادا نہ کریں تو بارش کی مکھیاں شہد دیتی ہیں جس شخص کا دل چاہے وہ اس کو کھائے۔(سنن نسائی، کتاب الزکوٰۃ)

شہد کی زکوٰۃ میں مذاہب اربعہ:

حنفی اور حنبلی مذاہب میں شہد میں ۱۰ فیصد زکات واجب ہے، مالکی اور شافعی مذہب شہد میں زکات کے قائل نہیں ہیں۔ قرضاوی تمام مذاہب کے نظریوں کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں شہد مال ہے اور اس کے ذریعہ تجارت کی جاتی ہے لہٰذا اس میں زکات واجب ہے۔(عبدالرحمٰن جزیری، ابن رشد، محمد جواد مغنیہ، الفقہ علی المذاہب الخمسہ)

کام کرنے والوں اور بیلوں کے خرچے کا حساب نہیں لگایا جائے گا:

قَالَ (وَكُلُّ شَيْءٍ أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ مِمَّا فِيهِ الْعُشْرُ لَا يُحْتَسَبُ فِيهِ أَجْرُ الْعُمَّالِ وَنَفَقَةُ الْبَقَرِ) ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَكَمَ بِتَفَاوُتِ الْوَاجِبِ لِتَفَاوُتِ الْمُؤْنَةِ فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا .

ترجمہ:

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہر وہ چیز جس کو زمین سے نکالا جائے اور اس میں عشر واجب ہو تو اس میں کام کرنے والوں کی مزدوری اور بیلوں کے چارے کا حساب نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اختلاف مشقت کی وجہ سے مختلف واجبات کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔(بخاری، ج ۱، ص ۲۰۱) لہٰذا خرچے کے حساب کرنے کا کوئی مطلب نہ ہوگا۔

شرح

جانوروں کی زکوٰۃ میں سائمہ اور غیر سائمہ کے احکام بیان کردیئے گئے ہیں اور وہاں ان جانوروں کا بیان تفصیل سے مصنف نے ذکر کردیا ہے کہ ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اور کام کاج کرنے والے بیلوں کے چارے کا حساب نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ ان کا حکم بیان کردہ جانوروں کی اقسام میں سے کسی میں بھی آنے والا نہیں ہے۔

تغلبی کی زمین سے دوگناہ عشر کے وجوب کا بیان:

قَالَ (تَغْلِبِيٌّ لَهُ أَرْضُ عُشْرٍ عَلَيْهِ الْعُشْرُ مُضَاعَفًا) عُرِفَ ذَلِكَ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ .وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ :أَنَّ فِيمَا اشْتَرَاهُ التَّغْلِبِيُّ مِنْ الْمُسْلِمِ عُشْرًا وَاحِدًا ؛لِأَنَّ الْوَظِيفَةَ عِنْدَهُ لَا تَتَغَيَّرُ بِتَغَيُّرِ الْمَالِكِ (فَإِنْ اشْتَرَاهَا مِنْهُ ذِمِّيٌّ فَهِيَ عَلَى حَالِهَا عِنْدَهُمْ) لِجَوَازِ التَّضْعِيفِ عَلَيْهِ فِي الْجُمْلَةِ كَمَا إذَا مَرَّ عَلَى الْعَاشِرِ (وَكَذَا إذَا اشْتَرَاهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ أَوْ أَسْلَمَ التَّغْلِبِيُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) سَوَاءٌ كَانَ التَّضْعِيفُ أَصْلِيًّا أَوْ حَادِثًا ؛لِأَنَّ التَّضْعِيفَ صَارَ وَظِيفَةً لَهَا .

فَتَنْتَقِلُ إلَى الْمُسْلِمِ بِمَا فِيهَا كَالْخَرَاجِ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَعُودُ إلَى عُشْرٍ وَاحِدٍ) لِزَوَالِ الدَّاعِي إلَى التَّضْعِيفِ قَالَ فِي الْكِتَابِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا صَحَّ عَنْهُ :قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ :اخْتَلَفَتْ النُّسَخُ فِي بَيَانِ قَوْلِهِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي بَقَاءِ التَّضْعِيفِ ، إلَّا أَنَّ قَوْلَهُ لَا يَتَأَتَّى إلَّا فِي الْأَصْلِيِّ ؛لِأَنَّ التَّضْعِيفَ الْحَادِثَ لَا يَتَحَقَّقُ عِنْدَهُ لِعَدَمِ تَغَيُّرِ الْوَظِيفَةِ

ترجمہ:

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرماتے ہیں کہ تغلبی شخص کی زمین سے دوگنا واجب ہوگا۔ کہ حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع معلوم ہوئی ہے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ سے ایک روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ اگر تغلبی نے وہ زمین مسلمانوں سے خریدی ہے تو پھر اس میں صرف عشر واجب ہوگا۔ اس لئے کہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ملک کی تبدیلی سے حکم تبدیل نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی تغلبی نے یہ زمین کسی ذمی سے خریدی تو بالاتفاق وہ اپنی حالت پر رہے گا۔ کیونکہ ذمی پر ہر حال میں دوگنے کا وجوب ہے۔ جس طرح کہ جب وہ عاشر کے پاس سے گزرا ہے۔ اور اسی طرح اگر تغلبی سے کسی مسلمان نے یہ زمین خریدی یا وہ تغلبی ہی مسلمان ہوگیا تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہر حال میں دوگنا ہوگا۔ چاہے وہ دوگنا ہونا اصلی اعتبار سے ہو کسی حدثی اعتبار سے ہو۔ کیونکہ

اس زمین کا عشر دوگنا ہی ہے۔

لہٰذا یہ زمین مسلمان کی طرف خراج سمیت اپنے تمام احکام کے ساتھ منتقل ہوجائے گی۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ زمین ایک عشر کی طرف لوٹنے والی ہے۔ کیونکہ اس میں دوگنا ہونے کا حکم تھا وہ ختم ہوچکا ہے۔ اور کتاب (مبسوط) میں ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ کا صحیح قول یہی ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے کہا ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ کے قول کے بارے میں مختلف نسخے ہیں۔ اور سب سے زیادہ صحیح یہ روایت ہے کہ دوگنا ہونے میں امام محمد علیہ الرحمہ کا قول حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے ساتھ ہے۔ البتہ امام محمد علیہ الرحمہ کے قول سے اصلی دوگنیت حاصل نہ ہوگی۔ کیونکہ جو دوگنیت حادثی ہے وہ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ (ان کے نزدیک) حکم میں متغیر نہیں ہوتا۔ (یعنی تبدیل ملکیت کی صورت میں حکم متغیر نہیں ہوتا جبکہ احناف کے نزدیک یہ طے شدہ اصول ہے کہ تبدیلی ملکیت سے حکم بدل جاتا ہے (نورالانوار وغیرہ)

بنو تغلب کے نصاریٰ کے متعلق عہد صحابہ میں جاری شدہ حکم فقہی:

عہد صحابہ میں بنو تغلب کے نصاریٰ نے جب اصرار کیا کہ وہ اہل عجم کی طرح 'جزیہ' ادا نہیں کریں گے بلکہ ان سے صدقہ یا زکوٰۃ وصول کی جائے تو سیدنا عمرؓ نے ابتداء ان کے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا، تاہم یہ دیکھتے ہوئے کہ بنو تغلب شام کی سرحد کے قریب آباد ہیں اور دشمن کے مقابلے میں ان کے تعاون کی مسلمانوں کو اشد ضرورت ہے، انھوں نے مصلحت اور مجبوری کے تحت ان کے رؤوس پر 'جزیہ' عائد کرنے کے بجائے ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ اس سے معاملے کی حقیقی نوعیت بالکل مختلف ہوگئی تھی، تاہم انھوں نے ان سے یہ کہنا مناسب سمجھا کہ تم اسے جو چاہو نام دے لو، ہم تم سے وصول کی جانے والی رقم کو 'جزیہ' ہی کہیں گے۔ (بلاذری، فتوح البلدان ۱/۲۱۶)

امام لیث بن سعد نے اس صلح کی نوعیت یوں بیان کی ہے :

انما الصلح بيننا وبين النوبة على ان لا نقاتلهم ولا يقاتلوننا وانهم يعطوننا رقيقا ونعطيهم طعاما (ابو عبيد، الاموال، ۲۳۶)

"ہمارے اور اہل نوبہ کے مابین صلح اس بات پر ہوئی ہے کہ نہ وہ ہم سے لڑیں گے اور نہ ہم ان سے، اور یہ کہ وہ ہمیں غلام مہیا کریں گے اور ہم اس کے عوض میں انھیں آٹا دیں گے۔"

اسی طرح بعض گروہوں کو اس شرط پر جزیہ سے مستثنیٰ قرار دینے کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ وہ جنگوں میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ (معجم البلدان، ۲/۱۲۱)

جہاں تک بعد کی فقہی روایت کا تعلق ہے تو فقہا بالعموم اہل ذمہ کے لیے 'جزیہ' کی ادائیگی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ 'جزیہ' ان کے کفر پر قائم رہنے کی سزا اور اسلام کے مقابلے میں ان کی ذلت و رسوائی کی علامت ہے اور اپنی اس علامتی اہمیت ہی کی وجہ سے مسلمانوں کے مقابلے میں اہل ذمہ کی محکومانہ حیثیت کو واضح کرتا ہے۔ فقہا اس کی حکمت یہ بتاتے ہیں کہ جن کفار نے دین حق کو قبول

کرنے سے انکار کر دیا ہے، وہ مسلمانوں کے زیر دست رہتے ہوئے ہر دم اپنی پستی اور محکومی کا مشاہدہ کریں اور انھیں احساس ہو کہ یہ ان کے کفر پر قائم رہنے کی سزا ہے۔ اس طرح ان میں یہ داعیہ پیدا ہوگا کہ وہ اس ذلت سے بچنے کے لیے کفر و شرک کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ (الموسوعۃ الفقہیہ، 'جزیہ' ۱۵/۱۵۸۔ ابن العربی، احکام القرآن، ۲/۴۸۱) یہ مقصد چونکہ 'جزیہ' ہی کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے، اس لیے فقہا یہ کہتے ہیں کہ اگر غیر مسلم 'جزیہ' کی ادائیگی کے بغیر پر امن تعلقات قائم کرنے کی پیش کش کریں تو قبول نہیں کی جائے گی۔ (جصاص، احکام القرآن، ۳/۴۲۸) حتیٰ کہ اگر اس شرط پر صلح کے لیے آمادہ ہوں کہ ان کو قیدی بنائے بغیر اور مسلمانوں کے ذمہ میں داخل کر کے ان سے جزیہ وصول کیے بغیر انھیں اپنے علاقے سے جلاوطن کر دیا جائے تو بھی مذکورہ شرط پر صلح کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر مسلمان قتال کر کے ان سے جزیہ وصول کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو مذکورہ شرط پر صلح کی جا سکتی ہے۔ (جصاص، احکام القرآن، ۳/۴۲۸) اسی بنا پر فقہا سیدنا عمر کے اس فیصلے کو جو انھوں نے بنو تغلب کے نصاریٰ کے بارے میں کیا، بنو تغلب ہی کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور غیر مسلم گروہ سے 'جزیہ' کے بجائے صدقہ کی وصولی کو جائز نہیں سمجھتے۔ (سرخسی، المبسوط ۳/۲۵۸) جبکہ جصاص وغیرہ کی رائے میں یہ بھی در حقیقت 'جزیہ' ہی تھا۔
(احکام القرآن ۶/۴۸۶)

تاہم ایک رائے یہ بھی موجود ہے کہ اگر عملی صورت حالات کسی غیر مسلم گروہ کے ساتھ اسی شرط پر صلح کرنے پر مجبور کر رہی ہو کہ ان سے جزیہ کے بجائے زکوۃ لی جائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان بنی تغلب کانوا ذوی قوة وشوکة لحقوا بالروم وخیف منهم الضرر ان لم یصالحوا ولم یوجد هذا فی غیرهم فان وجد هذا فی غیرهم فامتنعوا من اداء الجزیة وخیف الضرر بترك مصالحتهم فرای الامام مصالحتهم علی اداء الجزیة باسم الصدقة جاز ذلك اذا کان الماخوذ منهم بقدر ما یجب علیهم من الجزیة او زیادة (المغنی، ۹/۲۷۷)

"بنو تغلب قوت و شوکت کے حامل تھے اور اہل روم کے ساتھ مل گئے تھے، اور اگر ان کے ساتھ صلح نہ کی جاتی تو ان کی جانب سے نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا۔ یہ وجہ کسی اور گروہ میں نہیں پائی جاتی۔ ہاں، اگر کسی اور میں بھی یہ وجہ پائی جائے اور وہ جزیہ دینے سے انکار کریں اور ان کے ساتھ صلح نہ کرنے کی صورت میں ضرر کا خدشہ ہو اور حکمران صدقہ کے نام سے ان سے جزیہ وصول کرنے پر صلح کرنے کو مناسب سمجھے تو ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہے، بشرطیکہ ان سے وصول کی جانے والی رقم جزیہ کے مساوی یا اس سے زیادہ ہو۔"

اس ضمن میں ایک فقہی رائے یہ بھی ہے کہ اگر غیر مسلم جزیہ کے بجائے صدقہ کے نام سے رقم ادا کرنا چاہیں تو پھر بنو تغلب کی نظیر کے مطابق ان سے دوہری رقم وصول کی جانی چاہیے۔ (ماوردی، الاحکام السلطانیۃ، ۱۸۴)

اس پس منظر میں امام شافعیؒ کے ہاں اس حوالے سے پایا جانے والا توسع کا رویہ خاص طور پر قابل توجہ ہے، اس لیے کہ وہ مجبوری کی کسی حالت کے بغیر عام حالات میں بھی خاص 'جزیہ' کے نام سے کسی رقم کی وصولی کو لازم نہیں سمجھتے، بلکہ ان کے نزدیک اگر غیر مسلم کسی بھی شکل میں اتنی رقم کی ادائیگی پر آمادہ ہوں جو جزیہ کے مساوی ہو تو ان کے ساتھ صلح جائز ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فاذا غزا الامام قوما فلم یظهر علیهم حتی عرضوا علیه الصلح علی شیء من ارضهم او شیء یودونه عن ارضهم فیه ما هو اکثر من الجزیة او مثل الجزیة فان کانوا ممن توخذ منهم الجزیة واعطوه ذلك علی ان یجری علیهم الحکم فعلیه ان یقبله منهم (الام، ۴/۱۸۲)

"جب امام کسی قوم پر حملہ کرے اور ان پر غالب آنے سے پہلے ہی وہ اس شرط پر صلح کی پیش کش کر دیں کہ اپنی سرزمین یا اس کی پیداوار کا کچھ حصہ، جو قیمت میں جزیہ سے زیادہ یا اس کے مساوی ہو، مسلمانوں کو دیں گے تو اس صورت میں اگر وہ قوم ایسی ہو جس سے جزیہ لینا جائز ہے اور اس کے ساتھ وہ یہ شرط بھی مان لیں کہ ان پر مسلمانوں کا حکم جاری ہوگا تو امام پر لازم ہے کہ ان کی یہ پیش کش قبول کرلے۔"

واذا صالحوهم علی ان الارض کلها للمشرکین فلا باس ان یصالحهم علی ذلك ویجعلوا علیهم خراجا معلوما اما شیء مسمی یضمنونه فی اموالهم کالجزیة واما شیء مسمی یودی عن کل زرع من الارض کذا من الحنطة او غیرها اذا کان ذلك اذا جمع مثل الجزیة او اکثر (الام، ۴/۱۸۲)

"اور کفار اس شرط پر صلح کرنا چاہیں کہ زمین ساری کی ساری ان کی ملکیت ہوگی تو صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں ان پر ایک متعین خراج عائد کر دیا جائے، خواہ وہ ان کے اموال میں جزیہ کی شکل میں کوئی متعین رقم ہو یا زمین کی پیداوار مثلاً گندم یا کسی اور فصل کی کوئی متعین مقدار، بشرطیکہ اس کی مجموعی قیمت جزیہ کے مساوی یا اس سے زیادہ ہو۔"

اس صورت میں اصل مقصد محض ایک مخصوص رقم کی وصولی قرار پاتا ہے اور اس کی وہ علامتی اہمیت، جس کے پیش نظر قرآن مجید میں اصلاً اسے منکرین حق پر عائد کرنے کا حکم دیا گیا، ثانوی ہو جاتی ہے، کیونکہ جزیہ کے اصل تصور کی رو سے حقارت اور ذلت کے بغیر وصول کی جانے والی کسی بھی رقم کو 'جزیہ' نہیں کہا جا سکتا۔ جصاص لکھتے ہیں:

ومتی اخذناها علی غیر هذا الوجه لم تکن جزیة لان الجزیة هی ما اخذ علی وجه الصغار (احکام القرآن، ۳/۱۰۱)

"اگر ہم ذلت اور عار کے بغیر وصول کریں گے تو وہ 'جزیہ' نہیں ہوگا کیونکہ 'جزیہ' کہتے ہی اس رقم کو ہیں جو ذلت اور حقارت کے ساتھ وصول کی جائے۔"

جزیہ کے نفاذ کے سلسلے میں ہندوستان میں قائم ہونے والی مسلم سلطنتوں میں جو طریقہ اختیار کیا گیا، وہ بھی اس کی فقہی حیثیت

متعین کرنے کے ضمن میں اہم نظیر کی حیثیت رکھتا ہے۔اوپر ہم نے سیدنا عمر کے فقہی رجحان کی وضاحت کرتے ہوئے یہ اخذ کیا ہے کہ وہ قتل مشرکین اور نفاذ جزیہ میں سے کسی بھی حکم کو اصلاً قابل تعمیم نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ انھوں نے مجوس سے اس وقت تک جزیہ وصول نہیں کیا جب تک ان کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہیں آ گیا۔ یہ رجحان کہ اہل کتاب اور مجوس کے علاوہ دوسرے غیر مسلم گروہوں سے جزیہ لینا ضروری نہیں، اگرچہ فقہی بحثوں کا باقاعدہ حصہ نہیں بن سکا، تاہم کم از کم ہندوستان کی حد تک یہ اصول عملاً مان لیا گیا۔ چنانچہ عرب فاتحین کی طرف سے تو بعض علاقوں کے باشندوں سے جزیہ وصول کیے جانے کی مثالیں ملتی ہیں، (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ "جزیہ"، ۷/۲۴۷) لیکن ہندوستان میں باقاعدہ قائم ہونے والی مسلم حکومتوں میں بعض مخصوص ادوار مثلاً فیروز شاہ تغلق اور اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت کے علاوہ عمومی طور پر اہل اقتدار نے یہاں کے غیر مسلموں پر جزیہ نافذ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے لکھا ہے :

"دہلی کی اسلامی سلطنت میں جزیہ عائد کرنے کا تذکرہ شاذ و نادر ہی ملتا ہے، تاہم جزیہ اور خراج کے الفاظ اس عہد سے متعلق کتب تاریخ میں ملتے ہیں، لیکن شرعی لحاظ سے نہیں، بلکہ عرفی لحاظ سے مالیے کا مفہوم ادا کرنے کے لیے۔ مثلاً امیر حسن سجزی (م ۷۲۲ھ) صاحب فوائد الفواد (طبع دہلی ۱۸۶۵، ص ۶۷، طبع نولکشور ۱۹۰۸ء، ص ۸۱) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عہد میں اس ٹیکس کو بھی جزیہ کہا جاتا تھا جو ہندو راجہ مسلمانوں سے وصول کرتے تھے۔ البتہ فیروز شاہ تغلق نے اپنے عہد حکومت میں یہ حکم دیا تھا کہ بیت المال کی آمدنی کے ذرائع صرف وہی ہوں گے جو شرع محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور دینی کتابیں ان پر شاہد ہیں۔ " (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ "جزیہ"، ۷/۲۴۷، ۲۴۸)

مسلمان سے خریدی ہوئی ذمی نصرانی کی زمین میں خراج کا بیان:

(وَلَوْ كَانَتْ الْأَرْضُ لِمُسْلِمٍ بَاعَهَا مِنْ نَصْرَانِيٍّ) يُرِيدُ بِهِ ذِمِّيًّا غَيْرَ تَغْلِبِيٍّ (وَقَبَضَهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) ؛ لِأَنَّهُ أَلْيَقُ بِحَالِ الْكَافِرِ (وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ الْعُشْرُ مُضَاعَفًا) وَيُصْرَفُ مَصَارِفَ الْخَرَاجِ اعْتِبَارًا بِالتَّغْلِبِيِّ وَهَذَا أَهْوَنُ مِنْ التَّبْدِيلِ (وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ .هِيَ عُشْرِيَّةٌ عَلَى حَالِهَا) ؛ لِأَنَّهُ صَارَ مُؤْنَةً لَهَا فَلَا يَتَبَدَّلُ كَالْخَرَاجِ ، ثُمَّ فِي رِوَايَةٍ :يُصْرَفُ مَصَارِفَ الصَّدَقَاتِ ، وَفِي رِوَايَةٍ :يُصْرَفُ مَصَارِفَ الْخَرَاجِ .

ترجمہ:

اور اگر وہ زمین کسی مسلمان کی تھی کہ اس نے اس کو نصرانی کو فروخت کر دی۔ جبکہ نصرانی سے مراد تغلبی کے علاوہ ذمی ہے اور اس ذمی نے اس پر قبضہ بھی کر لیا۔ تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ایسے ذمی پر خراج لازم ہوگا۔ کیونکہ کافر کی حالت کے زیادہ

مناسب خراج ہے۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر دو عشر واجب ہوں گے۔ اور اسے مصارف زکوٰۃ میں ہی خرچ کیا جائے گا۔ اور یہ تغلبی پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور بتدیلی سے اس میں آسانی ہے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اپنی حالت پر عشری ہے۔ کیونکہ عشر اس زمین کیلئے (مؤنت) حکم طور پر مقرر ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب یہ خراج کی طرح تبدیل نہ ہوگی۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کو بھی مصارف زکوٰۃ میں خرچ کیا جائے گا۔ جبکہ ایک روایت کے مطابق اسے مصارف خراج میں خرچ کیا جائے گا۔

مسلمان سے خریدی ہوئی زمین کے عشر میں مذاہب فقہاء کی تصریحات:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر کسی ذمی غیر تغلبی نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدی اور اس نصرانی نے زمین پر قبضہ کر لیا۔ تو عشر باطل ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کے عشر باطل ہونے کے بعد فقہاء کی حسب ذیل تصریحات ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس زمین میں خراج ہوگا کیونکہ وہ کفر کی حالت کو ملنے والا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ کفر ادائے عبادت کے منافی ہے بہ خلاف خراج کے کیونکہ اسلام کسی کی سزا کے خلاف نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس زمین پر عشر ہے کیونکہ اہل تضعف سے عشر لیا جاتا ہے یعنی دوگنا عشر وصول کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسکو دوگنا عشر کی طرف پھیرا جائے گا البتہ اس کا مصرف وہی ہوگا جو زکوٰۃ کا مصرف ہے اور یہ جنگی ساز و سامان کے کام آئے گا۔

(۳) حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس پر خراج و عشر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ خراج اس لئے نہیں ہے زمین کا وظیفہ سے نہیں ہے۔ اور عدم اہلیت کی وجہ سے عشر واجب نہ ہوگا۔

(۴) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی بیع کرنا ہی درست نہیں ہے۔

(۵) حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک عشری زمین فروخت کے بعد بھی اپنی حالت عشری پر رہے گی۔ کیونکہ زمین کا ٹیکس عشر ہے۔ اور اس میں عبادت کا شبہ ہے جو ابتدائی طور پر کافر پر واجب نہ ہوگا۔ اور بقاء کے طور پر باطل بھی نہ ہوگا۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۱۶۳، حقانیہ ملتان)

ذمی سے شفعہ میں لوٹائی گئی زمین کے عشر کا بیان:

(فَإِنْ أَخَذَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ بِالشُّفْعَةِ أَوْ رُدَّتْ عَلَى الْبَائِعِ لِفَسَادِ الْبَيْعِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ كَمَا كَانَتْ) أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِتَحَوُّلِ الصَّفْقَةِ إلَى الشَّفِيعِ كَأَنَّهُ اشْتَرَاهَا مِنْ الْمُسْلِمِ ، وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّهُ بِالرَّدِّ وَالْفَسْخِ بِحُكْمِ الْفَسَادِ جَعَلَ الْبَيْعَ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ ، وَلِأَنَّ حَقَّ الْمُسْلِمِ لَمْ يَنْقَطِعْ بِهَذَا الشِّرَاءِ لِكَوْنِهِ مُسْتَحِقَّ الرَّدِّ (وَإِذَا كَانَتْ لِمُسْلِمٍ دَارُ خُطَّةٍ فَجَعَلَهَا

بُسْتَانًا فَعَلَيْهِ الْعُشْرُ) مَعْنَاهُ إِذَا سَقَاهُ بِمَاءِ الْعُشْرِ ، وَأَمَّا إِذَا كَانَتْ تُسْقَى بِمَاءِ الْخَرَاجِ فَفِيهَا الْخَرَاجُ ؛ لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ فِي مِثْلِ هَذَا تَدُورُ مَعَ الْمَاءِ

ترجمہ

اگر کسی مسلمان نے شفعہ یا بیع فاسد ہونے کی وجہ سے اس ذمی سے واپس لی تو وہ زمین عشری رہے گی۔ جس طرح تھی۔ بہر حال پہلی دلیل یہ ہے کہ یہاں صفت شفیع کی طرف ہوگئی جس طرح اس نے یہ زمین مسلمان سے لی ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حکم فساد کی وجہ سے باطل ہوگیا اور فسخ کردہ بیع معدوم شمار ہوگی۔ کیونکہ مسلمان کا حق اس کے خریدنے کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ یہ بیع رد ہونے کا حق رکھتی ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: اگر کسی مسلم کیلئے کوئی گھر خاص (مختص) کردیا جائے پھر اس نے اسے باغ بنالیا تو اس پر عشر واجب ہوگا۔ ہاں البتہ جب اس کو عشری پانی سے سیراب کیا گیا ہو۔ اور اگر اس کو خراجی پانی سے سیراب کیا تو اس میں خراج واجب ہوگا۔ کیونکہ اس طرح کی زمین میں مؤنت (خرچہ، ٹیکس) پانی کے ساتھ پھرنے والا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی پھر کسی مسلمان نے شفعہ میں وہ زمین لے لی یا کسی وجہ سے بیع فاسد ہوگئی تھی اور بائع کے پاس واپس ہوئی یا بائع کو خیار شرط تھا یا کسی کو خیار رویت تھا اس وجہ سے واپس ہوئی یا مشتری کو خیار عیب تھا اور حکم قاضی سے واپس ہوئی، ان سب صورتوں میں پھر عشری ہی ہے اور اگر خیار عیب میں بغیر حکم قاضی واپس ہوئی تو اب خراجی ہی رہے گی۔

مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنالیا، اگر اس میں عشری پانی دیتا ہے تو عشری ہے اور خراجی پانی دیتا ہے تو خراجی اور دونوں قسم کے پانی دیتا ہے، جب بھی عشری اور ذمی نے اپنے گھر کو باغ بنایا تو مطلقاً خراج لیں گے۔ آسمان اور کوئیں اور چشمہ اور دریا کا پانی عشری ہے اور جو نہر عجمیوں نے کھودی اس کا پانی خراجی ہے۔ کافروں نے کوآں کھودا تھا اور اب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا یا خراجی زمین میں کھودا گیا وہ بھی خراجی ہے۔ (ردمحتار، کتاب الزکوٰۃ)

سبب فساد کی بناء پر حکم بیع کے رد کا بیان:

مجوسی ہو یا کوئی یہود و نصاریٰ میں سے ہو۔ فساد کے سبب کی بنیاد پر اس کی بیع فسخ ہو جائے گی۔

مجوسی کے باغ میں وجوب عشر کا بیان:

(وَلَيْسَ عَلَى الْمَجُوسِيِّ فِي دَارِهِ شَيْءٌ) لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ جَعَلَ الْمَسَاكِنَ عَفْوًا (وَإِنْ جَعَلَهَا بُسْتَانًا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ) وَإِنْ سَقَاهَا بِمَاءِ الْعُشْرِ لِتَعَذُّرِ

إِيجَابِ الْعُشْرِ إِذْ فِيهِ مَعْنَى الْقُرْبَةِ فَيَتَعَيَّنُ الْخَرَاجُ وَهُوَ عُقُوبَةٌ تَلِيقُ بِحَالِهِ ، وَعَلَى قِيَاسِ قَوْلِهِمَا يَجِبُ الْعُشْرُ فِي الْمَاءِ الْعُشْرِيِّ ، إِلَّا أَنَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عُشْرًا وَاحِدًا ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عُشْرَانِ وَقَدْ مَرَّ الْوَجْهُ فِيهِ ، ثُمَّ الْمَاءُ الْعُشْرِيُّ مَاءُ السَّمَاءِ وَالْآبَارِ وَالْعُيُونِ وَالْبِحَارِ الَّتِي لَا تَدْخُلُ تَحْتَ وِلَايَةِ أَحَدٍ ، وَالْمَاءُ الْخَرَاجِيُّ مَاءُ الْأَنْهَارِ الَّتِي شَقَّهَا الْأَعَاجِمُ ، وَمَاءُ جَيْحُونَ وَسَيْحُونَ وَدِجْلَةَ وَالْفُرَاتِ عُشْرِيٌّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَحْمِيهَا أَحَدٌ كَالْبِحَارِ ، وَخَرَاجِيٌّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّهُ يَتَّخِذُ عَلَيْهَا الْقَنَاطِرَ مِنْ السُّفُنِ وَهَذَا يَدٌ عَلَيْهَا .

ترجمہ:

اور مجوسی کے گھر میں اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ کیونکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے گھروں کو معاف کردیا تھا اور اگر مجوسی نے اپنے گھر کو باغ بنالیا تو اس خراج واجب ہے۔ اگرچہ اس کو عشری پانی سے سیراب کیا ہو۔ کیونکہ عشر کو واجب کرنے سے عذر لازم آتا ہے کیونکہ عشر میں قربت وعبادت کے معانی ہیں لہذا اس کیلئے خراج کا تعین ہوگیا۔ اور خراج ایک سزا ہے جو کافر کی حالت پر منطبق ہوتی ہے۔ جبکہ صاحبین نے قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ عشری پانی سے سیراب ہونے کی صورت میں عشر واجب ہوگا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک عشر واجب ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک دس عشر واجب ہیں۔ اور اس کی دلیل گزر چکی ہے۔

(عشری پانی کی تعریف) آسمان کا پانی، کنوؤں کا پانی، چشموں کا پانی بڑے دریاؤں کا وہ پانی جو کسی کی ولایت میں داخل نہ ہو عشری پانی کہلاتا ہے۔

(خراجی پانی کی تعریف) خراجی پانی وہ ہے جو عجمیوں کی کھودی گئی نہروں کا پانی ہے۔ اور دریائے جیحون، سیحون، دجلہ اور فرات کا پانی امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک عشری ہے کیونکہ سمندروں کی طرف ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک خراجی ہے کیونکہ ان دریاؤں پر کشتیوں کے پل بنائے گئے ہیں۔ اور یہی ان پر قبضہ ہی ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کی آمد سے پہلے غیر مسلمانوں نے جو نہر کھودی اس کا پانی خراجی یا کافروں نے کنواں کھودا تھا اور اب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا یا خراجی زمین میں کھودا گیا وہ بھی خراجی ہے ایسے پانی سے سیراب ہونے والی زمین میں جو پیداوار ہوگی اس میں عشر نہیں بلکہ خراج واجب ہوگا خواہ پیداوار کا کوئی حصہ آدھا، تہائی، چوتھائی وغیرہ مقرر کردیا جائے یا ایک مقدار لازم کردی جائے۔

(درمختار، کتاب الزکوۃ)

عشر یعنی کھیتی اور پھلوں کی زکوۃ

1. عشر یعنی کھیتی یا پھلوں کی زکوۃ فرض ہے اور اس کی فرضیت کا حکم بھی زکوۃ کی طرح ہے یعنی فرض ہونے کے بعد فوراً ادا کرنا واجب ہے اور تاخیر کرنے سے گناہگار ہوگا۔

2. پیداوار میں عشر واجب ہونے کے لئے کوئی مقدارِ نصاب مقرر نہیں ہے خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ سب میں عشر واجب ہوتا ہے، بشرطیکہ کم از کم ایک صاع ہو اور اس میں یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ چیزیں تمام سال تک باقی رہیں پس سبزیات وغیرہ میں بھی عشر واجب ہے اور عشر واجب ہونے کے لئے پورا سال گزارنا بھی شرط نہیں ہے کیونکہ یہ حقیقت میں زمین کی پیداوار میں ہیا اور اس لئے پیداوار سال میں کئی بار حاصل ہو تو ہر بار عشر واجب ہوگا۔ 3. اس کے واجب ہونے کی شرطیں یہ ہیں

اول مسلمان ہونا۔ دوم اس کی فرضیت کا علم ہونا، سوم وہ زمین عشری ہو پس جو پیداوار خراجی زمین سے حاصل ہو اس میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

چہارم وہ پیداوار اس قسم کی ہو جس کی زراعت سے زمین کا فائدہ و ترقی مقصود ہوتی ہو، پس جس پیداوار سے زمین کی آمدنی لینا یا زمین کو فائدہ مند بنانا غالب مقصود نہ ہو اس میں عشر واجب نہیں ہے مثلاً لکڑی (ایندھن) گھانس، نرکل، چھاؤ اور کھجور کے پتوں میں عشر واجب نہیں ہوگا گیہوں، چنا، چاول، ہر قسم کا غلہ ساگ، ترکاریاں، سبزیاں، پھل، پھول، ککڑی، خربوزہ، کھجوریں، گنا، زیرہ، کھیرا، شہد وغیرہ پر عشر واجب ہوگا، عشری زمین یا جنگل اور پہاڑوں سے جو شہد حاصل کیا جائے اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس میں عشر واجب ہوگا اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ کتب فتاویٰ سے ظاہر ہے اسی طرح جو پھل ایسے درختوں سے جمع کئے جائیں جو کسی کی ملکیت نہیں ہیں مثلاً جنگل اور پہاڑوں کے درخت تو ان میں بھی یہی اختلاف ہے کہ طرفین کے نزدیک عشر واجب ہے درختوں پر عشر واجب نہیں ہے وہ بمنزلہ زمین کے ہیں کیونکہ وہ زمین کے تابع ہیں اور زمین کے ساتھ بکتے ہیں اسی طرح گوند رال، لاک وغیرہ اور دوائیوں مثل ہلیلہ، کندر، اجوائن، کلونجی، خطمی وغیرہ پر بھی عشر واجب نہیں ہوتا لیکن اگر زمین کو انہی چیزوں میں لگا دیگا تو عشر واجب ہوگا، کپاس بھی پھل میں داخل ہے اور اس میں عشر ہے اگر گھانس دانہ بننے سے پہلے کاٹ لی جائے تو اس میں عشر واجب ہوگا، ساگ و سبزیات کے بیجوں میں عشر نہیں ہے اگر کسی نے گھر کے صحن وغیرہ میں کوئی پھلدار درخت لگائے اور ان میں پھل آیا، یا اناج و سبزی وغیرہ کچھ بویا تو اس گھر کے باغ یا کھیت کی پیداوار میں عشر واجب نہیں ہوگا کیونکہ وہ گھر کے تابع ہے۔

عقل و بلوغ وجوب عشر کے لئے شرط نہیں ہے اس لئے لڑکے اور مجنون کی زمین میں بھی عشر واجب ہوتا ہے، اسی طرح جس شخص پر عشر واجب ہو چکا ہے اگر وہ مر جائے اور اناج موجود ہو تو اس میں سے عشر لیا جائے گا لیکن زکوۃ کا یہ حکم نہیں ہے اسی طرح زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے پس وقف کی زمین اور غلامِ ماذون و مکاتب کی زمین میں بھی عشر واجب ہے۔

بنو تغلب کے بچے اور عورت کی زمین دوگنا عشر کا وجوب:

(وَفِي أَرْضِ الصَّبِيِّ وَالْمَرْأَةِ التَّغْلِبِيِّينَ مَا فِي أَرْضِ الرَّجُلِ التَّغْلِبِيِّ) يَعْنِي الْعُشْرَ الْمُضَاعَفَ فِي الْعُشْرِيَّةِ وَالْخَرَاجَ الْوَاحِدَ فِي الْخَرَاجِيَّةِ، لِأَنَّ الصُّلْحَ قَدْ جَرَى عَلَى تَضْعِيفِ الصَّدَقَةِ دُونَ الْمُؤْنَةِ الْمَحْضَةِ، ثُمَّ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْمَرْأَةِ إذَا كَانَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ الْعُشْرُ فَيُضَعَّفُ ذَلِكَ إذَا كَانَا مِنْهُمْ.

ترجمہ:

جو کچھ تغلبی مرد کی زمین پر واجب ہوتا ہے وہی تغلبی عورت اور بچے کی زمین پر واجب ہوگا۔ یعنی اگر وہ عشری زمین ہے تو اس میں دو عشر واجب ہیں۔ جبکہ خراجی زمین میں ایک خراج ہے۔ کیونکہ صلح صدقے کو دوگنا کرنے کیلئے ہوئی ہے۔ نہ محض مدد کو دوگنا کرنے کیلئے ہوئی تھی۔ اور اگر کوئی بچہ یا عورت مسلمان ہوں تو ان پر ایک عشر واجب ہوگا اگرچہ یہ دونوں بنو تغلب سے ہوں تو اس کو بھی دوگنا کر دیا جائے گا،،

اشتراک علت کی وجہ سے اشتراک حکم:

تغلبی مرد کیلئے جو سابقہ شرح میں بیان ہوا ہے اسی علت کے اشتراک کی وجہ سے حکم بھی اسی طرح ہوگا۔

عشری زمین میں قیر و نفط کے ہونے کا بیان:

قَالَ (وَلَيْسَ فِي عَيْنِ الْقِيرِ وَالنَّفْطِ فِي أَرْضِ الْعُشْرِ شَيْءٌ) ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَنْزَالِ الْأَرْضِ وَإِنَّمَا هُوَ عَيْنٌ فَوَّارَةٌ كَعَيْنِ الْمَاءِ (وَعَلَيْهِ فِي أَرْضِ الْخَرَاجِ خَرَاجٌ) وَهَذَا (إذَا كَانَ حَرِيمُهُ صَالِحًا لِلزِّرَاعَةِ) ؛ لِأَنَّ الْخَرَاجَ يَتَعَلَّقُ بِالتَّمَكُّنِ مِنَ الزِّرَاعَةِ.

ترجمہ:

قیر اور نفط کا چشمہ اگر عشری زمین میں ہوں تو کچھ واجب نہیں۔ کیونکہ قیر اور نفط کسی بھی زمینی پیداوار سے نہیں ہیں۔ وہ تو پھوٹنے والا پانی ہے جسے چشمے کا پانی کہتے ہیں اور اس پر خراجی زمین میں خراج ہے۔ اور یہ بھی اس وقت ہے جب اس کا گرد و نواح زراعت کے قابل ہو کیونکہ خراج زراعت کو ممکن بنانے سے متعلق ہوتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

زفت اور نفط کے چشمے عشری زمین میں ہوں یا خراجی میں اُن میں کچھ نہیں لیا جائے گا، البتہ اگر خراجی زمین میں ہوں اور آس

پاس کی زمین قابل زراعت ہوتو اس زمین کا خراج لیا جائے گا، چشمہ کا نہیں اور عشری زمین میں ہوں تو جب تک آس پاس کی زمین میں زراعت نہ ہو کچھ نہیں لیا جائے گا، فقط قابلِ زراعت ہونا کافی نہیں (درمختار، کتاب الزکوٰۃ)

قاعدہ فقہیہ؛ جو چیز زمین کی تابع ہو، جیسے درخت اور جو چیز درخت سے نکلے جیسے گونداس میں عشر نہیں:

جو چیز زمین کی تابع ہو، جیسے درخت اور جو چیز درخت سے نکلے جیسے گونداس میں عشر نہیں۔ (فتاوی عالمگیری)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ عشر ایسی چیزوں میں ہوگا جو چیزیں زمین تابع ہوں اور جو چیزیں زمین کے تابع نہ ہوں گی ان میں عشر واجب نہ ہوگا۔ مذکورہ مسئلہ میں قیر اور نفط کا مسئلہ ہے اور اسی طرح جتنے بھی چشمے ہیں ان میں عشر نہ ہوگا کیونکہ زمین کے تابع نہیں ہیں البتہ اس قاعدے میں بعض اشیاء کا استثناء ہے۔

عشری زمین کے چند جدید جزئیاتی مسائل:

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ عشری زمین عاریۃً دی تو عشر کاشتکار پہ ہے مالک پر نہیں اور کافر کو عاریت دی تو مالک پر عشر ہے۔ عشری زمین بٹائی پر دی تو عشر دونوں پر ہے اور خراجی زمین بٹائی پر دی تو خراج مالک پر ہے۔ زمین جو زراعت کے لیے نقدی پر دی جاتی ہے، امام کے نزدیک اُس کا عشر زمیندار پر ہے اور صاحبین کے نزدیک کاشتکار پر اور علامہ شامی نے یہ تحقیق فرمائی کہ حالت زمانہ کے اعتبار سے اب قول صاحبین پر عمل ہے۔

گورنمنٹ کو جو مالگذاری دی جاتی ہے، اس سے خراج شرعی نہیں ادا ہوتا بلکہ وہ مالک کے ذمہ ہے اُس کا ادا کرنا ضروری اور خراج کا مصرف صرف لشکر اسلام نہیں، بلکہ تمام مصالح عامہ مسلمین ہیں جن میں تعمیر مسجد وخرچ مسجد ووظیفہ امام ومؤذن وتنخواہ مدرسین علمِ دین وخبر گیری طلبہ علمِ دین وخدمتِ علمائے اہلسنت حامیانِ دین جو وعظ کہتے ہیں اور علمِ دین کی تعلیم کرتے اور فتوے کے کام میں مشغول رہتے ہوں اور پُل وسرا بنانے میں بھی صرف کیا جاسکتا ہے۔

عشر لینے سے پہلے غلّہ بیچ ڈالا تو مصدق کو اختیار ہے کہ عشر مشتری سے لے یا بائع سے اور اگر جتنی قیمت ہونی چاہیے اُس سے زیادہ پر بیچا تو مصدق کو اختیار ہے کہ غلّہ کا عشر لے یا ثمن کا عشر اور اگر کم قیمت پر بیچا اور اتنی کمی ہے کہ لوگ اتنے نقصان پر نہیں بیچتے تو غلّہ ہی کا عشر لے گا اور وہ غلّہ نہ رہا تو اُس کا عشر قرار دے کر بائع سے لیں یا اُس کی واجبی قیمت۔ انگور بیچ ڈالے تو ثمن کا عشر لے اور شیرہ کر کے بیچا تو اسکی قیمت کا عشر لے۔

بَابُ مَنْ یَجُوزُ دَفْعُ الصَّدَقَةِ إِلَیْهِ وَمَنْ لَا یَجُوزُ

﴿یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جنہیں زکوٰۃ دینا جائز اور جائز نہیں ہے﴾

مصارف زکوٰۃ کا بیان:

اس باب میں زکوٰۃ کے مصارف کو بیان کیا گیا ہے۔ مصنف جب زکوٰۃ کی فرضیت، شرائط، اموال وغیرہ سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے اس چیز کا بیان شروع کیا ہے جن کو مذکورہ اموال دیئے جائیں گے۔ اس باب کے مؤخر ہونے کی دلیل ظاہر ہے کہ جب حکم زکوٰۃ ثابت ہوگا تو زکوٰۃ جس کو دی جائے گی وہ بعد میں بیان ہوگا۔

عبادات میں ہمیشہ اسی طرح کا اسلوب ہے کہ پہلے اشیاء کے احکام سے ان کا ثبوت اور اس کے بعد ان کے عمل کیلئے اور یہ اسی طرح جیسے پہلے کسی چیز کو ثابت کیا جائے اور بعد میں اس پر عمل کیا جائے۔

مصرف زکوٰۃ کی فقہی تعریف کا بیان:

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصرف زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند ہے جسے اپنے مال مملوک سے مقدار نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنا شوہر نہ اپنی عورت اگرچہ طلاق مغلظہ دے دی ہو، جب تک عدّت سے باہر نہ آئے نہ وُہ اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وُہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، اگرچہ یہ اصلی وفرعی رشتے عیاذاً باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر مکاتب، نہ مردِ غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجتمند کہنے سے کافر وغنی پہلے ہی خارج ہوچکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا، مثلاً ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے۔ بعض مشہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سیّد بن بیٹھے ہیں اور وہ باوجود تفہیم اس پر اصرار کرتے ہیں بحکم حدیثِ صحیح مستحق لعنِ الٰہی ہوتے ہیں والعیاذ باللہ۔

(اللہ تعالیٰ بچائے، ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ ت) اسی طرح غیر ہاشمی کا آزاد شدہ بندہ اگرچہ خود اپنا ہی ہو یا اپنے اور اپنے اصول وفروع وزوج وزوجہ وہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یا زن غنیّہ کا نابالغ بچہ اگرچہ یتیم ہو یا اپنے بہن، بھائی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے زکوٰۃ وصلہ رحم یا اپنی بہو یا داماد یا ماں کا شوہر یا باپ کی عورت یا اپنے زوج یا زوجہ کی اولاد ان سولہ کو بھی دینا روا جبکہ یہ سولہ اُن سولہ سے نہ ہوں ازانجا کہ انھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں بھی عدمِ جواز کا وہم جاتا، لہٰذا فقیر نے انہیں بالتخصیص شمار کردیا، اور نصاب مذکورہ پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل: ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے مسکین کہتے ہیں۔

دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔ سوم نصاب بھی ہو مگر حوائجِ اصلیہ میں مستغرق، جیسے مدیون۔ چہارم حوائج سے بھی فارغ ہو مگر اسے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جس کے پاس خرچ نہ رہا، تو بقدرِ ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے، اس سے زیادہ اُسے لینا روا نہیں، یا وُہ شخص جس کا مال دوسرے پر دین مؤجل ہے ہنوز میعاد نہ آئی اب اُسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدرِ حاجت لے سکتا ہے یا وُہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر مُکر گیا اگر چہ یہ ثبوت رکھتا ہو، کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں۔ بالجملہ مدار کار حاجتمند بمعنی مذکور پر ہے، تو جو نصاب مزبور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پا سکتا اگر چہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی مگر عامل زکوٰۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیل زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالتِ غنا بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے اگر ہاشمی نہ ہو۔ پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطور اباحت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کے وہی حیلے ہیں جو دیگر مسائل میں بیان کیے گئے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰، کتاب الزکوٰۃ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جنہیں زکوٰۃ جائز یا ناجائز ہے:

قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ الْأَصْلُ فِيهِ قَوْله تعَالَى "(إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ) ") الْآيَةَ. فَهَذِهِ ثَمَانِيَةُ أَصْنَافٍ، وَقَدْ سَقَطَ مِنهَا الْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ لِأَنَّ اللَّهَ تعَالَى أَعَزَّ الْإِسْلَامَ وَأَغْنَى عَنْهُمْ وَعَلَى ذَلِكَ انعَقَدَ الْإِجْمَاعُ

(وَالْفَقِيرُ مَنْ لَهُ أَدْنَى شَيْءٍ وَالْمِسْكِينُ مَنْ لَا شَيْءَ لَهُ) وَهَذَا مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَدْ قِيلَ عَلَى الْعَكْسِ وَلِكُلٍّ وَجْهٌ ثُمَّ هُمَا صِنفَانِ أَوْ صِنفٌ وَاحِدٌ سَنَذْكُرُهُ فِي كِتَابِ الْوَصَايَا إنْ شَاءَ اللَّهُ تعَالَى.

(وَالْعَامِلُ يَدْفَعُ إلَيْهِ الْإِمَامُ إنْ عَمِلَ بِقَدْرِ عَمَلِهِ فَيُعْطِيهِ مَا يَسَعُهُ وَأَعْوَانُهُ غَيْرَ مُقَدَّرٍ بِالثَّمَنِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ اسْتِحْقَاقَهُ بِطَرِيقِ الْكِفَايَةِ، وَلِهَذَا يَأْخُذُ وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا إلَّا أَنَّ فِيهِ شُبْهَةَ الصَّدَقَةِ فَلَا يَأْخُذُهَا الْعَامِلُ الْهَاشِمِيُّ تَنْزِيهًا لِقَرَابَةِ الرَّسُولِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ شُبْهَةِ الْوَسَخِ، وَالْغَنِيُّ لَا يُوَازِيهِ فِي اسْتِحْقَاقِ الْكَرَامَةِ فَلَمْ تُعْتَبَرْ الشُّبْهَةُ فِي حَقِّهِ.

ترجمہ:

اس میں دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ'' لہٰذا یہ آٹھ اقسام ہیں۔ اور ان میں تالیف قلب والوں کا حکم ساقط ہو گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی ضرورت نہ رہی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسی پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور (۱) فقیر وہ ہے جس کے ادنیٰ چیز ہو۔ (۲) اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ اور یہی روایت حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے ہے اور اسی کے برعکس بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور ہر قول کی دلیل موجود ہے۔ فقیر اور مسکین کی دو اقسام ہیں۔ یا صرف ہی قسم ہے اس کو ہم ان شاء اللہ کتاب الوصایا میں ذکر کریں گے۔

اور امام عامل کو اتنی مقدار میں مال دے جتنا اس نے کام کیا ہے۔ اور امام عامل کو اس قدر دیگا جس سے وہ اور اس کے حمایتوں کو کافی ہو۔ جبکہ آٹھواں حصہ مقرر نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے کیونکہ عامل کا حق کفایت کے طریقے پر ثابت ہوا ہے۔ اس لئے عامل مال لے گا اگر چہ وہ مالدار ہو۔ لیکن اس میں صدقے کا شک ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے قرابت کی وجہ سے ہاشمی عامل اس مال کو نہ لے گا۔ اور مالدار کرامت کے مستحق ہونے میں ہاشمی کے برابر نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے حق میں شک نہیں کیا گیا ہے۔

مصارف زکوٰۃ کے بارے میں فقہی تصریحات:

امام شافعی وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال کی تقسیم ان آٹھوں قسم کے تمام لوگوں پر کرنی واجب ہے اور امام مالک وغیرہ کا قول ہے کہ واجب نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک کو ہی دے دینا کافی ہے گو اور قسم کے لوگ بھی ہوں۔ عام اہل علم کا قول بھی یہی ہے آیت میں بیان مصرف ہے نہ کہ ان سب کو دینے کا وجوب کا ذکر ہے۔

فقیروں کو سب سے پہلے اس لئے بیان فرمایا کہ ان کی حاجت بہت سخت ہے۔ گو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مسکین فقیر سے بھی برے حال والا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے ہاتھ تلے مال نہ ہو اسی کو فقیر نہیں کہتے بلکہ فقیر وہ بھی ہے جو محتاج ہو گرا پڑا ہو گو کچھ کھاتا کماتا بھی ہو۔ ابن علیہ کہتے ہیں اس روایت میں اخلق کا لفظ ہے اخلق کہتے ہیں ہمارے نزدیک تجارت کو لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں۔ اور بہت سے حضرات فرماتے ہیں فقیر وہ ہے جو سوال سے بچنے والا ہو اور مسکین وہ ہے جو سائل ہو لوگوں کے پیچھے لگنے والا اور گھروں اور گلیوں میں گھومنے والا۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں فقیر وہ ہے جو بیماری والا ہو اور مسکین وہ ہے جو صحیح سالم جسم والا ہو۔ ابراہیم کہتے ہیں مراد اس سے مہاجر فقراء ہیں سفیان ثوری کہتے ہیں یعنی دیہاتیوں کو اس میں سے کچھ نہ ملے۔ عکرمہ کہتے ہیں مسلمانوں فقراء کو مساکین نہ کہو۔ مسکین تو صرف اہل کتاب کے لوگ ہیں۔ اب وہ حدیثیں سنئے جو ان آٹھوں قسموں کے متعلق ہیں۔ فقراء۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صدقہ مال دار اور تندرست توانا پر حلال نہیں۔ کچھ شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقے کا مال مانگا آپ بغور نیچے سے اوپر تک انہیں ہٹا کٹا قوی تندرست دیکھ کر فرمایا گر تم چاہو تو تمہیں دے دوں مگر امیر شخص کا اور قوی طاقت اور کماؤ شخص کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ مساکین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسکین یہی گھوم گھوم کر ایک لقمہ دو لقمے ایک کھجور دو کھجور لے کر ٹل جانے والے ہی

نہیں۔لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ پھر مساکن کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا جو بے پرواہی کے برابر نہ پائے نہ اپنی ایسی حالت رکھے کہ کوئی دیکھ کر پہچان لے اور کچھ دے دے نہ کسی سے خود کوئی سوال کرے۔

صدقہ وصول کرنے والے یہ تحصیل دار ہیں انہیں اجرت اسی مال سے ملے گی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار جن پر صدقہ حرام ہے اس عہدے پر نہیں آسکتے۔عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ ہمیں صدقہ وصولی کا عامل بنا دیجئے۔آپ نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ حرام ہے یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔جن کے دل بہلائے جاتے ہیں۔ان کی کئی قسمیں ہیں بعض کو تو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو غنیمت حنین کا مال دیا تھا حالانکہ وہ اس وقت کفی کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا تھا اس کا اپنا بیان ہے کہ آپ کی اس داد و دہش نے میرے دل میں آپ کی سب سے زیادہ محبت پیدا کردی حالانکہ پہلے سب سے بڑا دشمن آپ کا میں ہی تھا۔بعض کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ ان کا اسلام مضبوط ہو جائے اور ان کا دل اسلام پر لگ جائے۔جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین والے دن مکہ کے آزاد کردہ لوگوں کے سرداروں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میں ایک کو دیتا ہوں دوسرے کو جو اس سے زیادہ میرا محبوب ہے نہیں دیتا اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ اوندھے منہ جہنم میں گر پڑے۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے کچھا سونا مٹی سمیت آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے صرف چار شخصوں میں ہی تقسیم فرمایا۔اقراع بن حابس عینیہ بن بدر، علقمہ بن علاثہ اور زید خیر اور فرمایا میں ان کی دلجوئی کے لئے انہیں دے رہا ہوں۔بعض کو اس لئے بھی دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آس پاس والوں سے صدقہ پہنچائے یا آس پاس کے دشمنوں کی نگہداشت رکھے اور انہیں اسلامیوں پر حملہ کرنے کا موقعہ نہ دے۔حضرت عمر اور عمار شعبی اور ایک جماعت کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اب یہ مصرف باقی نہیں رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے دی ہے مسلمان ملکوں کے مالک بن گئے ہیں اور بہت سے بندگان اللہ ان کے ماتحت ہیں۔

آزادگی گردن کے بارے میں بہت سے بزرگ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے وہ غلام ہیں جنہوں نے رقم مقرر کر کے اپنے مالکوں سے اپنی آزادگی کی شرف کرلی ہے انہیں مال زکوٰۃ سے رقم دی جائے کہ وہ ادا کر کے آزاد ہو جائیں اور بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ غلام جس نے یہ شرط نہ لکھوائی ہو اسے بھی مال زکوٰۃ سے خرید کر آزاد کرنے میں کوئی ڈر خوف نہیں۔غرض مکاتب غلام اور محض غلام دونوں کی آزادگی زکوٰۃ کا ایک مصرف ہے احادیث میں بھی اس کی بہت کچھ فضیلت وارد ہوئی ہے یہاں تک کہ فرمایا ہے کہ آزاد کردہ غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے یہاں تکہ کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ بھی۔اس لئے کہ ہر نیکی کی جزا اسی جیسی ہوتی ہے قرآن فرماتا ہے تمہیں وہی جزا دی جائے گی وہ تم نے کیا ہوگا۔

حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ کے ذمے حق ہے وہ غازی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو وہ مکاتب غلام اور قرض

دار جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہو وہ نکاح کرنے والا جس کا ارادہ بدکاری سے محفوظ رہنے کا ہو کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کردے آپ نے فرمایا نسمہ آزاد کر اور گردن خلاصی کر۔اس نے کہا کہ یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادگی یہ ہے کہ تو اکیلا ہی کسی غلام کو آزاد کردے۔اور گردن خلاصی یہ ہے کہ تو بھی اس میں جو تجھ سے ہو سکے مدد کرے۔قرض دار کی بھی کئی قسمیں ہیں ایک شخص دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر لے لے کسی کے قرض کا اپنا ضامن بن جائے پھر اس کا مال ختم ہو جائے یا وہ خود قرض دار بن جائے یا کسی نے برائی پر قرض اٹھایا ہو اور اب وہ توبہ کر لے پس انہیں بی مال زکوٰۃ دیا جائے گا کہ یہ قرض ادا کردیں۔اس مسئلے کی اصل قبیصہ بن مخارق ہلالی کی یہ روایت ہے کہ میں نے دوسرے کا حوالہ اپنی طرف لیا تھا پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تم ٹھہرو ہمارے پاس مال صدقہ آئے گا ہم اس میں سے تمہیں دیں گے پھر فرمایا قبیصہ سن تین قسم کے لوگوں کو ہی سوال حلال ہے ایک تو وہ جو ضامن پڑے پس اس رقم کے پورا ہونے تک اسے سوال جائز ہے پھر سوال نہ کرے۔دوسرا وہ جس کا مال کسی آفت ناگہانی سے ضایع ہو جائے اسے بھی سوال کرنا درست ہے یہاں تک کہ ضرورت پوری ہو جائے۔تیسرا وہ شخص جس پر فاقہ گزرنے لگے اور اس کی قسم کے تین ذی ہوش لوگ اس کی شہادت کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ ہاں بے شک فلاں شخص پر فاقے گزرنے لگے ہیں اسے بھی مانگ لینا جائز ہے تاوقتیکہ اس کا سہارا ہو جائے اور سامان زندگی مہیا ہو جائے۔اس کے سوا اوروں کو سوال کرنا حرام ہے اگر وہ مانگ کر کچھ لے کر کھائیں گے تو حرام کھائیں گے (مسلم شریف)۔

ایک شخص نے زمانہ نبوی ﷺ میں ایک باغ خریدا قدرت الٰہی سے آسمانی آفت سے باغ کا پھل مارا گیا اس سے وہ بہت قرض دار ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں جو ملے لے لو اس کے سوا تمہارے لئے اور کچھ نہیں۔(مسلم) آپ فرماتے ہیں کہ ایک قرض دار کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلا کر اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا کہ تو نے قرض کیوں لیا اور کیوں رقم ضائع کردی؟ جس سے لوگوں کے حقوق برباد ہوئے وہ جواب دے گا کہ اللہ تجھے خوب علم ہے میں نے نہ اس کی رقم کھائی نہ پی نہ اڑائی بلکہ میرے ہاں مثلاً چوری ہو گئی یا آگ لگ گئی یا کوئی اور آفت آ گئی اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا بندہ سچا ہے آج تیرے قرض کے ادا کرنے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی ہوں۔پھر اللہ تعالیٰ کوئی چیز منگوا کر اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دے گا جس سے نیکیاں برائیوں سے بڑھ جائیں گی اور اللہ تبارک وتعالیٰ اسے اپنے فضل ورحمت سے جنت میں لے جائے گا

(مسند احمد)

راہ الٰہی میں وہ مجاہدین غازی داخل ہیں جن کا دفتر میں کوئی حق نہیں ہوتا۔حج بھی راہ الٰہی میں داخل ہے۔مسافر جو سفر میں بے سروسامان رہ گیا ہو اسے بھی مال زکوٰۃ سے اپنی رقم دی جائے جس سے وہ اپنے شہر سے سفر کو جانے کا قصد رکھتے ہوں لیکن مال نہ ہو تو اسے بھی سفر خرچ مال زکوٰۃ سے دینا جائز ہے جو اسے آمدورفت کے لئے کافی ہو۔آیت کے اس لفظ کی دلیل کے علاوہ ابوداؤد وغیرہ کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالدار پر زکوٰۃ حرام ہے بجز پانچ قسم کے مالداروں کے ایک تو وہ

جوزکوٰۃ وصول کرنے پرمقرر ہودوسرا وہ جو مال زکوٰۃ کی کسی چیز کو اپنے مال سے خرید لے تیسرا قرض دار چوتھا راہ الٰہی کا غازی مجاہد، پانچواں وہ جسے کوئی مسکین بطور تحفے کے اپنی کوئی چیز جو زکوٰۃ میں اسے ملی ہو دے اور روایت ہے کہ زکوٰۃ مالدار کے لئے حلال نہیں مگر فی سبیل اللہ جو ہو یا سفر میں ہو اور جسے اس کا کوئی مسکین پڑوسی بطور تحفے ہدیئے کے دے یا اپنے ہاں بلا لے۔ زکوٰۃ کے ان آٹھوں مصارف کو بیان فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، توبہ)

مکاتبین اور مقروضوں کو زکوٰۃ دینے کا بیان:

قَالَ (وَفِی الرِّقَابِ یُعَانُ الْمُکَاتَبُونَ مِنْهَا فِی فَكِّ رِقَابِهِمْ) وَهُوَ الْمَنْقُولُ (وَالْغَارِمُ مَنْ لَزِمَهُ دَیْنٌ وَلَا یَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلًا عَنْ دَیْنِهِ) وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَحِمَهُ اللَّهُ مَنْ تَحَمَّلَ غَرَامَةً فِی إصْلَاحِ ذَاتِ الْبَیْنِ وَإِطْفَاءِ الثَّائِرَةِ بَیْنَ الْقَبِیلَتَیْنِ (وَفِی سَبِیلِ اللَّهِ مُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ عِنْدَ أَبِی حَنِیفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَفَاهَمُ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ (وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ مُنْقَطِعُ الْحَاجِّ) لِمَا رُوِیَ (أَنَّ رَجُلًا جَعَلَ بَعِیرًا لَهُ فِی سَبِیلِ اللَّهِ . فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنْ یَحْمِلَ عَلَیْهِ الْحَاجَّ) . وَلَا یَصْرِفُ إلَى أَغْنِیَاءِ الْغُزَاةِ عِنْدَنَا لِأَنَّ الْمَصْرِفَ هُوَ الْفُقَرَاءُ .

ترجمہ:

اور غلام آزاد کرنے میں زکوٰۃ دینا اور وہ اس طرح ہے کہ مکاتبین کی آزادی کیلئے ان کی مدد کی جائے۔ یہی تفسیر نقل کی گئی ہے اور غارم وہ شخص ہے جس پر قرض دینا ضروری ہو اور وہ اپنے قرض کے سوا کسی نصاب کا مالک نہ ہو اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: جس نے مسلمانوں کے درمیان باہمی اختلاف کو دور کرنے کی خاطر اور اس نے دو قبیلوں کے درمیان دشمنی کی بھڑکتی آگ کو بجھانے کیلئے مالی طور نقصان اٹھایا ہو۔

اور اللہ کی راہ میں زکوٰۃ دی جائے حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ غازی ہے جس کا مال ختم ہو گیا ہے۔ علی الطلاق فی سبیل اللہ کا مطلب یہی ہے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ حجاج جن کا مال ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو حکم دیا کہ وہ اس حجاج کو سوار کرائے اور ہمارے نزدیک مالدار غازیوں پر زکوٰۃ خرچ نہ کی جائے اس لئے کہ مصرف زکوٰۃ فقراء ہیں۔

مصارف زکوٰۃ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِینِ وَالْعَامِلِینَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ

وَالْغَارِمِینَ وَفِی سَبِیلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیلِ فَرِیضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیمٌ حَكِیمٌO

(التوبہ،(60 : 9)

زکوٰۃ تو صرف ان لوگوں کے لئے جو محتاج اور نرے نادار (مسکین) ہوں اور جو اس کی تحصیل پر مقرر ہیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے (اسلام کی طرف مائل کرنا ہو) اور (مملوکوں کی) گردنیں آزاد کرنے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ اور مسافر کو، یہ ٹھہرایا ہوا (مقرر شدہ) ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں آٹھ مصارفین کا ذکر موجود ہے۔

فقراء، مساکین عاملین زکوٰۃ (زکوٰۃ اکٹھی کرنے والے) مؤلفۃ القلوب غلام کی آزادی مقروض فی سبیل اللہ مسافر

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف ذکر ہوئے ہیں احناف کے نزدیک ان میں سے کسی بھی مصرف میں زکوٰۃ دینے سے ادائیگی ہو جائے گی اور دینے والا دینی فریضہ سے سبکدوش ہو جائے گا۔ خواہ ایک پر صرف کرے خواہ دو پر خواہ زیادہ پر یہ اس کے اپنے اختیار میں ہے۔

زکوٰۃ کا پہلا اور دوسرا مصرف، فقیر و مسکین فقیر اور مسکین دونوں ہی مالی ضروریات کے لئے دوسروں کے مالی تعاون کے محتاج ہیں دونوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے فقیر سے بڑھ کر مسکین خستہ حال ہوتا ہے فقیر تنگدست ہوتا ہے تہی دست نہیں ہوتا مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہوتا ہے مگر ضروریات زندگی اس سے پوری نہیں ہوتیں۔ (بدائع الصنائع 43 : 2۔ فتاویٰ عالمگیری 188 تفسیر کبیر 107 طبع ایران۔ احکام القرآن للجصاص 122 : 3۔ روح المعانی 120 : 15۔ ہدایہ 163 :۔ الجامع الاحکام القرآن للقرطبی (157 : 7)

تیسرا مصرف والعاملین علیہا وہ لوگ جو زکوٰۃ و عشر جمع کرنے پر مامور ہوں، ان سب کو زکوٰۃ فنڈ سے اجرت یا تنخواہ دی جائے گی خواہ امیر ہوں خواہ غریب

ان مایستحقه العامل انما یستحقه بطریق العمالته لابطریق الزکاة بدلیل ان یعطی وان کان غنیا بالا جماع ولو کان ذلك صدقته لما حلت للغنی

عامل جو زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے وہ صرف اپنے کام کی بناء پر اس کا حقدار ہے نہ کہ زکوٰۃ کی حیثیت سے دلیل یہ ہے کہ اسے تنخواہ ملے گی گو غنی و امیر ہو اس پر امت کا اجماع ہے اگر یہ صدقہ ہوتا تو امیر کے لئے جائز نہ ہوتا۔

(بدائع الصنائع 44 : 2۔ فتح القدیر 204 : 2۔ تفسیر کبیر 115 : 16)

اما اخذ طلمه زماننا من الصدقات والعشور والخراج والجبایات و المصادرات فالا صح انه یسقط جمیع ذلك عن ارباب الاموال اذا نوواعند الدفع التصدق علیهم

رہا ہمارے دور کے ظالم حکمرانوں کو زکوٰۃ وعشر خراج جزیہ اور محصولات لینا تو صحیح تر یہ ہے کہ مالدار لوگ ان کو مال دیتے وقت ان پر صدقہ کی نیت کرلیں، تو ان سے شرعی مالی واجبات ساقط ہوجائیں گے۔ (فتاویٰ عالمگیری (190 : 1)

گویا ان کو دوبارہ ادا نہیں کرنا پڑے گا جیسے آج کل حکومت زبردستی زکوٰۃ بینکوں سے کاٹ لیتی ہے اور افسر شاہی شیر مادر سمجھ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ہمراہ ڈکار لئے بغیر سب کچھ ہڑپ کرجاتی ہے۔ اسی لئے حقیقت شناس لوگ بینکوں پر بھروسہ نہیں کرتے اپنے طور پر زکوٰۃ کی رقم اس کے مصارف میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ ہی احسن طریقہ ہے۔

اموال ظاہرہ واموال باطنہ مال دو طرح کا ہے ایک ظاہری جیسے مویشی غلہ مال تجارت وغیرہ اس کی زکوٰۃ اسلامی حکومت وصول کرتی ہے۔ دوسرا باطنی یا پوشیدہ مال جیسے زیورات یا نقدی اس کی زکوٰۃ ہر شخص خود ادا کرتا ہے۔

آج کل فی زمانہ چونکہ زکوٰۃ وعشر کا نظام حکومت کی طرف سے شرعی اصول کے مطابق نہیں اور چونکہ اس سے ضرورت مندوں، محتاجوں، مسکینوں کی کفالت عامہ کی ذمہ داری بھی حکومت نہیں لیتی نہ اس کے شرعی مصارف میں صرف کرتی ہے۔ بلکہ دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ میں بھی لوٹ مار اور افسر شاہی کے اللوں تللوں کی بھرمار ہے۔ نہ وصولی میں شرعی اصولوں کی پابندی ہے نہ صرف کرنے میں اس لئے محتاط مسلمان اپنے طور پر اپنے مالوں کی زکوٰۃ مناسب مصارف میں خود صرف کرتے ہیں یہ بالکل جائز ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ امراء سے لیکر فقراء پر صرف کرنے کے لئے فرض کی گئی ہے تاکہ غریب ومسکین حاجت مندوں کی باعزت کفالت ہو۔

بنی ہاشم پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں کہ یہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کبھی خود اپنی ذات پر مال زکوٰۃ صرف کیا نہ اپنے خاندان بنی ہاشم پر بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے خاندان بنی ہاشم پر زکوٰۃ وعشر کا مال حرام فرمادیا۔ حضور بھی زکوٰۃ کی وصولی وتقسیم کا کام بلا معاوضہ کرتے تھے اور اپنے خاندان کے لئے بھی یہ حکم تھا کہ ان میں سے جو کوئی بلا معاوضہ یہ خدمت کرنا چاہے کرے، لیکن زکوٰۃ میں سے معاوضہ لے کر یہ خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ ہاں زکوٰۃ کے محکمہ میں کام کرنے والا ہاشمی زکوٰۃ فنڈ کے علاوہ تنخواہ پائے تو یہ جائز ہے۔ البتہ زکوٰۃ کے علاوہ ان تحائف دیئے جاسکتے ہیں۔

(فتاویٰ عالمگیری 188 : 1)

چوتھا مصرف، مؤلفتہ القلوب زکوٰۃ وعشر کا چوتھا مصرف مؤلفتہ القلوب ہیں یعنی وہ لوگ جن کی تالیف قلب مقصود ہے تالیف قلب کا مطلب ہے دل موہ لینا، مائل کرنا، مانوس کرنا۔ اس حکم خداوندی کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کے سخت مخالف ہیں اور مال دے کر ان کی مخالفت ختم کی جاسکتی ہے یا ایسے نادار کافر جن کی مالی امداد کرکے ان کو اسلام کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے جس کے نتیجہ میں پہلے ان کا جوش عداوت ٹھنڈا ہوگا اور بالآخر وہ اسلام میں داخل ہوسکتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوں اور ان کی مناسب مالی مدد نہ کی گئی تو امکان ہے کہ وہ اپنی کسمپرسی اور کمزوری کی بناء پر پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے۔ ایسے لوگوں کو وقتی عطیات یا مستقل وظائف مال زکوٰۃ سے دے کر ان کو اسلام کا مطیع وفرماں بردار یا کم از کم بے ضرر دشمن بنالیا جائے ایسے لوگوں کو مال

زکوٰۃ دینا جائز ہے خواہ وہ غریب ہوں خواہ مالدار اس بات میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ وعشر کے جو آٹھ مصارف ذکر کئے گئے ہیں ان میں مؤلفتہ القلوب کا حصہ بھی شامل ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤلفتہ القلوب کو اپنی حیات ظاہری میں مالی وظائف دیا کرتے تھے۔ مثلاً خاندان بنی امیہ میں سفیان بن حرب، نبی مخزوم میں حارث بن ہشام، عبدالرحمٰن بن یربوع، نبی جمح میں صفوان بن امیہ، بنی عامر بن لوئی میں سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ، بنی اسد بن عبدالعزیٰ میں حکیم بن حزام، بنی ہاشم میں ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب، فزارہ عینیہ بن حصن، بنی تمیم میں اقرع بن حابس، بنی نصر میں مالک بن عوف، بنی سلیم میں عباس بن مرداس، ثقیف میں علاء بن حارثہ، بنی حارثہ، بنی سہم میں عدی بن قیس، ان میں سے بعض کو 100 اونٹ اور بعض کو 50 ملے۔

لیکن جب خلافت صدیقی میں عینیہ بن حصن اپنا حصہ لینے آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی اَلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے دوسری روایت میں ہے عینیہ اور اقراع، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس زمین مانگنے آئے۔ آپ نے ان کو تحریر لکھ دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چاک کردیا، اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں یہ کچھ اس لئے دیتے تھے کہ تم اسلام سے مانوس ہوجاؤ۔ اب اللہ نے اسلام کو غلبہ دے دیا ہے اور اسے تم لوگوں سے مستغنی کردیا ہے، اسلام پر قائم رہو گے تو ٹھیک، ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کریگی وہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ کر آئے اور کہنے لگے آپ خلیفہ ہیں یا عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی اور کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی 114 : 8۔۔۔ بدائع الصنائع 45 : 2۔۔۔ فتح القدیر 1۔ 200۔۔۔ تفسیر کبیر 16 (111 : کیا مؤلّفتہ القلوب کا حصہ منسوخ ہوچکا ہے؟ امام رازی لکھتے ہیں۔

الصحیح ان ھذا الحکم غیر منسوخ وان للامام ان یتألف قوما علی ھذا الوصف ویدفع الیھم سھم المؤلّفة

صحیح یہ ہے کہ حکم منسوخ نہیں اور امام کا حق ہے کہ ایسے لوگوں کو اسی طرح مانوس کرتا رہے اور ان کو مؤلّفتہ القلوب کا حصہ دیتا رہے۔ (کبیر 111 : 16)

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے مصارف زکوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے ایک مصرف مؤلّفتہ القلوب کا مقرر فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مد میں زکوٰۃ وعشر کی آمدنی خرچ فرمائی۔ اور کبھی اسے منسوخ نہ فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان تمام حضرات کے وہ وظائف بند کردیئے جو تالیف قلب کے طور پر وہ اس سے پہلے وصول کرتے تھے۔ بعض ائمہ کرام (جیسے احناف) کا موقف یہ ہے کہ مؤلّفتہ القلوب کا حصہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روک لیا تھا اور تمام صحابہ کرام کے سامنے ایسا ہوا اور کسی نے

اس پر اختلاف یا انکار نہ کیا پس معلوم ہوا کہ اس مصرف کے سقوط پر اجماع صحابہ ہے اور چونکہ اجماع دلیل قطعی ہے۔ لہٰذا قرآن کا نسخ اس سے جائز ہے بعض ائمہ نے فرمایا پہلے تالیف قلب کی ضرورت تھی لہٰذا یہ مصرف بحال رہا۔ جب اسلام کو قوت حاصل ہوگئی تو کسی کی تالیف قلب کی ضرورت نہ رہی پس حکم جاتا رہا۔ ہمارے نزدیک تالیف قلب کی آج بھی اتنی ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے جتنی ابتدائے اسلام میں۔ آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ اس فنڈ میں سے غریبوں کی مدد کر کے ان کے عقیدہ کو بچایا جائے۔

مسلمانوں کو مال کی لالچ میں مرتد ہونے سے اور غیر مسلم غریبوں کی مالی اعانت کر کے انہیں مسلمان کیا جائے۔ خصوصاً اس دور میں جبکہ غیر مسلم امیر ممالک اور ان کی ایجنسیاں غریبوں کو مرتد کرنے پر اربوں ڈالر اور بعض پٹرول کی دولت سے مالا مال شرق اوسط کے ممالک لوگوں کو بدعقیدہ کرنے پر پانی کی طرح پیسہ بہا رہے ہیں۔ پختہ صحیح العقیدہ صاحبانِ ثروت مسلمانوں کو اپنی دولت اور عشر وزکوٰۃ غریب وفادار غیر مسلموں کی اصلاح پر خرچ کرنی چاہیے۔ بیروزگار و بیمار لوگوں کی مالی اعانت کرنی چاہیے۔ یونہی نادار ومفلس مسلم وغیر مسلموں کے بچوں کی تعلیم وتربیت پر زکوٰۃ وعشر کی رقوم خرچ کرنا چاہیے نیز ذمی شہریوں سے جزیہ وخراج وصول کر کے ذمی طلباء وغربا کی ہر طرح کی مالی اعانت کی جائے اور ان کو ضروریات زندگی مہیا کی جائیں۔ یہ سب اسلامی فلاحی حکومت کی قانونی ذمہ داری ہے۔

امیروں اور ڈانواں ڈول لوگوں پر خرچ کر کے ان کو مخالفین اسلام کے ہاتھوں استعمال ہونے سے بچایا جائے۔ نومسلموں کی مالی اعانت کر کے ان کو اسلام کی طرف مائل ومانوس کیا جائے۔ مال کے خواہش مندوں کو مالی مدد دیکر اسلام پر کاربند کیا جائے۔ دشمن قوتوں کی مالی اعانت کر کے ان کے شر سے ملک وملت کو بچایا جائے غیر مسلم قوتیں مال دے کر مسلمانوں کے عقیدے خراب کرتی اور ان کو مرتد کرتی ہیں۔ اسلام بھی ان پر مال خرچ کر کے ان کو مسلمان ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ صحابہ کرام کا اجماع اس بات پر ہوا تھا کہ اس دور میں مؤلفۃ القلوب کو کچھ دینے کی ضرورت نہ رہی تھی۔

آج بھی ضرورت نہ ہو تو آپ کو کسی نے مجبور نہیں کیا کہ ضرور مؤلفۃ القلوب کا مصرف پیدا کریں۔ لیکن ضرورت ہو تو پھر آپ اس مد میں زکوٰۃ صرف کر سکتے ہیں۔ جیسے دوسری مدات ہوں تو زکوٰۃ صرف کریں کوئی مد نہ ہو تو چھوڑ دیں بیت المال میں مال جمع کرا دیں۔ یہ قرآنی حکم کا نسخ نہیں بلکہ علت نہ رہنے سے حکم ختم ہو گیا، جیسے تیمّم اس وقت تک کر سکتے ہیں جب تک پانی استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو۔ جونہی پانی پر قدرت حاصل ہوئی تیمّم کا حکم ختم۔ حکم علت کے ساتھ رہا۔ ہمیشہ کیلئے منسوخ ہوا نہ ہر صورت میں نافذ! یہی معاملہ ہے مؤلفۃ القلوب کا جہاں جب ضرورت ہو صرف کریں ضرورت نہ ہو مت کریں۔ جیسے آئمہ احناف نے فرمایا

ان المقصود بالدفع اليهم كان اعزاز الاسلام لضعفه فى ذلك الوقت لغلبه اهل الكفر فكان الاعزازيه فى الدفع فلما تبدل الحال بغلبته اهل الاسلام صار الااعزاز هو المقصود وهو باق على جاله فلم يكن نسخا كالمتيم . .

.الخ فتح القدیر شرح ہدایہ لابن الھمام ہے الکفایہ (للخوارزمی 201 : 2) اس وقت اسلام کمزور تھا لہٰذا مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے کا مقصد اسلام کو قوت دینا تھا۔ کیونکہ کافر غالب تھے پس اعزاز اسلام ان کو زکوٰۃ دینے کا مقصد اسلام کو قوت دینا تھا۔ اہل اسلام کے غلبہ سے جب صورت حال بدل گئی اب غلبہ اہل اسلام ان کو زکوٰۃ نہ دینے میں ہو گیا پس اس (ابتدائی) زمانہ میں ان (مؤلفۃ القلوب) کو دینا اور اس پچھلے دور میں نہ دینا (جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے کیا) غلبہ دین کے بمنزلہ ذریعہ ووسیلہ ہوا۔ اصل مقصود غلبہ دین ہے اور وہ اسی طرح اب بھی باقی ہے۔ پس نسخ نہ ہوا۔ جیسے تیمّم (کہ مجبوری کے وقت جائز ہو گیا اور مجبوری نہ رہی تو ختم ہو گیا نہ ہمیشہ کے لئے جائز نہ منسوخ) (شرح ہدایہ، للخوارزمی فتح القدیر شرح ہدایہ لعلامہ ابن ہمام 201 : 2 طبع پاکستان)

پانچواں مصرف۔۔۔ وفی الرقاب گردنیں چھڑانے میں اسلام سے پہلے دنیا کے اکثر ممالک میں غلامی کا دور دورہ تھا، کمزور، نادار، اور پسماندہ انسانوں کو طاقتور لوگ اپنا غلام بنا لیتے تھے۔ یونہی لڑائیوں اور جنگوں میں غالب قوم، مغلوب قوم کو اپنا غلام بنا کر ان کے گھر بار زمین جائیداد یہاں تک کہ ان کی جانوں کی مالک بن جاتی تھی اسلام نے انسانی غلامی کو جرم قرار دیا جو صدیوں سے نسلاً بعد نسل غلام تھے ان کو قانوناً واخلاقاً کئی طریقوں سے آزاد کرنے کا دروازہ کھول دیا۔ جس کے نتیجہ میں تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا اس لعنت سے پاک ہوگئی جو مالک اپنے غلاموں لونڈیوں کو بلا معاوضہ آزاد کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کو مالی معاوضہ دے کر غلاموں کو آزادی دلائی گئی۔ مالک اپنے مملوک سے آزادی کے لئے جو مالی معاوضہ طلب کرے اسے بدل کتابت کہا جاتا ہے غلام مطلوبہ رقم ادا کر کے آزادی سے ہمکنار ہو سکتا ہے اور وہ رقم مال زکوٰۃ سے دی جا سکتی ہے۔ یونہی جو مسلمان آج کل ظالم وغاصب کافروں سے اپنی اپنی آئندہ نسلوں کی بقاء وآزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں وہ محکوم ومظلوم مسلمان بھی مال زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ اور اس قرآنی مصرف میں شامل ہیں۔ چھٹا مصرف۔۔۔ الغارمین: والغارمین اور قرضداروں کو یعنی مال زکوٰۃ سے قرض داروں کے قرض بھی ادا کئے جا سکتے ہیں

حج پر جانے والے کو زکوٰۃ دینے میں فقہ حنفی کا بیان:

اور اللہ کے راستے میں امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے مجاہدین مراد لئے ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عازمین حج جو راستے میں مالی مدد کے محتاج ہوں۔ کچھ علماء کے نزدیک طالب علم مراد ہیں۔

امام کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ وہ فی سبیل اللہ **عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فى طاعة الله و سبيل الخيرات اذا كان محتاجا فى سبيل الله** سے مراد ہے تمام نیکی کے کام، اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اللہ کی اطاعت اور نیک کاموں میں تگ ودو کرے۔ جب کہ (زکوٰۃ کا) حاجت مند ہو۔ (بدائع الصنائع 45 : 2)

امام رازی فرماتے ہیں۔ **ان ظاهر اللفظ لايوجب القصر على كل الغزاة** ظاہر لفظ مجاہدین پر حصر لازم نہیں کرتا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ زکوٰۃ کا ساتواں مصرف قرآن کریم میں فی سبیل اللہ بیان فرمایا گیا ہے۔ بعض فقہاء کرام نے اس سے حج اور جہاد پر جانے والے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو سفر اور متعلقہ ضروریات کے سلسلہ میں مالی تعاون کے طالب ہیں ان پر

زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ کتاب وسنت میں براہ راست یہ وضاحت نہیں کی گئی۔لہٰذا مجاہدین سے مراداگر عام معنی مرادلیا جائے تو زیادہ مناسب ہے یعنی وہ لوگ جو دین اسلام کی سربلندی کے لئے جدوجہد میں مصروف ہیں خواہ وہ جہد فوجی میدان میں ہوخواہ تعلیمی میدان میں،خواہ تبلیغی وتربیتی میدان میں جہاد کا مفہوم قتال وغزاء سے عام ہے۔پس جولوگ ان محاذوں پرمصروف کارہیں اگروہ مالی تعاون کےمحتاج ہوں توزکوٰۃ سے ان کے وقتی یا مستقل وظائف مقرر کئے جاسکتے ہیں۔

مکاتب کوزکوٰۃ دینے میں مذاہب اربعہ:

فقہاءاحناف کے نزدیک زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنا جائز ہے۔حضرت امام شافعی،امام مالک اورامام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔(بنایہ شرح ہدایہ،۴،ص،۱۸۲،حقانیہ ملتان)

حج پرجانے والےکوزکوٰۃ دینے میں فقہ حنبلی کا بیان:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اکثر علماء کرام کا کہنا ہے کہ یہ جہاد کے ساتھ خاص ہے یہ حج کوشامل نہیں، لیکن امام احمد رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ اس میں حج بھی داخل ہےاوراس میں مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے :ام معقل رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوعرض کیا مجھ پرحج فرض ہےاورابومعقل رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس ایک جوان اونٹ ہے،ابومعقل رضی اللہ تعالی عنہ کہنے لگے میں نے اسے فی سبیل اللہ صدقہ کردیا ہےتورسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے :یہ اسے دےدوتا کہ وہ اس پرحج کرے کیونکہ یہ فی سبیل اللہ ہی ہے۔

سنن ابوداود حدیث نمبر(1988)

اورعبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے کہ حج فی سبیل اللہ میں سے ہے،حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں اسے ابوعبید رحمہ اللہ تعالی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔(-المغنی ابن قدامہ المقدسی(9 / 328)

غریب الوطن مسافرکوزکوٰۃ دینے کا بیان:

(وَابْنُ السَّبِيلِ مَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِي وَطَنِهِ) وَهُوَ فِي مَكَان لَا شَيْءَ لَهُ فِيهِ .قَالَ :(فَهَذِهِ جِهَاتُ الزَّكَاةِ ، فَلِلْمَالِكِ أَنْ يَدْفَعَ إلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ، وَلَهُ أَنْ يَقْتَصِرَ عَلَى صِنْفٍ وَاحِدٍ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ إلَّا أَنْ يَصْرِفَ إلَى ثَلَاثَةٍ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ ، لِأَنَّ الْإِضَافَةَ بِحَرْفِ اللَّامِ لِلِاسْتِحْقَاقِ .

وَلَنَا أَنَّ الْإِضَافَةَ لِبَيَانِ أَنَّهُمْ مَصَارِفُ لَا لِإِثْبَاتِ الِاسْتِحْقَاقِ ، وَهَذَا لِمَا عُرِفَ أَنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى ، وَبِعِلَّةِ الْفَقْرِ صَارُوا مَصَارِفَ فَلَا يُبَالِي بِاخْتِلَافِ جِهَاتِهِ ، وَالَّذِي ذَهَبْنَا

إلَيْهِ مَرْوِيٌّ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ .

ترجمہ:

اوروہ شخص جس کا مال اس کے وطن میں ہولیکن وہ خودایسی جگہ پر ہے کہ یہاں اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔مصنف نے کہا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے مصارف ہیں۔لہٰذا مالک کواختیار ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کودے۔اوراسے اس بات کا بھی اختیار ہے کہ وہ ایک ہی قسم کودینا کافی سمجھے۔اورحضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے ان اقسام میں تین قسم کے لوگوں سے کم کوزکوٰۃ دینا جائزنہیں ہے۔کیونکہ حرف لام کے ساتھ اضافت ثابت ہوجاتی ہے۔

اورہماری دلیل یہ ہے کہ یہاں اضافت اس حکم کوبیان کرنے کیلئے ہے کہ مذکورہ تمام اقسام زکوٰۃ مصارف ہیں۔جبکہ استحقاق ثابت کرنے کیلئے نہیں ہے۔اوریہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ زکوٰۃ اللہ تعالی کا حق ہےاوراس کی علت فقر ہے لہٰذا مذکورہ اقسام اس کے مصارف ٹھہرے۔پس جہت فقر کے مختلف ہونے کی جانب التفات نہ کیا جائے گا۔اورہمارا بیان کردہ مذہب حضرت عمر فاروق اورحضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔

شرح

آٹھواں مصرف۔۔۔ابن سبیل مسافر:زکوٰۃ کا آٹھواں مصرف مسافر ہے۔خواہ گھر میں مالدار ہومگر سفرمیں تنگدست ہوجائے اور مالی تعاون کامحتاج ہو،توزکوٰۃ سے اس کی مالی مدد کی جائے گی۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

المراد الذی انقطعت به الاسباب فی سفره عن بلده ومستقره وماله فانه يعطى منها وان كان غنيا فی بلده .

اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے وسائل واسباب گھرٹھکانہ اور مال سے دورسفرمیں ہونے کی وجہ سے اس کی دسترس سے باہر ہیں۔اس کو مال زکوٰۃ سے دیا جائے گا اگرچہ اپنے شہر میں امیر ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی 119 : 8بدائع الصنائع کاسانی(46 : 2ہدایہ مع فتح القدیرلعلامہ ابن الھمام 204 : 2ردالمحتارشامی ج(343 : 2)

جب جمع پرلام تعریف ہوتواس کی جمعیت کے ساقط ہونے کا قاعدہ فقہیہ:

جب جمع پرلام تعریف داخل ہوتواسکی جمعیت ساقط ہوجاتی ہے۔ (المنار ص ۸۱،مکتبہ اکرمیہ پشاور)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جمع کے افرادتین سے شروع ہوتے ہیں لیکن جب کسی جمع پرلام تعریف داخل ہوجائے توپھراسی جمع کے افرادتین کی بجائے ایک سے شروع ہوتے ہیں۔اس قاعدہ کا ماخذیہ اصل ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین ۔(التوبہ ۶۰)

زکوٰۃ کے مصارف صرف فقراء اور مساکین ہیں (الخ)۔

فقیر اور مسکین کی جمع:

اس آیت مبارکہ میں فقراء اور مساکین کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جو کہ لفظ فقیر اور مسکین کی جمع ہے تو کیا زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے کہ دنیا بھر کے تمام فقراء اور مساکین تک مال زکوٰۃ پہنچایا جائے۔ یا مال زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے کم از کم فقیروں کی تعداد یا مساکین کی تعداد جمع ہو یعنی تین سے کم نہ ہو۔ ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ الفاظ کی جمعیت کا تقاضہ یہی ہے۔ تو اس کا جواب اس قاعدہ سے دیا گیا ہے کہ ان الفاظ پر لام تعریف کے دخول کی وجہ سے انکی جمعیت ساقط ہوگئی ہے۔ اور انکی جمعیت کے افراد کی تعداد ایک سے شروع ہوگی کہ اگر کسی نے ایک فقیر یا مسکین کو بھی زکوٰۃ دے دی تو اسکی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ مال زکوٰۃ پوری دنیا کے افراد تک پہنچایا جائے۔

فقیر کی تعریف:

امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی معمولی چیز ہو۔

مسکین کی تعریف:

وہ شخص جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ جبکہ امام زہری علیہ الرحمہ کے سے روایت ہے کہ فقیر وہ ہے جو اپنے گھر میں رہتا ہو اور لوگوں سے سوال نہ کرتا ہو جبکہ مسکین وہ ہے جو گھر سے نکلے اور لوگوں سے سوال کرے۔ (قمر الاقمار ص ۸۱، مکتبہ اکرمیہ پشاور)

دوسری تفریع:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لا يحل لك النساء من بعد ،اے واحد من النساء من بعد التسع فهو فى حقه ﷺ كلاربع فى حقنا

(البیضاوی)

آپ کیلئے حلال نہیں اس کے بعد عورتوں میں سے۔ یعنی نو بیویوں کے بعد یہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ایسے ہی ہے جیسے ہمارے حق میں چار کے بعد ممانعت ہے۔

اس آیت میں لفظ نساء استعمال ہوا ہے جو کہ نسوۃ کی جمع ہے تو کیا ایک مسلمان کیلئے چار بیویوں کے بعد اتنی عورتوں سے نکاح منع ہے جن کی تعداد جمع یعنی کم از کم تین ہو اس کا مطلب بھی اسی قاعدہ کے مطابق ہے کہ یہاں بھی لفظ "النساء" پر لام تعریف داخل ہے اور اس کا مطلب ہے کہ اگر کسی نے چار بیویوں کے بعد کسی ایک عورت سے بھی نکاح کیا تو اس ممانعت کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔

فقیر کیلئے زبردستی زکوٰۃ لینا جائز نہیں:

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ نے محیط برہانی میں لکھا ہے کہ کسی فقیر کیلئے جائز نہیں کہ وہ زکوٰۃ کا مال یا کسی غنی کا مال اس کے علم (اجازت) کے بغیر حاصل کرے۔ اگر کسی فقیر نے مال لیا تو زکوٰۃ دینے والا اس کا ارادہ مسترد کر سکتا ہے یا اسے زکوٰۃ دیکر اس کے فیصلے کو قائم رکھ سکتا ہے۔ اور اسی طرح اگر فقیر نے غنی کا مال اس کی اجازت کے بغیر لیا اور وہ مال ہلاک ہو گیا تو فقیر اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ فقیر کو اس مال کو زکوٰۃ کیلئے معین کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور فقیر اگرچہ طاقتور کمانے والا ہے اس کیلئے زکوٰۃ لینا جائز ہے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

(شرح الوقایہ فی مسائل الہدایہ، ج ۱، ص ۴۰۱، بیروت)

مالداروں کو زکوٰۃ دینے میں فقہ شافعی و حنفی کا اختلاف:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مالداروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ ان (امراء) سے زکوٰۃ وصول کرو اور ان کے فقراء میں اس کو تقسیم کرو۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ کہ جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: غنی کیلئے صرف پانچ صورتوں میں صدقہ جائز ہے۔ اور ان پانچ میں سے غازیوں کا بھی ذکر ہے۔ (حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے مگر پانچ طرح کے لوگوں کے لیے (یعنی ان کے باوجود غنی ہونے کے صدقہ لینا جائز ہے) ایک راہ خدا میں جہاد کرنے والا، دوسرے زکوٰۃ کی وصول یابی پر مامور شخص، تیسرے مقروض، چوتھا وہ شخص جو اپنے صدقہ کو مال کے ذریعے سے خرید لے، پانچواں وہ شخص جس کا ہمسایہ مسکین ہو اور اس نے مسکین کو صدقہ دیا اور اس مسکین نے وہ مال کسی غنی کو ہدیہ میں دے دیا۔) (سنن ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ مضبوط فی البدن ہے۔ اور وہ قوت بدنی کے باوجود کمانے سے بے پرواہ ہے۔ البتہ اس کیلئے زکوٰۃ طلب کرنا جائز نہیں ہے مگر جب وہ غازی ہو۔ کیونکہ وہ کمانے کی بجائے جہاد میں مصروف ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ فقیر ہے۔ کیونکہ اس میں ایک دوسری چیز کا اضافہ ہوا ہے جو فقر ہے۔ کیونکہ جہاد میں مصروفیت کی وجہ سے وہ اللہ کی عبادت کی طرف جدا ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح حج میں بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس شخص کا فقیر ہونا مطلق فقیر ہونے کے متغایر ہے۔ اور یہ اصول یہ ہے کہ مقید مطلق کا ہمیشہ متغایر ہوتا ہے۔ لہٰذا مغایرت کے اثر سے دوسرے حکم کا اثر ظاہر ہو گیا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۱۹۹، بیروت)

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بطریق ارسال روایت کرتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ غنی کے لیے زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہاں پانچ صورتوں میں غنی کے لیے بھی زکوٰۃ کا مال حلال ہوتا ہے (۱) خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے غنی کے لیے جب کہ اس کے پاس سامان جہاد نہ ہو۔ (۲) زکوٰۃ وصول کرنے والے غنی کے لیے (۳) تاوان بھرنے والے غنی کے

لیے (۴) زکوٰۃ کا مال اپنے مال کے بدلے میں خریدنے والے غنی کے لیے یعنی کسی شخص نے ایک مفلس کو زکوٰۃ کا کوئی مال دیا اور غنی اس مفلس سے زکوٰۃ کے مال کو خریدے اور اسے اس کا بدل دے دے تو اس صورت میں غنی کے لیے وہ مال جائز وحلال ہوگا۔ (۵) اور اس غنی کے لیے کہ جس کے پڑوس میں کوئی مفلس رہتا ہو اور کسی شخص نے اسے زکوٰۃ کا کوئی مال دیا اور وہ مفلس اپنے پڑوسی مال دار غنی کو اس میں سے کچھ حصہ تحفہ کے طور پر بھیجے تو وہ غنی کے لیے جائز وحلال ہوگا۔ (مالک، ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت جو ابوسعید سے منقول ہے لفظ او ابن السبیل (یعنی اس غنی کے لیے بھی کہ جو مسافر ہو زکوٰۃ کا مال حلال ہے مذکور ہے۔

تاوان بھرنے والے غنی سے وہ مال دار اور غنی مراد ہے جسے کسی تاوان وجرمانے کے طور پر ایک بڑی رقم یا کسی مال ایک بڑا حصہ ادا کرنا ہے اگرچہ وہ مالدار ہے مگر اس کے ذمہ تاوان اور جرمانے کی جو رقم یا جو مال ہے وہ اس کے موجودہ مال ورقم سے بھی زیادہ ہے تو اس کے لیے جائز اور حلال ہے کہ وہ زکوٰۃ لے کر اس سے وہ تاوان پورا کرے اب وہ تاوان خواہ دیت کی صورت میں یا یہ شکل ہو کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا قرضدار تھا اس نے طرفین کو لڑائی جھگڑے سے بچانے کے لیے یا کسی اور وجہ سے اس شخص کا قرض اپنے ذمہ لے لیا کہ اس کی طرف سے اس کا قرض میں ادا کروں گا اس کی وجہ سے وہ قرض دار ہوگیا یا پھر یہ شکل بھی مراد ہوسکتی ہے کہ وہ خود کسی کا قرض دار ہوا اپنا قرض ادا کرنے کے لیے اسے رقم ومال کی ضرورت ہو امام شافعی کے مسلک کے مطابق وہ غازی جہاد کرنے والا جو غنی اور مالدار ہو زکوٰۃ لے سکتا ہے اور اسے زکوٰۃ لینی درست ہے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اسے زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے کیونکہ دوسری احادیث میں مطلقاً غنی کو زکوٰۃ دینے سے منع فرمایا گیا ہے کہ غنی کے لیے صدقات کا مال حلال نہیں ہے پھر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جو حکم تحریر فرمایا تھا اس میں آپ نے مطلقاً یہی ارشاد فرمایا تھا کہ (جس قوم میں تم گئے ہو) اس قوم کے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کرواسے ان کے فقراء ومساکین پر صرف کرو، چنانچہ وہ حدیث کہ جس میں حضرت معاذ کے بارے میں مذکورہ حکم منقول ہے یہاں ذکر کی گئی حدیث سے زیادہ قوی ہے۔

ان کے علاوہ حدیث میں جو ذکر کی گئی ہیں وہ سب صورتیں متفقہ طور پر تمام ائمہ کے نزدیک درست ہیں کیونکہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو تو زکوٰۃ کا مال لینا اس لیے درست ہے کہ وہ اپنی محنت اور اپنے عمل کی اجرت لیتا ہے اس صورت میں اس کا فقر وغنا دونوں برابر ہیں۔ تاوان بھرنے والا اگرچہ غنی ہے لیکن اس پر جو قرض کا مطالبہ ہے وہ اس کے موجودہ مال سے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کا مال نہ ہونے کے برابر ہے اسی طرح باقی دونوں صورتوں کا معاملہ بھی ظاہر ہی ہے کہ زکوٰۃ جب مستحق زکوٰۃ کو مل گئی تو گویا وہ اپنے محل اور اپنے مصرف میں پہنچ گئی اور وہ مستحق زکوٰۃ اس مال کا مالک ہو گیا اب چاہے وہ اسے فروخت کردے چاہے کسی کو تحفہ کے طور پر دے دے۔

قاعدہ فقہیہ، مقید مطلق کا ہمیشہ متغایر ہوتا ہے:

مقید ہمیشہ مطلق کا متغایر ہوتا ہے۔ (عنایہ)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی حکم شرعی کا دیکھیں کہ اس کا مطلق حکم کیا ہے اور پھر اسی حکم کو تقیید کو دیکھیں تو ان دونوں

میں متغایرت ہوگی۔ جس طرح نماز کا حکم ہے۔ کہ مکمل نماز پڑھنا اس کا حکم مطلق ہے۔ اور سفر شرعی کی صورت میں اس کا حکم مقید ہے اور حکم مطلق میں فرض چار رکعتوں کو پڑھنے والا الحکم مقید کی حالت میں دو رکعتیں پڑھتا ہے جو ایک دوسرے کا متغایر ہیں۔ اسی طرح مطلق ومقید کے تمام احکام اس قاعدے کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں اور ان باہمی فرق کی وجہ سے احکام کے سمجھنے میں آسانی بھی فراہم ہوتی ہے۔ (رضوی عفی عنہ)

لام عاقبت ہونے میں فقہی دلائل کا بیان:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

" کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے اصلی چیز یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کے کچھ حصہ کا کسی مسلمان محتاج کو، جو ہاشمی یا کسی ہاشمی کا آزاد کردہ غلام نہ ہو، ادائیگی زکوٰۃ کی نیت کے ساتھ اس طرح مالک بنادے کہ خود اپنی کوئی غرض اس ادا کردہ مال کے ساتھ وابستہ نہ رکھے۔ ایک معترض اس پر یہ کہہ سکتا ہے کہ تمھارا یہ کہنا کہ تملیک ادائیگی زکوٰۃ کے لیے رکن کی حیثیت رکھتی ہے محض ایک خالی خولی دعویٰ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں جو نقلی دلیلیں وارد ہیں، ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جس سے اس دعویٰ کا ثبوت مہیا ہوتا ہو۔ لے دے کر اس باب میں جو چیز دلیل کی حیثیت رکھتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ 'اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ '، لیکن اس کا حال بھی یہ ہے کہ تم (یعنی حنفیہ)' لِلْفُقَرَآءِ ' کے "لام " کو "عاقبت" کے معنی میں لیتے ہو، تملیک کے معنی میں نہیں لیتے۔ جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ لام کو جو ہم "عاقبت" کے معنی میں لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مقبوضہ مال آخر کار ان کی ملک بن جائے گا۔ پس اپنی ابتدائی حیثیت میں تو یہاں فقرا اور مساکین کا ذکر مصارف زکوٰۃ بیان کرنے کے پہلو سے ہوا ہے، مستحقین کی حیثیت سے نہیں ہوا ہے، لیکن لام اس بات پر دلیل ہے کہ بالآخر ان کو ملکیت حاصل ہوجائے گی۔ پس تملیک کا دعویٰ محض دعویٰ ہی دعویٰ نہیں رہا۔" (فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۰، بیروت)

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم 'وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ ' کے ذریعہ سے مالکین نصاب کو زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور 'ایتاء 'تملیک ہی ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا نام صدقہ رکھا ہے۔ ارشاد ہے' :اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ 'اور تصدیق وہی تملیک ہے۔ "

دوسری جگہ ہے:

واما رکنه فهو التملیک لقوله تعالیٰ واتوا حقه یوم حصاده والایتاء هو التملیک.

(بدائع الصنائع ۲/ ۶۴۔ ۶۵)

"رہا زکوٰۃ کا رکن تو وہ تملیک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:' وَاٰتُوا حقه، یَوْمَ حَصَادِهٖ ' (اور اس کی کٹائی کے وقت اس کا حق دو) یہاں 'ایتاء ' سے مقصود ہی تملیک ہے۔"

تملیک کی تائید میں جن نصوص کا حوالہ دیا جاتا ہے، وہ یہ ہیں:

اما النص فقوله تعالیٰ انما الصدقات للفقراء وقوله عزوجل فی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم والاضافة بحرف اللام تقتضی الاختصاص بجهة الملك اذاكان المضاف اليه من اهل الملك.

(بدائع الصنائع ۲/۴)

"رہا تملیک کے ثبوت میں نص تو اللہ تعالیٰ کا قول 'اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ' (خیرات کا مال تو بس غریبوں کے لیے ہے) اور دوسری آیت ہے' :فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ '(اوران کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے ایک متعین حق ہے) حرف لام کے ذریعہ سے جب اضافت ہو تو وہ ملکیت کے پہلو سے اختصاص کو چاہتی ہے بشرطیکہ مضاف الیہ اہل ملک میں سے ہو۔"

ذمی کوزکوۃ دینے کے عدم جواز کا بیان:

(وَلَا يَجُوزُ أَنَّهُ يَدْفَعُ الزَّكَاةَ إلَى ذِمِّيٍّ) (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِمُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ خُذْهَا مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَرُدَّهَا فِي فُقَرَائِهِمْ) . " قَالَ (وَيَدْفَعُ مَا سِوَى ذَلِكَ مِنْ الصَّدَقَةِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَدْفَعُ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ .وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(تَصَدَّقُوا عَلَى أَهْلِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا) "وَلَوْلَا حَدِيثُ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَقُلْنَا بِالْجَوَازِ فِي الزَّكَاةِ .

ترجمہ

اور ذمی کوزکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ زکوۃ ان مسلمانوں کے مالداروں سے وصول کرواوران کے فقراء میں تقسیم کرو۔ہاں البتہ اس کے سواذمی کو ہر صدقہ دینا جائز ہے۔اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ انہیں نہ دے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت اسی طرح روایت کی گئی ہے اور انہوں نے زکوۃ پر قیاس کیا ہے جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمام دین والوں کو صدقہ دو۔اگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث نہ ہوتی تو ہم زکوۃ دینے کا بھی کہتے۔

شرح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو (امیر یا قاضی بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تم اہل کتاب میں سے ایک قوم (یہود ونصاریٰ) کے پاس جارہے ہو لہٰذا (پہلے تو تم) انہیں اس بات کی گواہی دینے کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔اگر وہ دعوت کو قبول کرلیں تو پھر تم انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔اگر وہ اسے مان

جائیں تو پھر اس کے بعد انہیں آگاہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے (یعنی ان لوگوں سے جو مالک نصاب ہوں) لی جائے گی اور ان کے فقراء کو دے دی جائے گی۔اگر وہ اسے مان جائیں تم یہ یاد رکھنا کہ ان سے زکوۃ میں اچھا مال لینے سے پرہیز کرنا یعنی چھانٹ کر اچھا مال نہ لینا بلکہ ان کے مال کو تین حصوں میں تقسیم کرنا اچھا، برا، درمیانہ لہٰذا زکوۃ میں درمیانہ مال لینا نیز تم (زکوۃ لینے میں غیر قانونی سختی کر کے یا ان سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کر کے جو ان پر واجب نہ ہوں اور یا انہیں زبان یا ہاتھ سے ایذاء پہنچا کر) ان کی بددعا نہ لینا کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس دعا کی قبولیت کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔(بخاری ومسلم)

زکوۃ کے سوا ہر صدقہ ذمی کو نہ دینے میں امام شافعی وامام ابو یوسف علیہما الرحمہ کی دلیل کا جواب:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حضرت امام شافعی اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ فرماتے ہیں کہ ذمی کو کوئی صدقہ بھی دینا جائز نہیں ہے۔کیونکہ اگر انہیں صدقہ دینا جائز ہوتا تو زکوۃ بھی جائز ہوتی۔جب زکوۃ جو صدقات فرضیہ میں سے ہے اس کی ممانعت نص میں بیان ہوئی تو کوئی صدقہ بھی دینا جائز نہیں۔

جبکہ دیگر ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ ہر دین والوں کو صدقہ دو۔اس میں لفظ کل میں عموم شامل ہے اور اگر حضرت معاذ رضی اللہ والی حدیث نہ ہوتی تو ہم زکوۃ دینے کے جواز بھی قائل ہوتے۔

اور جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ حربیوں کے بارے میں ہے اور انہی کے ساتھ خاص رہے گی۔جس طرح قرآن مجید میں یہ نص وارد ہوئی ہے۔" (إنَّمَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنْ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ) "لہٰذا یہاں ممانعت خاص اہل حرب کیلئے ہوگی اور یہاں پر یہ اصول بھی معلوم ہوا ہے۔

جو روایت میں کلمہ "کل" استعمال ہوا ہے یہ ادیان کی تاکید کیلئے آیا ہے۔نہ کہ اہل ادیان کی تاکید کیلئے استعمال ہوا ہے اگر ہمارے نزدیک یہاں مخصص مقارن ہے۔اور بات اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی کہ یہاں نہی نیکی سے اعراض کرنے میں ہے۔لہٰذا وہ صدقے سے متعلق نہ ہوگی۔(عنایہ شرح الہدایہ، ۳ج، ص۲۰۳، بیروت)

فقہی تصریحات کے مطابق اہل حرب کو کچھ دینا اصلاً قربت نہیں تو وہاں صدق تصدق ناممکن اور قطعاً حاصلِ حدیث یہ کہ جن کو دینا قربت ہے وُہ کسی دین کے ہوں ان پر تصدق کرو یہ ضرور صحیح ہے اور صرف اہلِ ذمّہ کو شامل نصرانی ہوں خواہ یہودی خواہ مجوسی خواہ وثنی، کسی دین کے ہوں، اگر وُہ قول لیں کہ غنی کو دینا صدقہ نہیں ہوسکتا تو مسلمان غنی بھی اس عموم اہل الادیان کلہا میں نہیں آسکا کہ وہ محلِ صدقہ ہی نہیں اور کلام تصدق میں ہے، یہی جواب اس حدیث سے ہے کہ ہر جاندار سے بھلائی صدقہ ہے، ورنہ صحیح مسلم شریف کی صحیح حدیث میں فرمایا کہ جو وزغ (گرگٹ، چھپکلی) کو ایک ضرب مارے سَو نیکیاں پائے۔اسی دوسری حدیث میں ہے۔جس نے سانپ کو قتل کیا اس نے گویا ایک مشرک حلال الدم کو قتل کیا۔(مسند احمد بن حنبل، ج۱، ص۳۹۵، بیروت)

مال زکوٰۃ سے مسجد بنانا اور کفن میت کے عدم جواز کا بیان:

(وَلَا يُبْنَى بِهَا مَسْجِدٌ وَلَا يُكَفَّنُ بِهَا مَيِّتٌ) لِانْعِدَامِ التَّمْلِيكِ وَهُوَ الرُّكْنُ (وَلَا يُقْضَى بِهَا دَيْنُ مَيِّتٍ) لِأَنَّ قَضَاءَ دَيْنِ الْغَيْرِ لَا يَقْتَضِي التَّمْلِيكَ مِنْهُ لَا سِيَّمَا مِنْ الْمَيِّتِ .

ترجمہ:

اورزکوٰۃ کے مال سے مسجد نہ بنائی جائے اور نہ ہی اس سے میت کو کفن دیا جائے۔ کیونکہ تملیک معدوم ہے۔ جبکہ وہی تو رکن ہے۔اور نہ اس سے میت کا قرض ادا کیا جائے۔ کیونکہ غیر کا قرض ادا کرنا اس کی (مزکی) ملکیت سے ادا کرنے کا تقاضہ نہیں کرتا۔ اور خاص طور پر جب میت کا مسئلہ ہو۔

زکوٰۃ میں تملیک کو رکن قرار دینے میں حکم فقہی:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں تملیک فقیر وغیرہ رکن ہے۔اور مسجد کو زکوٰۃ دینے میں تملیک حاصل نہ ہوگی لہٰذا زکوٰۃ مسجد کو نہ دی جائے۔اور اللہ تعالی کے فرمان "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" میں لام احناف کے نزدیک معاقبت کیلئے ہے۔جبکہ یہاں لام تملیک کیلئے ہونا چاہیے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ بابرتی حنفی لکھتے ہیں۔کہ یہاں عاقبت بمعنی مقبوض ہے۔اور مقبوض سے ہی ملکیت ثابت ہوگی ۔کیونکہ ابتدائی طور پر وہ مستحق نہیں لیکن جب ملکیت حاصل ہوئی تو ان کیلئے تملیک ثابت ہوئی۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج۳،ص۲۰۴، بیروت)

ہمارے دور کے نام نہاد سکالرز اور مغربی روشن خیالی کے دلدادہ لوگوں کو صاحب ہدایہ کی اس عبارت کی تملیک کو رکن کیوں قرار دیا ہے۔ بہت تحفظات کرتے ہیں۔انہیں شاید بھی معلوم نہیں کہ کہاں صاحب ہدایہ کا علمی مقام جو فقہ میں کوہ ہمالیہ ہے۔اور کہاں یہ مغربی چیونٹیاں جنہیں آج تک اپنی بل کا تعین کرنا بھی نہیں آیا کیونکہ یہ اتنے آوارہ و آزاد خیال ہیں کہ ایک گھر کو بھی انتہاء پسندی اور قید جانتے ہیں۔دنیا کی ساری قیود ان کو برداشت ہیں جبکہ مذہبی قیود پر حملہ کرتے ہوئے لوگوں میں آزاد خیالی کے نام سے حیوانیت کی طرف بڑی تیزی سے لیکر جا رہے ہیں۔

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کی تعمیر جائز نہیں اور اسی طرح پلوں کی تعمیر، کنوؤں کی کھدائی، راستوں کی درستگی، نہروں کی کھدائی اور حج اور جہاد کے لیے (زکوٰۃ کی رقم کا براہِ راست استعمال) جائز نہیں ہے، (اسی طرح) ہر اُس کام کے لیے جس میں تملیک نہیں پائی جاتی (زکوٰۃ کی رقم کا استعمال) جائز نہیں ہے، (زکوٰۃ کی رقم کو) میت کے کفن دفن اور اُس کے قرض کی ادائیگی کے لیے (براہِ

راست استعمال کرنا) جائز نہیں ہے، تبیین میں اسی طرح ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 1،ص188،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ)

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ مسجد کی تعمیر یا کفنِ میّت پر زکوٰۃ نہیں لگتی اور حیلہ یہ ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ دی جائے، پھر اسے ان کاموں میں خرچ کرنے کا کہا جائے، کیا اس فقیر کیلئے اس دینے والے کے حکم کی خلاف ورزی جائز ہے، میری نظر سے نہیں گزرا۔ہاں ظاہر یہی ہے کہ فقیر اس کے خلاف کرسکتا ہے۔(درمختار، ج۱،ص۱۴۱، باب المصرف، مجتبائی دہلی)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ صاحب نہر نے اس پر بحث کرتے ہُوئے فرمایا کہ حُرمت تملیک کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ خلاف ورزی کرسکتا ہے۔رحمتی نے فرمایا : ظاہر یہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں اس لیے کہ اس نے فقیر کو اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر اسے مالک بنادیا اور ساتھ شرط فاسد کا اضافہ کردیا حالانکہ ہبہ اور صدقہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔

(ردالمحتار ،کتاب الزکوٰۃ ، باب المصرف، مصطفیٰ البابی مصر)

پھر جب صریح شرط باوجود خلوصِ نیت اداء زکوٰۃ میں خلل انداز نہیں تو ایسا برتاؤ جو بظاہر معنیٔ شرط پر دلالت کرے مثلاً جب یہاں رہے تو دے اور نہ رہے تو نہ دے، بدرجہ اولی باعث خلل نہ ہوگا۔

علامہ علی بن عثمان زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر کسی کا فقیر پر قرض تھا معاف کرکے قرض سے اسے بری کردیا تو اس قرض کی زکٰوۃ ساقط ہوجائے گی کیونکہ ہلاک ہونے والے مال کی طرح ہے اور اگر کچھ معاف کیا تو مذکورہ دلیل کی بنا پر اتنے حصّہ کی زکٰوۃ ساقط ہوجائے گی لیکن باقی حصّہ کی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگرچہ وُہ ساقط ہونیوالے حصہ کو باقی کی زکوٰۃ میں شمار کرے کیونکہ ساقط ہونے والا مال نہیں اور باقی رہنے والے کا مال ہونا ممکن ہے اور بقیہ حصہ اس سے بہتر ہے لہٰذا اس سے اسقاط جائز نہ ہوگا۔ (تبیین الحقائق، کتاب الزکوٰۃ، الامیریہ مصر)

مساجد کی تعمیر و مصارف پر زکوٰۃ خرچ کرنا

مساجد کی تعمیر اور مصارفِ جاریہ پر زکوٰۃ و فطرہ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔بعض لوگ ان مقاصد کے لیے حیلہ کا سہارا لیتے ہیں، یہ حیلہ کا غلط استعمال ہے اور اس سے منشائے شریعت کو باطل کرنا مقصود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری ج 12 ص 326 پر لکھتے ہیں:

کسی خفیہ طریقہ سے مقصود حاصل کرنے کو حیلہ کہتے ہیں، علما کے نزدیک اس کی کئی اقسام ہیں:

1)) اگر جائز طریقے سے کسی کا حق (خواہ اللہ کا حق ہو جیسے زکوٰۃ یا بندے کا حق) باطل کیا جائے یا کسی باطل (مثلاً سود، رشوت، پگڑی وغیرہ) کو حاصل کیا جائے تو یہ حیلہ حرام ہے۔2)) اگر جائز طریقے سے کسی حق کو حاصل کیا جائے یا کسی ظلم یا باطل کو دفع کیا جائے تو حیلہ مستحب یا واجب ہے۔3)) اگر جائز طریقے سے کسی ضرر سے محفوظ رہا جائے تو یہ حیلہ مباح ہے۔4)) اگر جائز طریقے سے کسی مستحب کو ترک کرنے کا حیلہ کیا جائے تو یہ مکروہ ہے۔

ہسپتالوں میں زکوٰۃ سے نادار مریضوں کا علاج

رفاہی ادارے جو مریضوں کے علاج کے لیے زکوٰۃ کی رقم جمع کرتے ہیں، وہ اگر حدودِ شرع میں رہ کر زکوٰۃ خرچ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی چند صورتیں یہ ہیں:

1)) جتنی مالیت کی دوا نادار مستحقِ زکوٰۃ کی ملک میں دے دی جائے گی وہ جائز ہے، اتنی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ 2)) ڈاکٹر کی فیس، بیڈ کے کرائے، ایکسرے، میڈیکل ٹیسٹ وغیرہ پر جو خرچ آئے، وہ مریض خود ادا کرے اور استحقاق کے تعین کے بعد شعبہ زکوٰۃ سے مریض کو ان مصارف کے عوض کل یا گنجائش کے تناسب سے جتنی رقم دی جا سکتی ہے، دے دی جائے 3)) زکوٰۃ و فطرہ یعنی صدقاتِ واجبہ کی رقم صرف مستحق مریضوں کو دی جائے، غیر مسلم نادار مریضوں کے لیے الگ سے ویلفیئر فنڈ قائم کیا جائے جو عطیات پر مشتمل ہو۔ چند سال پیشتر جب مرکزی زکوٰۃ کونسل کے ایک رکن نے ایک رفاہی ادارے کا معائنہ کیا تھا تو انہوں نے زکوٰۃ کے حوالے سے بہت سے ناقص پہلوؤں کی نشاندہی بھی کی تھی۔

حیلے سے زکوٰۃ کو ساقط کرنے میں فقہی حنفی پر غیر مقلدین کے توہمات:

غیر مقلدین احادیث کے ظاہری مفہوم سے بھی عاجز ہیں اور قرآن وسنت کے احکام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فقہاء احناف اور دیگر فقہاء پر اعتراض کرنا اپنا منشور سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ذیل میں حیلہ سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بغیر کسی تعصب وحسد بازی کے بحث کی گئی ہے۔ قارئین انصاف پسندی کا مطالعہ کریں اور غیر مقلدین کی جہالتوں سے بھی واقف ہو جائیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں (زکوٰۃ) کا حکم نامہ لکھ کر بھیجا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض قرار دیا تھا کہ متفرق صدقہ کو ایک جگہ جمع نہ کیا جائے اور نہ مجتمع صدقہ کو متفرق کیا جائے زکوٰۃ کے خوف سے۔

اس میں یہ بھی تھا کہ جو مال جدا جدا دو مالکوں کا ہو وہ اکٹھا نہ کریں اور جو مال اکٹھا ہو (ایک ہی مالک کا) وہ جدا جدا نہ کیا جائے۔

بعض روایات میں غنم اور ابل کے لفظ بھی آتے ہیں یعنی بکری یا اونٹ میں سے زکوٰۃ لیتے وقت ان کی پرانی حالت کو باقی رکھا جائے اصل میں جس حساب سے زکوٰۃ لی جاتی ہے اس کے پیش نظر بعض اوقات اگر جانور مختلف لوگوں کے ہیں اور الگ الگ رہتے ہیں تو بعض صورتوں میں زکوٰۃ ان پر زیادہ ہو سکتی ہے اور انہیں اکٹھا کرنے سے زکوٰۃ میں کمی ہو سکتی ہے۔ اس کے برخلاف یکجا ہونے میں زکوٰۃ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور متفرق کرنے میں کمی ہو سکتی ہے۔ اس حدیث میں اس کمی اور زیادہ کی بنا پر روکا گیا ہے۔

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہ ایک دیہاتی (تمام بن ثعلبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں

حاضر ہوا کہ اس کے سر کے بال پریشان تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ! مجھے بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وقت کی نمازیں۔ سوا ان نمازوں کے جو تم نفلی پڑھو۔ اس نے کہا مجھے بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے روزے فرض کیے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے مہینے کے روزے سوا ان کے جو تم نفلی رکھو۔ اس نے پوچھا مجھے بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کتنی فرض کی ہے؟ بیان کیا کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے مسائل بیان کئے۔ پھر اس دیہاتی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو یہ عزت بخشی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کیا ہے اس میں نہ میں کسی قسم کی زیادتی کروں گا اور نہ کمی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے صحیح کہا ہے تو جنت میں جائے گا اور بعض لوگوں نے کہا کہ ایک سو بیس اونٹوں میں دو حصے تین تین برس کی دو اونٹنیاں جو چوتھے برس میں لگی ہوں زکوٰۃ میں لازم آتی ہیں پس مگر کسی نے ان اونٹوں کو عمداً تلف کر ڈالا (مثلاً ذبح کر دیا) اور کوئی حیلہ کیا تو اس کے اوپر سے زکوٰۃ ساقط ہوگی۔

غیر مقلد کہتے ہیں کہ جو کوئی زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اس قسم کے حیلے کرے گا تو زکوٰۃ اس پر سے ساقط نہ ہوگی۔ حنفیہ نے ایک اور عجیب حیلہ لکھا ہے یعنی اگر کسی عورت کو اس کا خاوند نہ چھوڑتا ہو اور وہ اس کے ہاتھ سے تنگ ہو تو خاوند کے بیٹے سے اگر زنا کرائے تو خاوند پر حرام ہو جائے گی۔ امام شافعی کا مناظرہ اس مسئلہ میں امام محمد سے بہت مشہور ہے۔ اہل حدیث کے نزدیک یہ حیلہ چل نہیں سکتا کیوں کہ ان کے نزدیک مصاہرت کا رشتہ زنا سے قائم نہیں ہو سکتا۔

غیر مقلد (جبکہ خاتمہ اہل تشیع کے ساتھ ہوا) مولوی وحید لکھتا ہے۔

حیلہ کہتے ہیں ایک پوشیدہ تدبیر سے اپنا مقصود حاصل کرنے کو۔ اگر حلہ کر کے حق کا ابطال یا باطل کا اثبات کیلئے کیا جائے تب تو یہ حلہ حرام ہوگا۔ اور اگر حق کا اثبات اور باطل کا ابطال کیا جائے تو وہ واجب یا مستحب ہوگا اور اگر کسی آفت سے بچنے کے لیے کیا جائے تو مباح ہوگا اگر ترک مستحب کے لیے کیا جائے تو مکروہ ہوگا۔ اب علماء میں اختلاف ہے کہ پہلی قسم کا حیلہ کرنا صحیح ہے یا غیر صحیح اور نافذ ہے یا غیر نافذ اور ایسا حیلہ کرنے سے آدمی گنہگار ہوگا یا نہیں۔ جو لوگ صحیح اور جائز کہتے ہیں وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ سے حجت لیتے ہیں کہ انہوں نے سو لکڑیوں کے بدل سو جھاڑوں کے تنکے لے کر مار دیے اور قسم پوری کر لی اور اس حدیث سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ناتواں شخص کے لیے جس نے زنا کاری کی تھی یہ حکم دیا کہ کھجور کی ڈالی لے کر جس میں سو شاخیں ہوں ایک ہی بار اس کو مار دو اور اس حدیث سے کہ ردی کھجور کے بدل بیچ کر پھر روپے کے بدل عمدہ کھجور لے لے۔ جو لوگ ناجائز کہتے ہیں وہ اصحب سبت اور یہود کی حدیث سے کہ چربی ان پر حرام کر دی گئی تھی تو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور بخش کی حدیث **لعن اللہ المحلل والمحلل لہ** سے دلیل لیتے ہیں اور حنفیہ کے یہاں بہت سے شرعی حیلے منقول ہیں بلکہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ان حیلوں میں ایک خاص کتاب لکھی ہے۔ تاہم محققین انصاف پسند حنفی علمائے کرام کہتے ہیں کہ صرف وہی حیلے جائز ہیں جو احقاق حق کے قصد سے کیے جائیں۔ مولانا وحید الزماں مرحوم کہتے ہےں کہ قول محقق اس باب میں یہ ہے کہ ضرورت شرعی سے یا کسی مسلمان کی جان اور عزت بچانے کے لیے حیلہ کرنا درست ہے، لیکن جہاں یہ بات نہ ہو بلکہ صرف اپنا فائدہ کرنا

منظور ہو اور دوسرے مسلمان بھائی کا اس سے نقصان ہوتا ہو تو ایسا حیلہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ جیسے ایک بخیل کی نقل ہے کہ وہ سال بھر کی زکوٰۃ بہت سے روپے اشرفیاں نکال کر ایک مٹی کے گھڑے میں بھرتا اور اوپر سے اناج وغیرہ ڈال کر ایک فقیر کو دے دیتا پھر وہ گھڑا قیمت دے کر اس فقیر سے خرید لیتا وہ یہ سمجھتا کہ اس میں غلہ ہی غلہ ہے اور غلہ کے نرخ سے تھوڑی سی زائد قیمت پر ان ہی کے ہاتھ بیچ ڈالتا ایسا حیلہ کرنا بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے۔ اس کتاب میں جائز اور ناجائز حیلوں پر بہت ہی لطیف اشارات ہیں جن کو بنظر غور وبنظر انصاف مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ **اللھم ارنا الحق حقا۔ آمین**

ترک حیلہ میں امام بخاری کا موقف:

فی ترک الحیل وأن لکل امرء ما نوی فی الأیمان وغیرها

کیوں کہ یہ حدیث ہے کہ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے قسم وغیرہ میں یہ حدیث عبادات اور معاملات سب کو شامل ہے۔ ( ) ہم سے ابو النعمان نے بیان کیا، کہا ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، ان سے یحییٰ بن سعید انصاری نے، ان سے محمد بن ابراہیم تیمی نے، ان سے علقمہ بن وقاص لیثی نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے خطبہ میں سنا انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا اے لوگو! اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے گا پس جس کی ہجرت اور اس کے رسول کی طرف ہو اسے ہجرت (کا ثواب ملے گا) اور جس کی ہجرت کا مقصد دنیا ہوگی کہ جسے وہ حاصل کر لے یا کوئی عورت ہوگی جس سے وہ شادی کر لے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہے۔

اس حدیث سے امام بخاری نے حیلوں کے عدم جواز پر دلیل لی ہے کیوں کہ حیلہ کرنے والوں کی نیت دوسری ہوتی ہے اس لیے حیلہ ان کے لیے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔

سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نذر کے بارے میں سوال کیا جو ان کی والدہ پر تھی اور ان کی وفات نذر پوری کرنے سے پہلے ہی ہوگئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو ان کی طرف سے پوری کر۔ اس کے باوجود بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب اونٹ کی تعداد بیس ہو جائے تو اس میں چار بکریاں لازم ہیں۔ پس اگر سال پورا ہونے سے پہلے اونٹ کو ہبہ کر دے یا اسے بیچ دے۔ زکوٰۃ سے بچنے یا حیلہ کے طور پر تا کہ زکوٰۃ اس پر ختم ہو جائے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ یہی حال اس صورت میں ہے اگر اس نے ضائع کر دیا اور پھر مر گیا تو اس کے مال پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے امام بخاری نے یہ نکالا کہ جب مر جانے سے سنت ساقط نہ ہوئی اور ولی کو اس کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو زکوٰۃ بطریق اولیٰ مرنے سے یا حیلہ کرنے سے ساقط نہ ہوگی اور یہی بات درست ہے۔ حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ صاحب زکوٰۃ کے مرنے سے وارثوں پر لازم نہیں کہ اس کے ذمہ جو زکوٰۃ واجب تھی وہ اس کے کل میں سے ادا کریں۔ حنفیہ کا یہ مسئلہ صریح حضرت سعد کی حدیث کے خلاف ہے کیوں کہ حضرت سعد کی ماں مر گئی تھیں مگر جو ان کے ذمہ نذر رہ گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

سعد رضی اللہ عنہ کو اس کے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ یہی حکم زکوٰۃ میں بھی ہونا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے گی۔ میں نے پوچھا کہ کنواری لڑکی شرمائے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی خاموشی ہی اجازت ہے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی شخص اگر کسی یتیم لڑکی یا کنواری لڑکی سے نکاح کا خواہش مند ہو۔ لیکن لڑکی راضی نہ ہو اس پر اس نے حیلہ کیا اور دو جھوٹے گواہوں کی گواہی اس کی دلائی کہ اس نے لڑکی سے شادی کر لی ہے پھر جب وہ لڑکی جوان ہوئی اور اس نکاح سے وہ بھی راضی ہوگئی اور قاضی نے اس جھوٹی شہادت کو قبول کر لیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سارا ہی جھوٹ اور فریب ہے۔ تب بھی اس سے جماع کرنا جائز ہے۔

ان جملہ احادیث بالا سے حضرت امام بخاری نے بعض الناس کے ایک نہایت ہی کھلے ہوئے غلط فیصلے کی تردید فرمائی ہے۔ جیسا کہ روایات کے ذیل میں تشریح ہے۔ فقہاء کی ایسی ہی حیلہ بازیوں کی قلعی کھولنا یہاں کتاب الحیل کا مقصد ہے جیسا کہ بنظر انصاف مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر ہوگا۔

کتنے ہی علمائے احناف حق پسند ایسے بھی ہیں جو ان حیلہ سازیوں کو تسلیم نہیں کرتے وہ یقیناً ان سے مستثنیٰ ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

توہمات غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات:

سب سے پہلے ہم عرض کریں گے کہ غیر مقلدین کا مبلغ علم کس قدر ہوتا ہے۔ یہ بات بڑی وضاحت سے معلوم ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ائمہ وفقہاء کے مذاہب پڑھتے نہیں اور ان کے دلائل کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے اور نہ ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہی جب دلائل جمع کرتا ہے تو اس میں فتویٰ اور جو دلیل اس فتویٰ کے خلاف ہوتی ہے اسے بھی جمع کر کے بعد اس کا رد وابطال کرتا ہے تا کہ احقاق حق روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔ جدت پسند غیر مقلدین نے حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ پر اعتراض کرتے ہوئے فقہ حنفی کو دیکھے، سمجھے بغیر ہی عداوت کے تیر چلانے شروع کر دیئے ہیں۔ ہم ذیل امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا مذہب لکھ رہے تا کہ کسی عام آدمی کو اس معاملے میں احناف سے متعلق غلط فہمی نہ ہو۔

صحیح بخاری شریف میں اوّل تا آخر کہیں اس حکایت کا پتا نہیں کہ امام ابو یوسف اس کے عامل تھے امام اعظم مصدق ہوئے، امام بخاری نے صرف اس قدر لکھا کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص سال تمام سے پہلے مال کو ہلاک کر دے یا دے ڈالے یا بیچ کر بدل لے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہونے پائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور ہلاک کر کے مر جائے تو اس کے مال سے کچھ نہ لیا جائے گا، اور سال تمام سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کر دے تو جائز وروا ہو۔

بعض لوگوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جس کے پاس اونٹ ہوں وُہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس پر صدقہ لازم نہ ہو جائے پس وُہ زکوٰۃ سے فرار اور حیلہ کرتے ہوئے ایک دن پہلے اس کی مثل اونٹوں سے بیچ دیتا ہے یا بکری یا گائے یا دراہم کے عوض بیچ دیتا ہے تو

اب اس پر کوئی شئے لازم نہیں، اور وُہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مالک نے اپنے اونٹ کی زکوٰۃ سال گزرنے سے ایک دن یا سال پہلے زکوٰۃ دے دی تو ادا ہو جائیں گی۔

پہلی دونوں کتب کی عبارت یہ ہے (ثبوتِ شفعہ کے بعد اسقاط کے لیے حیلہ کرنا بالاتفاق مکروہ ہے) مثلاً شفیع کے لیے یہ کہنا کہ وُہ چیز آپ مجھ سے خرید لیں۔ اسے بزازی نے ذکر کیا (لیکن ابتداعدمِ ثبوت کے لیے حیلہ کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔ اور امام محمد کے ہاں مکروہ ہے۔ شفعہ میں امام ابو یوسف کے قول پر فتوی ہے) سراجیہ میں اس قید کا اضافہ ہے کہ بشرطیکہ پڑوسی اس کے محتاج نہ ہو۔ اشباہ نے اسے پسند کیا ہے اور زکوٰۃ، حج اور آیتِ سجدہ میں (اس کی ضد) بھی کراہت پر فتویٰ ہے۔ (جوہرہ)

فتویٰ حیلہ اسقاطِ زکوٰۃ کے عدمِ جواز پر ہے اور یہی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، اور اسی پر اعتماد ہے۔

(غمز عیون البصائر، الفن الخامس من الاشباہ والنظائر)

ان دونوں کی عبارت یہ ہے: اسقاط شفعہ زکوٰۃ کے لیے حیلہ امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں لیکن امام محمد کو اس میں اختلاف ہے پہلے (شفعہ) میں پہلے امام (ابو یوسف) کے قول پر اور دوسرے (زکوٰۃ) میں دوسرے امام (محمد) کے قول پر فتوی ہے۔ (شرح الوقایۃ، ۴، ص، ۷۰، بیروت)

حیلہ ٔ شرعی کا فقہی مفہوم:

حیلہ کے اصل معنی معاملات کی تدبیر میں مہارت کے ہیں "اَلْحَذَقُ فِیْ تَدْبِیْرِ الْاُمُوْرِ" (الاشباہ:) شریعت کی اصطلاح میں حرمت ومعصیت سے بچنے کے لیے ایسی خلاصی کی راہ اختیار کرنے کا نام ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو (المبسوط: ٫) حیلہ کے تعلق سے احناف کے نقطۂ نظر کا انصاف اور حقیقت پسندی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور صرف حیلہ کی تعبیر پر توجہ مرکوز نہ رکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ فن احناف کے یہاں کمال ذکاوت، امت کو حرام سے بچانے کی سعی اور شریعت کی حدود اربعہ میں رہتے ہوئے انسانیت کو حرج سے بچانے کے محمود جذبات کا عکاس ہے، علامہ سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فَالْحَاصِلُ اَنَّ مَایَخْتَلِصُ بِهِ الرَّجُلُ مِنَ الْحَرَامِ اَوْیَتَوَصَّلُ بِهِ اِلیٰ الْحَلَالِ مِنَ الْحِیَلِ فَهُوَ حَسَنٌ وَاِنَّمَا یَکْرَه ذٰلِكَ اَنْ یَحْتَالَ فِیْ حَقِّ لِرَجُلٍ حَتّٰی یُبْطِلَه اَوْفِیْ بَاطِلٍ حَتّٰی یَمُوْه فَمَاکَانَ عَلیٰ هٰذَا السَّبِیْلِ فَهُوَ مَکْرُوْه وَمَاکَانَ عَلیٰ السَّبِیْلِ الَّذِیْ قُلْنَا اَوَّلًا فَلَا بَأَسَ بِه" ۔(المبسوط)

حاصل یہ ہے کہ وہ حیل جن کے ذریعہ انسان حرام سے خلاصی یا حلال تک رسائی کا خواہاں ہو بہتر ہے، ہاں کسی کے حق کا ابطال یا باطل کی ملمع سازی مقصود ہو تو ناپسندیدہ ہے؛ غرض یہ ہے کہ یہ صورت درست نہیں ہے اور پہلے ذکر کی گئی صورت درست ہے۔

اس وضاحت کے بعد کسی صاحب انصاف کے لیے احناف کے نقطۂ نظر سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ہمارے فقہاء کرام نے عام طور پر عبادات میں حیلہ سے گریز کیا ہے، ابوبکر خصاف کی تالیف "کتاب الحیل

والمخارج" میں عبادات میں صرف چند حیلہ ذکر کئے گئے ہیں؛ اگر کسی شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگئی ہو اور کوئی مستحق زکوٰۃ اس مقروض کو اپنی زکوٰۃ دے دے اور پھر اس سے وہی رقم بطورِ اداء قرض کے وصول کرلے۔ (ہندیہ، کتاب الیل فی مسائل الزکاۃ)

اسی طرح اگر میت کی تدفین میں زکوٰۃ خرچ کرنے پر مجبور ہو تو یوں کرے کہ متوفی کے ولی جو صاحبِ نصاب کو زکوٰۃ دے دے اور وہ اسے کفن میں خرچ کردے (ھندیہ، کتاب الحیل مسائل الزکاۃ: ٫۴۰۰) مسجد کی تعمیر کرنی ہو تو اس علاقہ کے فقراء کو زکوٰۃ دے دے کہ بطورِ خود مسجد تعمیر کرلیں، نیز یہ احتیاط بھی برتے کہ خاص تعمیر کے لیے نہ دے، بلکہ کہے کہ یہ تمہارے لیے صدقہ ہے۔

(ھندیہ، کتاب الحیل فی مسائل الزکاۃ)

غور کیجئے کہ حیلہ کی ان صورتوں میں کہیں تحریم حلال اور فرائض وواجبات سے پہلو تہی کا کوئی جذبہ نظر آتا ہے؟ خود امام ابوحنیفہؒ سے طلاق وغیرہ کے مسائل میں جو حیلے منقول ہیں اور جو ان کی حیرت انگیز اور تعجب خیز ذکاوت کا ثبوت ہیں وہ بالکل اسی نوع کے ہیں اور حیلہ کے ناقدین جیسے ابن تیمیہ نے بھی اس کی داد دی ہے۔ (اعلام المؤقعین)

علامہ ابن قیم جو حیلہ کے زبردست ناقد ہیں؛ انہوں نے اعلام المؤقعین میں حیلہ کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جس کا مقصد ظلم کو قبل از وقت روکنا ہو، دوسرے یہ کہ جو ظلم ہو چکا ہو اس کو دفع کیا جائے، تیسرے جس ظلم کو دفع کرنا ممکن نہ ہو اس کے مقابلہ میں اس طرح عمل کیا جائے، خود ابن قیم کا بیان ہے کہ پہلی دونوں صورتیں جائز ہیں اور تیسری صورت میں تفصیل ہے (اعلام الموقعین) پس حیلہ کا اگر صحیح مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ عین رحمت ہے اور دین کے مزاج "یسر" اور "رفع حرج" کے عین مطابق ہے اور اس باب میں فقہائے احناف کی ذکاوت وفطانت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

حیلہ کے باطل طریقے میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا مؤقف:

یہ حیلہ دو طور پر ہے: اوّل: یہ کہ نماز روزے وغیرہ جس قدر ذمہ میّت ہوں سب کے کفارے میں خود قرآن مجید ہی مسکین کو دے دیا جائے یعنی مصحف مبارک ہی کو اُن فرائض کا معاوضہ وکفارہ بنالیا جائے، یہاں جہاں اسی طرح کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ قرآن بے بہا چیز ہے اُس کی قیمت کا کون اندازہ کرسکتا ہے تو اگر لاکھوں کفارے ہوں ایک مصحف میں سب ادا ہو جائیں گے، ولہذا انہیں میّت کی عمر اور اس کی قضا نمازوں روزوں کا حساب کرنے کی بھی حاجت نہیں ہوتی کہ حساب تو جب کیجئے کہ کچھ کمی کا احتمال ہو اور جہاں ہر طرح یقیناً زیادہ ہی چیز جارہی ہے وہاں حساب کس لئے۔ یہ طریقہ یقیناً قطعاً باطل ومہمل ہے شرع مطہر نے کفارے میں مال معین فرمایا ہے کہ ہر نماز ہر روزے کے عوض نیم صاع گندم یا ایک صاع جَو یا اُن کی قیمت۔ اور اس سے مقصود شرع اِدھر نفع رسانی مساکین ہے اُدھر اپنی رحمتِ کاملہ سے ترکِ فرائض پر مالِ جرمانہ لے کر اِن شاء اللہ بندہ تارک کو مطالبہ سے سبکدوش فرمانا، ولہذا ہر نماز روزہ کے ایک مقدارِ مال معیّن فرمائی کہ جرم کم وزائد میں امتیاز رہے، جس نے تھوڑے چھوڑے ہیں تھوڑا مال دے کر پاک ہو جائے، جس نے زیادہ چھوڑے اس پر اُسی حساب سے جرمانہ بڑھتا جائے، مصحف شریف میں دو لحاظ ہیں: ایک کاغذ وسیاہی وجلد کا اعتبار، اس لحاظ سے وہ ایک مال ہے اسی لحاظ سے اس کی بیع وشرا ہوتی ہے، بایں معنی اس کی قیمت وہی ہے جتنے

پر بازار میں ہدیہ ہو، روپیہ دو روپیہ یا دس پندرہ جو حیثیت ہو اسی لحاظ سے وہ کفارے میں دیا جا سکتا ہے تو بازار کے بھاؤ سے جتنے داموں پر ہدیہ ہو اُسی قدر مال دینا ٹھہرے گا، اور کفارہ ادا ہوا تو صرف اُتنے ہی نماز روزوں کا ادا ہوگا جو ان داموں کے مقابل ہوں مثلاً روپے کے پانچ صاع گیہوں آتے ہیں اور یہ مصحف شریف کہ دیا گیا دو روپے ہدیہ کا تھا تو گویا دس۰ صاع گیہوں دئے گئے صرف بیس۰ نمازوں یا بیس۰ روزوں کا عوض ہُوئے، دو چار روپے مالیت کی چیز سے عمر بھر کی نمازوں کا کفارہ کیونکر ادا ہو سکتا ہے۔

دوسرا لحاظ اُس کلام کریم کا اعتبار ہے جو اُس میں لکھا ہے اصلاً مال نہیں بلکہ وُہ اس احد صمد جل وعلا کی صفت قدیمہ کریمہ اُس کی ذات پاکِ سے قائم اور اُس کے کرم سے ہمارے ورقوں، ہمارے سینوں، ہماری زبانوں، ہماری آنکھوں، ہمارے کانوں، ہمارے دلوں پر کتابت وحفظ وتلاوت ونظر وسماعت وفہم میں متجلی ہے، فلوجهه الكريم الحمد كما ينبغي لجلاله وعظم جوده وافضاله،

عوام نے سچ کہا کہ وُہ بے بہا ہے اور غلط سمجھا کہ اُس کہ قیمت حد سے سوا ہے بلکہ وُہ بے بہا بایں معنٰی ہے کہ تقویم ومالیت سے پاک وورا ہے بایں معنٰی وہ کفارہ نہیں ہو سکتا کہ کفارہ مال سے ہوتا ہے اور وہ مال نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰، ص ۵۱۳، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

غیر مقلدین کی نہ انصافی:

نہایت افسوس ہے کہ غیر مقلدین فقہاء کی توہین وتنقیص صرف اس لئے کرتے ہیں کہ انہوں نے حیلہ کی جائز وناجائز صورتوں کو بیان کیا ہے۔ جبکہ اسی طرح ابن تیمیہ اور ابن قیم نے حیلہ کی جائز وناجائز صورتوں کو بیان کیا تو وہ ان کے امام بن گئے۔ تعصب اسی چیز کا نام ہے۔ کہ جو چیز ابن تیمیہ وابن قیم کیلئے ایمان بن گئی وہی چیز فقہاء کیلئے گمراہی بن گئی۔ اللہ تعالی اس قسم کی خرافات سے امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔

مال زکوٰۃ سے غلام یا باندی کو آزاد کرنے کا عدم جواز:

(وَلَا تُشْتَرَى بِهَا رَقَبَةٌ تُعْتَقُ) خِلَافًا لِمَالِكٍ ذَهَبَ إلَيْهِ فِي تَأْوِيلِ قَوْله تَعَالَى (وَفِي الرِّقَابِ) وَلَنَا أَنَّ الْإِعْتَاقَ إسْقَاطُ الْمِلْكِ وَلَيْسَ بِتَمْلِيكٍ .(وَلَا تُدْفَعُ إلَى غَنِيٍّ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "(لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ) " وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي غَنِيِّ الْغُزَاةِ .وَكَذَا حَدِيثُ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى مَا رَوَيْنَا .

ترجمہ:

اور مال زکوٰۃ سے کسی غلام یا باندی کو خرید کر آزاد نہ کیا جائے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالی کے اس فرمان ''وَفِي الرِّقَابِ) '' کی تاویل میں اس موقف کی طرف گئے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک دلیل یہ ہے کہ

اعتاق ملکیت کو ساقط کرنا ہے اور تملیک نہیں ہے۔ اور وہ زکوٰۃ کسی مالدار کو نہ دے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی غنی کیلئے صدقہ حلال نہیں ہے۔ اور یہ حدیث مطلق ہونے وجہ سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ پر حجت ہے۔ اور اسی طرح حدیث معاذ رضی اللہ عنہ بھی اسی کے مطابق ہے جسے ہم نے روایت کیا ہے۔

زکوٰۃ سے غلام خریدنے میں مالکیہ واحناف کا اختلاف:

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک مال زکوٰۃ سے کسی غلام یا باندی کو خرید کر آزاد کرنا جائز ہے۔ اور ان کی دلیل اللہ تعالی کے فرمان ''فی الرقاب'' ہے۔ اور ان کی دوسری دلیل میں صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مال زکوٰۃ سے غلام خریدتے تھے اور ان کو آزاد کرتے تھے۔ حضرت اسحاق، ابوثور، عبداللہ بن حسین عنبری اور امام بخاری کا بھی یہی موقف ہے

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے اعتاق سے ملکیت ساقط ہو جاتی ہے حالانکہ زکوٰۃ کیلئے تملیک رکن ہے۔ اور ایسا کرنے سے سقوط رکن لازم آئے گا۔ جو درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی کے فرمان ''الصدقات'' میں لام برائے تملیک ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۱۹۵، حقانیہ ملتان)

باب، بیٹا اور پوتے کو زکوٰۃ دینے میں عدم جواز کا بیان:

قَالَ (وَلَا يَدْفَعُ الْمُزَكِّي زَكَاتَهُ إلَى أَبِيهِ وَجَدِّهِ وَإِنْ عَلَا ، وَلَا إلَى وَلَدِهِ وَوَلَدِ وَلَدِهِ وَإِنْ سَفَلَ) لِأَنَّ مَنَافِعَ الْأَمْلَاكِ بَيْنَهُمْ مُتَّصِلَةٌ فَلَا يَتَحَقَّقُ التَّمْلِيكُ عَلَى الْكَمَالِ (وَلَا إلَى امْرَأَتِهِ) لِلِاشْتِرَاكِ فِي الْمَنَافِعِ عَادَةً (وَلَا تَدْفَعُ الْمَرْأَةُ إلَى زَوْجِهَا) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِمَا ذَكَرْنَا ، وَقَالَا :تَدْفَعُ إلَيْهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَكَ أَجْرَانِ : أَجْرُ الصَّدَقَةِ ، وَأَجْرُ الصِّلَةِ) " قَالَهُ لِامْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَقَدْ سَأَلَتْهُ عَنْ التَّصَدُّقِ عَلَيْهِ ؛ قُلْنَا :هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى النَّافِلَةِ .

ترجمہ:

اور زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنے باپ، دادا کو زکوٰۃ نہ دے اور اسی طرح اوپر تک۔ اور وہ نہ اپنے بیٹے کو اور نہ بیٹے کے بیٹے کو زکوٰۃ دے اسی طرح نیچے تک۔ کیونکہ اموال کے منافع ان میں ملے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ملکیت پوری طرح ثابت نہ ہوئی۔ اور وہ اپنی بیوی کو زکوٰۃ ادا نہ کرے کیونکہ عرف میں نفع مشترک ہوتا ہے۔ اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ نہ دے۔ اسی دلیل کی بناء پر جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ عورت اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تیرے لئے دو اجر ہیں ایک صدقہ کرنے کا ثواب اور دوسرا ثواب صلہ کرنے کا ہے۔ یہ کلام آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی سے فرمایا تھا حالانکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صدقہ دینے سے متعلق پوچھا تھا۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ اجازت دینا نفلی صدقے پر محمول ہے۔

بیوی کو شوہر کو اور شوہر کا بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مالک نصاب کا اپنی بیوی پر زکوۃ کے مال کو صرف کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح بیوی زکوٰۃ اپنے شوہر پر صرف نہیں کرے گی۔ رہے باقی رشتہ دار تو ان پر زکوٰۃ صرف کرنا بہتر ہے۔

وَلَا إِلَى امْرَأَتِهِ لِلاشْتِرَاكِ فِى الْمَنَافِعِ) قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى (وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى) أَىْ بِمَالِ خَدِيجَةَ (فتح القدير بَابُ مَنْ يَجُوزُ دَفْعُ الصَّدَقَةِ إِلَيْهِ وَمَنْ لَا يَجُوزُ) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّىِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ وَعَلَى ذِى الْقَرَابَةِ اثْنَتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ (ابن ماجه بَاب فَضْلِ الصَّدَقَةِ)

مسئلہ یہ ہے کہ آیا کوئی عورت اپنے خاوند یا کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال دے سکتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اس بارے میں تو بالاتفاق تمام علماء کا یہ مسلک ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے مگر اس کے برعکس صورت میں امام ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ کوئی عورت اپنے خاوند کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے کیونکہ مرد کے منافع اور مال میں عادۃ اکثر دونوں ہی شریک ہوتے ہیں اس طرح کوئی عورت اپنے خاوند کو زکوٰۃ کا مال دے گی تو اس مال سے خود بھی فائدہ حاصل کرے گی جو جائز نہیں ہوگا۔ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مرد کا اپنی بیوی کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اسی طرح بیوی بھی اپنی زکوٰۃ کا مال اپنے خاوند کو دے سکتی ہے ائمہ کے اس اختلاف کی بنا پر کہا جائے گا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس مذکور صدقہ سے صدقہ نفل مراد ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اس سے صدقہ نفل بھی مراد ہو سکتا ہے اور صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

جو شخص صاحب نصاب ہو اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو تو وہ زکوٰۃ کا مال اپنی اصل کو نہ دے یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان سے اوپر کے بزرگوں کو خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے ان میں سے کسی کو زکوٰۃ دینا درست اور جائز نہیں ہے اسی طرح اپنی فرع یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی، نواسا، نواسی اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی زکوٰۃ کا مال دینا درست نہیں ہے امام اعظم رحمۃ اللہ کے قول کے مطابق شوہر، بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہ دے، مگر صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے تو درست ہے، ان کے علاوہ بقیہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ کا مال دینا درست ہے بشرطیکہ وہ زکوٰۃ کے مستحق ہوں، یعنی غنی سید، ہاشمی اور کافر نہ ہوں بلکہ غیروں کے مقابلہ میں اپنے رشتہ داروں کو دینا بہتر ہے، اس بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ اگر زکوٰۃ اس ترتیب سے دی جائے تو بہت اچھا ہے کہ پہلے بہن، بھائی کو دے ان کے بعد ان کی اولاد کو، پھر چچا اور پھوپھی کو، ان

کے بعد ان کی اولاد کو، پھر ماموں خالہ کو، ان کے بعد ان کی اولاد کو، پھر ان لوگوں کو جو ذوی الارحام ہوں پھر اپنے اجنبی ہمسایہ اور پڑوسی کو، پھر اپنے ہم پیشہ کو اور پھر اپنے ہم وطن کو یہی حکم صدقہ فطر اور نذر کا ہے کہ مذکورہ بالا ترتیب سے دینا افضل ہے، ویسے اگر کوئی شخص غیر اور اجنبی کو دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے مگر بہتر اور افضل یہی ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو مقدم رکھا جائے۔

(۲) اپنے غلام اور اپنی لونڈی کو زکوٰۃ دینی درست نہیں ہے، یہی حکم ام ولد یعنی اس لونڈی کا ہے جس کے اپنے مالک سے کوئی اولاد ہو کہ اس کا مالک اسے بھی زکوٰۃ نہ دے۔

(۳) سسرالی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینی درست ہے مثلاً ساس سسر، سالا، سالی یا جن لوگوں سے ان کی وجہ سے رشتہ دار ہو اسی طرح داماد اور بہو کو زکوٰۃ دینی درست ہے، نیز سوتیلی ماں، سوتیلی نانی کو بھی زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔

اپنے اصول وفروع کو زکوٰۃ نہ دینے کا بیان:

قرابت دار اگر صاحبِ نصاب نہ ہوں بلکہ مفلس و نادار ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ افضل ہے۔ تاہم اپنے اصول (یعنی ماں باپ، دادادادی، نانانانی وغیرہ) اور فروع (یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسانواسی وغیرہ) کو زکوٰۃ دینے سے ادا نہیں ہوگی۔ یہی حکم صدقۂ فطر، فدیہ، نذر اور کفارہ کی رقوم کا ہے، بہو یا داماد، سوتیلے باپ، سوتیلی ماں، دوسری ازواج سے شوہر کی اولاد یا شوہر کی اپنی بیوی کی کسی سابقہ شوہر کی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ البتہ بہن بھائی بشرطِ استحقاق ایک دوسرے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

اپنے مکاتب، مدبر اور ام ولد کو زکوٰۃ نہ دینے کا بیان:

قَالَ (وَلَا يَدْفَعُ إِلَى مُكَاتَبِهِ وَمُدَبَّرِهِ وَأُمِّ وَلَدِهِ) لِفُقْدَانِ التَّمْلِيكِ إِذَا كَسْبَ الْمَمْلُوكُ لِسَيِّدِهِ وَلَهُ حَقٌّ فِى كَسْبِ مُكَاتَبِهِ فَلَمْ يَتِمَّ التَّمْلِيكُ (وَلَا إِلَى عَبْدٍ قَدْ أَعْتَقَ بَعْضَهُ) عِنْدَ أَبِى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ عِنْدَهُ وَقَالَا :يَدْفَعُ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ حُرٌّ مَدْيُونٌ عِنْدَهُمَا (وَلَا يَدْفَعُ إِلَى مَمْلُوكِ غَنِيٍّ) لِأَنَّ الْمِلْكَ وَاقِعٌ لِمَوْلَاهُ (وَلَا إِلَى وَلَدِ غَنِيٍّ إِذَا كَانَ صَغِيرًا) لِأَنَّهُ يُعَدُّ غَنِيًّا بِيَسَارِ أَبِيهِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ كَبِيرًا فَقِيرًا لِأَنَّهُ لَا يُعَدُّ غَنِيًّا بِيَسَارِ أَبِيهِ وَإِنْ كَانَتْ نَفَقَتُهُ عَلَيْهِ ، وَبِخِلَافِ امْرَأَةِ الْغَنِيِّ لِأَنَّهَا إِنْ كَانَتْ فَقِيرَةً لَا تُعَدُّ غَنِيَّةً بِيَسَارِ زَوْجِهَا ، وَبِقَدْرِ النَّفَقَةِ لَا تَصِيرُ مُوسِرَةً .

ترجمہ:

فرمایا: اور وہ اپنے مکاتب، مدبر اور ام ولد کو زکوٰۃ نہ دے۔ کیونکہ ان کی ملکیت مفقود ہے۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ مملوک کی کمائی

اس کے مالک ہوتی ہے۔اور مالک اپنے مکاتب کے کمائی میں حق رکھتا ہے۔لہٰذا ملکیت مکمل نہ ہوئی۔اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ایسا غلام جس کا کچھ حصہ آزاد کیا گیا ہو اس کو بھی زکوٰۃ نہ دے۔کیونکہ آپ کے نزدیک یہ غلام بھی مکاتب کے درجے میں ہے جبکہ صاحبین نے کہا کہ اس کوزکوٰۃ ادا کرسکتا ہے کیونکہ صاحبین کے نزدیک وہ آزاد قرض دار کی مثل ہے۔اور کسی مالدار شخص کے غلام کو بھی نہ دے کیونکہ ملکیت تو اس کے مالک کیلئے ثابت ہوگی۔اور کسی مالدار کے بچے کو بھی نہ دے اس شرط کے ساتھ کہ وہ نابالغ ہو کیونکہ نابالغ اپنے باپ کے مال میں اعتبار کیا جاتا ہے۔بہ خلاف اس حالت کہ وہ بالغ ہو اور فقیر ہو۔اس لئے بالغ اپنے باپ کے مالدار ہونے میں شمار نہیں کیا جائے گا۔اگرچہ اس کا نفقہ اس کے باپ پر لازم ہے۔بہ خلاف مالدار کی بیوی کے کیونکہ اگر بیوی محتاج ہے تو وہ اپنے شوہر کے مال کے حساب سے شمار نہ ہوگی اور نفقہ کی مقدار سے مالدار نہیں ہوتی۔

مکاتب کوزکوٰۃ نہ دینے کی دلیل کا بیان:

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ مکاتب کوزکوٰۃ ایسا ہی ہوگا جس طرح اسے مالک بنانا ہے۔اور مکاتب کی تملیک اعتاق ہے اور اعتاق تملیک نہیں ہے۔اس لئے مکاتب کوزکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اسی کی طرف حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت کا اشارہ تھا کہ مکاتب کوزکوٰۃ نہ دو کہیں اس کی وجہ سے اس کی ولایت جاری نہ ہوجائے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اعتاق معتق کیلئے ولایت ثابت کرتا ہے۔لہٰذا اس کا حق اس میں باقی رہے گا اور کلی طور پر منقطع نہ ہوگا۔جس کی وجہ اسے اخلاص ثابت نہ ہوگا اور اخلاص ہی عبادت ہے اور زکوٰۃ بھی عبادت جو متحقق نہ ہوگی۔

(بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴۷، بیروت)

غنی کی بیوی کوزکوٰۃ دینے میں طرفین کے اختلاف کا بیان:

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ بہر حال غنی کے چھوٹے بچے کوزکوٰۃ دینے کا مسئلہ ہے۔تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔اگرچہ وہ فقیر ہو کیونکہ وہ اپنے والد کے غناء سے شمار کیا جائے گا۔اور غنی کا بڑا بچہ اگر فقیر ہے تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ اس کے والد کے غناء سے شمار نہیں کیا جائے گا۔لہٰذا وہ اجنبی کی طرح ہوگا۔اور اسی طرح کسی نے ایسی عورت کوزکوٰۃ دی جس کا شوہر غنی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔اگر وہ شوہر اس کو نفقہ دیتا ہے تو وہ عورت غنی میں شمار ہوگی اور زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور اگر اس عورت کو شوہر نفقہ نہیں دیتا تو پھر اس کوزکوٰۃ دینا جائز ہے۔کیونکہ وہ فقیرنی کے حکم میں ہے۔اس مسئلہ میں زکوٰۃ دینے کا جواز طرفین کے نزدیک ہے جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔زکوٰۃ دینا جائز نہیں بلکہ اسے نان و نفقہ لیکر دیا جائے گا۔اور اس کی دلیل ظاہر ہے کہ وہ عورت فقیرنی شمار نہ ہوگی کیونکہ غنی کی بیوی ہے اور اسے غنی ہی شمار کیا جائے گا۔اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا شوہر غنی ہے جو کسی طرح بھی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے۔(بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴۷، بیروت)

زکوٰۃ کیلئے تملیک کا رکن ہونا اور مدارس میں زکوٰۃ دینے کا بیان:

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔زکوٰۃ کا رکن تملیک فقیر ہے۔جس کام میں فقیر کی تملیک نہ ہو کیسا ہی کارِ حسن ہو جیسے تعمیر مسجد یا تکفینِ میت یا تنخواہِ مدرسانِ علمِ دین، اس سے زکوٰۃ نہیں ادا ہوسکتی۔مدرسہ علمِ دین میں دینا چاہیں تو اس کے تین حیلے ہیں: ایک یہ متولیِ مدرسہ کو مالِ زکوٰۃ دے اور اُسے مطلع کردے کہ یہ مال زکوٰۃ کا ہے۔اسے خاص مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کرنا، متولی اس مال کو جُدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور اس سے غریب طلبہ کے کپڑے بنائے، کتابیں خرید کردے یا اُن کے وظیفہ میں دے جو محض بنظرِ امداد ہو، نہ کسی کام کی اُجرت۔

دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دینے والا کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے اور وُہ فقیر اپنی طرف سے کُل یا بعض مدرسہ کی نذر کردے۔

تیسرے یہ کہ مثلاً سَو روپے زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ مدرسہ علمِ دین کی ان سے مدد کرے تو مثلاً سیر گیہوں کسی محتاج مصرفِ زکوٰۃ کے ہاتھ سَو روپے کو بیچے اور اسے مطلع کردے کہ یہ قیمت ادا کرنے کو تمھیں ہم ہی دیں گے تم پر اس کا بار نہ پڑے گا، وُہ قبول کرلے اس کے بعد سو روپیہ بہ نیتِ زکوٰۃ اس کو دے کر قابض کردے اس کے بعد اپنے گیہوں کی قیمت میں وُہ روپے اس سے لے لے، اگر وُہ نہ دینا چاہے تو یہ خود اس سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا عین حق ہے، اب یہ روپے مدرسہ میں دے، ان پچھلی دونوں صورتوں میں یہ روپیہ تنخواہ مدرسین وغیرہ ہر کارِ مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے۔(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰، کتاب الزکوٰۃ، لاہور)

بنوہاشم کوزکوٰۃ نہ دینے کا بیان:

(وَلَا يَدْفَعُ إلَى بَنِي هَاشِمٍ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (يَا بَنِي هَاشِمٍ إنَّ اللَّهَ تَعَالَى حَرَّمَ عَلَيْكُمْ غُسَالَةَ النَّاسِ وَأَوْسَاخَهُمْ وَعَوَّضَكُمْ مِنْهَا بِخُمُسِ الْخُمُسِ) " بِخَلَافِ التَّطَوُّعِ ، لِأَنَّ الْمَالَ هَاهُنَا كَالْمَاءِ يَتَدَنَّسُ بِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ .أَمَّا التَّطَوُّعُ فَبِمَنْزِلَةِ التَّبَرُّدِ بِالْمَاءِ .قَالَ :(وَهُمْ آلُ عَلِيٍّ وَآلُ عَبَّاسٍ وَآلُ جَعْفَرٍ وَآلُ عَقِيلٍ وَآلُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَمَوَالِيهِمْ) أَمَّا هَؤُلَاءِ فَلِأَنَّهُمْ يُنْسَبُونَ إلَى بَنِي هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ وَنِسْبَةُ الْقَبِيلَةِ إلَيْهِ .

وَأَمَّا مَوَالِيهِمْ فَلِمَا رُوِيَ (أَنَّ مَوْلًى لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهُ أَتَحِلُّ لِي الصَّدَقَةُ ؟ فَقَالَ :لَا أَنْتَ مَوْلَانَا) " بِخَلَافِ مَا إذَا أَعْتَقَ الْقُرَشِيُّ عَبْدًا نَصْرَانِيًّا حَيْثُ تُؤْخَذُ مِنْهُ الْجِزْيَةُ وَيُعْتَبَرُ حَالُ الْمُعْتَقِ لِأَنَّهُ الْقِيَاسُ وَالْإِلْحَاقُ بِالْمَوْلَى بِالنَّصِّ وَقَدْ

خَصَّ الصَّدَقَةَ .

ترجمہ:

اور وہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہ دے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے بنو ہاشم! اللہ نے تم پر لوگوں کا دھوون اور ان کا میل کچیل حرام کیا ہے اور تمہیں اس کے بدلے خمس دیا ہے۔ جبکہ نفلی صدقہ (حرام) نہیں کیا۔ کیونکہ یہاں مال پانی کی طرح ہو گیا۔ جو فرض کے ساقط ہونے سے میل والا ہو جاتا ہے۔ البتہ نفلی صدقہ جو ہے وہ پانی سے ٹھنڈک حاصل کرنے کے درجے میں ہے۔

کہا اور وہ حضرت علی المرتضٰی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حارث بن عبد المطلب کی اولاد ہیں۔ اور ان لوگوں کے غلام بھی، کیونکہ یہ لوگ اس لئے کہ یہ ہاشم بن عبد مناف کی اولاد سے ہیں اور ان کے قبیلہ کی نسبت ہاشم کی طرف ہے اور البتہ ان کے غلاموں کے بارے میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے غلام نے آپ ﷺ سے پوچھا؟ کیا میرے لئے صدقہ حلال ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ تو ہمارا غلام ہے۔ بہ خلاف اس کے کہ جب کسی قریشی نے اپنے نصرانی غلام کو آزاد کر دیا ہو۔ تو اس آزاد شدہ غلام سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ اور اس آزاد کے مال کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ قیاس کا تقاضہ یہی ہے۔ اور آزاد کرنے والے سے لاحق کرنا یہ حکم نص کی وجہ سے ہے اور اسی لئے صدقہ کو خاص کیا ہے۔

بنی ہاشم کے لیے صدقہ وزکوٰۃ کا مال کھانا حرام ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کی رکھی ہوئی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی (یہ دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے نکالو! نکالو (اور اس طرح فرمایا تاکہ) وہ اسے (منہ سے نکال کر) پھینک دیں پھر آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم جانتے نہیں کہ ہم بنی ہاشم صدقہ کا مال نہیں کھاتے۔ (بخاری و مسلم)

اما شعرت (کیا تم نہیں جانتے) اس جملے کا استعمال ایسے مواقع پر کیا جاتا ہے جب کہ مخاطب کسی واضح اور ظاہر امر کے برخلاف کوئی بات کہہ یا کر رہا ہو خواہ مخاطب اس واضح امر سے لاعلم ہی کیوں نہ ہو گویا اس جملے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ امر اتنا واضح اور ظاہر ہونے کے باوجود تم پر پوشید کیسے ہے اور تم اس سے لاعلم کیسے ہو۔

بہر حال ظاہر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تو اس وقت بالکل ہی کمسن تھے، انہیں ان سب باتوں کی کیا خبر تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باوجود انہیں اس انداز سے اس لیے خطاب کیا تاکہ دوسرے لوگ اس کے بارے میں مطلع ہو جائیں اور انہیں بنی ہاشم کے حق میں صدقہ زکوٰۃ کے مال کی حرمت کا علم ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ نکتہ بھی ہاتھ لگا کہ والدین اور مربی پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو خلاف شرع باتوں اور غلط حرکتوں سے روکیں اسی وجہ سے حنفی علماء فرماتے ہیں کہ والدین کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو ریشم کے کپڑے (جو مردوں کے لیے

ناجائز ہیں) اور سونے چاندی کا زیور پہنائیں۔

سیّد اور بنی ہاشم زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں:

سیّد اور ہاشمی زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں، لہٰذا ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، بنو ہاشم سے مراد حضرت علی، حضرت عقیل، حضرت جعفر، حضرت حارث بن عبد المطلب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی اولاد ہے۔ ساداتِ کرام اور بنی ہاشم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی وجہ سے ہدیے اور تحفے دیے جائیں اور ان میں سے جو لوگ نادار ہوں، انہیں اپنے مال میں سے زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقے کے طور پر دینا چاہیے اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ قرابت کی پاسداری کرتے ہوئے سادات کرام کی مدد کریں گے، وہ یقیناً اجرِ عظیم کے حقدار ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ یہ حسنِ سلوک ان کے لیے وسیلۂ شفاعت بن جائے۔ سیّد وہ قرار پائے گا جس کا باپ سیّد ہو، کیونکہ اسلام میں نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے۔ لہٰذا سیّدہ کی غیرِ سیّد سے اولاد اگر مستحقِ زکوٰۃ ہے، تو اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں، اسی طرح سیّد کے نکاح میں اگر غیر سیّدہ بیوی ہے، تو اسے براہِ راست زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

بنی ہاشم کے غلاموں کو بھی صدقہ کا مال لینا حلال نہیں

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو زکوٰۃ لینے کے لیے بھیجا اس نے ابو رافع سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ اس میں سے تمہیں بھی کچھ حصہ مل جائے ابو رافع نے کہا کہ میں ابھی نہیں جاؤں گا پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر پوچھتا ہوں کہ میں اس شخص کے ساتھ زکوٰۃ لینے جاؤں یا نہیں! چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے جانے کے بارے میں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ ہمارے یعنی بنی ہاشم کے لیے حلال نہیں ہے اور مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام زکوٰۃ لینے کے معاملے میں اسی آزاد قوم کے حکم میں ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

زکوٰۃ انسان کا میل ہے:

حضرت عبد المطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ صدقات یعنی زکوٰۃ تو انسانوں کے میل ہیں، صدقہ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آل محمد (بنی ہاشم) کے لیے حلال ہے (مسلم)

زکوٰۃ کو میل اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح انسان کا جسم میل اتارنے سے صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکالنے سے نہ صرف یہ کہ مال ہی پاک ہو جاتا ہے بلکہ زکوٰۃ دینے والے کے قلب و روح میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زکوٰۃ کا مال لینا حرام تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد بنی ہاشم کو بھی زکوٰۃ لینی حرام ہے، خواہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر رہوں یا محتاج و مفلس ہوں چنانچہ حنفیہ کا صحیح مسلک یہی ہے۔

صدقہ کے مال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احتیاط:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھانے کی کوئی چیز لائی جاتی تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے میں پوچھتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بنی ہاشم کے علاوہ) اپنے دوسرے صحابہ سے فرماتے کہ کھاؤ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود نہ کھاتے، اور اگر بتایا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دست مبارک بڑھاتے اور صحابہ کے ساتھ اسے تناول فرماتے۔(بخاری ومسلم)

صدقہ اس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی محتاج وضرورت مند کو از راہ مہربانی دیا جاتا ہے اور اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کی رضا حاصل ہو اور آخرت میں اس کا اجر وثواب ملے چونکہ صدقہ کا مال لینے والے کی ایک طرح سے ذلت اور کمتری محسوس ہوتی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مطلقاً صدقہ لینا حرام تھا۔

ہدیہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی بڑے اور عظیم المرتبت شخص کی خدمت میں کوئی چیز از راہ تعظیم وتکریم پیش کرے۔ہدیہ کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیاوی طور پر اس کا تعلق طرفین سے ہوتا ہے بایں طور کہ جو شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ کرتا ہے تو وہ دنیا ہی میں اس کا اس طرح بدلہ بھی پاتا ہے کہ جسے اس نے ہدیہ دیا ہے وہ کسی وقت اسے بھی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دیتا ہے جب کہ صدقہ میں اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بنو ہاشم کے غلام مکاتب کو زکوٰۃ دینے کی ممانعت کا بیان:

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔علماء نے فرمایا ہے کہ ہاشمی کے مکاتب کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں کیونکہ یہاں ایک لحاظ سے مولیٰ کی ملکیت باقی ہوتی ہے اور یہاں شبہ اہل ہاشم کے حق میں حقیقی طور پر برقرار ہوتا ہے۔یعنی مکاتب اگرچہ آزاد متصوّر ہوتا ہے حتی کہ جو کچھ اسے دیا جائے وُہ اس کا مالک بن جاتا ہے لیکن گردن کے اعتبار سے مملوک ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں اس کے ہاشمی مولیٰ کی ملکیت کا شبہ ہے اور یہاں ہاشمی کی شرافت کی وجہ سے شبہ کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف غنی کے، جیسا عامل میں گزرا ہے، اسی لیے مصنّف نے حق بنی ہاشم کی قید لگائی ہے۔(محیط برہانی فی فقہ نعمانی، کتاب الزکوٰۃ، بیروت)

فقیر سمجھ کر غنی کو زکوٰۃ دینے میں حکم شرعی:

(قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ :إذَا دَفَعَ الزَّكَاةَ إلَى رَجُلٍ يَظُنُّهُ فَقِيرًا ثُمَّ بَانَ أَنَّهُ غَنِيٌّ أَوْ هَاشِمِيٌّ أَوْ كَافِرٌ أَوْ دَفَعَ فِي ظُلْمَةٍ فَبَانَ أَنَّهُ أَبُوهُ أَوْ ابْنُهُ فَلَا إعَادَةَ عَلَيْهِ .قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ الْإِعَادَةُ) لِظُهُورِ خَطَئِهِ بِيَقِينٍ وَإِمْكَانِ الْوُقُوفِ عَلَى هَذِهِ الْأَشْيَاءِ وَصَارَ كَالْأَوَانِي وَالثِّيَابِ .وَلَهُمَا حَدِيثُ مَعْنِ بْنِ يَزِيدَ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ

وَالسَّلَامُ قَالَ فِيهِ (يَا يَزِيدُ لَك مَا نَوَيْت ، وَيَا مَعْنُ لَك مَا أَخَذْت) " وَقَدْ دَفَعَ إلَيْهِ وَكِيلُ أَبِيهِ صَدَقَتَهُ ؛ وَلِأَنَّ الْوُقُوفَ عَلَى هَذِهِ الْأَشْيَاءِ بِالِاجْتِهَادِ دُونَ الْقَطْعِ فَيُبْتَنَى الْأَمْرُ فِيهَا عَلَى مَا يَقَعُ عِنْدَهُ كَمَا إذَا اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي غَيْرِ الْغَنِيِّ أَنَّهُ لَا يُجْزِيهِ ، وَالظَّاهِرُ هُوَ الْأَوَّلُ .وَهَذِهِ إذَا تَحَرَّى فَدَفَعَ وَفِي أَكْبَرِ رَأْيِهِ أَنَّهُ مَصْرِفٌ ، أَمَّا إذَا شَكَّ وَلَمْ يَتَحَرَّ أَوْ تَحَرَّى فَدَفَعَ ، وَفِي أَكْبَرِ رَأْيِهِ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَصْرِفٍ لَا يُجْزِيهِ إلَّا إذَا عَلِمَ أَنَّهُ فَقِيرٌ هُوَ الصَّحِيحُ ، وَلَوْ دَفَعَ إلَى شَخْصٍ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ عَبْدُهُ أَوْ مُكَاتَبُهُ لَا يُجْزِيهِ لِانْعِدَامِ التَّمْلِيكِ لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الْمِلْكِ وَهُوَ الرُّكْنُ عَلَى مَا مَرَّ .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر زکوٰۃ دینے والے کسی شخص کو فقیر سمجھ کر زکوٰۃ دی۔پھر پتہ چلا کہ وہ شخص تو غنی ہے یا ہاشمی ہے۔یا پھر وہ شخص کافر ہے۔اسی طرح رات کے اندھیرے میں زکوٰۃ دی بعد میں پتہ چلا کہ وہ اس کا باپ ہے یا اس کا بیٹا ہے۔تو اس پر دوبارہ زکوٰۃ دینا واجب نہیں ہے۔جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر دوبارہ زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔کیونکہ اس کی غلطی یقین کے ساتھ ظاہر ہو چکی ہے۔(قاعدہ فقہیہ) اور مذکورہ اشیاء پر اطلاع پانا ممکن ہے۔اور مسئلہ برتنوں اور کپڑوں (تحری) کی طرح ہو گیا۔اور طرفین کی دلیل حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسئلہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: اے یزید! تیرے لئے وہی ثواب ہوگا جس کی تو نے نیت کی ہے۔اور تیرے لئے وہ اشرفیاں بھی ہیں جو تو نے لی ہیں۔اور حضرت معن کے والد وکیل نے ان کو اپنے باپ کا صدقہ دیا تھا۔لہٰذا ان امور پر مطلع ہونا اجتہاد کے ذریعے ہو سکتا ہے۔یقین کے ساتھ اطلاع ممکن نہیں ہے۔اسی وجہ سے ان چیزوں میں حجت کی بناء اجتہاد ہے۔کیونکہ وہی اس کے نزدیک واقع ہے۔جس طرح نمازی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے۔اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ غنی کے سوا ایسا جائز نہیں ہے۔جبکہ ظاہر الروایہ وہی پہلی روایت ہے۔اور یہ اس صورت میں ہے جب اس نے تحری کی تھی اور زکوٰۃ دی تھی۔اور اس کا گمان غالب بھی یہی تھا کہ مصرف یہی ہے۔اور جب اس نے شک کیا اور تحری بھی نہیں کی یا اس نے تحری کرنے کے بعد زکوٰۃ دی اور اس کا گمان غالب یہ تھا کہ وہ مصرف نہیں ہے۔تو اس نے زکوٰۃ بھی ادا نہ کی ہاں البتہ جب اس کو معلوم ہوا کہ وہ فقیر ہے۔یہی قول صحیح ہے۔

بھول کر غنی کو زکوٰۃ دینے والے کا حکم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے اپنے دل میں یا کسی اپنے دوست سے کہا کہ میں آج رات میں خدا کی راہ میں کچھ مال خرچ کروں گا چنانچہ اس نے اپنے قصدو

ارادہ کے مطابق خیرات کے لیے کچھ مال نکالا، تاکہ اسے کسی مستحق کو دے دے اور وہ مال اس نے ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ چور ہے کہ جس وجہ سے خیرات کے مال کا مستحق نہیں ہے جب صبح ہوئی اور لوگوں کو الہام خداوندی کے سبب یا خود اس چور کی زبانی معلوم ہوا تو بطریق تعجب لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات ایک چور کو صدقہ کا مال دیا گیا ہے۔ جب صدقہ دینے والے کو بھی صورتحال معلوم ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ اے اللہ ! تیرے ہی لیے تعریف ہے باوجودیکہ صدقہ کا مال ایک چور کے ہاتھ لگا اور پھر کہنے لگا کہ آج کی رات پھر صدقہ دوں گا تاکہ وہ مستحق کو مل جائے چنانچہ اس نے صدقہ کی نیت سے پھر کچھ مال نکالا اور اس مرتبہ بھی غلط فہمی میں وہ مال ایک زانیہ کے ہاتھ میں دے دیا، جب صبح ہوئی تو پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج تو ایک زانیہ صدقہ کا مال لے اڑی وہ شخص کہنے لگا کہ اے اللہ ! تعریف تیرے ہی لیے ہے اگرچہ اس مرتبہ صدقہ کا مال ایک زانیہ کے ہاتھ لگ گیا اور پھر کہنے لگا کہ آج کی رات پھر صدقہ دوں گا چنانچہ اس نے پھر کچھ مال صدقہ کی نیت سے نکالا اور اس مرتبہ پھر غلط فہمی میں وہ مال ایک غنی کے ہاتھ میں دے دیا، جب صبح ہوئی تو پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات تو ایک دولت مند کو مل گیا۔ جب وہ شخص سویا تو خواب میں اس سے کہا گیا کہ تو نے جتنے صدقے دیئے ہیں سب قبول ہو گئے۔ کیونکہ صدقہ کا جو مال تو نے چور کو دیا ہے۔ وہ بے فائدہ اور خالی از ثواب نہیں ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے چوری سے باز رہے اور صدقہ کا جو مال تو نے زانیہ کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے زنا سے باز رہے اور صدقے کا جو مال تو نے دولت مند کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے عبرت حاصل کرلے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ (بخاری، رقم الحدیث، ۱۴۲۱ و مسلم، الفاظ بخاری کے ہیں)۔

زکوٰۃ دینے میں تحری کر کے زکوٰۃ دینے کا بیان:

جس نے تحری کی یعنی سوچا اور دل میں یہ بات جمی کہ اس کو زکاۃ دے سکتے ہیں اور زکاۃ دے دی بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ مصرف زکاۃ ہے یا کچھ حال نہ کھلا تو ادا ہوگئی اور اگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غنی تھا یا اُس کے والدین میں کوئی تھا یا اپنی اولاد تھی یا شوہر تھا یا زوجہ تھی یا ہاشمی یا ہاشمی کا غلام تھا یا ذمّی تھا، جب بھی ادا ہوگئی اور اگر یہ معلوم ہوا کہ اُس کا غلام تھا یا حربی تھا تو ادا نہ ہوئی۔ اب پھر دے اور یہ بھی تحری ہی کے حکم میں ہے کہ اُس نے سوال کیا، اس نے اُسے غنی نہ جان کر دے دیا یا وہ فقیروں کی جماعت میں انھیں کی وضع میں تھا اُسے دے دیا۔

اگر بے سوچے سمجھے دے دی یعنی یہ خیال بھی نہ آیا کہ اُسے دے سکتے ہیں یا نہیں اور بعد میں معلوم ہوا کہ اُسے نہیں دے سکتے تھے تو ادا نہ ہوئی، ورنہ ہوگئی اور اگر دیتے وقت شک تھا اور تحری نہ کی یا کی مگر کسی طرف دل نہ جما یا تحری کی اور غالب گمان یہ ہوا کہ یہ زکاۃ کا مصرف نہیں اور دے دیا تو ان سب صورتوں میں ادا نہ ہوئی مگر جبکہ دینے کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ واقعی وہ مصرفِ زکاۃ تھا تو ہوگئی۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکوٰۃ)

جب کوئی شخص نہ جانتے ہوئے اپنے بیٹے کو صدقہ دے:

حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے، میرے باپ نے اور میرے دادا نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی ہے اور نبی ﷺ ہی نے میری منگنی کی اور میرا نکاح کیا اور ایک دن میں آپ ﷺ کے پاس ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوا اور (وہ مقدمہ یہ تھا کہ) میرے باپ یزید نے کچھ اشرفیاں برائے صدقہ نکالی تھیں اور ان کو مسجد میں ایک شخص کے پاس رکھوا دیا تھا (کہ تم جس کو چاہو دے دینا) چنانچہ میں گیا اور میں نے وہ اشرفیاں لے لیں اور ان کو (گھر) لے آیا میرے باپ نے کہا کہ اللہ کی قسم ! میں نے تجھ کو دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا تو میں یہ مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے یزید ! جو نیت تم نے کی ہے اس کا ثواب تمہیں ملے گا اور اے معن ! جو کچھ تم نے لے لیا وہ تمہارا ہے۔ (صحیح بخاری، ۷۱۹)

حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا یہی قول ہے کہ اگر ناواقفی میں باپ بیٹے کو فرض زکوٰۃ بھی دے دے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ اعادہ واجب ہے۔ بلکہ عزیز اور قریب لوگوں کو جو محتاج ہوں زکوٰۃ دینا اور زیادہ ثواب ہے۔ علامہ نواب صاحب نے کہا کہ متعدد دلائل اس پر قائم ہیں کہ عزیزوں کو خیرات دینا زیادہ افضل ہے خیرات فرض ہو یا نفل اور عزیزوں میں خاوند اولاد کی صراحت ابوسعید کی حدیث میں موجود ہے۔

مضمون حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر شفیق اور مہربان تھے اور کس وسعت قلبی کے ساتھ آپ نے دین کا تصور پیش فرمایا تھا۔ باپ اور بیٹے ہر دو کو ایسے طور سمجھا دیا کہ ہر دو کا مقصد حاصل ہو گیا اور کوئی جھگڑا باقی نہ رہا۔ آپ کا ارشاد اس بنیادی اصول پر مبنی تھا۔ جو حدیث انما الاعمال بالنیات میں بتلایا گیا ہے کہ عملوں کا اعتبار نیتوں پر ہے۔

آج بھی ضرورت ہے کہ علماء و فقہاء ایسی وسیع الظرفی سے کام لے کر امت کے لیے بجائے مشکلات پیدا کرنے کے شرعی حدود میں آسانیاں بہم پہنچائیں اور دین فطرت کا زیادہ سے زیادہ فراخ قلبی کے ساتھ مطالعہ فرمائیں کہ حالات حاضرہ میں اس کی شدید ضرورت ہے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کوئی سہولت نصوص شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ اور آج کل نام نہاد میڈیا پر بیٹھ کر اپنی من پسند سہولیات کو گھڑ لیا جاتا ہے یہ سراسر یہود و نصاریٰ کی پیروی ہے۔

مالک نصاب کو زکوٰۃ دینے کے عدم جواز کا بیان:

(وَلَا يَجُوزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ إلَى مَنْ يَمْلِكُ نِصَابًا مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ) لِأَنَّ الْغِنَى الشَّرْعِيَّ مُقَدَّرٌ بِهِ ، وَالشَّرْطُ أَنْ يَكُونَ فَاضِلًا عَنْ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَإِنَّمَا شَرَطَ الْوُجُوبَ (وَيَجُوزُ دَفْعُهَا إلَى مَنْ يَمْلِكُ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا مُكْتَسِبًا) لِأَنَّهُ فَقِيرٌ وَالْفُقَرَاءُ هُمُ الْمَصَارِفُ ، وَلِأَنَّ حَقِيقَةَ الْحَاجَةِ لَا يُوقَفُ عَلَيْهَا فَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَى دَلِيلِهَا وَهُوَ فَقْدُ النِّصَابِ

ترجمہ:

اور جو شخص نصاب کا مالک ہو خواہ وہ کسی بھی مال سے ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت کے مطابق مالدار ہونے

کا اعتبار اسی نصاب سے کیا گیا ہے۔البتہ شرط اصلی مال سے فارغ ہونا ہے۔اور نامی ہونا یہ وجوب زکوٰۃ کو شرط ہے۔اور جو شخص نصاب سے کم ملکیت رکھتا ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔خواہ وہ تن درست کمانے والا ہی کیوں نہ ہو۔اس لئے کہ وہ فقیر ہے اور فقراء ہی مصارف ہیں۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ ضرورت کی حقیقت کا ادراک تو کرنا ممکن نہیں ہے۔کیونکہ حکم کا دارومدار اس کی دلیل پر ہوتا ہے۔(قاعدہ فقہیہ)اور وہ نصاب کا نہ ہونا ہے۔

شرح

جو شخص مالک نصاب ہے اُس کے غلام کو بھی زکاۃ نہیں دے سکتے ،اگرچہ غلام اپاہج ہو اور اُس کا مولیٰ کھانے کو بھی نہیں دیتا یا اُس کا مالک غائب ہو،مگر مالکِ نصاب کے مکاتب کو اور اُس ماذون کو دے سکتے ہیں جو خود اور اُس کا مال دَین میں مستغرق ہو۔ یوہیں غنی مرد کے نابالغ بچے کو بھی نہیں دے سکتے اور غنی کی بالغ اولاد کو دے سکتے ہیں جب کہ فقیر ہوں۔غنی کی بی بی کو دے سکتے ہیں جب کہ مالکِ نصاب نہ ہو۔یوہیں غنی کے باپ کو دے سکتے ہیں جبکہ فقیر ہے۔جس عورت کا دَین مہر اس کے شوہر پر باقی ہے،اگرچہ وہ بقدر نصاب ہو اگرچہ شوہر مالدار ہو ادا کرنے پر قادر ہو اُسے زکاۃ دے سکتے ہیں۔5)) (جوہرہ نیرہ، کتاب الزکوٰۃ)

جس بچہ کی ماں مالک نصاب ہے،اگرچہ اس کا باپ زندہ نہ ہو اُسے زکاۃ دے سکتے ہیں۔6)) (درمختار)

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔

وقلنا :يكلف إقامة البينة على ذلك؛ لأن الاستحقاق بالفقر الأصلي بالظاهر واستصحاب الحال، وإنه لا يصلح حجة للاستحقاق، ثم شرط مع إقامة البينة على الفقر إقامة البينة على أنه ليس له أحد يلزمه نفقته؛ لأنه يعتبر غنياً ببقاء المنفق في حق حكم الوقف، وفيه كلمات كثيرة تأتي بعد هذا إن شاء الله تعالى، فإن أقام البينة على أنه فقير محتاج إلى هذا الوقف، وليس له أحد تلزمه نفقته أدخله القاضي في الوقف، واستحسن هلال أن لا يدخله حتى يسأل عنه في السر، قال مشايخنا :وإنه حسن، وقال أيضاً إن الخامسة على ما قلنا، ويسأل القاضي في السر أيضاً، ووافق خبر السر البينة أنه فقير، وليس له أحد تلزمه نفقته، فالقاضي لا يدخله في الوقف حتى يستحلف بالله مالك مال، وأنك فقير .قال مشايخنا :وإنه حسن أيضاً؛ لأن مال الغير لا يقف عليه غيره في الحقيقة وهو يعلم ذلك، فيستحلف عليه، وكذلك يستحلف على قول هلال بالله مالك أحد تلزمه نفقتك، وإنه حسن أيضاً، وهكذا ذكر الخصاف في وقفه .(محيط برهاني في الفقه النعماني)

مقدار نصاب کے برابر کسی ایک فقیر کو زکوٰۃ دینے کی کراہت کا بیان:

(وَيُكْرَهُ أَنْ يَدْفَعَ إلَى وَاحِدٍ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَصَاعِدًا وَإِنْ دَفَعَ جَازَ) وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الْغِنَى قَارَنَ الْأَدَاءَ فَحَصَلَ الْأَدَاءُ إلَى الْغَنِيِّ .

وَلَنَا أَنَّ الْغِنَى حُكْمُ الْأَدَاءِ فَيَتَعَقَّبُهُ لَكِنَّهُ يُكْرَهُ لِقُرْبِ الْغِنَى مِنْهُ كَمَنْ صَلَّى وَبِقُرْبِهِ نَجَاسَةٌ (قَالَ :وَأَنْ تُغْنِيَ بِهَا إنْسَانًا أَحَبُّ إلَيَّ) مَعْنَاهُ الْإِغْنَاءُ عَنْ السُّؤَالِ يَوْمَهُ ذَلِكَ لِأَنَّ الْإِغْنَاءَ مُطْلَقًا مَكْرُوهٌ .

ترجمہ:

اور کسی ایک شخص کو دو سو درہم یا اس سے زیادہ زکوٰۃ دینا مکروہ ہے اور اگر دے دی تو جائز ہے۔اور حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا:اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا غنی ہونا ادائیگی کے ساتھ ملا ہوا ہو گیا۔لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی غنی کی طرف چلی گئی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے۔غنی ہونا یقیناً ادائے زکوٰۃ کا حکم ہے۔پس غنی ہونا ادا کے بعد ہوا ہے۔لیکن اس کی کراہت اس وجہ سے ہے کہ وہ غنی کے قریب ہے۔جس طرح کسی شخص نے نماز پڑھی حالانکہ اس کے قریب نجاست تھی۔اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ زکوٰۃ دیتے ہوئے کسی شخص کو غنی کرنا مجھے پسند ہے۔غناء کا معنی یہ ہے کہ اس دن وہ سوال کرنے سے بے پرواہ ہو جائے گا۔البتہ مطلق طور پر غنی کرنا مکروہ ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جو شخص مالک نصاب ہو (جبکہ وہ چیز حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو یعنی مکان ، سامان خانہ داری، پہننے کے کپڑے، خادم، سواری کا جانور، ہتھیار، اہلِ علم کے لیے کتابیں جو اس کے کام میں ہوں کہ یہ سب حاجتِ اصلیہ سے ہیں اور وہ چیز ان کے علاوہ ہو، اگرچہ اس پر سال نہ گزرا ہو اگرچہ وہ مال نامی نہ ہو) ایسے کو زکاۃ دینا جائز نہیں۔

اور نصاب سے مراد یہاں یہ ہے کہ اُس کی قیمت دو سو ۲۰۰ درم ہو، اگرچہ وہ خود اتنی نہ ہو کہ اُس پر زکاۃ واجب ہو مثلاً چھ تولے سونا جب دو سو ۲۰۰ درم قیمت کا ہو تو جس کے پاس ہے اگرچہ اُس پر زکاۃ واجب نہیں کہ سونے کی نصاب ساڑھے سات تولے ہے مگر اس شخص کو زکاۃ نہیں دے سکتے یا اس کے پاس تیس بکریاں یا بیس گائیں ہوں جن کی قیمت دو سو ۲۰۰ درم ہے اسے زکاۃ نہیں دے سکتا، اگرچہ اس پر زکاۃ واجب نہیں یا اُس کے پاس ضرورت کے سوا اسباب ہیں جو تجارت کے لیے بھی نہیں اور وہ دو سو ۲۰۰ درم کے ہیں تو اسے زکاۃ نہیں دے سکتے۔صحیح تندرست کو زکاۃ دے سکتے ہیں، اگرچہ کمانے پر قدرت رکھتا ہو مگر سوال کرنا اسے جائز نہیں۔(ردمحتار، کتاب الزکوٰۃ)

زکوٰۃ کودوسرے شہروں کی طرف منتقل کرنے کی کراہت کابیان:

قَالَ (وَيُكْرَهُ نَقْلُ الزَّكَاةِ مِنْ بَلَدٍ إلَى بَلَدٍ) وَإِنَّمَا تُفَرَّقُ صَدَقَةُ كُلِّ فَرِيقٍ فِيهِمْ لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، وَفِيهِ رِعَايَةُ حَقِّ الْجِوَارِ (إلَّا أَنْ يَنْقُلَهَا الْإِنْسَانُ إلَى قَرَابَتِهِ أَوْ إلَى قَوْمٍ هُمْ أَحْوَجُ مِنْ أَهْلِ بَلَدِهِ) لِمَا فِيهِ مِنْ الصِّلَةِ :أَوْ زِيَادَةِ دَفْعِ الْحَاجَةِ ، وَلَوْ نَقَلَ إلَى غَيْرِهِمْ أَجْزَأَهُ ، وَإِنْ كَانَ مَكْرُوهًا لِأَنَّ الْمَصْرِفَ مُطْلَقُ الْفُقَرَاءِ بِالنَّصِّ .

ترجمہ:

فرمایا: زکوٰۃ کوایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے۔اور یقیناً ہر گروہ کا صدقہ انہی میں تقسیم کیا جائے۔اسی روایت کی وجہ سے جس کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔اوراسی میں ہمسائیوں کی رعایت ہے۔ہاں البتہ اگر انسان زکوٰۃ اپنے قریبی رشتہ داروں کی طرف منتقل کرے یا ایسی قوم کی طرف منتقل کرے جواس شہر والوں سے زیادہ محتاج ہوں۔کیونکہ اس میں صلہ رحمی اورضرورت دورکرنے میں اضافہ ہے۔اوراگر اس نے ان کے علاوہ کسی اورطرف منتقل کی تو بھی کافی ہوگا لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔اس لئے کہ زکوٰۃ کامصرف نص قرآنی میں علی الاطلاق فقراء ہیں۔اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

زکوٰۃ دوسرے شہر میں منتقل کرنے میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک زکوٰۃ کوایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا مکروہ ہے۔حضرت امام شافعی اور بعض فقہاء مالکیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔علامہ سروجی نے کہا ہے کہ امام شافعی کا مذہب اس مسئلہ میں مضطرب ہے۔اورصحیح یہ ہے کہ نقل کرنا حرام ہے۔اور حنبلی فقیہ ابن قدامہ نے شوافع سے اختلاف کیا ہے اور جائز کہا ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ،۴،ص،۲۱۳،حقانیہ ملتان)

زکوٰۃ کواپنے قرابت داروں پرصرف کرنا:

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ سیدنا ابوطلحہؓ کے پاس مال تھا،ازقسم باغات اور سب سے زیادہ پسند ان کو بیرحاء نامی باغ تھا اور وہ مسجد نبوی کے سامنے تھا۔رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے تھے اوراس میں جو خوشگوار پانی تھا اس کونوش فرماتے تھے سیدنا انسؓ کہتے ہیں کہ جب (سورۂ آل عمران کی نمبرآیت) نازل ہوئی: تم لوگ ہرگز نیکی کو نہ پہنچو گے یہاں تک کہ جس چیز کوتم دوست رکھتے ہو،اس میں سے خرچ کرو۔تو ابوطلحہؓ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ اللہ بزرگ وبرتر فرماتا ہے کہ تم لوگ ہرگز نیکی کو نہ پہنچو گے یہاں تک کہ جس چیز کوتم دوست رکھتے ہو

اس میں سے خرچ کرو۔ تو بے شک مجھے اپنے سب مالوں میں زیادہ محبوب بیرحاء ہے اوروہ (اب) اللہ کے لیے صدقہ ہے۔میں اس کے ثواب کی اللہ کے ہاں امید رکھتا ہوں تو آپ ﷺ اس کو جہاں مناسب سمجھیں صرف کریں۔سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شاباش !یہ تو ایک مفید مال ہے،یہ تو ایک مفید مال ہے اور میں نے سن لیا جو تم نے کہا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ تم اس کو قرابت داروں میں تقسیم کردو۔تو سیدنا ابوطلحہؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ !میں ایسا ہی کروں گا چنانچہ انہوں نے اس کو اپنے قرابت داروں میں اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کردیا۔(صحیح بخاری،۷۴۰)

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدالاضحی یا عیدالفطر میں عیدگاہ تشریف لے گئے۔یہاں اس روایت میں یہ ہے کہ جب آپ ﷺ واپس ہوکر اپنے مکان کی طرف تشریف لے گئے تو سیدہ زینب سیدنا ابن مسعود کی بیوی آئیں اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگنے لگیں۔عرض کی گئی کہ یارسول اللہ ﷺ !زینب (آئی) ہیں۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کون زینب؟ (کیوں کہ زینب نام کی بہت سے عورتیں تھیں) تو عرض کی گئی کہ سیدنا ابن مسعودؓ کی بیوی۔آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا ان کو اجازت دے دو۔ان کو اجازت دے دی گئی (جب وہ آئیں تو) انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ !آپ ﷺ نے آج (ہم عورتوں کو) صدقہ دینے کا حکم دیا ہے اور میرے پاس کچھ زیور ہے میں نے چاہا کہ اسے خیرات کردوں مگر ابن مسعود نے کہا کہ وہ اوران کی اولاد سب سے زیادہ مستحق اس بات کے ہیں کہ میں انہی کو صدقہ دوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن مسعود نے سچ کہا تمہارا شوہر اور تمہارے بچے سب سے زیادہ مستحق اس بات کے ہیں کہ تم انہیں صدقہ دو۔

(صحیح بخاری،۷۴۱)

زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے کی کراہت کا بیان:

حضرت عطار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زیاد نے (یا کسی اور امیر نے) عمران بن حصین کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے بھیجا جب حضرت عمران لوٹ کر آئے تو ان سے پوچھا کہ مال کہاں ہے؟ کیا مجھے مال لانے کے لیے بھیجا تھا؟ ہم نے زکوٰۃ لی جس طرح ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں لیا کرتے تھے اور جہاں صرف کیا کرتے تھے وہاں صرف کردیا (یعنی مالداروں سے لے کرناداروں میں تقسیم کردی)۔(سنن ابوداؤد)

لنگرِ عام پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کا مسئلہ

آج کل چوکوں اور چوراہوں پر، بالخصوص رمضان المبارک کے مہینے میں بعض لوگ زکوٰۃ، فطرہ، فدیہ وغیرہ کی رقوم سے لنگرِ عام کھلاتے ہیں، جس میں اس بات کی کوئی تمیز نہیں ہوتی کہ یہ لوگ مستحق زکوٰۃ ہیں یانہیں؟،اسی طرح غیر مسلم بھی آکر شامل ہوسکتے ہیں جبکہ وہ مصرفِ زکوٰۃ نہیں بن سکتے۔اگر بالفرض سبھی لنگر کھانے والے مستحق ہوں تو بھی اس سے زکوٰۃ ادانہیں ہوگی، کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ کیلیے محض اباحت (یعنی کسی چیز کوکسی مستحق کے استعمال کے لیے مباح کردینا) کافی نہیں بلکہ اس کو مالک بنانا ضروری ہے لہذا

ہماری رائے میں ادائیگی زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کا یہ طریقہ درست نہیں ہے اور اس طرح سے زکوٰۃ دینے والے بری الذمہ نہیں ہوں گے اور جو تنظیمیں اس طرح کا نظام چلاتی ہیں، وہ بھی عنداللہ جوابدہ ہوں گی، البتہ اگر نفلی خیرات (Charity) کے طور پر کوئی یہ لنگر چلا رہا ہے تو جائز ہے۔ ویسے ہمارے نزدیک یہ طریقہ احترامِ انسانیت کے منافی ہے۔

مکان، دکان، فلیٹس اور پلاٹوں پر زکوٰۃ

ذاتی استعمال کا مکان زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے، اسی طرح ذاتی مکان کے لیے خریدا ہوا پلاٹ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ وہ مکان، یا پلاٹ یا دکانیں، فلیٹس جو کرائے پر چڑھے ہوئے ہیں، ان کی سالانہ آمدنی وضعِ مصارف کے بعد مالکِ جائیداد کی مجموعی سالانہ آمدنی میں جمع ہوگی اور تمام ذرائع آمدن سے سال کے اختتام پر جو رقم پس انداز ہوگی، اس پوری رقم پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ایسے مکانات، پلاٹس، دکانیں یا فلیٹس جو کاروباری اور تجارتی مقاصد کے لیے ہیں، یعنی نفع کمانے کی غرض سے، ان سب کی مالیت پر زکوٰۃ ہے، اور اس میں قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہے بلکہ موجودہ قیمت (Market Value) کا اعتبار ہوگا۔ بطور انویسٹمنٹ پلاٹس اور جائیدادیں خریدنے والوں کے لیے یہ سب سے زیادہ قابل توجہ مسئلہ ہے۔

کرائے پر دیے ہوئے مکان، دکان، فلیٹس وغیرہ کے ڈیپازٹ کی جو رقم جائیداد کے مالک کے پاس بطور زرِ ضمانت جمع ہے، اس کی زکوٰۃ رقم کا اصل مالک (کرایہ دار) ادا کرے گا، اسی طرح تاجر حضرات اور ایجنسی ہولڈرز کی جو رقوم بطور زرِ ضمانت (Security Deposit) کسی ادارے یا فرم کے پاس جمع ہیں اور قابلِ واپسی ہیں، اس رقم کی زکوٰۃ بھی اصل مالک یعنی (Depositor) کو ادا کرنی ہوگی۔

وہ پلاٹس یا مکانات جو اولاد کو ہبہ کرنے کی نیت سے رکھے ہوئے ہیں، ان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ یہ مالِ تجارت نہیں ہے۔ نیت کا معاملہ بندے اور رب کے درمیان ہے، البتہ مستقبل میں اگر نیت بدل گئی یا ان پلاٹس یا مکانات کو بیچا، تو اس وقت اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

﴿یہ باب فطرانے کے بیان میں ہے﴾

باب صدقہ فطر کی مطابقت کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فطرانے کی زکوٰۃ کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ زکوٰۃ کی طرح یہ بھی عبادت مالیہ ہے اور روزے کے ساتھ اس کی مطابقت یہ ہے کہ یہ روزے کے بعد واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عبادت مالیہ کو عبادت بدنیہ کی طرف منتقل کرنے کے لحاظ سے درمیان میں ذکر کیا گیا ہے۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ یہاں ترجیح اسی ترتیب کو دی جائے گی کیونکہ یہاں جو کلام مقصود ہے وہ مضاف ہے۔ نہ مضاف الیہ، کیونکہ یہ اپنی شرط کی طرف مضاف ہے۔ اور صدقہ اللہ کی طرف سے ایسی عبادت جس سے مقصود اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور اس میں صدقے کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔ جس طرح دیگر صدقات میں ہوتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۳، ص ۲۲۴، بیروت)

فطرانے کے وجوب کا بیان:

قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ : (صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْمُسْلِمِ إذَا كَانَ مَالِكًا لِمِقْدَارِ النِّصَابِ فَاضِلًا عَنْ مَسْكَنِهِ وَثِيَابِهِ وَأَثَاثِهِ وَفَرَسِهِ وَسِلَاحِهِ وَعَبِيدِهِ) أَمَّا وُجُوبُهَا فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي خُطْبَتِهِ "(أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ) " رَوَاهُ ثَعْلَبَةُ بْنُ صُعَيْرٍ الْعَدَوِيُّ أَوْ صُعَيْرٍ الْعُذْرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، وَبِمِثْلِهِ يَثْبُتُ الْوُجُوبُ لِعَدَمِ الْقَطْعِ

ترجمہ:

فرمایا: صدقہ فطر آزاد مسلمان پر واجب ہے۔ جبکہ وہ ایسے مال نصاب کا مالک ہو جو اس کے گھر، اس کے کپڑوں، گھریلو سامان، گھوڑے، ہتھیار اور خدمتگار غلاموں سے الگ ہو۔ اور اس کے وجوب دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: تم ہر آزاد اور غلام کی طرف سے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اس کی طرف سے نصف صاع گندم یا ایک صاع جو ادا کرو۔ اسے ثعلبہ بن صعیر عدوی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ اور اس طرح کی دلیل سے وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ قطعیت معدوم ہے۔

صدقہ فطر وجوب کی شرعی حیثیت؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام، آزاد، مرد، عورت

اور چھوٹے بڑے پر زکوٰۃ فطر (صدقہ فطر) کے طور پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فرض قرار دیا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ فطر کے بارے میں یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو عید الفطر کی نماز کے لیے جانے سے پہلے دے دیا جائے۔

(بخاری و مسلم)

صدقہ فطر کے وجوب میں مذاہب اربعہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مسلمان مرد و عورت پر خواہ غلام ہو یا آزاد یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر کے طور پر دے، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے نزدیک صدقہ فطر زکوٰۃ کی طرح کا ایک فرض ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب اور امام مالک کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔

(ابوداؤد)

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے ہاں سنت مؤکدہ ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک میں واجب ہے حدیث میں مذکور لفظ فرض حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کے نزدیک اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول ہے، حضرت امام مالک فرض کے معنی بیان کرتے ہیں مقرر کیا حنفی حضرات فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر چونکہ دلیل قطعی کے ذریعے ثابت نہیں ہے اس لیے صدقہ فطر عمل کے لحاظ سے تو فرض ہی کے برابر ہے لیکن اعتقادی طور پر اسے فرض نہیں کہا جا سکتا جس کا مطلب یہ ہے کہ واجب ہے فرض نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی کے مسلک میں ہر اس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے جو اپنے لیے اور ان لوگوں کے لیے کہ جن کی طرف سے صدقہ فطر دینا اس کے ذمہ ایک دن کا سامان خوراک رکھتا ہو اور وہ بقدر صدقہ فطر اس کی ضرورت سے زائد بھی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ کے مسلک کے مطابق صدقہ فطر اسی شخص پر واجب ہوگا جو غنی ہو یعنی وہ اپنی ضرورت اصلیہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر اسباب وغیرہ کا مالک ہو یا اس کے بقدر سونا چاندی اپنی ملکیت میں رکھتا ہو اور قرض سے محفوظ ہو۔

صدقہ فطر کا وجوب عید الفطر کی فجر طلوع ہونے کے وقت ہوتا ہے لہٰذا جو شخص طلوع فجر سے پہلے مر جائے اس پر صدقہ فطر واجب نہیں اور اسی طرح جو شخص طلوع فجر کے بعد اسلام لائے اور مال پائے یا جو بچہ طلوع فجر کے بعد پیدا ہو اس پر بھی صدقہ فطر واجب نہیں۔

ایک صاع ساڑھے تین سیر یعنی چودہ اوزان کے مطابق تین کلوگرام ہوتا ہے۔ جو غلام خدمت کے لیے ہو اس کی طرف سے اس کے مالک پر صدقہ فطر دینا واجب ہے ہاں جو غلام تجارت کے لیے ہو اس کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے اسی طرح جو غلام بھاگ جائے اس کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے ہاں جب وہ واپس آ جائے تو اس وقت دینا واجب ہوگا۔

اولاد اگر چھوٹی ہو اور مالدار نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کے باپ پر صدقہ فطر دینا واجب ہے ہاں اگر چھوٹی اولاد مالدار ہو تو

پھر اس کا صدقہ فطر اس کے باپ پر واجب نہیں ہے بلکہ اس کے مال میں دیا جائے گا۔

بڑی اولاد جس پر دیوانگی طاری ہو اس کا حکم بھی چھوٹی اولاد کی طرح ہے، اسی طرح بڑی اولاد کی طرف سے باپ پر اور بیوی کی طرف سے خاوند پر ان کا صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے ہاں اگر کوئی باپ اپنی ہوشیار اولاد کی طرف سے یا کوئی خاوند اپنی بیوی کی طرف سے ان کا صدقہ ان کی اجازت سے از راہ احسان و مروت ادا کر دے تو جائز ہوگا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ من المسلمین لفظ عبد اور اس کے بعد کے الفاظ کا حال واقع ہو رہا ہے لہٰذا کسی مسلمان پر اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا۔ مگر صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ غلام کافر کا صدقہ فطر بھی اس کے مسلمان مالک پر واجب ہوتا ہے، انہوں نے اس کے ثبوت میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے جسے ہدایہ یا مرقات میں دیکھا جا سکتا ہے، حنفیہ کے یہاں صاحب ہدایہ ہی کے قول کے مطابق فتویٰ ہے۔ (علم الفقہ)

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ہی ادا کر دینا مستحب ہے اگر کوئی شخص اس سے بھی پہلے خواہ ایک مہینے یا ایک مہینے سے بھی زیادہ پہلے دے دے تو جائز ہے۔ نماز عید کے بعد یا زیادہ تاخیر سے صدقہ فطر ساقط نہیں ہوتا بہر صورت دینا ضروری ہوتا ہے۔

چھوٹے بچوں کی طرف صدقے کا ادا ہونا:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ چھوٹے بچّوں کی طرف سے جو ادا کیا وُہ ادا ہو جائے گا کیونکہ وہ واجب ہی والد پر تھا۔ اور جو بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے ادا کیا اگر ان کا اذن تھا تو بھی ادا ہو جائیگا اور اگر اذن نہ تھا تو صدقہ ادا نہ ہوگا۔

اگر کسی نے دوسرے کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ ادا کر دی پھر دوسرے تک خبر پہنچی اور اس نے اسے جائز بھی رکھا تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ اس کا نفاذ صدقہ کرنے والے پر ہے، کیونکہ وُہ زکوٰۃ اس کی ملکیت ہے اور غیر سے نائب بن نہیں سکتا کہ اس کی اجازت کا نفاذ ہو، ہاں اگر اجازت سے زکوٰۃ ادا کی ہو تو پھر جائز ہوگا۔ (ردمحتار، ج ۲، ص ۱۲، مصر)

ثبوت ملکیت وطاعت کیلئے شرط حریت واسلام کا بیان:

وَشَرْطُ الْحُرِّيَّةِ لِيَتَحَقَّقَ التَّمْلِيكُ وَالْإِسْلَامُ لِيَقَعَ قُرْبَةً ، وَالْيَسَارُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (لَا صَدَقَةَ إلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى) " وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ :تَجِبُ عَلَى مَنْ يَمْلِكُ زِيَادَةً عَنْ قُوتِ يَوْمِهِ لِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ ، وَقَدْرُ الْيَسَارِ بِالنِّصَابِ لِتَقْدِيرِ الْغِنَى فِي الشَّرْعِ بِهِ فَاضِلًا عَمَّا ذُكِرَ مِنْ الْأَشْيَاءِ لِأَنَّهَا مُسْتَحَقَّةٌ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ ، وَالْمُسْتَحَقُّ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ كَالْمَعْدُومِ وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ النُّمُوُّ ، وَيَتَعَلَّقُ بِهَذَا النِّصَابِ حِرْمَانُ الصَّدَقَةِ وَوُجُوبُ الْأُضْحِيَّةِ وَالْفِطْرَةِ .

ترجمہ

اور آزاد ہونے کی شرط ثبوت ملکیت کی وجہ سے لگائی گئی ہے۔اور اسلام کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ ثواب واقع ہو اور مالدار ہونے کی شرط اس لئے بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صدقہ فطر صرف مالدار پر ہے۔اور یہی حدیث امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل ہے۔کیونکہ ان کے نزدیک صدقہ فطر ہر اس شخص پر واجب ہے جو ایک دن کی روزی سے زیادہ کا مالک ہو جو اس کیلئے اور اس کے اہل وعیال کیلئے ہوتی ہے۔اور مالداری کا حساب نصاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔کیونکہ شرعی طور پر غنی نصاب کے ساتھ مقدر ہے بشرطیکہ وہ مذکورہ اشیاء سے فاضل ہو۔کیونکہ مذکورہ اشیاء تو حاجت اصلیہ کے ساتھ ثابت ہیں۔اور جو نصاب حاجت اصلیہ کے ساتھ ثابت ہو وہ معدوم کی طرح ہوتا ہے۔لہٰذا اس میں نمو (بڑھوتی) بھی شرط نہیں۔اور اسی کے نصاب کے ساتھ صدقہ لینے سے محروم ہونا، قربانی کا وجوب اور فطرانے واجب ہونا ثابت ہے۔

عدم نمو کے باوجود نصاب فطرانے کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فطرانے میں نمو کی شرط نہیں لگائی گئی اس کی دلیل یہ ہے کہ فطرانہ ایسے صدقات سے ہے جن قدرت ممکنہ پائی جاتی ہے۔جبکہ زکوٰۃ ایسے صدقات میں سے ہے جن میں قدرت میسرہ پائی جاتی ہے۔(یعنی زکوٰۃ میں مال نصاب میں نامی ہونا نمو کا پایا جانا آسان ہے جبکہ فطرانے میں نمو کا پایا مشکل ہے)

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص، ۲۲۷، بیروت)

جن لوگوں کی طرف سے فطرانہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا:

قَالَ (يُخْرِجُ ذَلِكَ عَنْ نَفْسِهِ) لِحَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ (فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَلَى الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى) " الْحَدِيثَ (وَ) يُخْرِجُ عَنْ (أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ) لِأَنَّ السَّبَبَ رَأْسٌ يُمَوِّنُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ لِأَنَّهَا تُضَافُ إلَيْهِ يُقَالُ زَكَاةُ الرَّأْسِ ، وَهِيَ أَمَارَةُ السَّبَبِيَّةِ ، وَالْإِضَافَةُ إلَى الْفِطْرِ بِاعْتِبَارِ أَنَّهُ وَقْتُهُ ، وَلِهَذَا تَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِ الرَّأْسِ مَعَ اتِّحَادِ الْيَوْمِ ، وَالْأَصْلُ فِي الْوُجُوبِ رَأْسُهُ وَهُوَ يُمَوِّنُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ فَيَلْحَقُ بِهِ مَا هُوَ فِي مَعْنَاهُ كَأَوْلَادِهِ الصِّغَارِ لِأَنَّهُ يُمَوِّنُهُمْ وَيَلِي عَلَيْهِمْ (وَمَمَالِيكِهِ) لِقِيَامِ الْوِلَايَةِ وَالْمُؤْنَةِ ، وَهَذَا إذَا كَانُوا لِلْخِدْمَةِ وَلَا مَالَ لِلصِّغَارِ ، فَإِنْ كَانَ لَهُمْ مَالٌ يُؤَدِّي مِنْ مَالِهِمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الشَّرْعَ أَجْرَاهُ مَجْرَى الْمُؤْنَةِ فَأَشْبَهَ النَّفَقَةَ .

ترجمہ:

صاحب قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ صدقہ اپنی طرف سے نکالے۔اس حدیث کی وجہ سے جس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فطر کی زکوٰۃ مرد وعورت پر فرض ہے۔اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقہ (فطر) دے کیونکہ صدقے کا سبب وہ رأس ہے۔جو روزانہ (پرورش) دیتا ہے۔اور وہ ان (ذمہ دار) کا ناظم ہے۔کیونکہ صدقہ فطر اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ''زکوٰۃ الرأس'' کہا جاتا ہے۔اور یہی اضافت سبب کی علامت ہے۔اور فطر کی طرف اضافت اس وجہ سے ہے کیونکہ فطر اس کا وقت ہے۔لہٰذا اسی وجہ سے رأس کے متعدد ہونے کی وجہ سے صدقہ فطر میں تعدد ہوگا۔حالانکہ دن متحد ہے اور وجوب صدقہ میں اصل مالدار کا رأس ہے۔(قاعدہ فقہیہ) اور اسے وہ روزانہ دیتا ہے اور اس کا ناظم بھی ہے۔لہٰذا اس کے ساتھ ہر ایسا رأس لاحق کیا جائے گا جس اس کے معنی میں ہے۔جس طرح اس کی نابالغ اولاد ہے جن کی وہ پرورش کرتا ہے اور ان کی سرپرست ہے۔

ولایت اور مدد کی قیام کی وجہ سے وہ اپنی ملکیت والے غلاموں کا صدقہ فطر بھی ادا کرے۔اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ غلام خدمت کیلئے ہوں۔اور جب چھوٹی اولاد کا اپنا مال جب کچھ بھی نہ ہو۔اور اگر چھوٹی اولاد کے پاس اپنا مال ہو تو شیخین کے فطرانہ ان کے مال سے ادا کیا جائے۔جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔اس لئے کہ یہ صدقہ مؤنت کے قائم مقام ہے۔پس یہ نفقہ کے مشابہ ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گھوڑے، غلام اور باندیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر غلام اور باندی کی طرف سے صدقہ فطر دینا چاہیے۔(ابوداؤد)

بیوی اور بڑی اولاد کے صدقہ فطر کا بیان:

(وَلَا يُؤَدِّي عَنْ زَوْجَتِهِ) لِقُصُورِ الْوِلَايَةِ وَالْمُؤْنَةِ فَإِنَّهُ لَا يَلِيهَا فِي غَيْرِ حُقُوقِ النِّكَاحِ وَلَا يُمَوِّنُهَا فِي غَيْرِ الرَّوَاتِبِ كَالْمُدَاوَاةِ .

(وَلَا عَنْ أَوْلَادِهِ الْكِبَارِ وَإِنْ كَانُوا فِي عِيَالِهِ) لِانْعِدَامِ الْوِلَايَةِ وَلَوْ أَدَّى عَنْهُمْ أَوْ عَنْ زَوْجَتِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِمْ أَجْزَأَهُ اسْتِحْسَانًا لِثُبُوتِ الْإِذْنِ عَادَةً .

ترجمہ:

اور وہ اپنی بیوی کی طرف (فطرانہ) ادا نہ کرے گا۔کیونکہ ولایت اور مؤنت قاصر ہے۔اس لئے کہ شوہر نکاح کے حقوق کے سوا میں ملکیت نہیں رکھتا۔اور خاوند طے شدہ معاملات کے علاوہ اس کی مؤنت کو برداشت نہیں کرے گا جس طرح دوا کرنا ہے۔اور اپنی بالغ اولاد کی طرف صدقہ فطر ادا نہ کرے گا۔خواہ وہ اس کے عیال میں ہوں۔کیونکہ ولایت معدوم ہے اور اگر اس نے ان کی

جانب سے یا اپنی زوجہ کی طرف سے صدقہ فطر ادا کیا تو بطور استحسان ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ اجازت بطور عرف ثابت ہے۔

بیوی کی طرف سے فطرانہ نہ دینے میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک وہ بیوی کی طرف سے فطرانہ ادا نہ کرے گا۔ اسی طرح ثوری، ظاہریہ اور ابن منذر اور فقہاء مالکیہ میں سے ابن سیرین نے کہا ہے۔ جبکہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، لیث، اسحاق نے کہا ہے شوہر پر واجب ہے۔

علامہ ابن منذر نے کہا ہے کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کا فطرانہ اس پر واجب ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ فطرانہ ہر مذکر و مؤنث پر واجب ہے۔ الی آخرہ۔ ابن حزم نے کہا کہ عجیب عجوبہ ہے کہ امام شافعی اس روایت کو مرسل نہیں تسلیم کرتے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ ج ۴، ص ۲۲۲، حقانیہ ملتان)

اپنی بیوی یا اپنے شوہر کو صدقہ دینے کا مسئلہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ذکر و نصیحت میں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے عورتوں کی جماعت ! صدقہ و خیرات کرو، اگر چہ وہ تمہارے زیورات ہی میں سے کیوں نہ ہو ! حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ سن کر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس آئی اور ان سے کہنے لگی کہ آپ خالی ہاتھ یعنی مفلس مرد ہیں اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صدقہ و خیرات کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ معلوم کریں کہ اگر میں آپ پر اور آپ کی اولاد پر بطور صدقہ خرچ کروں تو آیا یہ صدقہ میرے لیے کافی ہوگا یا نہیں؟ اگر آپ کو اور آپ کی اولاد کو میرا صدقہ دینا میرے لیے کافی ہو جائے تو پھر آپ ہی کو صدقہ دے دوں اور اگر یہ میرے لیے کافی نہ ہو تو پھر آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بطور صدقہ خرچ کروں ! حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا کہ تم ہی جاؤ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں پوچھ لو چنانچہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی میں وہاں کیا دیکھتی ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر انصار کی ایک عورت کھڑی ہے اور (وہاں آنے کی) ہماری حاجت یکساں تھی۔ (یعنی وہ وہ بھی معلوم کرنے آئی تھی کہ آیا میں اپنے صدقہ کا مال اپنے خاوند اور اس کے متعلقین کو دے سکتی ہوں یا نہیں؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہیبت و عظمت کا پیکر تھی اس لیے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے کی جرات نہ ہوئی اور ہم وہاں سے نکل کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر کہئے کہ دروازے پر کھڑی ہوئی دو عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتی ہیں کہ کیا اپنے شوہروں اور ان یتیموں کو جو ان کی پرورش میں ہیں ان کا صدقہ دینا ان کے لیے کافی ہو جائے گا مگر دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ نہ بتائیے گا کہ ہم کون ہیں؟ یعنی انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر کے ریا سے بچنے میں مبالغہ کیا کہ پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال سے پوچھا کہ دو

عورتیں کون ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک تو انصار کی کوئی عورت ہے اور دوسری زینب رضی اللہ عنہا ہیں اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کون سی زینب؟ (کیونکہ زینب نام کی کئی عورتیں ہیں) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی ! پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ (ان سے جا کر کہہ دو کہ اس صورت میں) ان کے لیے دوہرا ثواب ہے، ایک تو حق قربت کی ادائیگی کا اور دوسرا صدقہ دینے کا۔ (بخاری و مسلم الفاظ مسلم کے ہیں)۔

جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا تھا کہ وہ ان کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ بتائیں تو انہیں ان کی اس خواہش کا احترام کرنا چاہئے تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ ان سے ان عورتوں کا نام پوچھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی بناء پر ان کے لیے یہ ہی ضروری ہو گیا تھا کہ وہ ان کا نام بتا دیں چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔

یہ حدیث کی وضاحت تھی اب اصل مسئلہ کی طرف آیئے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آیا کوئی عورت اپنے خاوند یا کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال دے سکتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اس بارے میں تو بالاتفاق تمام علماء کا یہ مسلک ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے مگر اس کے برعکس صورت میں امام ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ کوئی عورت اپنے خاوند کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے کیونکہ مرد کے منافع اور مال میں عادۃ اکثر دونوں ہی شریک ہوتے ہیں اس طرح کوئی عورت اپنے خاوند کو زکوٰۃ کا مال دے گی تو اس مال سے خود بھی فائدہ حاصل کرے گی جو جائز نہیں ہوگا۔ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مرد کا اپنی بیوی کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اسی طرح بیوی بھی اپنی زکوٰۃ کا مال اپنے خاوند کو دے سکتی ہے ائمہ کے اس اختلاف کی بنا پر کہا جائے گا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس مذکور صدقہ سے صدقہ نفل مراد ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اس سے صدقہ نفل بھی مراد ہو سکتا ہے اور صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

نابالغ اولاد وغیرہ کے فطرانے کا بیان:

صدقۂ فطر واجب ہونے کا سبب خود اس کی ذات اور وہ لوگ ہیں جن کا نان نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اور وہ ان پر کامل ولایت رکھتا ہے پس صدقۂ فطر اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے اگر کسی شخص نے کسی عذر سے یا بلا عذر روزے نہ رکھے ہوں تب بھی اس پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

اور اس کے نابالغ بچوں اور بچیوں کی طرف سے بھی اس پر واجب ہے لیکن اگر نابالغ بچہ خود مالدار ہو تو اس کے مال میں سے صدقۂ فطر واجب ہوگا کم عقل، دیوانہ اور مجنون کا بھی وہی حکم ہے جو نابالغ بچے کا ہے یعنی اسکی طرف سے باپ صدقۂ فطر ادا کرے

بیوی کا صدقۂ فطر خاوند پر واجب نہیں ہے

بالغ اولاد کا نفقہ بھی باپ پر واجب نہیں، اگر بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سیا ور جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے ان سب کی طرف

سے ان کی اجازت کے بغیر صدقہ فطر دے دیا تو ادا ہو جائے گا اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ عادتاً اجازت موجود ہے، اگر چہ نیت کے بغیر فطرہ ادا نہیں ہوتا لیکن اس صورت میں حکماً نیت موجود ہے

اپنی عیال اور اہل نفقہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے فطرہ دینا ان کی اجازت سے جائز ہے اجازت کے بغیر جائز نہیں پس اگر عورت نے اپنے خاوند کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر فطرہ ادا کر دیا تو جائز نہیں ہے اپنے دادا دادی، نانا نانی، پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے اور اپنے ماں باپ کا فطرہ دینا بھی واجب نہیں اگر چہ انکا نفقہ ان کے ذمہ ہو کیونکہ ان پر اس کو ولایت نہیں ہے جیسا کہ بڑی اولاد پر نہیں ہے لیکن اگر ان میں سے کوئی فقیر اور دیوانہ ہو تو اس کا صدقہ اس پر واجب ہوگا۔

اپنے چھوٹے بھائی بہنوں اور اپنے دیگر رشتہ داروں کی طرف سے صدقہ فطر دینا اس پر واجب نہیں اگر چہ ان کا نفقہ اس کے ذمہ ہو کیونکہ اس کو ان پر ولایت حاصل نہیں ہے اور صدقہ فطر واجب ہونے کو لئے اس شخص پر ولایت کاملہ حاصل ہونا اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہونا ضروری ہیا گر اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح کر دیا اور اس کو خاوند کے گھر رخصت کر دیا، اگر وہ خاوند کی خدمت وموانست کے لائق ہے تو اس کا صدقہ فطر کسی پر واجب نہیں ہے نہ باپ پر، نہ خاوند پر اور نہ خود اس لڑکی پر جب کہ لڑکی خود محتاج ہو اور اگر شوہر کی خدمت وموانست کے لائق نہیں ہے تو اس کا صدقہ فطر اس کے باپ کے ذمہ ہوگا اور اگر شوہر کے گھر رخصت نہیں کی گئی تو ہر حال میں اس کے باپ کے ذمہ ہے لڑکی کے فطرہ کے متعلق مزید وضاحت یہ ہے کہ اگر لڑکی مالدار ہے تو خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور خواہ بالغ ہو یا نابالغ خود اس کے مال میں صدقہ فطر واجب ہے اور اگر مالدار نہیں لیکن بالغ ہے تو خواہ شادی شدہ ہو یا شادی شدہ ہے اس کا فطرہ کسی کو ذمہ نہیں اور اگر مالدار نہیں لیکن نابالغ شادی شدہ ہے اور رخصت نہیں ہوئی تو باپ کے ذمہ ہے اور رخصت ہوگئی ہو تو کسی کے ذمہ نہیں اور اگر شادی نہیں ہوئی اور نابالغ محتاج ہے تو اس کا فطرہ باپ کے ذمہ ہے ادا کے ذمہ پوتوں کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے جب کہ ان کا باپ مفلس ہو اور زندہ ہو اور اگر مفلس باپ فوت ہو چکا ہو تو اس میں اختلاف ہے ظاہر الروایت کے بموجب اس صورت میں بھی دادا کے ذمہ پوتوں کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے اور امام حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں واجب ہے۔

مکاتب کی زکوٰۃ کا بیان:

(وَلَا) يُخْرِجُ (عَنْ مُكَاتَبِهِ) لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ وَلَا الْمُكَاتَبُ عَنْ نَفْسِهِ لِفَقْرِهِ . وَفِي الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ وِلَايَةُ الْمَوْلَى ثَابِتَةٌ فَيُخْرِجُ عَنْهُمَا .

ترجمہ:

اور وہ اپنے مکاتب (غلام) کی طرف سے فطرانہ نہیں نکالے گا۔ کیونکہ ولایت معدوم ہے۔ اور فقر کی وجہ سے مکاتب بھی اپنی طرف سے زکوٰۃ نہ نکالے گا۔ اور مدبر اور ام ولد میں آقا کی ولایت ثابت ہے لہٰذا ان دونوں کی طرف سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

مکاتب غلام کا فقہی مفہوم وحکم:

غلام کو آزادی حاصل کرنے کے لیے اسلام نے ایک طریقہ مکاتبت کا تجویز کیا ہے، یعنی ایک معاہدہ کے تحت غلام اپنے آقا سے کہے کہ میں اتنی رقم ادا کر دوں گا، اس کے عوض مجھے آزاد کر دیا جائے، یا اس کی آزادی کے بارے میں ایسی ہی بات آقا اپنے غلام سے کہے، اگر بات طے پا جاتی ہے اور غلام متعینہ رقم ادا کر دیتا ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا، رقم کی ادائیگی میں زیادہ سختی بھی نہ ہونی چاہیے، اسی طرح غلام کی بات کو بھی آقا ماننے سے انکار نہیں کر سکتا، غلام طے شدہ رقم اپنے قوتِ بازو سے حاصل کرے یا اس کے لیے کسی کا تعاون حاصل کرے، اس سے مالک کو کوئی مطلب نہیں، قرآن کریم میں غلام کے اس حق کو بڑے ہی واضح انداز میں تسلیم کیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْراً وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُم.(النور)

اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں، ان سے مکاتبت کر لو، اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔

مکاتبت کے بارے میں فقہائے اسلام کا اختلاف ہے کہ آقا کا مکاتبت پر راضی ہونا واجب ہے یا مستحب، فقہا کے ایک طبقہ نے آیت کے الفاظ کاتبوھم سے دلیل اخذ کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس لیے یہ واجب ہے۔ دوسرے فقہا کہتے ہیں آیت میں فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا کہا گیا ہے، یہ بھلائی پانے کی شرط ایسی ہے، جس کا انحصار مالک کی رائے پر ہے، جو استحباب پر دلالت کرتا ہے۔ چوں کہ اسلام نے غلاموں کی آزادی پر مختلف پیرائے سے زور دیا ہے؛ اس لیے اسے واجب کے درجے میں رکھنا درست معلوم ہوتا ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے اور اسلام نے حکومت پر بھی یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ جب تم کسی غلام کے اندر بھلائی دیکھو اور اس کی آزادی پر اطمینان ہو اور غلام اس لائق نہ ہو کہ وہ بدلِ کتابت ادا کر سکے تو ضروری ہے کہ اس کی الگ سے مدد کی جائے اور زکوٰۃ وصدقات کی رقم بھی اسے دی جائے؛ تاکہ وہ مکاتبت کی رقم ادا کر کے آزادی حاصل کر سکے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ.(التوبه)

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے۔

وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ. (البقرہ)

اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔

تجارتی غلاموں کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں:

(وَلَا) يُخْرِجُ (عَنْ مَمَالِيكِهِ لِلتِّجَارَةِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فَإِنَّ عِنْدَهُ وُجُوبَهَا عَلَى الْعَبْدِ وَوُجُوبَ الزَّكَاةِ عَلَى الْمَوْلَى فَلَا تَنَافِي ، وَعِنْدَنَا وُجُوبُهَا عَلَى الْمَوْلَى بِسَبَبِهِ كَالزَّكَاةِ فَيُؤَدِّي إلَى الثَّنْي .

ترجمہ: اور وہ زکوٰۃ نہیں دے گا ان غلاموں کی طرف سے جو تجارت کی غرض سے ہیں۔ جبکہ اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ پس ان کے نزدیک صدقہ فطر کا وجوب غلام پر ہے جبکہ زکوٰۃ کا آقا پر ہے۔ کیونکہ کوئی منافی نہیں ہے۔ اور ہمارے نزدیک صدقہ فطر کا وجوب اپنے سبب کی وجہ سے آقا پر ہے جس طرح زکوٰۃ کا حکم ہے۔ لہٰذا یہ تکرار کا سبب بنے گا۔

تجارتی غلاموں کے فطرانے میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک تجارتی غلاموں کا فطرانہ مالک پر واجب نہیں ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ان کا فطرانہ بھی واجب ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ وفطرانہ یہ دونوں مختلف حق ہیں۔ (فقہاء حنابلہ سے اس بارے میں کوئی روایت تصریح کے ساتھ ذکر نہیں ہوئی)۔

مشترکہ غلام کے فطرانے کا بیان:

(وَالْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ لَا فِطْرَةَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا) لِقُصُورِ الْوِلَايَةِ وَالْمُؤْنَةِ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا (وَكَذَا الْعَبِيدُ بَيْنَ اثْنَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَقَالَا عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا يَخُصُّهُ مِنْ الرُّءُوسِ دُونَ الْأَشْقَاصِ بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ لَا يَرَى قِسْمَةَ الرَّقِيقِ وَهُمَا يَرَيَانِهَا ، وَقِيلَ : هُوَ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ لَا يَجْتَمِعُ النَّصِيبُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَلَمْ تَتِمَّ الرَّقَبَةُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا .

ترجمہ:

اور وہ غلام جس کی ملکیت میں دو آقا شریک ہوں اس کا فطرانہ ان دونوں میں سے کسی پر واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ولایت اور

مؤنت ان دونوں میں سے ہر ایک کے حق میں نامکمل ہے۔ اور اسی طرح اگر چند غلام دو آقاؤں کے درمیان مشترک ہوں۔ یہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا موقف ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے۔ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک پر اس کا صدقہ فطر واجب ہوگا۔ جو رأس المال میں سے اس کیلئے خاص ہو۔ جبکہ حصوں میں سے یہ اختلاف اس دلیل پر مبنی ہے۔ کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ بانٹنے اور تقسیم کو جائز نہیں سمجھتے جبکہ صاحبین جائز کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بالاجماع یہی حکم ہے۔ اس لئے تقسیم سے پہلے حصے جمع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ہر شرکت والے کیلئے اس کی رقبہ (ملکیت) مکمل نہ ہوگی۔

مشترکہ غلام کے فطرانے میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک مشترکہ غلام کا فطرانہ ان دونوں میں سے ایک پر بھی واجب نہیں ہے۔ جبکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ نے کہا ہے ان دونوں میں ہر ایک پر حصے کے مطابق فطرانہ واجب ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۲۲۵، حقانیہ ملتان)

کافر غلام کے فطرانے کا بیان:

(وَيُؤَدِّي الْمُسْلِمُ الْفِطْرَةَ عَنْ عَبْدِهِ الْكَافِرِ) لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا " (أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْ مَجُوسِيٍّ) " الْحَدِيثَ وَلِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَحَقَّقَ وَالْمَوْلَى مِنْ أَهْلِهِ ، وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الْوُجُوبَ عِنْدَهُ عَلَى الْعَبْدِ ، وَهُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ ، وَلَوْ كَانَ عَلَى الْعَكْسِ فَلَا وُجُوبَ بِالِاتِّفَاقِ .

ترجمہ:

اور مسلمان اپنے کافر غلام کی طرف فطرانہ ادا کرے۔ اس روایت کے مطلق ہونے کی وجہ سے جس روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آزاد، یہودی غلام، نصرانی یا مجوسی غلام کی طرف صدقہ (فطر) ادا کرو۔ کیونکہ اس کا سبب ثابت ہے۔ اور آقا اس کا اہل ہے۔ اور اس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ ان کے وجوب غلام پر ہے۔ اور وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اور اگر اس کے برعکس ہو لہٰذا بالاتفاق وجوب نہ رہا۔

شرح

ہر جاندار کا پیٹ بھرنا بہترین صدقہ ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک بہترین صدقہ یہ بھی ہے کہ کسی جاندار کا جو بھوکا ہو پیٹ بھرا جائے۔ (بیہقی)

مطلب یہ ہے کہ کوئی جاندار، خواہ مسلمان ہو، یا کافر اور خواہ جانور ہوا گر بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلانا ایک بہترین صدقہ ہے ہاں اس حکم سے موذی جانور مستثنیٰ ہیں جن کو مار ڈالنے ہی کا حکم دیا گیا ہے یعنی سانپ وغیرہ کو کھلانا پلانا اچھا اور مناسب نہیں ہے۔

کافر غلام کی طرف سے فطرانے میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک کافر غلام کی طرف سے فطرانہ ادا کرنے مالک پر ضروری ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر آزاد اور ہر غلام کی طرف سے ادا کرو۔ جبکہ امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک کافر غلام کا فطرانہ مالک پر واجب نہیں ہے۔ کیونکہ غلام اس کے اہل میں سے نہیں ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۲۲۷، حقانیہ ملتان)

خریدے ہوئے غلام کے فطرانے کا بیان:

(وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا وَأَحَدُهُمَا بِالْخِيَارِ فَفِطْرَتُهُ عَلَى مَنْ يَصِيرُ لَهُ) مَعْنَاهُ إذَا مَرَّ يَوْمُ الْفِطْرِ وَالْخِيَارُ بَاقٍ ، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ :عَلَى مَنْ لَهُ الْخِيَارُ لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لَهُ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :عَلَى مَنْ لَهُ الْمِلْكُ لِأَنَّهُ مِنْ وَظَائِفِهِ كَالنَّفَقَةِ ، وَلَنَا أَنَّ الْمِلْكَ مَوْقُوفٌ لِأَنَّهُ لَوْ رُدَّ إلَى قَدِيمِ مِلْكِ الْبَائِعِ وَلَوْ أُجِيزَ يَثْبُتُ الْمِلْكُ لِلْمُشْتَرِي مِنْ وَقْتِ الْعَقْدِ فَيَتَوَقَّفُ مَا يَبْتَنِي عَلَيْهِ بِخِلَافِ النَّفَقَةِ لِأَنَّهَا لِلْحَاجَةِ النَّاجِزَةِ فَلَا تَقْبَلُ التَّوَقُّفَ ، وَزَكَاةُ التِّجَارَةِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور جس نے غلام فروخت کیا اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو یہ خیار ہے تو اس کا فطرانہ اس پر واجب ہوگا۔ جس کا وہ غلام ہو جائے گا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب فطرانے کا دن گزرا اور خیار باقی ہے۔ اور حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر واجب ہے جس کیلئے خیار ہے۔ کیونکہ ولایت اسی کو حاصل ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر واجب ہے جس کیلئے ملکیت ہے۔ کیونکہ فطرانے کا وجوب ملکیت کے اسباب میں سے ہے۔ جس طرح نفقہ ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت موقوف ہے کیونکہ اگر بیع رد کر دی گئی تو وہ بائع کی لوٹ جائے گی اور اگر اجازت جاری ہوئی تو خریدار کی ملکیت عقد کے وقت ثابت ہو جائے گی۔ لہٰذا کو چیز ملکیت پر مبنی ہے وہ بھی موقوف رہے گی۔ بہ خلاف نفقہ کے کیونکہ نفقہ میں ضرورت جلدی ہوتی ہے۔ پس وہ موقوف کو قبول نہیں کرتا اور تجارتی زکوٰۃ کا اختلاف بھی اسی (جزی پر منطبق ہوتا ہے) طرح ہے۔

حق خیار کی وجہ سے ملکیت موقوفہ کا فقہی بیان واختلاف:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام حمید الدین ضریر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہاں اطلاق الکل بہ ارادۃ

البعض مراد ہے۔ کیونکہ جب اس پر فطر کا پورا دن گزرنا شرط نہیں ہے۔ اور حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جسے خیار حاصل ہے۔ اسی کیلئے حکم ہے کیونکہ صدقے کا سبب ولایت کاملہ ہے اور ولایت اس شخص کو حاصل ہے۔ جس کیلئے خیار ثابت ہے کیونکہ وہ چاہے تو اس خیار کو نافذ کرے اور چاہے تو اسے ختم کر دے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: فطرانہ اس پر ہوگا جس کو ملکیت حاصل ہے اور مشتری کو حاصل ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ خیار شرط مشتری کی ملکیت کو باطل کرنے والا نہیں ہے۔ جس طرح خیار عیب میں ہوتا ہے۔

یہاں صدقہ فطر بمعنی تصدق ہے کہ تصدق کا حکم ملکیت سے ہے۔ یعنی مالک کے پاس ملکیت کا ہونا ضروری ہے۔ تو فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ملکیت کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہاں ملکیت جو پائی جا رہی ہے وہ موقوف ہے۔ کیونکہ اگر بیع رد ہوئی تو قدیم بائع کی طرف لوٹنے والی ہے اور اس کا حکم نافذ ہو گیا تو ملکیت غیر موقوفہ وقت عقد نافذ ہوگی۔ لہٰذا یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ جب کسی اصل میں تردد پایا گیا تو فرع میں بھی وہ تردد ثابت کرنے والا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص، بیروت)

قاعدہ فقہیہ:

جب کسی اصل میں تردد پایا گیا تو فرع میں بھی وہ تردد ثابت کرنے والا ہے۔

فَصْلٌ فِی مِقْدَارِ الْوَاجِبِ وَوَقْتِهِ

یہ فصل صدقہ فطر کی واجب مقدار اور اس کے وقت کے بیان میں ہے

فصل مقدار فطرانہ کی مطابقت کا بیان:

مصنف اس فصل میں فطرانے کی مقدار کو بیان کریں گے۔ کیونکہ فطرانے کے ثبوت اور اس کے احکام سے فارغ ہونے کے بعد اب اس کی مقدار جو یقیناً ثبوت واحکام کے بعد ذکر کی جائے گی۔

فطرانے کی نصابی مقدار کا بیان:

(الْفِطْرَةُ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ دَقِيقٍ أَوْ سَوِيقٍ أَوْ زَبِيبٍ أَوْ صَاعٍ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، الزَّبِيبُ بِمَنْزِلَةِ الشَّعِيرِ ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى ، وَالْأَوَّلُ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :مِنْ جَمِيعِ ذَلِكَ صَاعٌ لِحَدِيثِ (أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :كُنَّا نُخْرِجُ ذَلِكَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) . وَلَنَا مَا رَوَيْنَا وَهُوَ مَذْهَبُ جَمَاعَةٍ مِنْ الصَّحَابَةِ فِيهِمْ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الزِّيَادَةِ تَطَوُّعًا .

ترجمہ

صدقہ فطر گندم، آٹے، ستو یا کشمش کا نصف صاع ہے یا کھجور یا جو کا ایک صاع ہے۔ جبکہ صاحبین نے کہا ہے کشمش جو کے مرتبے میں ہے اور ایک روایت کے مطابق امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔ اور پہلی روایت جامع صغیر کی ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ ان سب میں ایک صاع ہے۔ کیونکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اتنی ہی نکالتے تھے۔ اور ہماری دلیل جو ہم روایت کر چکے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے جس میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ روایت میں زیادتی نفل پر محمول کی گئی ہے۔

صدقہ فطر کے وجوب کی دلیل کا بیان:

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ

کے گلی کوچوں میں یہ منادی کرائی کہ سن لو! صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد یا غلام اور چھوٹا ہو یا بڑا (اور اس کی مقدار) گیہوں یا اس کی مانند چیزوں (مثلاً خشک انگور وغیرہ) میں سے دو مد اور (گیہوں کے علاوہ) دوسرے غلوں میں سے ایک صاع۔ (ترمذی)

دو مد سے مراد آدھا صاع ہے کیونکہ ایک مد غلہ کا وزن چودہ چھٹانک کے قریب ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کے برابر ہوتا ہے لہٰذا صدقہ فطر کے طور پر گیہوں پونے دو سیر یعنی ایک کلو 336 گرام دینا چاہئے چونکہ گیہوں کا آٹا یا گیہوں کا ستو بھی گیہوں ہی کے مثل ہے اس لیے یہ دونوں چیزیں بھی اسی مقدار میں دینی چاہئیں۔

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ یا حضرت ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صعیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صدقہ فطر واجب ہے گیہوں میں سے ایک صاع دو آدمیوں کی طرف سے (کہ ہر ایک کی طرف سے نصف صاع ہوگا) خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، آزاد ہوں یا غلام، مرد ہوں یا عورت، غنی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (صدقہ فطر دینے کی وجہ سے) اسے پاکیزہ بنا دیتا ہے اور فقیر کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس سے زیادہ دیتا ہے جتنا اس نے صدقہ فطر کے طور پر دیا۔ (ابو داؤد)

مشکوٰۃ کے نسخوں میں حدیث کے راوی کا نام اگرچہ اسی طرح لکھا ہوا ہے لیکن صحیح اس طرح عبداللہ بن ثعلبہ بن ابی صعیر یا بن ابی صعیر عن ابیہ الخ۔ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں جن سے ان کے صاحبزادے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ غنی بھی صدقہ فطر ادا کرے اور فقیر بھی صدقہ فطر دے۔ ان دونوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی کو تو اس کے صدقہ فطر دینے کی وجہ سے پاکیزہ بنا دیتا ہے اور فقیر کو اس سے زیادہ دیتا ہے جتنا اس نے صدقہ فطر کے طور پر دیا ہے، یہ بشارت اگرچہ غنی کے لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مال میں بھی اس سے کہیں زیادہ برکت عطا فرماتا ہے جتنا کہ اس نے دیا ہے مگر اس بشارت کو فقیر کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا تا کہ اس کی ہمت افزائی ہو اور وہ صدقہ فطر دینے میں پیچھے نہ رہے۔

فطرانے میں منصوص اشیاء کا بیان:

صدقہِ فطر چار چیزوں گیہوں، جو، کھجور اور کشمش میں سے ادا کرنا واجب ہے، یعنی وزن مقررہ کے حساب سے دینے کے لئے یہ چار چیزیں ہیمنصوص علیہ ہیں فطرہ کی مقدار گیہوں میں نصف صاع اور جو کھجور میں ایک صاع ہے کشمش میں اختلاف ہے صحیح اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ایک صاع دی جائے گیہوں و جو کے آٹے اور ستوں کا وہی حکم ہے جو خود اُن کا ہے گیہوں میں جَو وغیرہ ملے ہوئے ہوں تو غلبہ کا اعتبار ہوگا پس اگر گیہوں غالب ہوگی تو نصف صاع دیا جائے گا، مذکورہ چار منصوص چیزوں کے علاوہ اگر کسی دوسری جنس سے صدقہ فطر ادا کیا جائے مثلاً چاول، جوار، باجرہ وغیرہ دیا جائے تو اشیائے منصوصہ مذکورہ میں سے کسی ایک چیز کی

قیمت کیبر ابر ہونا چاہئے مثلاً چاول وغیرہ دے تو جس قدر قیمت میں نصف صاع گیہوں آتے ہوں یا ایک صاع جَو آتے ہوں اتنی قیمت کے چاول وغیرہ دے سکتا ہے، اور اگر وہاں گندم وجَو و کھجور اور کشمش نہ ہوتے ہوں تو وہاں سے زیادہ قریبی جگہ میں جہاں ہوتے ہوں وہاں کی قیمت معتبر ہوگی گیہوں یا جو کی روٹی صدقۂ فطر میں وزن سے دینا جائز نہیں بلکہ قیمت کے اعتبار سے دے گا تو جائز ہوگا یہی اصح ہے۔

اگر منصوص علیہ یعنی چاروں مذکورہ اجناس میں سے کسی ایک کی قیمت ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ عین اس چیز کے دینے سے اس کی قیمت کا دینا افضل ہے اسی پر فتوٰی ہے (انگریزی سیر کے وزن سے جو کہ اسی تولہ ہوتا ہے اور ہندو پاکستان میں رائج ہے ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا اور نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے یہی فتوٰی بہ ہے بہتر یہ ہے کہ احتیاطاً گیہوں دو سیر اور جو چار سیر دیدئے جائیں

٨ . صدقۂ فطر کے مصارف عامل کے سوا وہی ہیں جو زکوۃ کے ہیں، ذمی کافر کو صدقۂ فطر دینے میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ جائز و مکروہ ہے اور مسلمان فقیر کو دینا اولیٰ ہے ایک شخص کا صدقۂ فطر بعض کے نزدیک ایک ہی شخص کو دینا واجب ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ متعدد شخصوں کو ایک ایک شخص کا فطرہ دینا جائز ہے یہی مذہب ہے، متعدد شخصوں کا فطرہ کسی ایک مسکین کو دینا بھی جائز ہے جب کوئی ایسا شخص جس کے ذمہ زکوۃ یا صدقۂ فطر یا کفارہ یا صدقہ نذر ہو بلا وصیت کے فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ میں سے ادا نہیں کیا جائے گا لیکن اگر اس نے وصیت کی ہو تو ترکہ میں سے ادا کیا جائے گا اور وہ وصیت اس کے تہائی مال میں جاری ہوگی خواہ وہ پوری زکوۃ و فطرہ وغیرہ کو کفایت کرے یا نہ کرے لیکن اگر اس کے وارث تہائی سے زیادہ دینے پر راضی ہوں تو جس قدر زیادہ وہ خوشی سے دے دیں لے لیا جائیگا اگر وصیت نہیں کی اور اس کے وارث تبرعاً اس کی طرف سے ادا کر دیں تو جائز ہے اور اگر وہ ادا نہ کریں یا ان میں سے کوئی اپنے حصہ میں سے نہ دیتو مجبور نہیں کیا جائے گا

٩ . صدقۂ فطر وصول کرنے کے لئے کسی عامل کو مقرر کر کے قبائل میں نہ بھیجا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے لیکن کسی شخص کو اس طرح مقرر کر دینا کہ لوگ خود آ کر اس کو دے جایا کریں تو جائز و ثابت ہے۔

کشمش میں صاحبین کی دلیل کا بیان:

وَلَهُمَا فِي الزَّبِيبِ أَنَّهُ وَالتَّمْرُ يَتَقَارَبَانِ فِي الْمَقْصُودِ ، وَلَهُ أَنَّهُ وَالْبُرُّ يَتَقَارَبَانِ فِي الْمَعْنَى لِأَنَّهُ يُؤْكَلُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كُلُّهُ ، بِخِلَافِ الشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُؤْكَلُ وَيُلْقَى مِنْ التَّمْرِ النَّوَاةُ وَمِنْ الشَّعِيرِ النُّخَالَةُ ، وَبِهَذَا ظَهَرَ التَّفَاوُتُ بَيْنَ الْبُرِّ وَالتَّمْرِ ، وَمُرَادُهُ مِنْ الدَّقِيقِ وَالسَّوِيقِ مَا يُتَّخَذُ مِنْ الْبُرِّ ، أَمَّا دَقِيقُ الشَّعِيرِ فَكَالشَّعِيرِ ، الْأَوْلَى أَنْ يُرَاعَى فِيهِمَا الْقَدْرُ وَالْقِيمَةُ احْتِيَاطًا ، وَإِنْ نَصَّ عَلَى الدَّقِيقِ فِي بَعْضِ الْأَخْبَارِ ، وَلَمْ

يُبَيِّنْ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ .

ترجمہ:

کشمش کے بارے میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کشمش اور کھجور یہ دونوں مقصد میں قریب ہیں۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ کشمش اور گندم معنی میں قریب ہیں۔ اس لئے کہ دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے کل اجزاء کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ جبکہ کھجور کو کھایا جاتا ہے اور اس کی گٹھلی پھینک دی جاتی ہے اور جَو کھایا جاتا ہے تو اس کا بھونسہ نکال دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح گندم اور کھجور میں فرق واضح ہو گیا۔ اور آٹے اور ستو سے مراد یہ ہے جو گندم سے بنا ہو جبکہ جَو کا آٹا تو وہ جَو کی طرح ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ آٹے اور ستو کی مقدار اور قیمت دونوں احتیاط کے طور پر رعایت کی جائے۔ اگرچہ اخبار میں آٹے سے متعلق نص ذکر ہوئی ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب جامع صغیر میں اسی احتیاط میں غلبے کا اعتبار کرتے ہوئے ذکر نہیں کیا ہے۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کھانے میں سے ایک صاع یا جو میں سے ایک صاع یا کھجوروں میں سے ایک صاع یا کھجوروں میں سے ایک صاع اور یا خشک انگوروں میں ایک صاع صدقہ فطر نکالا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ طعام (کھانے) سے مراد گیہوں ہے لیکن حنفی علماء کہتے ہیں کہ طعام سے گیہوں کے علاوہ دوسرے غلے مراد ہیں لہٰذا اس صورت میں طعام پر اس کے مابعد کا عطف خاص علی العام کی قسم سے ہوگا۔

قروط ایک خاص قسم کے پنیر کو کہتے تھے یہ پنیر اس طرح بنایا جاتا تھا کہ دہی کو کپڑے میں باندھ کر لٹکا دیتے تھے دہی کا تمام پانی ٹپک ٹپک کر گر جاتا تھا اور اس کا باقی ماندہ حصہ پنیر کی طرح کپڑے میں رہ جاتا تھا وہی حصہ قروط کہلاتا تھا۔

خشک انگور چونکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ کے ہاں گیہوں کی مانند ہے اس لیے اس میں سے صدقہ فطر کے طور پر نصف صاع یعنی ایک کلو ۲۳۳ کلوگرام دینا چاہئے البتہ صاحبین خشک کھجوروں کو چونکہ جو کی مانند سمجھتے ہیں اس لیے ان حضرات کے نزدیک اس میں سے صدقہ فطر کے طور پر ایک صاع یعنی تین کلو ۳٦٦ گرام دینا چاہئے۔ امام حسن رحمۃ اللہ نے حضرت امام اعظم کا بھی ایک قول یہی نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رمضان کے آخری دنوں میں (لوگوں سے) کہا کہ تم اپنے روزوں کی زکوۃ نکالو یعنی صدقہ فطر ادا کرو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صدقہ ہر مسلمان، آزاد، غلام، لونڈی، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے پر) کھجوروں اور جو میں سے ایک صاع اور گیہوں میں سے نصف صاع فرض (یعنی واجب) کیا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اسی حدیث کے مطابق کہتے ہیں کہ صدقہ فطر کے طور پر اگر گیہوں دیا جائے تو اس کی مقدار نصف صاع یعنی ایک کلو 332 گرام ہونی چاہئے۔

صدقہ فطر کے وجوب کی حکمت؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزوں کی بے ہودہ باتوں اور لغو کلام سے پاک کرنے کے لیے نیز مساکین کو کھلانے کے لیے صدقہ فطر لازم قرار دیا ہے۔ (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ صدقہ فطر کو اس لیے واجب کیا گیا ہے تا کہ تقصیرات وکوتاہی اور گناہوں کی وجہ سے روزوں میں جو خلل واقع ہو جائے وہ اس کی وجہ سے جاتا رہے نیز مساکین وغرباء عید کے دن لوگوں کے سامنے دس سوال دراز کرنے سے بچ جائیں اور وہ صدقہ لے کر عید کی مسرتوں اور خوشیوں میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ دار قطنی نے اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں کہ جو شخص صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ادا کرے گا اس کا صدقہ مقبول صدقہ ہوگا اور جو شخص نماز عید کے بعد ادا کرے گا تو اس کا وہ صدقہ بس صدقوں میں سے ایک صدقہ ہوگا۔

روٹی میں قیمت کے اعتبار کا بیان:

وَالْخُبْزُ تُعْتَبَرُ فِيهِ الْقِيمَةُ هُوَ الصَّحِيحُ ، ثُمَّ يُعْتَبَرُ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ وَزْنًا فِيمَا يُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ كَيْلًا وَالدَّقِيقُ أَوْلَى مِنْ الْبُرِّ ، وَالدَّرَاهِمُ أَوْلَى مِنْ الدَّقِيقِ فِيمَا يُرْوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَهُوَ اخْتِيَارُ الْفَقِيهِ أَبِي جَعْفَرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ أَدْفَعُ لِلْحَاجَةِ وَأَعْجَلُ بِهِ ، وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الْأَعْمَشِ تَفْضِيلُ الْحِنْطَةِ لِأَنَّهُ أَبْعَدُ مِنْ الْخِلَافِ إذْ فِي الدَّقِيقِ وَالْقِيمَةِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ .

ترجمہ:

اور صحیح روایت کے مطابق روٹی میں قیمت ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔ پھر حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک گندم کا نصف صاع وزن کے ساتھ اعتبار کر لیا جائے گا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ پیمانے کے ساتھ اعتبار کیا جائے گا۔ اور گندم کا آٹا دینا گندم دینے سے افضل ہے اور گندم کے آٹے بہتر یہ ہے کہ دراہم دیئے جائیں۔ اور یہ اسی روایت کے مطابق ہے جو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت کی گئی ہے۔ اور فقیہ ابو جعفر کا قول مقبول بھی یہی ہے۔ اس لئے کہ درہم ضرورت کو زیادہ حل کرنے والا ہے۔ اور ضرورت کو جلدی پورا کرنے والا بھی ہے۔ اور حضرت ابوبکر اعمش علیہ الرحمہ نے گندم دینے کو افضل قرار دیا ہے۔ کیونکہ اختلاف سے دور یہی قول ہے۔ جبکہ آٹے اور قیمت میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔

غیر منصوص کی قیمت ملا کر منصوص سے ملانے کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بعض متاخرین فقہاء نے اختلاف کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ روٹی کی بہ

جائے گندم دینا جائز ہے۔ اور عین کا دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ جب روٹی کے بہ جائے دقیق وسویق دینا جائز ہے تو گندم دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ کیونکہ اس میں فقیر کیلئے زیادہ نفع ہے۔ لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہے۔ کیونکہ یہ خبز کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ ذرے کے مرتبے میں ہوئی۔ اور اس بارے میں قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ جو چیز منصوص ہو اس میں قیمت کا اعتبار ہرگز نہیں کیا جائے گا اور جو چیز غیر منصوص ہو اس کو قیمت کے ساتھ ملا کر منصوص کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۲۴۵، بیروت)

قاعدہ فقہیہ

یہ ہے کہ جو چیز منصوص ہو اس میں قیمت کا اعتبار ہرگز نہیں کیا جائے گا اور جو چیز غیر منصوص ہو اس کو قیمت کے ساتھ ملا کر منصوص کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

طرفین کے نزدیک صاع عراقی کا بیان:

قَالَ (وَالصَّاعُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ بِالْعِرَاقِيِّ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : خَمْسَةُ أَرْطَالٍ وَثُلُثُ رِطْلٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(صَاعُنَا أَصْغَرُ الصِّيعَانِ) ".
وَلَنَا مَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ رِطْلَيْنِ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ ثَمَانِيَةِ أَرْطَالٍ) " وَهَكَذَا كَانَ صَاعُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ أَصْغَرُ مِنْ الْهَاشِمِيِّ ، وَكَانُوا يَسْتَعْمِلُونَ الْهَاشِمِيَّ .

ترجمہ:

فرمایا: طرفین کے عراقی صاع آٹھ ارطال کا ہوتا ہے۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ پانچ ارطال اور ایک رطل کا ثلث ہو۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی ایک قول یہی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ہمارا صاع چھوٹے صاعوں میں سے ہے۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو رطلوں والے مد کے ساتھ وضو فرمایا اور آٹھ رطلوں والے صاع کے ساتھ غسل فرمایا۔ اور اسی طرح کا صاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں تھا جو اہل ہاشم کے صاعوں سے چھوٹا تھا اور ہاشمی بھی اس کو استعمال کرتے تھے۔

حدیث صاع میں امام ابن حبان کا بیان:

امام ابن حبان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس حدیث میں بیان کردہ صاع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انکار نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ یہ کہنا درست ہے۔ (البنائیہ) اور حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم تقریری سنت کی

ہے اور اس میں یہ ہے کہ کوئی کام نبی کریم ﷺ نے روبرو ہوا اور آپ ﷺ نے اس سے منع نہ کیا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے حدیث کے کلمات پڑھے جاتے تھے تو انہوں نے ان کا انکار نہیں کیا۔لہٰذا ان کے عدم انکار سے اس کا حدیث ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے غلط حدیث پڑھے اور وہ اس کو منع نہ کریں۔لہٰذا غیر مقلدین کو غلط رنگ دے کر احادیث ہدایہ کو مورد الزام ٹھہرانے کی عادت کو ترک کر دینا چاہیے۔

صاع کی مقدار کا فقہی مفہوم:

ہمارے نزدیک معتبر عراقی (صاع) ہے اور وُہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے، ایک رطل بیس۰ استار اور استار ساڑھے چار مثقال، مثقال بیس۰ قیراط ایک حبہ اور چہار خمس حبہ ہے۔حبہ جسے فارسی میں "سُرخ" کہتے ہیں ماشہ کا آٹھواں حصّہ ہوتا ہے، پس مثقال ساڑھے چار ماشہ ہوا۔ (کشف الغطاء فصل در احکام دعا وصدقہ ونخوان از اعمال خیر برائے میّت مطبع احمدی، دہلی)

عراقی صاع آٹھ رطل اور حجازی پانچ رطل اور ثلث رطل ہے۔امام شافعی کے نزدیک صاع حجازی واجب ہے اور ہمارے نزدیک صاع عراقی، جو دومن کا ہوتا ہے، اور من چار استار، اور استار ساڑھے چار مثقال ہے، لہٰذا من ایک سواسّی مثقال ہوا جیسا کہ شارح وقایہ نے کہا، اور دوسری کتب سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے، جب ہم اس کا حساب اپنے شہروں کے وزن کے اعتبار سے کرتے ہیں تو نصف صاع اکبری سیروں کے مطابق۔ساڑھے دو سیر استار ہوگا اور جہانگیری (اللہ تعالیٰ اس کے ملک وسلطنت کی حفاظت کرے) سیروں کے مطابق سوا دو سیر اور ایک استار کم بن جاتا ہے یہ اس حساب سے کہ صاع ۰ مثقال ہوا اور اگر صاع من، اور من ۰ استار اور استار ۔ر مثقال ہو تو ہر من ۰ مثقال ہوگا، جب استار ۔ر مثقال ہے تو لازم آیا کہ نصف صاع ،۱۸۰ استار، اور ۱۸۰ استار۔ساڑھے دو سیر اور ۱۵ استار قدیم وزن ہُوا، اور ساڑھے چار سیر ایک استار کم موجودہ وزن ہوا۔

(شرح سفر السعادۃ، فصل در زکوٰۃ فطر، مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر)

وجوب فطرانے کے متعلق فقہ شافعی وحنفی کے اختلاف کا بیان:

وَقَالَ (وَوُجُوبُ الْفِطْرَةِ يَتَعَلَّقُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى :بِغُرُوبِ الشَّمْسِ فِي الْيَوْمِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى إنَّ مَنْ أَسْلَمَ أَوْ وُلِدَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ تَجِبُ فِطْرَتُهُ عِنْدَنَا ، وَعِنْدَهُ لَا تَجِبُ ، وَعَلَى عَكْسِهِ مَنْ مَاتَ فِيهَا مِنْ مَمَالِيكِهِ أَوْ وَلَدِهِ .لَهُ أَنَّهُ يَخْتَصُّ بِالْفِطْرِ وَهَذَا وَقْتُهُ .وَلَنَا أَنَّ الْإِضَافَةَ لِلِاخْتِصَاصِ ، وَالِاخْتِصَاصُ الْفِطْرُ بِالْيَوْمِ دُونَ اللَّيْلِ

(وَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يُخْرِجَ النَّاسُ الْفُطْرَةَ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوجِ إلَى الْمُصَلَّى) (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُخْرِجُ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ لِلْمُصَلَّى) ، وَلِأَنَّ الْأَمْرَ بِالْإِغْنَاءِ كَي

لَا يَتَشَاغَلَ الْفَقِيرُ بِالْمَسْأَلَةِ عَنْ الصَّلَاةِ ، وَذَلِكَ بِالتَّقْدِيمِ (فَإِنْ قَدَّمُوهَا عَلَى يَوْمِ الْفِطْرِ جَازَ) لِأَنَّهُ أَدَّى بَعْدَ تَقَرُّرِ السَّبَبِ فَأَشْبَهَ التَّعْجِيلَ فِي الزَّكَاةِ ، وَلَا تَفْصِيلَ بَيْنَ مُدَّةٍ وَمُدَّةٍ هُوَ الصَّحِيحُ وَقِيلَ يَجُوزُ تَعْجِيلُهَا فِي النِّصْفِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ وَقِيلَ فِي الْعُشْرِ الْأَخِيرِ (وَإِنْ أَخَّرُوهَا عَنْ يَوْمِ الْفِطْرِ لَمْ تَسْقُطْ وَكَانَ عَلَيْهِمْ إخْرَاجُهَا) لِأَنَّ وَجْهَ الْقُرْبَةِ فِيهَا مَعْقُولٌ فَلَا يَتَقَدَّرُ وَقْتُ الْأَدَاءِ فِيهَا بِخِلَافِ الْأُضْحِيَّةِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

صاحب قدوری نے فرمایا کہ فطرانے کا وجوب عیدالفطر کی طلوع فجر سے متعلق ہے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے آخری دن کے غروب آفتاب سے متعلق ہوتا ہے۔حتی کہ جو شخص عیدالفطر کی رات اسلام لایا یا اس میں پیدا ہوا تو ہمارے نزدیک اس پر فطرانہ واجب ہوگا۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر فطرانہ واجب نہ ہوگا۔اور اسی کے برعکس جب کسی شخص کے غلاموں میں سے کوئی اسی رات کو فوت ہو گیا۔امام شافعی علیہ الرحمہ دلیل یہ ہے کہ فطرانے کا وجوب فطر کے ساتھ خاص ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اضافت بیشک اختصاص کیلئے ہی ہے لیکن فطر کا اختصاص دن کے ساتھ ہے رات کے ساتھ نہیں۔

اور مستحب یہ ہے کہ عیدالفطر کے دن لوگ عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے فطرانہ ادا کریں۔کیونکہ نبی کریم ﷺ فطرانہ عید الفطر کی طرف جانے سے پہلے ادا فرمایا کرتے تھے۔اور اغناء کا حکم اسی لئے دیا گیا ہے کہ فقیر کہیں سوال فطرانہ کی وجہ سے نماز سے غافل نہ ہو جائے۔اور اس کا حل صدقہ پہلے ادا کرنے سے ہے۔اور اگر صدقہ فطر عید کے دن سے پہلے ادا کر دیا تو جائز ہے۔کیونکہ اثبات سبب کے بعد ادا کیا ہے۔لہٰذا یہ پہلے ادا کی گئی زکوٰۃ کے مشابہ ہو گیا البتہ ایک مدت یا دوسری مدت کی کوئی تفصیل نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔

اور اگر صدقہ فطر کو عیدالفطر کے دن سے مؤخر کیا تو وہ ان سے ساقط نہ ہوگا۔لہٰذا ان پر صدقہ دینا واجب ٹھہرے گا۔کیونکہ اس میں قربت کی دلیل معقول ہے لہٰذا اس میں وقت ادا مقدر نہ ہوگا بخلاف قربانی کے، واللہ اعلم۔

وجوب فطرانے کے وقت میں مذاہب اربعہ:

فطرانے کے وجوب کا وقت رمضان المبارک کے آخری دن کے سورج غرب ہونے کے وقت ہے، اس لیے جب رمضان المبارک کے آخری دن کا سورج غروب ہو تو فطرانہ واجب ہوگا۔

لھذا جس نے بھی سورج غروب ہونے سے قبل شادی کی یا پھر اس کے ہاں ولادت ہوئی ہو یا پھر اسلام قبول کر لے تو اس کا بھی فطرانہ ہوگا، لیکن اگر غروب شمس کے بعد ہو تو پھر فطرانہ لازم نہیں ہوگا۔جو شخص چاند رات فوت ہو جائے اور اس پر فطرانہ ہو تو امام احمد نے اس کی صراحت کی ہے کہ اس پر فطرانہ واجب ہوگا۔ (المغنی جلد دوم فصل وقت وجوب زکاۃ الفطر)

فطرانہ ہر مسلمان پر واجب ہے، ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر آزاد اور غلام مذکر اور مؤنث اور چھوٹے بڑے بچے اور بوڑھے ہر مسلمان پر فرض کیا تھا۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر (1407)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالی بیان کرتے ہیں کہ: نافع والی حدیث میں اس بات کی دلالت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صرف مسلمانوں پر ہی فرض کیا ہے، اور یہ کتاب اللہ کے بھی موافق ہے، اس لیے کہ زکاۃ مسلمانوں کے لیے پاکی اور صفائی کا باعث ہے اور پھر پاکی اور صفائی مسلمانوں کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہوسکتی۔ کتاب الام للشافعی جلد دوم باب زکاۃ الفطر۔

فطرانہ صاحب استطاعت پر فرض ہے: امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کا کہنا ہے۔

جس پر بھی شوال کا مہینہ شروع ہوا اور اس کے پاس ایک دن کی اپنی اور اپنے اہل وعیال اور فطرانہ ادا کرنے کی خوراک ہو تو اسے بھی فطرانہ ادا کرنا ہوگا، لیکن اگر اس کے پاس سب کا فطرانہ ادا کرنے کے لیے خوراک نہیں بلکہ صرف کچھ کا ادا کرسکتا ہو تو اسے ان بعض کا ہی ادا کرنا ہوگا۔

لیکن اگر اس کے پاس صرف اپنی اور اپنے اہل وعیال کے لیے ہی خوراک ہو نہ تو اس پر اور نہ ہی اس کے ماتحت عیال پر فطرانہ فرض ہوگا۔ (کتاب الام جلد دوم باب زکاۃ الفطر)

امام نووی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: تنگ دست پر بلا خلاف فطرانہ فرض نہیں ۔۔۔ اور خوشحال اور تنگ دست کا اعتبار تو وجوب کے وقت ہوگا، لھذا جس کے پاس اپنی اور اپنے اہل وعیال کی عید کی رات کی خوراک سے زیادہ ہو اس پر فطرانہ فرض ہوگا اور یہ خوشحال ہوگا، اور اگر کچھ بھی زائد نہ ہو تو اسے تنگ دست شمار کیا جائے گا اور اس حالت میں اس پر کچھ بھی فرض نہیں۔

(المجموع جلد (6) شروط وجوب صدقة الفطر)

۔فطرانہ مسلمان اپنی اور اپنے عیال اور بیویوں اور ان رشتہ داروں کی جانب سے اگر وہ ادا نہیں کرسکتے تو خود فطرانہ ادا کرے گا اور اگر وہ فطرانہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں تو بہتر اور اولی یہ ہے کہ وہ اپنا فطرانہ خود ہی ادا کریں کیونکہ اصل میں تو وہ خود ہی مخاطب ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر مسلمان غلام اور آزاد اور مذکر ومؤنث اور چھوٹے بڑے اور بچے پر فطرانہ فرض کیا، اور یہ حکم دیا کہ لوگوں کے نماز عید کیلیے جانے سے قبل ادا کریں۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر (1407)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: بے عقل اور بچے کی جانب سے اس کا ولی فطرانہ ادا کرے گا اور اسی طرح جو لوگ اس کی عیالت میں ہوں ان کا بھی وہی اس طرح فطرانہ ادا کرے گا جس طرح ایک صحیح اپنی جانب سیادا کرتا ہے، اور اگر اس کی عیالت میں کوئی کافر ہو تو اس کا فطرانہ اس پر لازم نہیں کیونکہ اسے زکاۃ کی ادائیگی کے ساتھ پاک نہیں کیا جائے گا۔ کتاب الام جلد دوم

باب زکاۃ الفطر۔

اور صاحب مھذب کا کہنا ہے کہ مصنف رحمہ اللہ تعالی کا کہنا ہے۔

(اور جس پر فطرانہ واجب ہو اس پر اپنے ماتحت اور عیالت میں پلنے والوں کا فطرانہ بھی واجب ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان ہوں اور اس کے پاس نفقہ سے زیادہ خوراک ہو، لھذا ماں باپ اور ان دونوں کے ماں باپ اور اس سے بھی اوپر والوں ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی اولاد کا فطرانہ بھی واجب ہوگا، اسی طرح بیٹے اور پوتے چاہے اس سے بھی نیچی نسل ہو ان پر ماں باپ اور ان کے ماں باپ کا فطرانہ ادا کرنا فرض ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ جب ان کا نفقہ اس پر واجب ہو) (المجموع جلد نمبر (6)

انسان اپنا اور بیوی چاہے بیوی کے پاس اپنا مال بھی ہو اور اس کی فقیر اولاد اور والدین کا فطرانہ ادا کرے، اور وہ بچی جس کے خاوند نے ابھی اس کے ساتھ دخول نہیں کیا اگر تو اس کا بیٹا غنی ہو اس پر اس کا فطرانہ ادا کرنا واجب نہیں، اور طلاق رجعی والی عورت کا خاوند بھی اس کا فطرانہ ادا کرے گا لیکن جو عورت نافرمان ہو اور یا پھر طلاق بائن والی ہو اس کا خاوند ان کا فطرانہ ادا نہیں کرے گا۔

اور بیٹے کو اپنے فقیر والد کی بیوی کا فطرانہ ادا کرنا ضروری نہیں اس لیے کہ اس پر والد کی بیوی کا خرچہ واجب نہیں۔

اسے فطرانہ ادا کرنے میں سب سے قریبی سے شروع کرنا ہوگا مثلا سب سے پہلے اپنے آپ پھر بیوی اور اولاد پھر اس کے بعد قریبی رشتہ دار جیسا کہ وراثت میں خیال رکھا گیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: اور فطرانہ کس پر واجب ہوتا ہے: جب رمضان کے آخری دن کوئی پیدا ہو یا کسی بھی ملکیت میں ہو یا اس کی عیالت میں آجائے اور اسی حالت میں چاند رات شروع ہو تو ان پر ان کا فطرانہ واجب ہوگا۔

(کتاب الام باب زکاۃ الفطر)

لیکن جو بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہو اس کا فطرانہ واجب نہیں لیکن اگر کوئی دینا چاہے تو دے سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور اگر کوئی شخص فطرانہ واجب ہونے کے بعد اسے ادا کرنے سے قبل ہی فوت ہوجائے تو اس کے ترکہ سے فطرانہ ادا کیا جائے گا، اور اگر اس کی عیالت میں سے کوئی فطرانہ واجب ہونے کے بعد فوت ہوجائے تو اس کی وجہ سے فطرانہ ساقط نہیں ہوگا۔

(المغنی لابن قدامہ المقدسی جلد نمبر (2)

اور خادم اور جس کی یومیہ یا ماہانہ تنخواہ مقرر ہو اس کی جانب سے فطرانہ ادا نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ملازم کی طرح ہے اور ملازم یعنی اجرت لینے والے پر خرچ نہیں کیا جاتا۔ (الموسوعة الفقهية (23/ 339) ۔

یتیم کا فطرانہ ادا کرنے کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں۔ یتیم کا وصی یتیموں کے مال سے فطرانہ ادا کرے گا اگر چہ وہ چھوٹے بچے ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر عیدالفطر کے دن کافر اسلام قبول کرلے تو امام مالک رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: جو شخص عیدالفطر والے دن طلوع فجر سے قبل اسلام قبول کرلے اس کے لیے فطرانہ ادا کرنا مستحب ہے۔ (المدونة جلد ۱، باب فطرانہ)

وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الہدایہ

المعروف بہ

شرح ہدایہ

جلد سوئم

کتاب الصوم

تصنیف
امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی
استاذ الفقہ: جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الہدایہ

المعروف بہ

شرح ہدایہ

جلد سوئم

کتاب الصوم

﴿یہ کتاب روزے کے بیان میں ہے﴾

کتاب الصوم کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔ یہ کتاب روزے کے احکام کے بیان میں ہے امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع کبیر میں کتاب الصوم کو کتاب الصلوۃ کے بعد متصل ذکر کیا ہے کیونکہ یہ دونوں عبادات بدنیہ میں سے ہیں ۔لیکن قرآن وحدیث میں زکوۃ نماز کے ساتھ ملی ہوئی ہے لہٰذا اسی وجہ سے مصنف نے کتاب الزکوۃ کو کتاب الصوم سے مقدم کیا ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ،۴،ص ۲۳۶،حقانیہ ملتان)

روزے کواسلام کا تیسرا رکن کہا جاتا ہے اوراس کے تیسرے رکن ہونے کی ترتیب خود حدیث مبارکہ میں موجود ہے۔

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے (یہ تشبیہ ہے کہ اسلام کو ایک گھر کی مانند سمجھو یا ایک چھت کی مانند کہ جس میں پانچ ستون ہوں) اللہ جل جلالہ کی توحید (وحدانیت کی گواہی دینا) نماز کو قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔ایک شخص بولا کہ حج اور رمضان کے روزے رکھنا (یعنی حج کو پہلے کیا اور روزوں کو بعد) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا رمضان کے روزے اور حج۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یوں ہی سنا ہے۔(صحیح مسلم، ج ۱، رقم ۶۲،قدیمی کتب خانہ کراچی)

صوم کا لغوی وشرعی معنی:

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

لغت میں صوم اور صیام کے معنی ہیں امساک یعنی مطلقاً رکنا ! اصطلاح شریعت میں ان الفاظ کا مفہوم ہے فجر سے غروب آفتاب تک روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے ، جماع کرنے اور بدن کے اس حصے میں جو اندر کے حکم میں ہو کسی چیز کے داخل کرنے سے رکے رہنا نیز روزے دار مسلمان کیلئے اور حیض ونفاس سے پاک ہونا اس کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے۔

الصوم لغت عرب میں الامساک یعنی رکنے کو کہتے ہیں۔

شرعی اصطلاح میں طلوع فجر سے لیکر غروب شمس تک مفطرات یعنی روزہ توڑنے والی اشیاء سے نیت کے ساتھ رکنے کو روزہ کہا جاتا ہے۔

امت کا اجماع ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا فرض ہیں ،اس کی دلیل مندرجہ ذیل فرمان باری تعالی ہے :(اے ایمان والوتم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے تا کہ تم تقوی اختیار کرو) ۔

روزے کی فرضیت پر سنت نبویہ میں بھی دلائل پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک دلیل مندرجہ ذیل فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :(اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا) (فتح الباری (1 / 49)

روزے کا معنی رکنے کی دلیل لغت کا بیان:

فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا .(مریم ،۲۶)

تو کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہہ دینا میں نے آج رحمٰن کا روزہ مانا ہے تو آج ہرگز کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔

میں آج روزے سے ہوں یا تو مراد یہ ہے کہ ان کے روزے میں کلام ممنوع تھا یا یہ کہ میں نے بولنے سے ہی روزہ رکھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو شخص آئے ۔ایک نے تو سلام کیا، دوسرے نے نہ کیا آپ نے پوچھا اس کی کیا وجہ؟ لوگوں نے کہا اس نے قسم کھائی ہے کہ آج یہ کسی سے بات نہ کرے گا آپ نے فرمایا اسے توڑ دے سلام کلام شروع کرے یہ تو صرف حضرت مریم علیہا السلام کے لئے ہی تھا کیونکہ اللہ کو آپ کی صداقت وکرامت ثابت کرنا منظور تھی اس لئے اسے عذر بنا دیا تھا

حضرت عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں تو آپ نے کہا میں کیسے نہ گھبراؤں خاوند والی میں نہیں، کسی کی ملکیت کی لونڈی باندی میں نہیں مجھے دنیا نہ کہے گی کہ یہ بچہ کیسے ہوا؟

میں لوگوں کے سامنے کیا جواب دے سکوں گی؟ کون سا عذر پیش کرسکوں گی؟ ہائے کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی کاش کہ میں نسیا منسیا ہوگئی ہوتی۔اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اماں آپ کو کسی سے بولنے کی ضرورت نہیں میں آپ ان سب سے نبٹ لوں گا آپ تو انہیں صرف یہ سمجھا دینا کہ آج سے آپ نے چپ رہنے کی نذر مان لی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ،مریم ،۲۶)

علامہ قرطبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔روزے کی تعریف یہ ہے کہ الأمساك عن المفطرات مع اقتران النية به من طلوع الفجر الى غروب الشمس .(القرطبی)

روزے کی نیت کے ساتھ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہر قسم کے مفطرات سے رک جانا روزہ ہے۔

روزے کی فرضیت کی تاریخ واہمیت:

ماہ رمضان کے روزے ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد شعبان کے مہینے میں تحویل قبلہ کے دس روز بعد فرض کیے گئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے قبل کوئی روزہ فرض نہیں تھا جب کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے قبل بھی کچھ ایام کے روزے فرض تھے جو اس ماہ رمضان کے روزے کی فرضیت کے بعد منسوخ ہوگئے۔ چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک تو عاشورا محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ فرض تھا اور بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ایام بیض (قمری مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں راتوں کے دن) کے

روزے فرض تھے۔ رمضان کے روزے کی فرضیت کے ابتدائی دنوں میں بعض احکام بہت سخت تھے مثلاً غروب آفتاب کے بعد سونے سے پہلے کھانے پینے کی اجازت تھی مگر سونے کے بعد کچھ بھی کھانے پینے کی اجازت نہیں تھی۔ چاہے کوئی شخص بغیر کھائے پئے ہی کیوں نہ سو گیا ہو، اسی طرح جماع کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں جائز نہ تھا۔ مگر جب یہ احکام مسلمانوں پر بہت شاق گزرے اور ان احکام کی وجہ سے کئی واقعات بھی پیش آئے تو یہ احکام منسوخ کر دیئے گئے اور کوئی سختی باقی نہ رہی۔

اسلام کے جو پانچ بنیادی ارکان ہیں ان میں روزے کا تیسرا درجہ ہے گویا روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے اس اہم رکن کی جو تاکید اور بیش از بیش اہمیت ہے اسے ماہرین شریعت ہی بخوبی جان سکتے ہیں روزے کا انکار کرنے والا کافر اور اس کا تارک فاسق اور اشد گنہگار ہوتا ہے چنانچہ درمختار کے باب مایفسد الصوم میں یہ مسئلہ اور حکم نقل کیا گیا ہے کہ ولو اکل عمداً اشھرة بلا عذر یقتل، جو شخص رمضان میں بلا عذر علی الاعلان کھاتا پیتا نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے۔

روزہ کی فضیلت کے بارے میں صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ بعض علماء نے اس اہم ترین اور باعظمت رکن کے بے انتہا فضائل دیکھ کر اس کو نماز جیسی عظیم الشان عبادت پر ترجیح اور فضیلت دی ہے اگرچہ یہ بعض ہی علماء کا قول ہے جب کہ اکثر علماء کا مسلک یہی ہے کہ نماز تمام اعمال سے افضل ہے اور اسے روزہ پر بھی ترجیح وفضیلت حاصل ہے مگر بتانا تو صرف یہ ہے کہ جب اس بات میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ تو اب ظاہر ہے کہ نماز کے علاوہ اور کوئی بھی دوسرا عمل اور دوسرا رکن روزے کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

قرآن کے مطابق روزے کی فرضیت کا بیان:

(۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔

(۲) فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ تم میں سے جو اس ماہ کو پائے وہ ضرور اس کے روزے رکھے۔

تفاسیر وآثار صحابہ کے مطابق فرضیت روزے کا بیان:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عطاء قتادہ ضحاک کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلے کی امتوں پر بھی فرض تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ

عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد اور دنوں میں جبکہ یہ عذر ہٹ جائیں قضا کر لیں، ہاں ابتداء اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے خواہ نہ رکھے مگر فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا گو روزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا

ابن مسعود ابن عباس مجاہد طاؤس مقاتل وغیرہ یہی فرماتے ہیں مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نماز کی اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں پہلے تو سولہ سترہ مہینہ تک مدینہ میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی پھر "قد نری" والی آیت آئی اور مکہ شریف کی طرف آپ نے منہ پھیرا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے ایک دوسرے کو پکارتا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز آ گئے پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے آیت اللہ اکبر اللہ اکبر اشھدان لا الہ الا اللہ دوبارہ یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں آیت قد قامت الصلوۃ بھی دو مرتبہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ سکھاؤ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلال نے اذان کہی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے بھی آ کر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا۔ لیکن ان سے پہلے حضرت زید آ چکے تھے۔ تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے ہیں کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں وہ جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضور کے ساتھ مل جاتا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں حضور کو جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے اسے حضور کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کروں گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا معاذ نے تمہارے لئے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے تم بھی اب یونہی کیا کرو، یہ تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں، روزوں کی تبدیلیاں سنئے

اول جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے پھر اللہ تعالٰی نے آیت (کتب علیکم الصیام) الخ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے۔

دوسرا ابتدائی یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے اور فدیہ دے دے پھر یہ آیت (فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ) تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو وہ روزہ رکھا کرے پس جو شخص مقیم ہو مسافر نہ ہو تندرست ہو بیمار نہ ہو اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا انتہائی جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا

ہوا سے بھی رخصت دی گئی۔ تیسری حالت یہ ہے کہ ابتداء میں کھانا پینا عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا سو گیا تو پھر گورات کو ہی جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا پھر صرمہ نامی ایک انصاری صحابی دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی دوسرے دن کچھ کھائے پئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا بات؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ دیا، ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ سے مجامعت کر لی اور حضور کے پاس آ کر حسرت وافسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا جس پر آیت (احل لکم لیلته الصیام الرفث الی نسائکم) سے (ثم اتموا الصیام الی الیل) تک نازل ہوئی اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دے دی گئی، بخاری مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا جو چاہتا رکھ لیتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے۔ آیت (وعلی الذین یطیقونه) کا مطلب حضرت معاذ بیان فرماتے ہی کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔

حضرت سلمہ بن اکوع سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری اور یہ منسوخ ہوئی، حضرت ابن عمر بھی اسے منسوخ کہتے ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں مراد اس سے بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو،

ابن ابی لیلیٰ، کہتے ہیں عطار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رمضان میں گیا دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کر دیا، اب یہ حکم صرف بہت زیادہ بیطاقت بوڑھے بڑے کے لئے ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہوگا ہاں ایسے بوڑھے، بڑے معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں ہمیں اختلاف ہے۔

امام شافعی کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہذا یہ بھی مثل بچے کے ہے نہ اس پر کفارہ ہے نہ اس پر قضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، دوسرا قول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے، اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری دنوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت

کھلا دیا کرے، مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا کرتے، اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انہیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو علماء میں سخت اختلاف ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں فدیہ دے دیں اور جب خوف ہٹ جائے قضا بھی کر لیں بعض کہتے ہیں صرف فدیہ ہے قضا نہ کریں، بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ نہ قضا کریں۔

احادیث کے مطابق فرضیت صوم کا بیان:

امام بخاری و مسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز پڑھنا، اور زکوۃ دینا، اور بیت اللہ کا حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا۔

مذاہب اربعہ کے مطابق فرضیت صوم کا بیان:

ائمہ اربعہ کے نزدیک بہ اجماع روزہ فرض ہے۔ اور اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ یہاں تک فقہی مذاہب کے علاوہ اگر اسلام کے سوا دوسرے مذاہب کا جائزہ لیں تو ان کے نزدیک بھی روزے کی مختلف کیفیات ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

روزے کا تصور کم و بیش ہر مذہب اور ہر قوم میں موجود رہا ہے اور اب بھی ہے مگر اسلام میں روزے کا تصور یکسر جداگانہ، منفرد اور مختلف ہے جبکہ دوسرے مذاہب روزے کی اصل مقصدیت سے صرف نظر کرتے ہوئے روزے کو اپنے مخصوص مفادات کے لیے محدود کر لیتے تھے مگر اسلام نے اس میدان میں بھی انسانیت کو روزے کے ذریعے ایک نظام تربیت دیا۔ دنیا کا ہر مذہب کسی نہ کسی صورت میں تزکیہ نفس اور روحانی طہارت کی اہمیت کو اُجاگر کرتا رہا ہے مگر ان کے ہاں اس کے مختلف انداز اور طریقے ہیں مثلاً ہندوؤں کے ہاں پوجا کا تصور ہے، عیسائیوں کے ہاں رہبانیت کا رجحان ہے تو یونانی ترکِ دنیا کے قائل ہیں اور بدھ مت جملہ خواہشات کو قطعاً فنا کر دینے کے خواہاں ہیں لیکن اسلام ایک ایسا سادہ اور آسان دین ہے جو ان تمام خرافات اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تقویٰ اور تزکیہ نفس کے لیے ارکانِ اسلام کی صورت میں ایک ایسا پانچ نکاتی لائحہ عمل عطا کر دیا جو فطرتاً انسان سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت سادہ، آسان اور قابل عمل بھی ہے۔

علاوہ ازیں مختلف مذاہب میں روزہ رکھنے کے مکلّف بھی مختلف طبقات میں موجود ہیں مثلاً پارسیوں کے ہاں صرف مذہبی پیشوا، ہندوؤں میں برہمن اور یونانیوں کے ہاں صرف عورتیں روزے رکھنے کی پابند ہیں جبکہ ان کے اوقات روزہ میں بھی اختلاف اور افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔

روزے کی فرضیت کی حکمتوں کا بیان:

کسی بھی عبادت اور کسی بھی عمل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور پروردگار کی رحمت کاملہ اس عمل اور عبادت کرنے والے کو دین اور دنیا دونوں جگہ اپنی آغوش میں چھپالے ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے روزہ کا فائدہ بھی بڑا ہی عظیم الشان ہوگا مگر اس کے علاوہ روزے کے کچھ اور بھی روحانی اور دینی فوائد ہیں جو اپنی اہمیت وعظمت کے اعتبار سے قابل ذکر ہیں لہٰذا ان میں سے کچھ فائدے بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) روزے کی وجہ سے خاطر جمعی اور قلبی سکون حاصل ہوتا ہے نفس امارہ کی تیزی وتندی جاتی رہتی ہے، اعضاء جسمانی اور بطور خاص وہ اعضاء جن کا نیکی اور بدی سے براہ راست تعلق ہوتا ہے جیسے ہاتھ، آنکھ، زبان، کان اور ستر وغیرہ ست ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے گناہ کی خواہش کم ہو جاتی ہے اور معصیت کی طرف رجحان ہلکا پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب نفس بھوکا ہوتا ہے تو تمام اعضاء سیر ہوتے ہیں یعنی انہیں اپنے کام کی رغبت نہیں ہوتی اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے ہوتے ہیں انہیں اپنے کام کی طرف رغبت ہوتی ہے اس قول کو وضاحت کے ساتھ یوں سمجھ لیجئے کہ جسم کے جتنے اعضاء ہیں قدرت نے انہیں اپنے مخصوص کاموں کے لئے پیدا کیا ہے مثلاً آنکھ کی تخلیق دیکھنے کے لیے ہوئی ہے گویا آنکھ کا کام دیکھنا ہے لہٰذا بھوک کی حالت میں کسی بھی چیز کو دیکھنے کی طرف راغب نہیں ہوتی ہاں جب پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے تو آنکھ اپنا کام بڑی رغبت کے ساتھ کرتی ہے اور ہر جائز وناجائز چیز کو دیکھنے کی خواہش کرتی ہے اسی پر بقیہ اعضاء کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۲) روزہ کی وجہ سے دل کدورتوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے کیونکہ دل کی کدورت آنکھ، زبان اور دوسرے اعضاء کے فضول کاموں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یعنی زبان کا ضرورت وحاجت سے زیادہ کلام کرنا، آنکھوں کا بلاضرورت دیکھنا، اسی طرح دوسرے اعضاء کا ضرورت سے زیادہ اپنے کام میں مشغول رہنا افسردگی دل اور رنجش قلب کا باعث ہے اور ظاہر ہے کہ روزہ دار فضول گوئی اور فضول کاموں سے بچا رہتا ہے بدیں وجہ اس کا دل صاف اور مطمئن رہتا ہے اس طرح پاکیزگی دل اور اطمینان قلب اچھے ونیک کاموں کی طرف میلان ورغبت اور درجات عالیہ کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔

(۳) روزہ مساکین وغرباء کے ساتھ حسن سلوک اور ترحم کا سبب ہوتا ہے کیونکہ جو شخص کسی وقت بھوک کا غم جھیل چکا ہوتا ہے اسے اکثر وبیشتر وہ کربناک حالت یاد آتی ہے چنانچہ وہ جب کسی شخص کو بھوکا دیکھتا ہے تو اسے خود اپنی بھوک کی وہ حالت یاد آجاتی ہے جس کی وجہ سے اس کا جذبہ ترحم امنڈ آتا ہے۔

(۴) روزہ دار اپنے روزہ کی حالت میں گویا فقراء مساکین کی حالت بھوک کی مطابقت کرتا ہے بایں طور کہ جس اذیت اور تکلیف میں وہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی تکلیف اور مشقت کو روزہ دار بھی برداشت کرتا ہے اس وجہ سے اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے جیسا کہ ایک بزرگ بشر حافی کے بارے میں منقول ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں جاڑے کے موسم میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے کانپ رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس اتنے کپڑے موجود تھے جو ان کو سردی سے بچا سکتے تھے۔

مگر وہ کپڑے الگ رکھے ہوئے تھے۔ اس شخص نے یہ صورت حال دیکھ کر ان سے بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے سردی کی اس حالت میں اپنے کپڑے الگ رکھ چھوڑے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی فقراء ومساکین کی تعداد بہت زیادہ ہے مجھ میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ میں ان کے کپڑوں کا انتظام کروں لہٰذا (جو چیز میرے اختیار میں ہے اسی کو غنیمت جانتا ہوں کہ) جس طرح وہ لوگ سردی کی تکلیف برداشت کر رہے ہیں اس طرح میں بھی سردی کی تکلیف برداشت کر رہا ہوں اس طرح میں بھی ان کی مطابقت کر رہا ہوں۔

یہی جذبہ ہمیں ان اولیاء عارفین کی زندگیوں میں بھی ملتا ہے جن کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کھانے کے وقت ہر ہر لقمہ پر یہ دعائیہ کلمات کہا کرتے تھے۔ **اللهم لا تواخذني بحق الجائعين** ۔ اے اللہ مجھ سے بھوکوں کے حق کے بارے میں مواخذہ نہ کیجئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ جب قحط سالی نے پورے ملک کو اپنے مہیب سایہ میں لے لیا باوجودیکہ خود ان کے پاس بے انتہا غلہ کا ذخیرہ تھا مگر وہ صرف اس لیے پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے کہ کہیں بھوکوں کا خیال دل سے اتر نہ جائے نیز یہ انہیں اس طرح بھوکوں اور قحط زدہ عوام کی تکلیف ومصیبت سے مشابہت اور مطابقت حاصل رہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب ماہ رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کئے جاتے ہیں نیز شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کی بجائے یہ ہیں کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں سے اس بات کی طرف کنایہ مقصود ہے کہ اس ماہ مقدس کے شروع ہوتے ہی باری تعالیٰ کی پے در پے رحمتوں کا نزول شروع ہو جاتا ہے اور بندوں کے اعمال بغیر کسی مانع اور رکاوٹ کے صعود کرتے ہیں نیز باب قبولیت واجب ہو جاتا ہے کہ بندہ جو دعا مانگتا ہے بارگاہ الوہیت میں شرف قبولیت سے سرفراز ہوتی ہے۔

جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں سے اس طرف کنایہ مقصود ہے کہ بندہ کو ان نیک اور اچھے کاموں کی توفیق عطا فرمائی جاتی ہے جو دخول جنت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں سے اس بات کی طرف کنایہ مقصود ہے کہ روزہ دار ایسے کاموں سے بچا رہتا ہے جو دوزخ میں داخل ہونے کا باعث ہوتے ہیں اور یہ ظاہر ہی ہے روزہ دار کبیرہ گناہوں سے محفوظ ومامون رہتا ہے اور جو صغیرہ گناہ ہوتے ہیں وہ اس کے روزے کی برکت سے بخش دیئے جاتے ہیں۔

شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ ان شیاطین کو جو سرکش وسرغنہ ہوتے ہیں زنجیروں میں باندھ دیا جاتا ہے اور ان کی وہ قوت سلب کر لی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بندوں کو بہکانے پر قادر ہوتے ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جملہ دراصل اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ ماہ رمضان میں شیاطین لوگوں کو بہکانے سے باز

رہتے ہیں اور بندے نہ صرف یہ کہ ان کے وسوسوں اور ان کے اوہام کو قبول نہیں کرتے بلکہ ان کے مکر وفریب کے جال میں پھنستے بھی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ روزہ کی وجہ سے انسان کی قوت حیوانیہ مغلوب ہو جاتی ہے جو غیظ وغضب اور شہوت کی جڑ ہے اور طرح طرح کے گناہوں کا باعث ہوتی ہے اس کے برخلاف قوت عقلیہ غالب اور قوی ہو جاتی ہے جو طاعات اور نیکی کا باعث ہوتی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رمضان میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت گناہ کم صادر ہوتے ہیں اور عبادات واطاعات میں زیادتی ہوتی ہے۔

جنت میں داخل ہونے کے لیے روزہ داروں کا مخصوص دروازہ:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان رکھا گیا اور اس دروازے سے صرف روزہ داروں کا داخلہ ہی ہو سکے گا۔ (بخاری ومسلم)

روزے کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ایمان کے ساتھ (یعنی شریعت کو سچ جانتے ہوئے اور فرضیت رمضان کا اعتقاد رکھتے ہوئے) اور طلب ثواب کی خاطر (یعنی کسی خوف یا ریاء کے طور پر نہیں بلکہ خالصۃ للہ) رمضان کا روزہ رکھا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے نیز جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کی خاطر رمضان میں کھڑا ہوا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے اسی طرح جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ (یعنی شب قدر کی حقیقت کا ایمان واعتقاد رکھتے ہوئے) اور طلب ثواب کی خاطر کھڑا ہوا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے۔ (بخاری ومسلم)

رمضان میں کھڑا ہونے، سے مراد یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھے، تلاوت قرآن کریم اور ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول رہے نیز اگر حرم شریف میں ہو تو طواف وعمرہ کرے یا اسی طرح کی دوسری عبادات میں اپنے آپ کو مصروف رکھے۔

شب قدر میں کھڑا ہونے، کا مطلب یہ ہے کہ شب قدر عبادت خداوندی اور ذکر اللہ میں مشغول رہے خواہ اس رات کے شب قدر ہونے کا اسے علم ہو یا نہ ہو۔

غفر له ماتقدم من ذنبه ۔ تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے۔ کے بارے میں علامہ نووی فرماتے ہیں کہ مکفرات (یعنی وہ اعمال جو گناہوں کو ختم کرنے والے ہوتے ہیں) صغیرہ گناہوں کو تو مٹا ڈالتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کو ہلکا کر دیتے ہیں اگر کسی خوش نصیب کے نامہ اعمال میں گناہ کا وجود نہیں ہوتا تو پھر مکفرات کی وجہ سے جنت میں اس کے درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بنی آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب زیادہ

کیا جاتا ہے بایں طور کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مگر روزہ کہ وہ میرے ہی لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا (یعنی روزہ کی جو جزا ہے اسے میں ہی جانتا ہوں اور وہ روزہ دار کو میں خود ہی دوں اس بارے میں کوئی دوسرا یعنی فرشتہ بھی واسطہ نہیں ہوگا کیونکہ روزہ دار) اپنی خواہش اور اپنا کھانا صرف میرے لیے ہی چھوڑتا ہے (یعنی وہ میرے حکم کی بجا آوری میری رضا وخوشنودی کی خاطر اور میرے ثواب کی طلب کے لیے روزہ رکھتا ہے) روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی تو روزہ کھولنے کے وقت اور دوسری خوشی (ثواب ملنے کی وجہ سے) اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت، یاد رکھو روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ لطف اور پسندیدہ ہے اور روزہ سپر ہے (کہ اس کی وجہ سے بندہ دنیا میں شیطان کے شر وفریب سے اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتا ہے) لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو تو وہ نہ فحش باتیں کرے اور نہ بے ہودگی کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے اور اگر کوئی (نادان جاہل) اسے برا کہے یا اس سے لڑنے جھگڑنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ (بخاری ومسلم)

نیک عمل کے اجر کے سلسلے میں ادنیٰ درجہ دس ہے کہ نیکی تو ایک ہو مگر ثواب اس کا دس گناہ ملے، پھر اس کے بعد نیک عمل کرنے والے کے صدق خلوص پر انحصار ہوتا ہے کہ اس کی ریاضت ومجاہدہ اور اس کے خلوص وصدق نیت میں جتنی پختگی اور کمال بڑھتا رہتا ہے اسی طرح اس کے ثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ بعض حالات میں ایک نیکی پر سات سو گناہ ثواب ملتا ہے گویا یہ آخری درجہ ہے لیکن بعض مقامات واوقات ایسے بھی ہیں جہاں کی جانے والی ایک نیکی اس سے بھی زیادہ اجر وثواب سے نوازی جاتی ہے چنانچہ منقول ہے کہ مکہ میں ایک نیک عمل کے بدلے میں ایک لاکھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ الا الصوم (مگر روزہ) سے ثواب کی اہمیت وفضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ کا ثواب بے انتہاء اور لامحدود ہے جس کی مقدار سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

روزہ کی کثیر فضیلت کا سبب؟

روزہ اور اس کے ثواب کی اس فضیلت کے دو سبب ہیں اول تو یہ کہ روزہ دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے، دوسری عبادتوں کے برخلاف کہ ان میں یہ وصف نہیں ہے جتنی بھی عبادات ہیں وہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کی نگاہوں کے سامنے آتی ہیں جب کہ روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے سوا صرف روزہ دار ہی کو ہوتا ہے۔ لہٰذا روزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوتا ہے کہ اس میں ریاء اور نمائش کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد فانہ لی کے ذریعے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ روزہ خاص میرے ہی لیے ہے کیونکہ روزہ تو صورۃً اپنے لیے وجود نہیں رکھتا جب کہ دوسری عبادتیں صورتاً اپنے لیے وجود رکھتی ہیں۔

دوم یہ کہ روزہ میں نفس کشی اور جسم وبدن کا ہلکان ونقصان ہے نیز روزہ کی حالت میں انتہائی کرب وتکلیف کی صورتیں بھوک و پیاس پیش آتی ہیں اور ان پر صبر کرنا پڑتا ہے جب کہ دوسری عباداتوں میں نہ اتنی تکلیف ومشقت ہوتی ہے اور نہ اپنی خواہش وطبیعت

پراتا جر چنانچہ باری تعالیٰ نے اپنے ارشاد یدع شہوتہ کے ذریعے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ روزہ دار اپنی خواہش کو چھوڑ دیتا ہے یعنی روزہ کی حالت میں جو چیزیں ممنوع ہیں وہ ان سب سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔

لفظ شہوتہ کے بعد لفظ طعامہ کا ذکر کیا تو تخصیص بعد تعمیم کے طور پر ہے یا پھر شہوت سے مراد تو جماع ہے اور طعام سے جماع کے علاوہ دوسری چیزیں مراد ہیں جو روزہ کو توڑنے والی ہوتی ہیں۔

افطار کے وقت روزہ دار کو خوشی دو وجہ سے ہو سکتی ہے یا تو اس لیے کہ وہی وہ وقت ہوتا ہے جب کہ روزہ دار اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے حکم اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ محسوس کرتا ہے، یا پھر یہ کہ وہ عبادت کی توفیق اور اس کی نورانیت کی وجہ سے اپنے آپ کو مطمئن و مسرور محسوس کرتا ہے، جو ظاہر ہے کہ خوشی کا سبب ہے اس کے علاوہ دنیاوی اور جسمانی طور پر بھی یوں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ دن بھر کی بھوک و پیاس کے بعد اسے کھانے پینے کو ملتا ہے۔

حدیث کے آخری جملے کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ دار کو برا بھلا کہے یا اس سے لڑنے کا ارادہ کرے تو وہ اس شخص کو انتقاماً برا بھلا نہ کہے اور نہ اس سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو جائے بلکہ اس شخص سے یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں اور یہ بات یا تو زبان سے کہے تاکہ دشمن اپنے ناپاک ارادوں سے باز رہے کیونکہ جب روزہ دار اپنے مقابل سے یہ کہے گا کہ میں روزہ دار ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں چونکہ روزہ دار ہوں اس لیے میرے لیے تو یہ جائز نہیں کہ میں تم سے لڑوں جھگڑوں اور جب میں خود لڑنے جھگڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں تو تمہارے لیے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ ایسی صورت میں تم مجھ سے لڑائی جھگڑے کا ارادہ کرو کیونکہ یہ اصول و مروت کے خلاف ہے ظاہر ہے کہ یہ انداز اور پیرایہ دشمن کو مجبور کرے گا کہ وہ اپنے غلط ارادوں سے باز رہے۔

یا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں چونکہ روزہ دار ہوں اس لیے اس وقت تمہارے لیے زبان درازی مناسب اور لائق نہیں کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اس کی حفاظت میں ہوں۔

یا پھر یہ کہ ایسے موقع پر روزہ دار اپنے دل میں یہ کہہ لے کہ میں روزہ دار ہوں میرے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ میں روزہ حالت میں کسی سے لڑائی جھگڑا کروں یا کسی کو اپنی زبان سے برا کہوں۔

لفظ الا الصوم کے سلسلے میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث کے بعض شارحین اس موقع پر کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ روزہ کی یہ خصوصیت کس وجہ سے ہے؟ تاہم ہمارے اوپر یہ بات واجب اور لازم ہے کہ بغیر کسی شک و شبہہ کے اس کی تصدیق کرے ہاں بعض محققین علماء نے اس خصوصیت کے کچھ اسباب بیان کئے ہیں چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ روزہ ہی وہ عبادت ہے جو ایام جاہلیت میں بھی اہل عرب کے یہاں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص تھی یعنی جس طرح کفار و مشرکین سجدہ وغیرہ اللہ کے علاوہ دوسری چیزون کے لیے بھی کرتے تھے اس طرح وہ روزہ میں اللہ کے علاوہ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے بلکہ روزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے رکھتے تھے۔

اس طرح اس نکتہ کے ذریعے بھی اس کی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ درحقیقت جو شخص روزہ رکھتا ہے اور اس

طرح وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کی خاطر اپنا کھانا پینا اور دوسری خواہشات کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ ایک طرح کی لطافت و پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور گویا وہ اس بارے میں باری تعالیٰ کے اوصاف و خلق کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے بایں طور کہ جس طرح اللہ رب العزت کھانے پینے سے منزہ اور پاک ہے اس طرح بھی دن میں اپنے آپ کو دنیاوی خواہشات و علائق سے منزہ رکھتا ہے لہٰذا اس سبب سے روزہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے۔

روزے کی اقسام ونیت کرنے کا بیان:

قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ (الصَّوْمُ ضَرْبَانِ :وَاجِبٌ وَنَفْلٌ ، وَالْوَاجِبُ ضَرْبَانِ :مِنْهُ مَا يَتَعَلَّقُ بِزَمَانٍ بِعَيْنِهِ كَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُعَيَّنِ فَيَجُوزُ صَوْمُهُ بِنِيَّةٍ مِنْ اللَّيْلِ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ حَتَّى أَصْبَحَ أَجْزَأَهُ النِّيَّةُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الزَّوَالِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا يُجْزِيهِ.

اعْلَمْ أَنَّ صَوْمَ رَمَضَانَ فَرِيضَةٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (كُتِبَ عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ) وَعَلَى فَرْضِيَّتِهِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ وَلِهَذَا يَكْفُرُ جَاحِدُهُ ، وَالْمَنْذُورُ وَاجِبٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ) وَسَبَبُ الْأَوَّلِ الشَّهْرُ وَلِهَذَا يُضَافُ إلَيْهِ وَيَتَكَرَّرُ بِتَكَرُّرِهِ وَكُلُّ يَوْمٍ سَبَبٌ لِوُجُوبِ صَوْمِهِ ، وَسَبَبُ الثَّانِي النَّذْرُ وَالنِّيَّةُ مِنْ شَرْطِهِ وَسَنُبَيِّنُهُ وَتَفْسِيرُهُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ:

فرمایا: روزے کی دو اقسام ہیں۔(۱) واجب (۲) نفل۔ اور واجب کی دو اقسام ہیں۔ ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ جو معین زمانے کے ساتھ متعلق ہو جس طرح رمضان کا روزہ اور نذر معین کا روزہ ہے۔ یہ روزہ ایسی نیت کے ساتھ جائز ہے جو رات سے کی گئی ہو۔ اور اگر اس نے نیت نہ کی حتیٰ کہ صبح ہو گئی تب اس کیلئے صبح اور زوال کے درمیان نیت کر لینا کافی ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ کافی نہیں ہے۔

تو جان لے کہ رمضان کا روزہ فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں اور رمضان کے روزوں کی فرضیت پر اجماع ہو چکا ہے۔ اسی دلیل کی وجہ سے اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور نذر کا روزہ واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنی نذروں کو پورا کرو۔ اور پہلے روزے کا سبب شہر رمضان ہے لہٰذا اس کی اضافت اسی کی طرف کی گئی ہے۔ اور رمضان کا روزہ شہر رمضان کے مکرر ہونے کی وجہ سے مکرر ہے۔ لہٰذا رمضان کا ہر دن روزے کے وجوب کا سبب ہے۔ اور نذر معین کا سبب نذر ہے۔ اور نیت روزے کی شرط ہے عنقریب ہم اس کو بیان کریں اور اس کی تفسیر بھی کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

روزے کی اقسام کے بیان:

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کتب فقہ میں روزہ کی 8 اقسام بیان ہوئی ہیں۔

1۔فرضِ معیّن (ماہ رمضان کے روزے)

2۔فرضِ غیر معیّن (ماہ رمضان کے قضاء شدہ روزے)

3۔واجب معیّن (کسی خاص دن یا تاریخ میں روزہ رکھنے کی منت مانیں تو اسی دن یا تاریخ کو روزہ رکھنا واجب ہے)

4۔واجب غیر معیّن (کفارے کے روزے، نذرِ غیر معین کے روزے اور توڑے ہوئے نفلی روزوں کی قضا۔

5۔سنت (محرم الحرام کی نویں اور دسویں تاریخ کے روزے، عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ اور ایامِ بیض یعنی ہر قمری مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے۔

6۔نفل (ماہ شوال کے چھ روزے، ماہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کا روزہ، سوموار، جمعرات اور جمعہ کا روزہ۔

7۔مکروہ تنزیہی (محرم الحرام کی صرف دسویں تاریخ کا روزہ، صرف ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنا، عورت کا بلا اجازتِ خاوند نفلی روزہ) رکھنا۔

8۔مکروہ تحریمی (عید الفطر اور عید الضحیٰ کے دو روزے اور ایامِ تشریق یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ کے روزے)۔(البحر الرائق، 277 : 2)

روزے کی نیت کے بارے میں اہل تشیع کی تصریحات:

اہل تشیع کا معروف فقیہ آیت اللہ سیستانی لکھتا ہے۔

انسان کے لئے روزے کی نیت دل سے گزارنا یا مثلاً یہ کہنا کہ میں روزہ رکھوں گا ضروری نہیں بلکہ اس کا ارادہ کرنا کافی ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں اپنی ذلت کے اظہار کے لئے اذان صبح سے مغرب تک کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے روزہ باطل ہو اور یقین حاصل کرنے کے لئے اس تمام وقت میں وہ روزے سے رہا ہے ضروری ہے کچھ دیر اذان صبح سے پہلے اور کچھ دیر مغرب کے بعد بھی ایسے کام کرنے سے پرہیز کرے جن سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

(۱) انسان رمضان کی ہر رات کو اس سے اگلے دن کے روزے کی نیّت کر سکتا ہے۔

(۲) رمضان میں روزے کی نیت کا آخری وقت ایسے شخص کے لئے جس کی توجہ ہو، اذان صبح سے پہلے ہے یعنی احتیاط واجب کی بنا پر ضروری ہے کہ اذانِ صبح کے وقت جب وہ پرہیز شروع کرے تو ارادے کے ساتھ ہو جائے وہ ارادہ ناخود آگاہ طور پر اس کے دل میں کہیں موجود ہو۔

(۳) جس شخص نے ایسا کام نہ کیا ہو جو روزے کو باطل کرے تو وہ جس وقت بھی دن میں مستحب روزے کی نیّت کر لے

اگر چہ مغرب ہونے میں کم وقت ہی رہ گیا ہو، اس کا روزہ صحیح ہے۔

(۴) جو شخص رمضان کے روزوں اور اسی طرح واجب روزوں میں جن کے دن معین ہیں روزے کے نیت کئے بغیر اذان صبح سے پہلے سو جائے اگر وہ ظہر سے پہلے بیدار ہو جائے اور روزے کی نیت کرے تو اس کا روزہ صحیح ہے اور اگر وہ ظہر کے بعد بیدار ہو تو ضروری ہے کہ احتیاط کرتے ہوئے مطلقہ نیت سے باقی دن خود کو روزہ باطل کرنے والی چیزوں سے بچائے اور اس دن کے روزے کی قضا بھی بجالائے۔

(۵) اگر کوئی شخص قضا یا کفارہ کا روزہ رکھنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس روزے کو معین کرے مثلاً نیت کرے کہ میں قضا کا یا کفارے کا روزہ رکھ رہا ہوں لیکن رمضان میں یہ نیت کرنا ضروری نہیں کہ میں رمضان کا روزہ رکھ رہا ہوں بلکہ اگر کسی کو علم نہ ہو یا بھول جائے کہ رمضان ہے اور کسی دوسرے روزے کی نیت کرے تب بھی وہ روزہ رمضان کا روزہ شمار ہوگا۔ نذر اور اس جیسے روزے میں نذر کی نیت کرنا ضروری نہیں۔

(۶) اگر کوئی شخص جانتا ہو کہ رمضان کا مہینہ ہے اور جان بوجھ کو رمضان کے روزے کے علاوہ کسی دوسرے روزے کی نیت کرے تو وہ روزہ جس کی اس نے نیت کی ہے وہ روزہ شمار نہیں ہوگا اور اسی طرح رمضان کا روزہ بھی شمار نہیں ہوگا اگر وہ نیت قصد قربت کے منافی ہو بلکہ اگر منافی نہ ہو تب بھی احتیاط کی بنا پر وہ روزہ رمضان کا روزہ شمار نہیں ہوگا۔

(۷) مثال کے طور پر اگر کوئی شخص رمضان کے پہلے روزے کی نیت کرے لیکن بعد میں معلوم ہو کہ یہ دوسرا روزہ تھا تو اس کا روزہ صحیح ہے۔

(۸) اگر کوئی شخص اذان صبح سے پہلے روزے کی نیت کرنے کے بعد بے ہوش ہو جائے اور پھر اسے دن میں کسی وقت ہوش آ جائے تو احتیاط واجب کی بنا پر ضروری ہے کہ اس دن کا روزہ تمام کرے اور اگر تمام نہ کرے تو اس کی قضا بجالائے۔

(۹) اگر کوئی شخص اذان صبح سے پہلے روزے کی نیت کرے اور پھر مست ہو جائے اور پھر اسے دن میں کسی وقت ہوش آ جائے تو احتیاط واجب یہ ہے کہ اس دن کا روزہ تمام کرے اور اس کی قضا بھی بجالائے۔

(۱۰) اگر کوئی شخص اذان صبح سے پہلے روزے کی نیّت کرے اور سو جائے اور مغرب کے بعد بیدار ہو تو اس کا روزہ صحیح ہے۔

(۱۱) اگر کسی شخص کو علم نہ ہو یا بھول جائے کہ رمضان ہے اور ظہر سے پہلے اس امر کی جانب متوجہ ہو اور اس دوران کوئی ایسا کام کر چکا ہو جو روزے کو باطل کرتا ہے تو اس کا روزہ باطل ہوگا لیکن ضروری ہے کہ مغرب تک کوئی ایسا کام نہ کرے جو روزے کو باطل کرتا ہو اور رمضان کے بعد روزے کی قضا بھی کرے۔ اگر ظہر کے بعد متوجہ ہو کہ رمضان کا مہینہ ہے تو احتیاط کی بنا پر رجاءً روزے کی نیّت کرے اور رمضان کے بعد اس کی قضا بھی کرے اور اگر ظہر سے پہلے متوجہ ہو اور کوئی ایسا کام بھی نہ کیا ہو جو روزے کو باطل کرتا ہو تو ضروری ہے کہ روزے کی نیّت کرے اور اس کا روزہ صحیح ہے۔

(۱۲) اگر رمضان میں بچہ اذان صبح سے پہلے بالغ ہو جائے تو ضروری ہے کہ روزہ رکھے اور اگر اذان صبح کے بعد بالغ ہو تو اس

دن کا روزہ اس پر واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر مستحب روزہ رکھنے کا ارادہ کرلیا ہو تو اس صورت میں احتیاط مستحب یہ ہے اس روزے کو پورا کرے۔

(۱۳) جو شخص میت کے روزے رکھنے کے لئے اجیر بنا ہو یا اس کے ذمے کفارے کے روزے ہوں اگر وہ مستحب روزے رکھے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر قضا روزے کسی کے ذمے ہوں تو وہ مستحب روزہ نہیں رکھ سکتا اور اگر بھول کر مستحب روزہ رکھ لے تو اس صورت میں اگر اسے ظہر سے پہلے یاد آ جائے تو اس کا مستحب روزہ کالعدم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی نیّت قضا روزے کی جانب موڑ سکتا ہے۔ اگر وہ ظہر کے بعد متوجہ ہو تو احتیاط کی بنا پر اس کا روزہ باطل ہے اور اگر اسے مغرب کے بعد یاد آئے تو اس کا روزہ صحیح ہے۔

(۱۴) اگر رمضان کے روزے کے علاوہ کوئی دوسرا معین روزہ انسان پر واجب ہو، مثلاً اس نے منت مانی ہو کہ ایک مقرر دن کو روزہ رکھے گا اور جان بوجھ کر اذان صبح تک نیت نہ کرے تو اس کا روزہ باطل ہے اور اگر اسے معلوم نہ ہو کہ اس دن کا روزہ اس پر واجب ہے یا بھول جائے اور ظہر سے پہلے اسے یاد آئے تو اگر اس نے کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو روزے کو باطل کرتا ہو اور روزے کی نیت کرلے تو اس کا روزہ صحیح ہے اور اگر ظہر کے بعد اسے یاد آئے تو رمضان کے روزے میں جس احتیاط کا ذکر کیا گیا ہے اس کا خیال رکھے۔

(۱۵) اگر کوئی شخص کسی غیر معین واجب روزے کے لئے مثلاً روزہ کفارہ کے لئے ظہر کے نزدیک تک عمداً نیت نہ کرے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اگر نیت سے پہلے مصمم ارادہ رکھتا ہو کہ روزہ نہیں رکھے گا یا مذبذب ہو کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے تو اگر اس نے کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو روزے کو باطل کرتا ہو اور ظہر سے پہلے روزے کی نیت کرلے تو اس کا روزہ صحیح ہے۔

(۱۶) اگر کوئی کافر رمضان میں ظہر سے پہلے مسلمان ہو جائے اور اذان صبح سے اس وقت تک کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو روزے کو باطل کرتا ہو تو احتیاط واجب کی بنا پر ضروری ہے کہ مافی الذمہ کی نیت سے دن کے آخر تک روزہ باطل کرنے والے کاموں سے پرہیز کرے اور اگر ایسا نہ کرے تو اس دن کی قضا بجالائے۔

(۱۷) اگر کوئی بیمار شخص رمضان کے کسی دن میں ظہر سے پہلے تندرست ہو جائے اور اس نے اس وقت تک کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو روزے کو باطل کرتا ہو تو احتیاط واجب کی بنا پر ضروری ہے کہ نیّت کرے اور اس دن کا روزہ رکھے اور اگر ظہر کے بعد ٹھیک ہو تو اس دن کا روزہ اس پر واجب نہیں۔ البتہ ضروری ہے کہ اس کی قضا کرے۔

(۱۸) جس دن کے بارے میں انسان کو شک ہو کہ شعبان کی آخری تاریخ ہے یا رمضان کی پہلی تاریخ، اس دن کا روزہ رکھنا اس پر واجب نہیں ہے اگر روزہ رکھنا چاہے تو رمضان کے روزے کی نیّت کرسکتا لیکن نیت کرے کہ اگر رمضان ہے تو رمضان کا روزہ ہے اور اگر رمضان نہیں تو قضا روزہ یا اسی جیسا کوئی اور روزہ ہے تو بعید نہیں اس کا روزہ صحیح ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ قضا روزے وغیرہ کی نیت کرے اور اگر بعد میں پتا چلے کہ رمضان تھا تو رمضان کا روزہ شمار ہوگا لیکن اگر نیت صرف روزے کی کرے اور بعد میں معلوم ہو کہ رمضان تھا تب بھی کافی ہے۔

(۱۹) اگر کسی دن کے بارے میں انسان کو شک ہو کہ شعبان کی آخری تاریخ ہے یا رمضان کی پہلی تاریخ اور وہ قضا یا مستحب یا ایسے ہی کسی اور روزے کی نیت کر کے روزہ رکھ لے اور دن میں کسی وقت اسے پتا چلے کہ رمضان ہے تو ضروری ہے کہ رمضان کے روزے کی نیت کرلے۔

(۲۰) اگر کسی معین واجب روزے کے بارے میں انسان مذبذب ہو کہ اپنے روزے کو باطل کرے یا نہ کرے یا روزے کو باطل کرنے کا قصد کرے تو اگر دوبارہ روزے کی نیت نہ کرے تو اس کا روزہ باطل ہو جاتا ہے اور اگر دوبارہ روزے کی نیت کرلے تو احتیاط واجب یہ ہے کہ اس دن کا روزہ پورا کرے اور بعد میں اس کی قضا کرے۔

(۲۱) اگر کوئی شخص جو مستحب روزہ یا ایسا واجب روزہ مثلاً کفارے کا روزہ رکھے ہوئے ہو جس کا وقت معین نہ ہو کسی ایسے کام کا قصد کرے جو روزے کو باطل کرتا ہو یا مذبذب ہو کہ کوئی ایسا کام کرے یا نہ کرے تو اگر وہ کوئی ایسا کام نہ کرے اور واجب روزے میں ظہر سے پہلے اور مستحب روزے میں غروب سے پہلے دوبارہ روزے کی نیّت کرلے تو اس کا روزہ صحیح ہے۔
(آیت اللہ سیستانی کی توضیح المسائل)

منت کے روزے کو پورا کرنے کا حکم:

علامہ حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

منت کے بولے ہوئے روزہ کو، نذر کا روزہ کہتے ہیں۔ یہ روزہ معین ہو یا غیر معین اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ روزہ رکھنے کو کسی شرط کے ساتھ واجب کرے مثلاً میرا فلاں کام ہوگیا یا بیمار تندرست ہوگیا۔ تو میں روزہ رکھوں گا۔ اس صورت میں جب شرط پائی جائے مثلاً وہ کام پورا ہوگیا بیمار تندرست ہوگیا تو اتنے روزے رکھنا اس پر واجب ہیں جتنے بولے تھے۔

ہاں اگر روزے وغیرہ کو کسی ایسی شرط پر معلق یا مشروط کیا جس کا ہونا نہیں چاہتا مثلاً یہ کہا کہ اگر میں تمہارے گھر آؤں تو مجھ پر اتنے روزے ہیں کہ اس کا مقصود یہ ہے کہ میں تمہارے یہاں نہیں آؤں گا۔ ایسی صورت میں اگر وہ شرط پائی گئی یعنی اس کے یہاں گیا تو اختیار ہے کہ جتنے روزے بولے تھے۔ وہ رکھ لے یا قسم توڑنے کا کفارہ دے دے کہ منت کی بعض صورتوں میں قسم کے احکام جاری ہوتے ہوں۔ (درمختار)

نذر کی ان دونوں صورتوں کو نذر معلق کہتے ہیں۔ نذر کی دوسری قسم ہے نذر غیر معلق کہ منت کو کسی شرط سے معلق نہیں کیا۔ بلا شرط نماز، روزہ یا حج وعمرہ کی منت مان لی تو اس صورت میں منت پوری کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، ابواب الصیام)

روزے کی نیت کے بارے میں فقہی احکام:

وَجْهُ قَوْلِهِ فِي الْخِلَافِيَّةِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَنْوِ الصِّيَامَ مِنْ اللَّيْلِ) وَلِأَنَّهُ لَمَّا فَسَدَ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ لِفَقْدِ النِّيَّةِ فَسَدَ الثَّانِي ضَرُورَةَ أَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ

بِخِلَافِ النَّفْلِ لِأَنَّهُ مُتَجَزِّءٌ عِنْدَهُ .

وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بَعْدَمَا شَهِدَ الْأَعْرَابِيُّ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ أَلَا مَنْ أَكَلَ فَلَا يَأْكُلَنَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ ، وَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ فَلْيَصُمْ) وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى نَفْيِ الْفَضِيلَةِ وَالْكَمَالِ ، أَوْ مَعْنَاهُ لَمْ يَنْوِ أَنَّهُ صَوْمٌ مِنَ اللَّيْلِ ، وَلِأَنَّهُ يَوْمُ صَوْمٍ فَيَتَوَقَّفُ الْإِمْسَاكُ فِي أَوَّلِهِ عَلَى النِّيَّةِ الْمُتَأَخِّرَةِ الْمُقْتَرِنَةِ بِأَكْثَرِهِ كَالنَّفْلِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الصَّوْمَ رُكْنٌ وَاحِدٌ مُمْتَدٌّ وَالنِّيَّةُ لِتَعْيِينِهِ لِلَّهِ تَعَالَى فَتَتَرَجَّحُ بِالْكَثْرَةِ جَنْبَةُ الْوُجُودِ بِخِلَافِ الصَّلَاةِ وَالْحَجِّ لِأَنَّ لَهُمَا أَرْكَانًا فَيُشْتَرَطُ قِرَانُهَا بِالْعَقْدِ عَلَى أَدَائِهِمَا ، وَبِخِلَافِ الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ يَتَوَقَّفُ عَلَى صَوْمِ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَهُوَ النَّفْلُ وَبِخِلَافِ مَا بَعْدَ الزَّوَالِ لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ اقْتِرَانُهَا بِالْأَكْثَرِ فَتَرَجَّحَتْ جَنْبَةُ الْفَوَاتِ ، ثُمَّ قَالَ فِي الْمُخْتَصَرِ :مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الزَّوَالِ ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ وَهُوَ الْأَصَحُّ ، لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ وُجُودِ النِّيَّةِ فِي أَكْثَرِ النَّهَارِ وَنِصْفِهِ مِنْ وَقْتِ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى وَقْتِ الضَّحْوَةِ الْكُبْرَى لَا إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ ، فَتُشْتَرَطُ النِّيَّةُ قَبْلَهَا لِتَتَحَقَّقَ فِي الْأَكْثَرِ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمُسَافِرِ وَالْمُقِيمِ عِنْدَنَا ، خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، لِأَنَّهُ لَا تَفْصِيلَ فِيمَا ذَكَرْنَا مِنَ الدَّلِيلِ .

ترجمہ:

اور اختلافی مسئلے میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس شخص کا روزہ ہی نہیں جس نے روزے کو نیت رات نہ کی ہو۔ لہٰذا جب نیت کے مفقود ہونے کی وجہ سے پہلا جز نہ پایا گیا تو دوسرا بھی مفقود ہوگیا۔ کیونکہ روزے کے اجزاء اور حصے نہیں ہوتے۔ بہ خلاف نفلی روزے کے کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کے حصے ہوسکتے ہیں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی چاند کی گواہی کے بعد آیا تو آپ نے فرمایا: سنو جس نے کچھ کھایا ہے تو وہ بقیہ دن میں کچھ نہ کھائے اور جس نے کچھ نہیں کھایا تو وہ روزے رکھے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث فضیلت وکمال کی نفی پر محمول کی گئی ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے یہ نیت نہ کی ہو کہ یہ روزہ رات سے ہے کیونکہ یہ دن کا روزہ ہے۔ لہٰذا دن کے اول میں جو رکنا ہے وہ موخر کی نیت کے ساتھ موقوف رہے گا۔ جو دن کے اکثر حصہ سے ملی ہوئی ہے۔ جس طرح نفل ہے کیونکہ روزے ایسا واحد رکن ہے جو امتداد (وقت میں اپنی ذات کو کھینچے والا) ہے۔ جبکہ نیت اللہ تعالیٰ کیلئے متعین کرنے کیلئے ہے۔ لہٰذا اکثر حصے کے ساتھ جانب وجودی کو ترجیح ہوگی بہ خلاف نماز اور حج کے کیونکہ ان دونوں کے کئی ارکان ہیں۔ پس نیت کا اسی عقد کے ساتھ

اتصال شرط ہے۔ جو ان دونوں کی ادائیگی کیلئے کیا گیا ہے۔ بہ خلاف رمضان کے روزے کی قضاء کے کیونکہ وہ اسی دن کے ساتھ موقوف ہے۔ اور وہ نفل ہے بہ خلاف زوال کے بعد والے روزے کے کیونکہ نیت کا ملا ہوا ہونا دن کے اکثر حصے میں نہیں پایا گیا۔ لہٰذا فوت ہونے والی جہت کو ترجیح ہوگی۔

اس کے بعد صاحب قدوری کا قول ''مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الزَّوَالِ'' جبکہ جامع صغیر میں ''قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ'' کہا گیا ہے اور سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ دن کے اکثر حصے میں نیت کا پایا جانا لازم ہے۔ جبکہ شرعی طور پر نصف دن طلوع فجر سے بڑھی ہوئی (چاشت کی) روشنی تک ہے نہ کہ وقت زوال تک ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے ہی نیت کا کرنا شرط ہے۔ تا کہ نیت دن کے اکثر حصے میں ثابت ہوجائے۔ اور مسافر و مقیم دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے کیونکہ ہماری بیان کردہ دلیل میں کہیں تفصیل نہیں ہے۔

نیت روزہ کے بارے مذاہب اربعہ کا بیان:

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص روزے کی نیت فجر سے پہلے نہ کرے تو اس کا روزہ کامل نہیں ہوتا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں معمر، زبیدی ابن عیینہ اور یونس ایلی ان تمام نے اس روایت کو زہری سے نقل کیا ہے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر موقوف کیا ہے یعنی اس حدیث کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا قول کہا ہے۔

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر روزہ کی نیت رات ہی سے نہ کی جائے تو روزہ درست نہیں ہوتا خواہ روزہ فرض ہو یا واجب ہو یا نفل۔ لیکن اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہی مسلک ہے کہ روزہ میں نیت رات ہی سے کرنی شرط ہے خواہ روزہ کسی نوعیت کا ہو، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا بھی یہی قول ہے لیکن نفل کے معاملے میں ان دونوں کے یہاں اتنا فرق ہے کہ اگر روزہ نفل ہو تو امام احمد کے ہاں زوال سے پہلے بھی نیت کی جاسکتی ہے اور امام شافعی کے نزدیک آفتاب غروب ہونے سے پہلے تک بھی نیت کر لینی جائز ہے۔ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ رمضان نفل اور نذر معین کے روزہ میں آدھے دن شرعی یعنی زوال آفتاب سے پہلے پہلے نیت کر لینی جائز ہے لیکن قضاء کفارہ اور نذر مطلق میں حنفیہ کے یہاں بھی رات ہی سے نیت کرنی شرط ہے ان تمام حضرات کی دلیلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

رمضان المبارک کے روزے کی نیت فجر سے قبل رات کو کرنی واجب ہے بغیر نیت کیے دن کو روزہ کفائت نہیں کرے گا، لہٰذا جس شخص کو چاشت کے وقت یہ علم ہوا کہ آج تو رمضان کی یکم تاریخ ہے اور اس نے روزہ رکھنے کی نیت کر لی تو غروب آفتاب تک اسے بغیر کھائے پیئے رہنا ہوگا، اور اس پر اس دن کی قضاء ہوگی، اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے فجر سے قبل روزے کی نیت نہ کی تو اس کا روزہ نہیں ہے "

اسے امام احمد اور اصحاب سنن اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے مرفوعا اور صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے .

یہ تو فرضی روزہ کے متعلق ہے، لیکن نفلی روزہ میں دن کے وقت روزہ کی نیت کرنی جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اگر اس نے فجر کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو اور نہ ہی جماع کیا ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے .

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن چاشت کے وقت گھر میں آئے اور فرمایا : کیا تمہارے پاس کچھ (کھانے کو) ہے؟

تو عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب دیا : نہیں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " : پھر میں روزے سے ہوں "

اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں روایت کیا ہے۔

فقہ حنفی کے مطابق رات کی روزے کی نیت کرنا ضروری نہیں:

امام ابوداؤد شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔، حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب میرے پاس تشریف لائے تو پوچھا کیا تمہارے پاس کھانا ہے؟ اگر ہم کہتے نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے میں روزہ سے ہوں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے ہم نے کہا یارسول اللہ ہمارے پاس تحفہ میں حیس (ایک قسم کا کھانا) یا ہے جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایالا۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ صبح میں روزہ کی نیت کر چکے تھے اور کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ توڑ ڈالا۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الصوم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کو روزے کی نیت ضروری نہیں ہے۔

معین واجب متعلق نیت کے ساتھ کافی ہے:

وَهَـذَا الـضَّـرْبُ مِـنْ الـصَّـوْمِ يَتَأَدَّى بِمُطْلَقِ النِّيَّةِ وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ وَبِنِيَّةِ وَاجِبٍ آخَرَ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :فِـى نِيَّةِ الـنَّفْلِ عَابِثٌ ، وَفِى مُطْلَقِهَا لَهُ قَوْلَانِ ;لِأَنَّـهُ بِنِيَّةِ النَّفْلِ مُعْرِضٌ عَنْ الْفَرْضِ فَلَا يَكُونُ لَهُ الْفَرْضُ .

وَلَـنَـا أَنَّ الْـفَـرْضَ مُتَـعَيِّنٌ فِيهِ ، فَيُصَابُ بِأَصْلِ النِّيَّةِ كَالْمُتَوَحِّدِ فِي الدَّارِ يُصَابُ بِاسْمِ جِنْسِهِ ، وَإِذَا نَوَى النَّفَلَ أَوْ وَاجِبًا آخَرَ فَقَدْ نَوَى أَصْلَ الصَّوْمِ وَزِيَادَةَ جِهَةٍ ، وَقَدْ لَغَتْ الْجِهَةُ فَبَقِيَ الْأَصْلُ وَهُوَ كَافٍ .

ترجمہ:

اور یہ روزے کی وہ قسم ہے جو مطلق نیت اور نفلی نیت اور دوسرے واجب کی نیت کے ساتھ کافی ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ

الرحمہ نے فرمایا: کہ نفلی روزے کی نیت فضول ہے۔ اور مطلق نیت میں ان کے دو اقوال ہیں۔ کیونکہ نفل کی نیت والا فرض سے اعراض کرنے والا ہے لہٰذا اس کیلئے فرض نہ ہوگا۔

اور ہمارے نزدیک فرض اسی وقت میں معین ہو چکا لہٰذا اس کو اصل نیت تک پہنچایا جائے گا۔ جس طرح گھر میں ایک آدمی کو اسم جنس مراد لیا جاتا ہے۔ اور جس وقت اس نے نفلی روزے یا دوسرے کسی واجب کی نیت کی تو یقیناً اس نے اصلی روزے کی نیت کی اور جہت زائدہ (اس نفلی یا دوسرے روزے کی نیت) جو اس کی ہے وہ لغو ہو جائے گی۔ پس اصل روزہ باقی رہا اور وہی کافی ہے۔

روزے کی نیت کے تعین میں فقہ شافعی و حنفی کے اختلاف کا بیان:

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نفلی روزہ مطلق نیت کے ساتھ جائز ہے اور واجب روزے کیلئے نیت ضروری ہے وہ نیت کے بغیر جائز نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ فرض ہے اور اس کی ادائیگی تعیین نیت کے بغیر نہ ہوگی۔ لہٰذا کفارے، نذر وغیرہ کے روزوں کیلئے نیت کا تعین ضروری ہے کیونکہ وہ بغیر نیت کے جائز نہیں ہیں۔ اور ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ روزے کی اصل میں نیت صفت زائدہ ہے لہٰذا نیت اس کے ثواب کے ساتھ متعلق ہوگی۔ لہٰذا نیت ضروری ہوئی کیونکہ وہ فرض کی نیت ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے""" تم میں سے جو رمضان کا مہینہ پائے تو اس کا روزہ رکھے۔ اس آیت میں شہود رمضان کا وجود انسان کو نیت سے بری کر دیتا ہے کیونکہ امساک اللہ کیلئے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس شخص کو امساک کو روزے کی طرف پھیرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ یہ وہی روزہ ہے۔ (یعنی جس کا اس مہینے میں حکم دیا گیا ہے)

اسی طرح دوسری دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر بندے کیلئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی (بخاری) لہٰذا یہاں اس شخص کا امساک اللہ تعالی کیلئے ہوگا۔ اور اس سے مراد رمضان کا روزہ ہوگا۔ کیونکہ اگر کوئی اور روزہ مراد لیا جائے تو یہ خلاف نص ہوگا (کیونکہ نص اسی مہینے کے وقت میں رمضان المبارک کے روزے کے بارے میں بیان ہو چکی ہے)۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ جب اس مہینے میں ایک وقت معین کے اندر ایک معین روزے کا حکم شریعت نے بیان کر دیا ہے تو اس کی اقسام نہیں ہوں گی بلکہ اس سے مراد صرف رمضان کا روزہ ہی معین ہوگا۔ جبکہ کفارات اور نذر وغیرہ جیسے واجب روزہ کیلئے کسی وقت کا تعین نہیں ہوتا لہٰذا ان کیلئے نیت کا تعین ضروری ہوا کیونکہ وہ وقت سے خالی ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب روزے رمضان کے مہینے کے سوا میں ہوں تو محتاج نیت ہوتے ہیں کیونکہ ان کی تعیین ضروری ہوتی ہے۔

(بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۸۳، بیروت)

صاحبین کے نزدیک مسافر و مقیم کے عدم فرق کا بیان:

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمُسَافِرِ وَالْمُقِيمِ وَالصَّحِيحِ وَالسَّقِيمِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا

اللّٰہُ ، لِأَنَّ الرُّخْصَةَ كَيْ لَا تَلْزَمَ الْمَعْذُورَ مَشَقَّةٌ فَإِذَا تَحَمَّلَهَا الْتُحِقَ بِغَيْرِ الْمَعْذُورِ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : إِذَا صَامَ الْمَرِيضُ وَالْمُسَافِرُ بِنِيَّةِ وَاجِبٍ آخَرَ يَقَعُ عَنْهُ لِأَنَّهُ شَغَلَ الْوَقْتَ بِالْأَهَمِّ لِتَحَتُّمِهِ لِلْحَالِ وَتَخَيُّرِهِ فِي صَوْمِ رَمَضَانَ إِلَى إِدْرَاكِ الْعِدَّةِ . وَعَنْهُ فِي نِيَّةِ التَّطَوُّعِ رِوَايَتَانِ ، وَالْفَرْقُ عَلَى إِحْدَاهُمَا أَنَّهُ مَا صَرَفَ الْوَقْتَ إِلَى الْأَهَمِّ .

ترجمہ:

اور صاحبین کے نزدیک مسافر، مقیم اور تندرست کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا لزوم اس لئے تھا کہ معذور کو مشقت نہ اٹھانی پڑے۔ لہٰذا جب اس نے مشقت کو اٹھالیا تو پھر اسے بھی غیر معذور کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مسافر و مریض نے جب دوسرے واجب کی نیت ساتھ روزہ رکھا تو اس کا وہ دوسرا واجب ہی شمار ہوگا۔ کیونکہ اس نے وقت کو ایک مقصد کیلئے مصروف کیا ہے۔ کیونکہ اس کی اس حالت میں دوسرا واجب ہی ضروری ہے۔ اور رمضان کے روزے میں عدت پانے تک اس کیلئے اختیار ہے۔ اور نفلی روزے کی نیت کے بارے میں حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے دو روایات ہیں اور ان دونوں میں سے ایک کا فرق یہ ہے کہ اس نے وقت کو اہم مقصد کی طرف مصروف نہیں کیا۔

مسافر و مریض کی حالت رخصت میں غیر رمضان کے روزے کا اختلاف:

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے مریض و مسافر کے روزے کے بارے میں جو مؤقف اختیار کیا ہے دو محقق علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے جو شمس الائمہ اور امام فخر الاسلام ہیں انہوں نے کہا ہے کہ اگر کسی مریض نے کسی دوسرے واجب کی نیت کی تو صحیح ہے۔ کیونکہ رمضان کے روزے کا وقوع صحیح ہے۔ البتہ اس میں افطار کا حکم عجز کی وجہ سے تھا۔ کہ وہ ادائے صوم سے عاجز تھا۔ جب اسے قدرت حاصل ہوئی تو روزے رکھنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پس وہ روزہ رکھنے میں برابر ہے (خواہ وہ رمضان کا ہو یا غیر رمضان کا ہو) بہ خلاف مسافر کے کیونکہ اس میں رخصت سے عجز سے متعلق ہے۔ تو یہاں پر روزہ رکھنے کی اباحت اس طرح ہوگی کہ سفر اس عجز کے قائم مقام ہوگا۔ لہٰذا وہ کسی دوسرے واجب کا روزہ رکھ سکتا ہے۔

صاحب الیضاح نے کہا ہے ہمارے بعض فقہاء احناف نے مریض و مسافر کے درمیان فرق کیا ہے جبکہ ان کا فرق کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ دونوں برابر ہیں اور یہی قول امام کرخی علیہ الرحمہ کا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے اس بارے میں دو روایات ہیں کہ جس بندے نفل کی نیت کی تو آپ علیہ الرحمہ سے ابن سماعہ نے روایت کی ہے کہ وہ فرض روزہ ہوگا کیونکہ وقت کو اہم مقصد کی طرف پھیرا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے واجب ساقط ہو جائے۔ اور ثواب میں فرض سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت امام حسن علیہ الرحمہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ بیان کی ہے۔ کہ اس کا نفلی روزہ ہوگا جس کی اس

نے نیت کی ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں رمضان اسی طرح ہے جس مقیم کے حق میں شعبان ہوتا ہے۔ اور اگر وہ شعبان میں نفل کی نیت کرے یا واجب کی نیت کرے تو وہی واقع ہوگا۔

علامہ ناطفی حنفی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ مسافر و مریض دونوں برابر ہیں۔ البتہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نادر روایت کے مطابق مریض سے نفلی روزہ صحیح ہے۔ (عنایہ شرح الهدایہ، ج ۳، ص ۲۶۳، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بہر حال مریض جب کسی دوسرے واجب کی نیت کرے تو امام حسن علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق وہ مسافر کی طرح ہے۔ اسی روایت کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے۔ اور اکثر مشائخ بخارہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ مرض کا تعلق زیادت مرض کے ساتھ ہے نہ کہ عجز کی حقیقت کے ساتھ ہے جس طرح مسافر کے حق میں عجز مقدر ہے فخر الاسلام اور شمس الائمہ نے کہا ہے کہ اس پر وہی واقع ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہے۔ کیونکہ رخصت حقیقت عجز کے ساتھ متعلق ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے ظاہر الروایت کے خلاف کہا ہے۔

شیخ عبد العزیز علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ بات بہ اجماع واضح ہوگئی کہ رخصت نفس مرض کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ اس کی اقسام ہیں۔ بعض اقسام وہ ہیں جو نقصان دہ ہیں جس طرح بخار وغیرہ ہیں اور بعض امراض غیر نقصان دہ ہیں جس طرح ہاضمہ وغیرہ کا خراب ہونا ہے۔ جبکہ رخصت حرج کو دور کرنے کیلئے ہے لہٰذا وہ پہلی قسم کے ساتھ متعلق ہوگی یعنی جس میں مرض کی زیادتی کا خوف ہو۔ جبکہ عجز حقیقی جو حرج کو دور کرنے کیلئے ہوتا ہے اس میں عجز کی شرط نہیں ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ جب مریض نے روزہ رکھا اور ہلاک نہیں ہوا تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ عاجز نہیں ہے لہٰذا اس کیلئے رخصت ثابت نہ ہوئی تو اس کا روزہ وقتی فرض والا ہوگا۔ (فتح القدیر، ج ۴، ص ۲۸۵، بیروت)

مسافر کا دوسرا روزہ رکھنے میں مذاہب اربعہ:

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسافر نے جب کسی دوسرے واجب کا روزہ کا رکھا یا کسی نفل کا روزہ رکھا تو اس روزہ وہی ہوگا۔ جبکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک دوسرے روزے کی نیت فضول جائے گی اور اس کا روزہ وہی رمضان کا روزہ ہوگا۔ کیونکہ وہی اصلی روزہ ہے۔ (بنایہ شرح ہدایہ، ج ۴، ص ۲۵۶، حقانیہ ملتان)

اہل تشیع کے نزدیک مریض کا روزہ:

اگر مریض، ماہ رمضان میں دن کے وقت ٹھیک ہو جائے تو واجب نہیں ہے کہ روزہ کی نیت کرے اور اس دن کا روزہ رکھے لیکن اگر ظہر سے پہلے ٹھیک ہو گیا ہے اور روزہ کو باطل کرنے والا کوئی کام بھی انجام نہیں دیا ہے تو احتیاط مستحب یہ ہے کہ نیت کر لے اور روزہ رکھے لیکن ماہ رمضان کے بعد اس دن کی قضاء بھی کرنا چاہے۔ (آیت اللہ اعظمی، روزے کے مسائل)

روزے کی دوسری قسم واجب کا بیان:

قَالَ (وَالضَّرْبُ الثَّانِی مَا يَثْبُتُ فِی الذِّمَّةِ كَقَضَاءِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُطْلَقِ وَصَوْمِ الْكَفَّارَةِ فَلَا يَجُوزُ إلَّا بِنِيَّةٍ مِنْ اللَّيْلِ) لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَيِّنٍ فَلَا بُدَّ مِنْ التَّعْيِينِ مِنْ الِابْتِدَاءِ (وَالنَّفَلُ كُلُّهُ يَجُوزُ بِنِيَّةٍ قَبْلَ الزَّوَالِ) خِلَافًا لِمَالِكٍ ، فَإِنَّهُ يَتَمَسَّكُ بِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا .

وَلَنَا (قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا كَانَ يُصْبِحُ غَيْرَ صَائِمٍ إنِّی إذًا لَصَائِمٌ) وَلِأَنَّ الْمَشْرُوعَ خَارِجَ رَمَضَانَ هُوَ نَفْلٌ فَيَتَوَقَّفُ الْإِمْسَاكُ فِی أَوَّلِ الْيَوْمِ عَلَى صَيْرُورَتِهِ صَوْمًا بِالنِّيَّةِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا ، وَلَوْ نَوَى بَعْدَ الزَّوَالِ لَا يَجُوزُ .

وَقَالَ الشَّافِعِیُّ :يَجُوزُ وَيَصِيرُ صَائِمًا مِنْ حِينِ نَوَى إذْ هُوَ مُتَجَزِّءٌ عِنْدَهُ لِكَوْنِهِ مَبْنِيًّا عَلَى النَّشَاطِ ، وَلَعَلَّهُ يَنْشَطُ بَعْدَ الزَّوَالِ إلَّا أَنَّ مِنْ شَرْطِهِ الْإِمْسَاكَ فِی أَوَّلِ النَّهَارِ ، وَعِنْدَنَا يَصِيرُ صَائِمًا مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ لِأَنَّهُ عِبَادَةُ قَهْرِ النَّفْسِ ، وَهِیَ إنَّمَا تَتَحَقَّقُ بِإِمْسَاكٍ مُقَدَّرٍ فَيُعْتَبَرُ قِرَانُ النِّيَّةِ بِأَكْثَرِهِ .

ترجمہ:

اور روزے کی دوسری قسم وہ ہے کسی شخص کے ذمہ پر واجب ہے۔جس طرح رمضان کے روزوں کی قضاء اور کفارے کے روزے ہیں۔لہٰذا یہ روزہ جائز نہیں مگر جب وہ رات کو ہی اس کی نیت کرلے۔ کیونکہ یہ غیر معین روزہ ہے لہٰذا ابتداء میں اس روزے کی تعیین ضروری ہے جبکہ نفلی روزہ خواہ وہ کسی بھی طرح کا ہو اس کی نیت زوال سے پہلے پہلے جائز ہے۔جبکہ اس میں حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔ کیونکہ وہ اس حدیث کے مطلق ہونے سے استدلال کرتے ہیں ہم نے روایت کی ہے۔کہ نبی کریم ﷺ نے روزے کے بغیر صبح کرنے کے بعد فرمایا: کہ میں اب میں روزے دار ہوں اور یہ دلیل بھی کہ اس کی مشروعیت رمضان کے سوا نفل میں ہے۔اور یہ دلیل بھی ہے دن کے اول حصے میں رکنے والا ہو جانا نیت پر موقوف ہے۔اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔اور اگر اس نے زوال کے بعد نیت تو جائز نہیں ہے جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جائز ہے۔اور اس کا روزہ اسی وقت سے شمار ہوگا جب اس نے نیت کی ہے ۔ کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک نفلی روزے حصوں میں تقسم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نفلی روزہ نشاط (نئی بنیاد) پر مبنی ہے۔ کیونکہ ممکن ہو اس کیلئے وقت زوال کے نشاط ہو لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ دن کے اول حصے میں رکنے والا ہو۔ جبکہ ہمارے نزدیک دن کے حصے میں امساک کی وجہ سے ہی روزے دار ہو جائے گا۔اس لئے نفس کو مغلوب کرنے والی عبادت یہی ہے اور یہ عبادت امساک سے ثابت ہو جاتی ہے۔لہٰذا دن کے اکثر حصے کے ساتھ نیت کے اقتران کا اعتبار

کیا جائے گا۔

نذر شرعی کی شرائط کا بیان:

نذر یا شرعی منت جس کے ماننے سے شرعاً اس کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے۔اس کے لیے مطلقاً چند شرطیں ہیں :

۱۔ایسی چیز کی منت ہو کہ اس کی جنس سے کوئی چیز شرعاً واجب ہو۔لہٰذا عیادت مریض اور مسجد میں جانے اور جنازے کے ساتھ جانے کی منت نہیں ہو سکتی۔

۲۔وہ عبادت خود مقصود بالذات ہو کسی دوسری عبادت کے لیے وسیلہ نہ ہو لہٰذا وضو غسل کی منت صحیح نہیں۔

۳۔اس چیز کی منت نہ ہو جو شرع نے خود اس پر واجب کی ہے۔خواہ فی الحال یا آئندہ لہٰذا آج کی ظہر یا کسی فرض نماز کی منت صحیح نہیں کہ یہ چیزیں تو خود ہی واجب ہیں۔

۴۔جس چیز کی منت مانی ہو وہ خود اپنی ذات سے کوئی گناہ کی بات نہ ہو۔اور اگر کسی اور وجہ سے گناہ ہو تو منت صحیح ہو جائے گی۔مثلاً عید کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔اگر اس کی منت مانی تو منت ہو جائے گی۔

۵۔اگرچہ حکم یہ ہے کہ اس دن نہ رکھے بلکہ کسی دوسرے دن رکھے کہ یہ منت عارضی ہے۔یعنی عید کے دن ہونے کی وجہ سے خود روزہ ایک جائز چیز ہے۔

۶۔ایسی چیز کی منت نہ ہو جس کا ہونا محال ہو۔مثلاً یہ منت مانی کہ کل گذشتہ میں روز رکھوں گا کہ یہ منت صحیح نہیں۔(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصوم)

ہر واجب روزہ میں نیت ضروری ہے جیسے قضا یا کفارہ کے روزے:

حدیث میں ہے۔

من لم يبيت الصيام من الليل فلا صيام له (سنن نسائی (:اس شخص کا روزہ نہیں جس نے رات ہی سے روزہ کی نیت نہ کی ہو۔

رات میں کسی بھی وقت نیت کی جاسکتی ہے خواہ فجر سے ایک منٹ پہلے ہی کیوں نہ ہو۔نیت کسی کام کے کرنے کے لئے دل کے عزم کا نام ہے،

جسے علم ہو کہ کل رمضان ہے اور اس نے روزہ کا ارادہ کرلیا تو یہ اس کی نیت ہوگئی ،اور جس نے دن میں روزہ چھوڑنے کی نیت کی اور روزہ نہ چھوڑا، تو راجح قول کے مطابق اس کا روزہ صحیح ہے، جیسے کسی نے نماز میں بات کرنے کا ارادہ کیا اور بات نہیں کی۔بعض اہل علم کا خیال ہے کہ صرف روزہ توڑنے کی نیت کی بنیاد پر ہی وہ مُفطر مانا جائے گا لہٰذا اس روزہ کی قضا کرلے تو بہتر ہے۔مرتد ہو جانے سے نیت باطل ہو جاتی ہے اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔

رمضان میں روزے رکھنے والا روزانہ تجدید نیت کا پابند نہیں، بلکہ مہینہ کے شروع میں نیت کرلے تو کافی ہے۔ سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ کی نیت چھوڑ کر افطار کرلے، تو پھر عذر ختم ہوجانے کے بعد تجدید نیت ضروری ہے۔

مطلق نفلی روزہ کے لئے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے، حضرت عائشہ کی حدیث ہے، فرماتی ہیں :دخل علی رسول اللہ! ﷺ ذات یوم فقال :هل عندکم شیء؟ فقلنا :لا، قال :فإني إذًا صائم (صحیح مسلم :،مسند احمد ج۶،ص۲۰۷ ،بیروت)

ہمارے پاس رسول اللہ 1 ایک روز تشریف لائے اور فرمایا : کیا کھانے کے لئے کوئی چیز ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا : پھر میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔

اگر کوئی خاص نفلی روزہ جیسے عرفہ یا عاشورا کا روزہ ہو تو رات ہی سے نیت کرلینا بہتر ہے۔

جس شخص نے واجب روزہ رکھا جیسے قضا، نذر یا کفارہ کا روزہ تو اسے چاہئے کہ اسے پورا کرے۔ بغیر عذر کے روزہ توڑنا جائز نہیں البتہ نفلی روزے کے بارے میں حکم رسول ﷺ ہے :

الصائم المتطوع امیر نفسه إن شاء صام وإن شاء افطر (مسند احمد، ج۶، ص۳۴۱، بیروت)

نفلی روزہ رکھنے والا خود مختار ہے، چاہے تو پورا کرے یا روزہ توڑ دے۔

لوگوں کیلئے چاند دیکھنے کا حکم:

قَالَ (وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ أَنْ يَلْتَمِسُوا الْهِلَالَ فِي الْيَوْمِ التَّاسِعِ وَالْعِشْرِينَ مِنْ شَعْبَانَ ، فَإِنْ رَأَوْهُ صَامُوا ، وَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِمْ أَكْمَلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا ثُمَّ صَامُوا) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ الْهِلَالُ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا) وَلِأَنَّ الْأَصْلَ بَقَاءُ الشَّهْرِ فَلَا يُنْقَلُ عَنْهُ إلَّا بِدَلِيلٍ وَلَمْ يُوجَدْ .

ترجمہ:

فرمایا: لوگوں کیلئے مناسب ہوگا کہ وہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند کو تلاش کریں۔ پس اگر وہ دیکھیں تو روزہ رکھیں۔ اور ان پر اشتباہ ہو تو وہ شعبان کے تیس دن مکمل کریں پھر روزہ رکھیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اس کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اس کو دیکھ کر افطار کرو۔ اور اگر وہ تم پر مشتبہ ہو تو شعبان کے تین دن پورے کرو۔ کیونکہ اصل مہینے کی بقاء ہے لہٰذا وہ منتقل نہیں ہوتی مگر دلیل کے ساتھ اور دلیل یہاں نہیں پائی جا رہی۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ چاند دیکھ کر

روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے بند کردو اگر بادل ہوں تو تیس دن پورے کرلو۔ (سنن نسائی، کتاب الصوم)

چاند دیکھ کر روزہ رکھنا چاہئے:

حضرت ابوالبختری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ عمرہ کرنے کی غرض سے اپنے شہر کوفہ سے نکلے جب ہم لوگ بطن نخلہ میں جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے ٹھہرے تو چاند دیکھنے کے لیے ایک جگہ جمع ہوئے چاند دیکھنے کے بعد بعض لوگوں نے کہا کہ یہ چاند تیسری شب کا ہے اور دوسرے بعض لوگوں نے کہا کہ دوسری شب کا ہے اس کے بعد جب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہماری ملاقات ہوئی تو ہم نے اس سے لوگوں کا بیان عرض کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے چاند کس رات دیکھا تھا؟ ہم نے کہا کہ ایسی اور ایسی رات (یعنی مثلاً پیر یا منگل کی رات) میں دیکھا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کی مدت کو چاند دیکھنے پر موقوف کیا ہے (یعنی جب چاند دیکھا جائے گا تو رمضان کی ابتداء ہوگی) لہٰذا چاند اسی رات کا ہے کہ جس رات میں تم نے اسے دیکھا ہے۔

ابوالبختری ہی کی ایک روایت یوں ہے کہ ہم نے ذات عرق میں کہ جو مذکورہ بالا بطن نخلہ کے قریب ایک مقام ہے چاند دیکھا، چنانچہ ہم نے ایک شخص کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان سے یہ پوچھنے کے لیے بھیجا کہ یہ چاند کس رات کا ہے؟ کیونکہ ہمارے درمیان مذکورہ بالا اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شعبان کی مدت کو رمضان کا چاند دیکھنے کے وقت تک دراز کیا ہے۔ لہٰذا اگر انتیس تاریخ کو مطلع ابر آلود ہو تو گنتی پوری کرو۔ (یعنی شعبان کے تیس دن پورے کرو) اور اس کے بعد روزہ رکھو۔ (مسلم)

حاصل یہ ہے کہ رمضان کا مدار چاند دیکھنے پر ہے چاند کے بڑا ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ منقول ہے کہ چاند رات میں چاند کا بڑا ہونا قرب قیامت کی علامت ہے۔ یہاں جو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ وہ اگرچہ بظاہر مختلف معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت اس احتمال کے پیش نظر ان میں کوئی منافات نہیں ہے کہ ان لوگوں نے ذات عرق میں جمع ہو کر چاند دیکھا ہو پھر ان میں اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا گیا ہو۔ انہوں نے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرمادیا پھر جب سب لوگ بطن نخلہ میں پہنچے تو اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بالمشافہ سوال کیا چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کی روشنی میں مذکورہ بالا جواب دیا، چاند دیکھنے کے بارے میں کچھ مسائل ذہن نشین کر لیجئے۔

اگر شعبان کی تیس تاریخ کو دن میں زوال سے پہلے یا زوال کے بعد چاند نظر آئے تو وہ شب آئندہ کا چاند سمجھا جائے گا لہٰذا اس دن نہ رمضان کی ابتداء کا حکم دیا جائے گا۔ اور نہ اس دن روزہ رکھنے کے لیے کہا جائے گا اسی طرح اگر رمضان کی تیس تاریخ کو چاند نظر آئے تو نہ اس دن روزہ افطار کیا جائے گا اور نہ اس دن کو یوم عید قرار دیا جائے گا۔ شعبان کی تیسویں شب یعنی انتیس تاریخ کو

چاند تلاش کرنا واجب علی الکفایہ ہے۔ اگر کسی ایک جگہ چاند کی رویت ثابت ہو جائے تو تمام جگہوں کے لوگوں کو اگلے روز روزہ رکھنا واجب ہوگا اس سلسلے میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہوگا۔

مثلاً اگر دہلی میں جمعہ کی شب میں چاند کی رویت ہو جائے اور دوسرے شہروں میں ہفتہ کی شب میں چاند دیکھا جائے تو ہفتہ کی شب میں چاند دیکھنے کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ تمام شہروں میں دہلی کی رویت معتبر ہوگی اور سب جگہ جمعہ کے روز سے روزہ رکھنا لازم ہو گا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری روایت یہی ہے اور حنفیہ کے جمہور علماء کا اسی پر اعتماد و فتویٰ ہے جب کہ امام شافع اور امام احمد کے مسلک میں اختلاف مطالع کا اعتبار ہے ان حضرات کے ہاں ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں کے لیے کافی نہیں ہے۔

جس شخص نے رمضان کا چاند دیکھا ہو اور اس کی شہادت و خبر کسی وجہ سے قابل قبول نہ ہو تو خود اس کو اپنی رویت کے مطابق روزہ رکھنا چاہیے اگر وہ خود بھی روزہ نہیں رکھے گا تو اس پر قضا لازم آئے گی۔

مسافت میں بُعد کی تعریف:

بُعد کی تعریف کیا ہے، اس میں بھی ائمہ کے کئی اقوال ہیں۔

بعض نے مطالع کے اختلاف کو بُعد کی بنیاد قرار دیا ہے یعنی جن بلاد کے مطالع میں اختلاف ہے، وہ ایک دوسرے سے دور شمار ہوں گے۔ عراقی علما کے نزدیک بُعد کی یہ تعریف بھی قابل اعتماد ہے۔ امام نووی نے بھی روضہ میں اس تعریف کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔

بُعد کی تعریف میں دوسرا قول یہ ہے کہ مسافتِ قصر تک جتنے بلاد ہیں وہ ایک دوسرے کے قریب ہیں اور جو اس حد مسافت سے باہر ہیں، ان پر بُعد کا اطلاق ہوتا ہے۔ یعنی وہ ایک دوسرے سے دور شمار ہوں گے، یہ قول امام بغوی کا ہے۔ رافعی نے صغیر میں اس کو صحیح کہا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

جغرافیائی اور علم ہیئت کا نظریہ:

جغرافیائی لحاظ سے زمین کی حد بندی سے رویتِ ہلال کا کوئی تعلق نہیں، جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ایک ملک کی رویت دوسرے ملک کے لئے یا ایک بلد کی رویت دوسرے بلاد کے لئے معتبر ہے یا نہیں؟ البتہ یہ حقیقت ہے کہ زمین کا جو حصہ طلوعِ ہلال کے وقت اس کے سامنے ہوگا، اس تمام حصہ میں رویتِ ہلال کا تصور ہوگا، اس علاقہ میں ایک ملک شامل ہو یا زیادہ، ایک بلد ہو یا زیادہ بلاد ہوں۔ ان سب کا مطلع ایک شمار ہوگا۔ ملکوں کے مختلف ہونے یا مسافتِ قصر وغیرہ کی حد بندی کرنا شریعت اور عقل کی رو سے درست نہیں۔

علم ہیئت اور جغرافیہ دان حضرات نے اپنے تجربہ کی بنا پر کہا ہے کہ

غروبِ آفتاب کے وقت چاند اگر کسی بلد میں آٹھ درجے بلند ہے تو غروبِ آفتاب کے بعد تیس منٹ تک رہے گا تو ایسا چاند مشرقی علاقہ میں پانسو ساٹھ میل تک ضروری موجود ہوگا۔

اسی طرح ان کا کہنا ہے کہ جس بلد میں چاند آٹھ درجے بلند ہو، اس بلد سے جو بلد ستر میل مشرق میں ہے، وہ سات درجے پر ہوگا اور جو بلد اس بلد سے مغرب میں ہے وہاں چاند نو درجے پر ہوگا۔ جب ایک بلد میں چاند نظر آجائے تو اس کے قریب جتنے بلاد ہیں، ان میں چاند طلوع ہو چکا ہے۔ یہ بات علم ہیئت کی مسلمات میں سے ہے اور اس بلد کے مشرق کی جانب پانچ سو ساٹھ میل تک طلوعِ ہلال کا اعتبار ہوگا لیکن مغربی بلاد میں رویئت ہلال کا مطلق اعتبار ہوگا۔

اختلاف مطالع کے دلائل کا بیان:

حضرت کریب تابعی سے روایت ہے کہ اُمّ الفضل نے مجھے معاویہ کی طرف ملک شام میں (کسی کام کے لئے) بھیجا، میں نے اس کام کو سرانجام دیا۔ میں ابھی شام میں ہی تھا کہ رمضان کا چاند نظر آگیا اور جمعہ کی رات کو میں نے خود چاند دیکھا۔ پھر مہینہ کے آخر میں مدینہ واپس آیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ نے مجھ سے (وہاں کا حال) پوچھا۔ اس کے بعد انہوں نے چاند کا ذکر کیا۔ میں نے کہا کہ ہم نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا ہے۔ پوچھا: کیا تو نے خود دیکھا ہے، میں نے کہا: ہاں میں نے خود دیکھا ہے اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا ہے؟ انہوں نے روزہ رکھا اور معاویہ نے بھی روزہ رکھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم نے تو ہفتہ کی رات چاند دیکھا ہے لہٰذا ہم تو روزہ رکھیں گے حتیٰ کہ تیس روزے پورے ہو جائیں یا اس سے پہلے چاند دیکھ لیں۔ میں نے کہا کہ آپ معاویہ کی رویئت اور ان کے روزوں پر اکتفا نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں کیونکہ رسول خدا علیہ صلی اللہ نے ہم کو اس طرح حکم دیا ہے۔ (صحیح سنن الترمذی: رقم)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے لکھا ہے

هذا بظاهره يدل على أن لكل بلد رؤيتهم ولا تكفى روية أهل بلد لأهل بلد اٰخر

(تحفۃ الاحوذی)

یہ حدیث بظاہر دلالت کرتی ہے کہ ہر علاقہ کے لئے ان کے باشندگان کی روایت ہے، اہل بلد کی رویئت دوسرے اہل علاقہ کے لئے کفایت نہیں کرتی۔

بعض ائمہ نے کریب کی اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ رویئت کے بارے میں ایک شہادت معتبر نہیں، اسی لئے تو ابن عباس نے کریب کی شہادت پر عمل نہیں کیا مگر ان کا یہ استدلال اس لئے درست نہیں کہ حدیث سے جو بات مترشح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ رویئت کا حکم بعید کے حق میں ثابت نہیں ہوتا۔ اس بنا پر ابن عباس نے کریب کی شہادت کو قبول نہیں کیا۔

حدیثِ کریب اور مختلف مذاہب:

ایک شہر کی رویئت دوسرے شہر کے لئے معتبر نہیں (نووی (اس بارے میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس میں علماء کے مختلف مذاہب ہیں۔ ہر بلد کی رویئت انہی کے لئے ہے جو وہاں کے باشندے ہیں، دوسرے بلد کے لئے نہیں ہے۔ جب ایک بلد میں چاند نظر آجائے تو اس کی رویئت تمام بلاد کے لئے لازم ہوتی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ مشہور مذہب ہے۔ ملک مختلف ہیں تو ایک ملک کی رویئت دوسرے ملک کے لئے کافی نہیں۔ جن شہروں میں چاند کے طلوع ہونے کا امکان ہے، صرف بادل یا غبار چاند کے خفا کا باعث ہے، ایسے تمام شہروں میں سے ایک شہر میں دیکھا ہوا چاند سب شہروں میں معتبر ہے، ان کے علاوہ دیگر شہروں میں طلوع چاند کا حکم نافذ نہیں ہوگا، یہ قول سرخسی کا ہے۔

ابن ماجشون کا قول ہے کہ اہل بلد کی رویئت دوسرے بلد کے لئے کفایت نہیں کرتی۔ البتہ اگر وقت کا حاکم کسی ثبوت کی بنا پر رویئت ہلال کا اعلان کردے، اس لئے کہ اس کے حق میں جملہ بلاد ایک ہی بلد کے حکم میں ہیں، اور اس لئے بھی کہ اس کا حکم تمام ملک میں نافذ ہے تو ایسی رویئت جملہ بلاد پر موثر ہوگی۔ اگر علاقہ کی ایک جہت پہاڑی ہے۔ دوسری میدانی تو اس صورت میں ایک جہت کی رویئت دوسری جہت کے لئے کافی نہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر ہر دو بلد کے مطالع میں اتنا فرق ہے کہ جب دونوں میں سے ایک بلد میں چاند طلوع ہو اور دوسرے میں طلوع نہ ہو بلکہ اس فرق سے تاریخ بدل جائے تو ایسے ہر دو بلاد میں سے ایک بلد میں دیکھا ہوا چاند دوسرے بلد کے لئے قطعاً کافی نہیں ہوگا۔ روزہ اور عید ادا کرنے میں وہ ایک دوسرے کے پابند نہیں ہوں گے۔ مغنی ابن قدامہ سے بھی ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے

اہل بلد کی رویئت سے تمام اہل بلاد کے لئے روزہ لازم آتا ہے اور بعض نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ بلاد ایک دوسرے کے اتنے قریب ہوں کہ ان کے مطالع میں اختلاف واقع نہ ہو مثلاً بغداد اور بصرہ کے درمیان مطالع میں کوئی بڑا اختلاف نہیں۔

لہٰذا ان میں سے ایک رویئت دوسرے کے لئے کافی ہے اور جن بلاد میں بُعد اس قدر زیادہ ہو کہ ان کا مطلع مختلف ہو جائے تو ان میں سے ایک کی رویئت باقی بلاد کے لئے کافی نہیں۔ مثلاً عراق، حجاز، شام ان میں ہر ایک بلد کی رویئت انہی کے لئے ہے، دوسروں کے لئے نہیں ہے۔ عکرمہ کے اس قول لکل بلد رویتہم کا یہی مطلب ہے کہ ایسے بلاد کی رویئت اپنی اپنی ہے۔

(مغنی ابن قدامہ)

شک کے دن روزہ نہ رکھنے کا بیان:

(وَلَا يَصُومُونَ يَوْمَ الشَّكِّ إلَّا تَطَوُّعًا) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَا يُصَامُ الْيَوْمُ

الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ إلَّا تَطَوُّعًا) وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى وُجُوهٍ :أَحَدُهَا :أَنْ يَنْوِيَ صَوْمَ رَمَضَانَ وَهُوَ مَكْرُوهٌ لِمَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِأَهْلِ الْكِتَابِ لِأَنَّهُمْ زَادُوا فِي مُدَّةِ صَوْمِهِمْ ثُمَّ إنْ ظَهَرَ أَنَّ الْيَوْمَ مِنْ رَمَضَانَ يَجْزِيهِ لِأَنَّهُ شَهِدَ الشَّهْرَ وَصَامَهُ وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ شَعْبَانَ كَانَ تَطَوُّعًا ، وَإِنْ أَفْطَرَ لَمْ يَقْضِهِ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمَظْنُونِ .

ترجمہ:

اور شک کے دن صرف نفلی روزہ رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ دن میں رمضان ہونے کا شک ہو اس میں روزہ نہ رکھا جائے۔ البتہ نفلی روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ کی کچھ صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ رمضان کی نیت کے ساتھ روزہ نہ رکھے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے۔ اور اس دلیل کی بنیاد پر کہ یہ اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے روزوں کی تعداد میں اضافہ کیا ہے۔ پھر جب ان پر ظاہر ہوا کہ یہ دن رمضان کا دن ہے تو وہی روزہ رمضان کیلئے کافی ہوگا کیونکہ اس نے ماہ رمضان کو پایا اور اس میں روزہ رکھا ہے۔ اور اگر یہ ظاہر ہوا کہ وہ دن شعبان کا ہے تو اس کا یہ روزہ نفل ہو جائے گا۔ اور اگر اس روزے کا توڑا تو قضاء واجب نہ ہوگی کیونکہ اس کا یہ روزہ رکھنا گمان پر ہے۔

یوم شک میں روزہ رکھنے کراہت کا فقہی بیان:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے یوم الشک کو روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

شعبان کی تیسویں شب یعنی انتیس تاریخ کو ابر وغیرہ کی وجہ سے چاند نہیں دیکھا گیا مگر ایک شخص نے چاند دیکھنے کی شہادت دی اور اس کی شہادت قبول نہیں کی گئی اسی طرح دو فاسق لوگوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان کی گواہی قبول نہیں کی گئی اس کی صبح کو جو دن ہوگا یعنی تیس تاریخ کو یوم الشک (شک کا دن) کہلائے گا کیونکہ اس دن کے بارے میں یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ رمضان شروع ہو گیا ہو اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ رمضان شروع نہ ہوا ہو لہٰذا اس غیر یقینی صورت کی وجہ سے اسے شک کا دن کہا جاتا ہے ہاں اگر انتیس تاریخ کو ابر وغیرہ نہ ہو اور کوئی بھی شخص چاند نہ دیکھے تو تیس تاریخ کو یوم الشک نہ کہیں گے۔

اس حدیث میں اسی دن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یوم الشک کو رمضان یا کسی واجب کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے البتہ اس دن نفل روزہ رکھنے کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص شعبان کی پہلی ہی تاریخ سے نفل روزہ رکھتا چلا آرہا ہو یا تمیں تاریخ اتفاق سے اس دن ہو جائے کہ جس میں کوئی شخص روزہ رکھنے کا عادی ہو جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے تو اس کے لیے اس دن روزہ رکھنا افضل ہوگا۔

اسی طرح یوم الشک کو روزہ رکھنا اس شخص کے لیے بھی افضل ہے جو شعبان کے آخری تین دنوں میں روزے رکھتا ہو اور اگر یہ

صورتیں نہ ہوں تو پھر یوم الشک کا مسئلہ یہ ہے کہ خواص تو اس دن نفل کی نیت کے ساتھ روزہ رکھ لیں اور عوام دوپہر تک کچھ کھائے پئے بغیر انتظار کریں اگر چاند کی کوئی قابل قبول شہادت نہ آئے تو دوپہر کے بعد افطار کرلیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کا یہ معمول نقل کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کرتے اگر چاند دیکھ لیتے یا معتبر شہادت کے ذریعے رویت ہلال کا ثبوت ہوجاتا تو اگلے روز روزہ رکھتے ورنہ بصورت دیگر ابر وغبار وغیرہ سے مطلع صاف ہونے کی صورت میں روزہ نہ رکھتے ہاں اگر مطلع صاف نہ ہوتا تو روزہ رکھ لیتے تھے اور علماء فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ان کا یہ روزہ نفل ہوتا تھا۔

خواص سے مراد وہ لوگ ہیں جو شک کے دن کے روزے کی نیت کرنا جانتے ہوں اور جو لوگ اس دن کے روزے کی نیت کرنا نہ جانتے ہوں انہیں عوام کہا جاتا ہے چنانچہ اس دن روزہ کی نیت یہ ہے کہ جو شخص اس دن کہ جس میں رمضان کے بارے میں شک واقع ہورہا ہے روزہ رکھنے کا عادی نہ ہو وہ یہ نیت کرے کہ میں آج کے دن نفل روزے کی نیت کرتا ہوں اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اگر آج رمضان کا دن ہو تو یہ روزہ رمضان کا بھی ہے اس طرح نیت کرنی مکروہ ہے۔ کہ اگر کل رمضان کا دن ہو تو یہ روزہ رمضان میں محسوب ہو اور اگر رمضان کا دن نہ ہو تو نفل یا کسی اور واجب میں محسوب ہو۔ تاہم اگر کسی نے اس طرح کرلیا اور اس دن رمضان کا ہونا ثابت ہوگیا تو وہ روزہ رمضان ہی میں محسوب ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اس نیت کے ساتھ روزہ رکھے کہ اگر آج رمضان کا دن ہوگا تو میرا بھی روزہ ہوگا اور اگر رمضان کا دن نہیں ہوگا تو میرا روزہ بھی نہیں ہوگا۔ تو اس طرح نہ نفل کا روزہ ہوگا اور نہ رمضان کا ہوگا چاہے اس دن رمضان کا ہونا ہی ثابت کیوں نہ ہوجائے۔

یوم شک میں روزہ رکھنے کے متعلق فقہ شافعی کا بیان:

امام نووی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں۔

ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ : رمضان کے یوم شک میں بلا اختلاف روزہ رکھنا صحیح نہیں۔ لیکن اس دن قضاء یا نذر یا کفارہ کا روزہ رکھنا جائز ہے اور یہ کفائت کرے گا کیونکہ جب اس میں کسی سبب کی بنا پر نفلی روزہ رکھنا جائز ہے تو فرضی روزہ بالاولی جائز ہوگا، مثلا وہ قت جس میں نماز پڑھنا صحیح نہیں، لیکن سببی نماز جائز ہے۔

اور اس لیے بھی کہ جب اس پر رمضان کے ایک روزہ کی قضاء ہو تو یہ اس پر متعین ہے، اور اس لیے بھی کہ اس کے قضاء کا وقت تنگ ہے۔(۔المجموع (6 ، 399)

یوم شک میں دوسرے واجب روزے کی کراہت کا بیان:

وَالثَّانِي :أَنْ يَنْوِيَ عَنْ وَاجِبٍ آخَرَ وَهُوَ مَكْرُوهٌ أَيْضًا لِمَا رَوَيْنَا إلَّا أَنَّ هَذَا دُونَ الْأَوَّلِ فِي الْكَرَاهَةِ ثُمَّ إنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ يَجْزِيهِ لِوُجُودِ أَصْلِ النِّيَّةِ ، وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ

شَعْبَانَ فَقَدْ قِيلَ :يَكُونُ تَطَوُّعًا لِأَنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُ فَلَا يَتَأَدَّى بِهِ الْوَاجِبُ ، وَقِيلَ :يَجْزِيهِ عَنْ الَّذِي نَوَاهُ وَهُوَ الْأَصَحُّ لِأَنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ وَهُوَ التَّقَدُّمُ عَلَى رَمَضَانَ بِصَوْمِ رَمَضَانَ لَا يَقُومُ بِكُلِّ صَوْمٍ ، بِخِلَافِ يَوْمِ الْعِيدِ لِأَنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ وَهُوَ تَرْكُ الْإِجَابَةِ بِلَازِمِ كُلِّ صَوْمٍ ، وَالْكَرَاهِيَةُ هَهُنَا لِصُورَةِ النَّهْيِ .

ترجمہ:

اور اس مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس دن کسی دوسرے واجب کی نیت کرے تو اس کیلئے مکروہ ہے اسی روایت کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ لیکن یہ کراہت پہلی صورت سے کمتر ہے۔ پھر اگر ظاہر ہوا کہ یہ رمضان تھا تو اصلی نیت کے وجود کی وجہ سے رمضان کا روزہ ہی کفایت کرنے والا ہوگا اور اگر اس پر یہ ظاہر ہوا کہ شعبان کا دن تھا تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا روزہ نفل ہوگا۔ کیونکہ اس روزے سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے اس کا واجب ادا نہ ہوا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ واجب روزہ کافی ہوگا جس کی اس نے نیت کی تھی۔ اور یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ممنوع کا پایا جانا یعنی رمضان پر رمضان کے روزے کو مقدم کرنا ہر روزے کی بناء پر قائم نہ ہوگا۔ بہ خلاف یوم عید کے روزے کے کیونکہ اس میں جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ دعوت کا ترک ہے۔ جو ہر روزے کے ساتھ ہے اور یہاں کراہت نہی کی دلیل بنیاد پر ہے۔

یوم شک کے روزے میں مذاہب اربعہ:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا : کیا تو نے اس مہینہ کے آخر میں کوئی روزہ رکھا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا : نہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تم روزے ختم کرو تو اس کے بدلے میں دو روزے رکھو۔

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ : کیا تو نے شعبان کے آخر میں روزے رکھیں ہیں؟ دیکھیں صحیح بخاری (4 / 200) صحیح مسلم حدیث نمبر (1161) ۔مندرجہ بالا حدیث میں کلمہ (سرر) کی شرح میں اختلاف ہے، مشہور تو یہی ہے کہ مہینہ کے آخر کو سرار کہا جاتا ہے، سرار الشھر سین پر زبر اور زیر دونوں پڑھی جاتی ہیں، لیکن زبر پڑھنا زیادہ فصیح ہے، مہینہ کے آخر کو سرار اس لیے کہا جاتا ہیکہ اس میں چاند چھپا رہتا ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرے کہ صحیحین میں ابوھریرہ رضی اللہ تعالی تعالی سے حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : (رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزہ نہ رکھو، لیکن جو شخص عادتا روزہ رکھتا ہوا سے روزہ رکھنا چاہیے) صحیح بخاری حدیث نمبر (1983) صحیح مسلم حدیث نمبر (1082) ۔

تو ہم ان دونوں حدیثوں میں جمع کس طرح کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ : بہت سے علماء کرام اور اکثر شارحین احادیث کا کہنا ہے کہ جس شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا اس کی عادت کے بارہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ وہ

روزے رکھتا ہے، یا پھراس نے نذر مان رکھی تھی جس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قضا میں روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔

اس مسئلہ میں اس کے علاوہ اور بھی کئی اقوال پائے جاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کے آخر میں روزہ رکھنے کی تین حالتیں ہیں۔

پہلی حالت : رمضان کی احتیاط میں رمضان کیروزے کی نیت سے روزہ رکھے، ایسا کرنا حرام ہے۔ دوسری حالت : نذر یا پھر رمضان کی قضاء یا کفارہ کی نیت سے روزہ رکھے، جمہور علماء کرام اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ تیسری حالت : مطلقا نفلی روزے کی نیت کرتیہوئے روزہ رکھا جائے، جو علماء کرام شعبان اور رمضان کے مابین روزہ نہ رکھ کران میں فرق کرنے کا کہتے ہیں ان میں حسن رحمہ اللہ تعالی بھی شامل ہیں وہ ان نفلی روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں کہ شعبان کے آخر میں نفلی روزے نہیں رکھنے چاہییں، لیکن اگر وہ عادتا پہلے سے روزہ رکھ رہا ہو تو وہ ان ایام میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالی اور ان کی موافقت کرنے والوں نے شعبان کے آخر میں نفلی روزے رکھنے کی اجازت دی ہے، لیکن امام شافعی، امام اوزاعی، امام احمد وغیرہ نے عادت اور غیر عادت میں فرق کیا ہے۔

مجمل طور پر یہ ہے کہ مندرجہ بالا ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث پر اکثر علماء کرام کے ہاں عمل ہے، کہ رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزہ رکھنا مکروہ ہے لیکن جس شخص کی عادت ہو وہ رکھ سکتا ہے، اور اسی طرح وہ شخص جس نے شعبان میں مہینہ کے آخر تک کوئی روزہ نہیں رکھا تو آخر میں وہ بھی روزہ نہیں رکھ سکتا۔

اگر کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرے کہ (جس کی روزہ رکھنے کی عادت نہیں اس کے لیے) رمضان سے قبل روزہ رکھنا کیوں مکروہ ہے؟ اس کا جواب کئی ایک طرح ہے :

پہلا معنی یہ ہے تا کہ رمضان کے روزوں میں زیادتی نہ ہو جائے، جس طرح عید کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے یہاں بھی اسی معنی میں منع کیا گیا ہے کہ جو کچھ اہل کتاب نے اپنے روزوں میں اپنی آراء اور خواہشوں سے اضافہ کیا اس سے بچنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اور اسی لیے یوم شک کا روزہ بھی رکھنا منع ہے، حضرت عمار کہتے ہیں کہ جس نے بھی یوم شک کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، یوم شک وہ دن ہےجس میں شک ہو کہ رمضان میں شامل ہے کہ نہیں؟ مثلا کوئی غیر ثقہ شخص خبر دے کہ رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے تو اسے شک کا دن قرار دیا جائے گا۔

اور ابر آلود والے دن کو کچھ علماء کرام یوم شک شمار کرتے ہیں اور اس میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔

دوسرا معنی : نفلی اور فرضی روزوں میں فرق کرنا چاہیے، کیونکہ نوافل اور فرائض میں فرق کرنا مشروع ہے، اسی لیے عید کے دن روزہ رکھنا منع کیا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بھی اس سے منع کیا ہے کہ ایک نماز کو دوسری کے ساتھ نہ ملایا جائے بلکہ اس میں سلام یا کلام کے ذریعہ فرق کرنا چاہیے، خاص کر نماز فجر کی سنتوں میں، کیونکہ سنتوں اور فرائض کے مابین فرق کرنا مشروع

ہے، اسی بنا پر نماز گھر میں پڑھنی اور سنت فجر کے بعد لیٹنا مشروع کیا گیا ہے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز فجر کی اقامت ہونے کے بعد بھی نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے اسے فرمایا : کیا صبح نماز چار رکعات ہے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر (663)

بعض جاہل قسم کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ رمضان سے قبل روزہ نہ رکھنے کا معنی ہے کہ کھانے پینے کو غنیمت سمجھا جائے تا کہ روزے رکھنے سے قبل کھانے پینے کی شھوت پوری کرلی جائے، لیکن یہ گمان غلط ہے اور جو بھی ایسا خیال رکھے وہ جاہل ہے۔

اس مسئلہ کی دلیل وہی گذشتہ حدیث جو درج ذیل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن چاشت کے وقت گھر میں آئے اور فرمایا : کیا تمہارے پاس کچھ (کھانے کو) ہے؟ تو عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب دیا : نہیں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " : پھر میں روزے سے ہوں "اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں روایت کیا ہے۔

شک کے دن نفلی روزے کی کراہت کا بیان:

وَالثَّالِثُ :أَنْ يَنْوِيَ التَّطَوُّعَ وَهُوَ غَيْرُ مَكْرُوهٍ لِمَا رَوَيْنَا وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ يُكْرَهُ عَلَى سَبِيلِ الِابْتِدَاءِ ، وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَا تَتَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا بِصَوْمِ يَوْمَيْنِ) الْحَدِيثَ ، التَّقَدُّمُ بِصَوْمِ رَمَضَانَ لِأَنَّهُ يُؤَدِّيهِ قَبْلَ أَوَانِهِ ، ثُمَّ إنْ وَافَقَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ فَالصَّوْمُ أَفْضَلُ بِالْإِجْمَاعِ :وَكَذَا إذَا صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ آخِرِ الشَّهْرِ فَصَاعِدًا ، وَإِنْ أَفْرَدَهُ فَقَدْ قِيلَ :الْفِطْرُ أَفْضَلُ احْتِرَازًا عَنْ ظَاهِرِ النَّهْيِ وَقَدْ قِيلَ :الصَّوْمُ أَفْضَلُ اقْتِدَاءً بِعَلِيٍّ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَإِنَّهُمَا كَانَا يَصُومَانِهِ ، وَالْمُخْتَارُ أَنْ يَصُومَ الْمُفْتِي بِنَفْسِهِ أَخْذًا بِالِاحْتِيَاطِ ، وَيُفْتِي الْعَامَّةَ بِالتَّلَوُّمِ إلَى وَقْتِ الزَّوَالِ ثُمَّ بِالْإِفْطَارِ نَفْيًا لِلتُّهْمَةِ .

ترجمہ:

اور تیسری قسم یہ ہے کہ وہ نفل کی نیت کرے اور وہ مکروہ نہیں ہے۔ اسی روایت کی بناء پر جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف یہی حدیث دلیل ہے۔ کیونکہ وہ علی سبیل الابتداء مکروہ کہتے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کہ تم رمضان سے پہلے ایک دن یا دو دن کے روزے مقدم نہ کرو۔ اس سے مراد رمضان کے روزے کی نہی ہے۔ کیونکہ یہ اس کو وقت سے پہلے ادا کرنا ہے۔ اور اگر اس کا یہ روزہ اس کے موافق ہو گیا جو وہ رکھا کرتا تھا تو یہ بہ اتفاق افضل ہے۔ اور ایسے جب وہ کسی ماہ کے

آخر میں تین یا زیادہ روزے رکھا کرتا ہے۔اور اس نے صرف اسی روزے کو مفرد کیا تو فقہاء نے اس صورت میں افطار کو افضل کہا ہے۔

جبکہ ظاہری نہی سے بچتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اقتداء کرتے ہوئے یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔کیونکہ وہ دونوں اس دن روزہ رکھتے تھے۔اور بہتر مسئلہ یہ ہے کہ احتیاط پر عمل کرتے ہوئے مفتی خود روزہ رکھے۔اور لوگوں کو بھی زوال سے پہلے تک انتظار کرنے کا فتویٰ جاری کرے۔اور اس کے بعد وہ تہمت سے بچنے کیلئے افطار کا فتویٰ دے۔

شرح

امام بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص رمضان سے پہلے (شعبان کی آخری تاریخوں میں) ایک یا دو دن کے روزے نہ رکھے البتہ اگر کسی کو ان میں روزے رکھنے کی عادت ہو تو وہ اس دن بھی روزہ رکھ لے۔(صحیح بخاری، کتاب الصیام)

مثلاً کوئی ہر ماہ میں پیر یا جمعرات کا یا کسی اور دن کا روزہ ہر ہفتہ رکھتا ہے اور اتفاق سے وہ دن شعبان کی آخری تاریخوں میں آ گیا تو وہ یہ روزہ رکھ لے،نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے کی ممانعت اس لیے بھی وارد ہوئی ہے تا کہ رمضان کے لیے طاقت قائم رہے اور کمزوری لاحق نہ ہو۔الغرض ہر ہر قدم پر شریعت کے امر و نہی کو سامنے رکھنا یہی دین اور یہی عبادت اور یہی اسلام ہے اور یہی ایمان،ہر ہر جگہ اپنی عقل کا دخل ہرگز ہرگز نہ ہونا چاہیے۔

امام نسائی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ مہینہ سے قبل روزے نہ رکھو لیکن وہ شخص روزے رکھے جس کا دن روزہ کا آ جائے۔مطلب یہ کہ کسی شخص کی عادت تھی ایک روزہ روز رکھنے کی۔اب دو دن رمضان المبارک سے قبل آ گیا تو روزہ رکھ لے کیونکہ اس کی نیت استقبال کرنے کی نہیں ہے۔(سنن نسائی)

صوم یوم شک میں فقہ شافعی وحنفی کے اختلاف کا بیان:

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک رمضان المبارک سے ایک دن قبل روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

جبکہ احناف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ پہلے سے ہی ہر ماہ میں یا اس کے آخر میں روزے رکھتا ہو تو اس کیلئے وہ روزہ رکھنا جائز ہے۔امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل میں بیان کردہ حدیث کے بارے میں علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں جس روزے کی نہی کا حکم ہے اس سے رمضان کا روزہ مراد ہے۔کیونکہ وقت سے پہلے وہ روزہ رکھنا جائز نہیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ،۳،ص ۲۶۹،بیروت)

مفتی کے خود روزہ رکھنے کا بیان:

یوم شک کے روزے میں فقہاء احناف میں سے صاحب ہدایہ نے جو مؤقف کو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ شک کے دن مفتی روزہ خود رکھے۔اور دوسروں کو بھی وقت زوال تک انتظار کرنے کا حکم دے۔مفتی وقوم صرف مطلع کے ابر آلود ہونے کی صورت میں روزہ رکھیں۔ورنہ نہیں۔

چوتھے نفلی روزے کی کراہت کا بیان:

وَالرَّابِعُ :أَنْ يُضْجِعَ فِي أَصْلِ النِّيَّةِ بِأَنْ يَنْوِيَ أَنْ يَصُومَ غَدًا إنْ كَانَ مِنْ رَمَضَانَ وَلَا يَصُومُهُ إنْ كَانَ مِنْ شَعْبَانَ ، وَفِي هَذَا الْوَجْهِ لَا يَصِيرُ صَائِمًا لِأَنَّهُ لَمْ يَقْطَعْ عَزِيمَتَهُ فَصَارَ كَمَا إذَا نَوَى أَنَّهُ إنْ وَجَدَ غَدًا غَدَاءً يُفْطِرُ ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ يَصُومُ .

ترجمہ:

اور اس مسئلہ کی چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ اصلی نیت کا رد کرے۔اس طرح نیت کرے کہ وہ آنے والی کل میں روزے رکھا گا۔اگر وہ رمضان کا دن ہوا اور اگر شعبان کا دن ہوا تو وہ روزہ نہیں رکھے گا۔لہٰذا اس صورت میں روزے دار نہ ہوگا۔کیونکہ اس نے اپنے ارادے میں قطعی فیصلہ نہیں کیا۔یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح کسی شخص نے یہ نیت کی کہ اگر آنے والی کل کے اول وقت میں کھانا پایا تو افطار کرے گا اور اگر کھانا نہ ملا تو وہ روزہ رکھے گا۔

روزے میں نیت کو معلق کرنے کا فقہی بیان:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ایک یہ کہ روزہ رکھنے کو کسی شرط کے ساتھ واجب کرے مثلاً میرا فلاں کام ہو گیا یا بیمار تندرست ہو گیا۔تو میں روزہ رکھوں گا۔

اس صورت میں جب شرط پائی جائے مثلاً وہ کام پورا ہو گیا بیمار تندرست ہو گیا تو اتنے روزے رکھنا اس پر واجب ہیں جتنے بولے تھے۔

ہاں اگر روزے وغیرہ کو کسی ایسی شرط پر معلق یا مشروط کیا جس کا ہونا نہیں چاہتا مثلاً یہ کہا کہ اگر میں تمہارے گھر آؤں تو مجھ پر اتنے روزے ہیں کہ اس کا مقصود یہ ہے کہ میں تمہارے یہاں نہیں آؤں گا۔ایسی صورت میں اگر وہ شرط پائی گئی یعنی اس کے یہاں گیا تو اختیار ہے کہ جتنے روزے بولے تھے۔وہ رکھ لے یا قسم توڑنے کا کفارہ دے دے کہ منت کی بعض صورتوں میں قسم کے احکام جاری ہوتے ہوں۔(درمختار وغیرہ) نذر کی ان دونوں صورتوں کو نذر معلق کہتے ہیں۔نذر کی دوسری قسم ہے نذر غیر معلق کہ منت کو کسی شرط سے معلق نہیں کیا۔بلاشرط نماز،روزہ یا حج وعمرہ کی منت مان لی تو اس صورت میں منت پوری کرنا ضروری ہے۔(عالمگیری)

نذر معلق میں شرط پائی جانے سے پہلے منت پوری نہیں کر سکتا۔اگر پہلے ہی روزے رکھ لیے بعد میں شرط پائی گئی تو اب پھر

روزے رکھنا واجب ہوں گے پہلے روزے اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتے۔

اور غیر معلق میں اگرچہ وقت یا جگہ معین کرے مگر منت پوری کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس سے پیشتر یا اس کے غیر میں نہ ہوسکے۔ بلکہ اگر اس وقت سے پیشتر روزے رکھ لے یا نماز پڑھ لی وغیرہ وغیرہ تو منت پوری ہوگئی۔ (درمختار)

پانچویں قسم کے روزے کی کراہت کا بیان:

وَالْخَامِسُ :أَنْ يُضْجَعَ فِي وَصْفِ النِّيَّةِ بِأَنْ يَنْوِيَ إنْ كَانَ غَدًا مِنْ رَمَضَانَ يَصُومُ عَنْهُ ، وَإِنْ كَان غداً مِنْ شَعْبَانَ فَعَنْ وَاجِبٍ آخَرَ ، وَهَذَا مَكْرُوهٌ لِتَرَدُّدِهِ بَيْنَ أَمْرَيْنِ مَكْرُوهَيْنِ .ثُمَّ إنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ أَجْزَأَهُ لِعَدَمِ التَّرَدُّدِ فِي أَصْلِ النِّيَّةِ ، وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ شَعْبَانَ لَا يَجْزِيهِ عَنْ وَاجِبٍ آخَرَ لِأَنَّ الْجِهَةَ لَمْ تَثْبُتْ لِلتَّرَدُّدِ فِيهَا ، وَأَصْلُ النِّيَّةِ لَا يَكْفِيهِ لَكِنَّهُ يَكُونُ تَطَوُّعًا غَيْرَ مَضْمُونٍ بِالْقَضَاءِ لِشُرُوعِهِ فِيهِ مُسْقِطًا ، وَإِنْ نَوَى عَنْ رَمَضَانَ إنْ كَانَ غدًا مِنْهُ وَعَنْ التَّطَوُّعِ إنْ كَانَ مِنْ شَعْبَانَ يُكْرَهُ لِأَنَّهُ نَاوٍ لِلْفَرْضِ مِنْ وَجْهٍ ، ثُمَّ إنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ أَجْزَأَهُ عَنْهُ لِمَا مَرَّ ، وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ شَعْبَانَ جَازَ عَنْ نَفْلِهِ لِأَنَّهُ يَتَأَدَّى بِأَصْلِ النِّيَّةِ ، وَلَوْ أَفْسَدَهُ يَجِبُ أَنْ لَا يَقْضِيَهُ لِدُخُولِ الْإِسْقَاطِ فِي عَزِيمَتِهِ مِنْ وَجْهٍ .

ترجمہ:

اور اس مسئلہ کی پانچویں صورت یہ ہے۔ نیت کی صفت میں تردید کرے۔ یعنی اس نے اس طرح نیت کی کہ اگر کل رمضان کا دن ہوا تو وہ اس کا روزہ رکھے گا۔ اور اگر کل شعبان کا دن ہوا تو وہ کسی دوسرے واجب کا روزہ رکھے گا۔ اور ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ مسئلہ دو حکموں کے درمیان گھومنے والا ہے۔ اور اس کے بعد اگر اس پر ظاہر ہوا کہ رمضان کا دن ہے تو رمضان کا روزہ جائز ہوگیا کیونکہ اس کی اصل نیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور اگر اس پر یہ ظاہر ہوا کہ شعبان کا دن ہے تو دوسرے واجب کا روزہ کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ روزے کی جہت میں شک کی وجہ سے جہت ثانی ثابت نہ ہوگی۔ اور کسی دوسرے واجب کیلئے اصلی نیت کافی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کا یہ روزہ نفل ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ قضاء کی ضمانت کے ساتھ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے یہ روزہ واجب کو ساقط کرنے والا سمجھ کر رکھا ہے۔ اور اگر اس نے رمضان کی نیت کی کہ آنے والی کل میں اگر رمضان ہوا یا اس نے نفل کی نیت کی کہ اگر کل شعبان ہوا تو یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک طرح سے فرض کی نیت کرنے والا ہے۔ اور پھر اس پر یہ ظاہر ہوا کہ وہ رمضان کا دن تھا تو اس کو کافی ہوگا اسی دلیل کی بنیاد پر جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اور اگر اس پر ظاہر ہوا کہ وہ شعبان کا دن ہے تو اس کا نفلی روزہ جائز ہوگیا کیونکہ نفلی روزہ

اصل نیت سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس نے اسے فاسد کر دیا تو اس کی قضاء واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نے فرض ساقط کرنے کیلئے ایسا کیا ہے اور یہ بھی ایک طرح نیت میں داخل ہوگیا۔

مفتی وقوم کا روزہ مطلع کے صاف وعدم صاف کے ساتھ ہوگا:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر ۲۹ کی شام کو مطلع صاف ہو اور چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ کو قاضی مفتی کوئی بھی روزہ نہ رکھے اور اگر مطلع پر ابر وغبار ہو تو مفتی کو چاہئے کہ عوام کو ضحوہ کبریٰ یعنی نصف النہار شرعی تک انتظار کا حکم دے کہ جب تک کچھ نہ کھائیں پئیں، نہ روزے کی نیّت کریں، بلانیّتِ روزہ مثل روزہ رہیں، اس بیچ میں اگر ثبوت شرعی سے رویت ثابت ہو جائے تو سب روزے کی نیت کرلیں روزہ رمضان ہو جائے گا، اور اگر یہ وقت گزر جائے کہیں سے ثبوت نہ آئے تو مفتی عوام کو حکم دے کہ کھائیں پئیں، ہاں جو شخص کسی خاص دن کے روزے کا عادی ہو، اور اگر اس تاریخ وُہ دن آ کر پڑے مثلاً ایک شخص ہر پیر کو روزہ رکھتا ہے اور یہ دن پیر کا ہو تو وُہ اپنے اسی نفلی روزے کی نیت کرسکتا ہے شک کی وجہ سے رمضان کے روزے کی نیت کرے گا یا یہ کہ چاند ہو گیا تو آج رمضان کا روزہ رکھتا ہوں ورنہ نفل، تو گنہ گار ہوگا۔ حدیث میں ہے: من صام یوم الشك عصی ابا القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم جس نے یومِ شک کا روزہ رکھا اس نے حضرت ابوالقاسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (صحیح بخاری، ج ۱ ص ۲۶۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اگر چاند ہو جائے یا شرعی شہادت گزر جائے تو کل کا روزہ ہے ورنہ دوپہر تک کچھ کھائیں پئیں نہیں اس خیال سے کہ شاید چاند ثابت ہو جائے، پھر اگر ثابت ہو جائے تو روزہ کی نیت کرلیں ورنہ کھانا کھالیں اور جب تک رویت یا ثبوتِ رویت نہ ہو جائے رمضان کی نیت سے کل کا روزہ رکھنا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰ ص، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اکیلے شخص کی گواہی کے عدم قبولیت میں صورت میں اسے روزے کا حکم:

قَالَ (وَمَنْ رَأَى هِلَالَ رَمَضَانَ وَحْدَهُ صَامَ وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ الْإِمَامُ شَهَادَتَهُ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ) وَقَدْ رَأَى ظَاهِرًا وَإِنْ أَفْطَرَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ إنْ أَفْطَرَ بِالْوِقَاعِ لِأَنَّهُ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ حَقِيقَةً لِتَيَقُّنِهِ بِهِ وَحُكْمًا لِوُجُوبِ الصَّوْمِ عَلَيْهِ وَلَنَا أَنَّ الْقَاضِيَ رَدَّ شَهَادَتَهُ بِدَلِيلٍ شَرْعِيٍّ وَهُوَ تُهْمَةُ الْغَلَطِ ، فَأَوْرَثَ شُبْهَةً وَهَذِهِ الْكَفَّارَةُ تَنْدَرِءُ بِالشُّبُهَاتِ ، وَلَوْ أَفْطَرَ قَبْلَ أَنْ يَرُدَّ الْإِمَامُ شَهَادَتَهُ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ ، وَلَوْ أَكْمَلَ هَذَا الرَّجُلُ ثَلَاثِينَ ، يَوْمًا لَمْ يُفْطِرْ إلَّا مَعَ الْإِمَامِ لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَيْهِ لِلِاحْتِيَاطِ ، وَالِاحْتِيَاطُ بَعْدَ ذَلِكَ فِي تَأْخِيرِ الْإِفْطَارِ وَلَوْ

أَفْطَرَ لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ الَّتِي عِنْدَهُ.

ترجمہ:

اور اگر کسی شخص نے اکیلے رمضان کا چاند دیکھا تو یہ شخص خود روزہ رکھے۔ خواہ امام نے اس کی گواہی قبول نہ کیا ہو۔ تو وہ آدمی خود روزہ رکھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو۔ حالانکہ وہ شخص ظاہری حالت کے ساتھ چاند کو دیکھ چکا ہے۔ اگر اس شخص نے روزہ نہ رکھا تو اس پر اس روزے کی قضاء واجب ہوگی اس پر کفارہ نہ ہوگا۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔ جبکہ اس نے افطار جماع کے ساتھ کیا ہو۔ کیونکہ جماع کے ساتھ اس کا روزہ توڑنا یہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے رمضان میں حقیقی معنوں میں روزے کو توڑا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں اسے رمضان کا یقین ہے اور حکمی طور بھی کیونکہ اس پر روزے کی قضاء واجب ہے۔ جبکہ ہماری دلیل کے مطابق قاضی نے اس شخص کی دلیل کو شرعی دلیل کے مطابق رد کیا ہے اور شرعی دلیل اس کیلئے غلطی کی تہمت ہے۔ لہذا اس طرح ایک شبہ پیدا ہو جس کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو گیا کیونکہ کفارات شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ (قاعدہ فقہیہ) اور اگر اس نے امام کی تردید سے پہلے روزے کو توڑ دیا تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے کہ اگر اس آدمی نے تیس روزے مکمل کیے ہیں تو افطار نہ کرے ہاں البتہ جب وہ امام کے ساتھ ہو۔ کیونکہ پہلے روزے کا وجوب اس پر صرف احتیاط کی دلیل پر مبنی تھا۔ اور اس کے بعد جو احتیاط ہے وہ تاخیر افطار کی وجہ سے ہے۔ اور اگر اس نے افطار کیا تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔ اسی حقیقت پر قیاس کرتے ہوئے جو اس کے ہاں ثابت ہے۔

رؤیت ہلال میں ایک مستور الحال کی گواہی کی قبولیت کا بیان:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کافی حاکم جس میں امام محمد کا تمام کلام، کتب ظاہر الروایۃ کا جمع فرمادیا ہے یُوں ہے کہ رمضان میں ایک مسلمان مرد یا عورت عادل یا مستور الحال کی گواہی مقبول ہے جبکہ یہ گواہی دے کہ اس نے جنگل میں دیکھا یا شہر میں دیکھا اور کوئی سبب ایسا تھا جس کے باعث اوروں کو نظر نہ آیا انتہی اور ان دونوں روایتوں میں منافات نہیں اس لیکہ جماعت عظیم کی شرط وہاں ہے کہ گواہ شہر میں غیر مکان بلند پر ہو تو یہ پچھلی روایت اُس پہلی کے اطلاق کی قید بتاتی ہے اور اس پر دلیل یہ کہ پہلی میں ایک کی گواہی نہ ماننے کی وجہ یہ فرمائی کہ تنہا اُس کا دیکھنا غلطی میں ظاہر ہے اور اُس پچھلی صورت یعنی جبکہ وُہ جنگل میں یا بلند مکان پر تھا وہ رَد کی وجہ نہ پائی گئی اس لیے محیط میں فرمایا کہ اس حالت میں تنہا اُس کا دیکھنا خلاف ظاہر نہ ہوگا۔

(ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۰۱، مصطفیٰ البابی مصر)

بحرالرائق میں فرمایا کہ جب لوگ چاند دیکھنے میں کاہلی کریں تو اس روایت پر عمل چاہئے کہ دو گواہ کافی ہیں کہ اب وُہ وجہ نہ رہی " کہ سب چاند دیکھنے میں مصروف تھے اور مطلع صاف تھا تو فقط انہی دو کو نظر آنا "بعید از قیاس ہے، اور ولوالجیہ و ظہیریہ سے ظاہر

ہوتا ہے کہ ظاہر الروایۃ میں صرف تعدد گوہان کی شرط ہے اور تعدد دو سے بھی ہو گیا انتہی اور ہمارے زمانے میں لوگوں کا کسل آنکھوں دیکھا ہے تو دو کی گواہی کو یہ نہ کہیں گے کہ جمہور کے خلاف انہی کو کیسے نظر آ گیا جس سے گواہ کی غلطی ظاہر ہو تو ظاہر الروایۃ کی وجہ نہ رہی تو اس دوسری روایت پر فتوٰی دینا لازم ہُوا۔ (ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۰۱، مصطفیٰ البابی مصر)

عادل، مستور اور فاسق کی تعریفات و فقہی احکام:

لوگ تین قسم ہیں: () عادل () مستور () فاسق عادل وُہ مرتکبِ کبیرہ عہ یا خفیف عہ الحرکات نہ ہو۔

قلت مرتکب کبیرہ نہ ہوا قول ارتکاب کبیرہ میں اصرار صغیرہ بھی آ گیا کہ صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔ (رہا علماء کا یہ قول کہ کبائر کا ترک اور صغائر پر اصرار الخ تو اس سے مراد وضاحت ہے نہ کہ تکمیلِ تعریف، جیسا کہ مخفی نہیں۔ قلت خفیف الحرکات نہ ہو جیسے بازار میں کھاتے پھرنا یا شارع عام چلنے پر راہ میں پیشاب کو بیٹھنا اور مستور پر پوشیدہ حال جس کی کوئی بات مسقطِ شہادت معلوم نہیں۔ اور فاسق جو ظاہر أبدا افعال ہے۔

عادِل کی گواہی ہر جگہ مقبول ہے اور مستور کی ہلالِ رمضان میں، اور فاسق کی کہیں نہیں۔ پر بعض روایات کے بعض الفاظ بظاہر اس طرف جاتے ہیں کہ رمضان میں فاسق کی شہادت بھی سُن لیں۔ ممکن ہے کہ اُس شہر کا حاکمِ شرع یہی خیال رکھتا ہو، اگرچہ محققین نے اِسے رَد کر دیا۔ تو جس فاسق کو معلوم ہو کہ یہاں کے حاکم کا یہ مسلک ہے اس پر بیشک گواہی دینی واجب ہوگی ورنہ نہیں، اور رمضان میں جبکہ عادل و مستور کا ایک حکم ہے، تو اِس وجوب میں بھی یکساں رہیں گے۔ رہا عادِل، جب وُہ دائم المقبول ہے تو اُس پر وجوب بھی مطلقا ہے یعنی رمضان ہو خواہ عید الفطر خواہ عید الاضحیٰ۔

عادِل پر لازم ہے کہ اس نے جس رات چاند دیکھا ہے اسی رات حاکم کے پاس گواہی دے تا کہ لوگ صبح کو بے روزہ نہ اُٹھیں، اور یہ گواہی فرض عین ہے۔ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، ۳۵۸، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

کفارات شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ (قاعدہ فقہیہ):

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی حکم کے کُفارے کے ثبوت میں دلیل پیش کی جائے تو اس میں شک پیدا ہو جائے تو وہ کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ اور یہ قاعدہ اس مسئلہ میں حدود کی طرح ہے یعنی جس طرح حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اسی طرح کفارے بھی شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

ایک عورت نفاس میں مبتلا ہو گئی تو اس کے ذمہ سے کفارہ ساقط ہو جائے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص اس دن کسی ایسے مرض اور ایسی تکلیف میں مبتلا ہو گیا جس میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور یہ کہ وہ مرض و تکلیف قدرتی ہو تو کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ قدرتی کی قید اس لیے ہے کہ فرض کیجئے کسی شخص نے قصدا روزہ توڑ ڈالا اور پھر اپنے آپ کو اس طرح زخمی کر لیا کہ اس حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے یا اپنے آپ کو چھت یا پہاڑ سے گرا لیا تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ تکلیف اور مرض اس کا خود اپنا پیدا کیا ہوا ہوگا۔

ایسی صورت میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں کفارہ ساقط ہوجائے گا جب کہ دوسرے حضرات کا قول ہے کہ کفارہ ساقط نہیں ہوگا اور کمال کے قول کے مطابق مختار اور زیادہ صحیح یہی ہے کہ کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔جمع العلوم میں منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے زیادہ چلنے یا کوئی کام کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو تکلیف ومشقت میں مبتلا کیا یہاں تک کہ اسے بہت زیادہ اور شدید پیاس لگی اور اس نے روزہ توڑ ڈالا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اسی قول کو بقائی رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے جیسا کہ تاتارخانیہ میں منقول ہے۔

حجاز مقدس (سعودی عرب) میں بھی رویئت ہلال کا تنازعہ:

عید کا چاند نظر آنے یا نظر نہ آنے کا تنازع پاکستان میں تو کم وبیش ہر سال پیش آتا ہی ہے، اسی لئے ملک میں دو دو عیدیں منائی جاتی ہیں لیکن اس بار سعودی عرب میں بھی عید کا چاند تنازع کا باعث بن گیا ہے۔جدہ کی فلکیاتی سوسائٹی نے شوال کے چاند نظر آنے کے فیصلے کو غلط قرار دے دیا ہے، جس کے بعد وہاں ایک نئی بحث چھڑ گئی ہے۔

فلکیاتی سوسائٹی کا اعتراض ہے کہ 30 اگست کو یکم شوال نہیں تھی۔عرب میڈیا کے مطابق جدہ کی فلکیاتی سوسائٹی کا کہنا ہے کہ سعودی عرب میں 29 اگست کو چاند نظر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا اور چاند نظر آنے کا غلط اعلان کیا گیا اور عید غلط منائی گئی ہے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی ملک میں نئی بحث چھڑ گئی ہے کہ کیا سعودی عوام کو ایک روزے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟ یہ بحث کس حد تک پہنچتی ہے اور اس کا نتیجہ کیا نکلے گا یہ تو ابھی طے ہونا باقی ہے اور اس میں کچھ وقت بھی لگ سکتا ہے تاہم اگر واقعی فلکیاتی سوسائٹی کا نظریہ درست ہوا تو ایسے صورت میں اسلامی قوانین اور قواعد وضوابط کے مطابق فدیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

ایک بزرگ شہری کے مطابق سعودی عرب کی تاریخ میں ایسا ہی ایک واقعہ ماضی میں بھی ہو چکا ہے۔حکومت نے عید الفطر کا چاند نظر آنے کے غلط فیصلے کا اعتراف کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ چونکہ غلطی حکومت سے ہوئی ہے لہٰذا ایک روزے کا فدیہ بھی حکومت ہی برداشت کرے گی۔

واضح رہے کہ فدیہ کی رقم کا تعین ملک کی تمام آبادی اور عمرے کی غرض سے سعودی عرب آنے والے لاکھوں زائرین کے لحاظ سے ہوتا ہے۔یہ رقم کروڑوں یا اربوں ریال کے مساوی بنتی ہے۔حکومت فدیہ کی رقم رفاہی کاموں اور رفاہی اداروں پر خرچ کرتی ہے۔

اگر اس سال بھی فدیہ کی ادائیگی کا اعلان ہوا تو حکومت کو کروڑوں یا اربوں ریال کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔

اہل تشیع کے نزدیک رویئت ہلال کے نظریات:

سوال: کیا نجومیوں کے اندازے کے مطابق جنتری کے ذریعہ مہینہ کی پہلی تاریخ ثابت ہوجاتی ہے؟

جواب: تمام مراجع کرام: نہیں! ثابت نہیں ہوتی، لیکن اگر انسان کو انکی بیان کردہ تاریخ پر یقین واطمینان حاصل ہوجائے

تو ثابت ہوجاتی ہے۔

سفر میں رویت ہلال: اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ خلیجی ممالک میں چاند کا اعلان ایک دن پہلے ہوجاتا ہے جو لوگ ذریعۂ معاش کی تلاش میں ان ممالک کا سفر کرتے ہیں انکے لئے رمضان کے روزے اور عید فطر کا حکم کس جگہ سے ملحق ہوگا؟

جواب: تمام مراجع کرام: شرعی اور معتبر ذرائع سے مہینہ کی پہلی تاریخ ثابت ہونے کی صورت میں انہیں اس جگہ کے مطابق عمل کرنا چاہئے جہاں چاند دیکھا گیا ہے۔

افق کا اختلاف: اگر مہینہ کا چاند عربستان میں دیکھا جائے تو کیا ایران میں بھی مہینہ کی پہلی تاریخ ثابت ہوجاتی ہے؟

جواب: آیات عظام جواد تبریزی، صافی گلپایگانی اور نوری ہمدانی کے علاوہ تمام مراجع کرام: نہیں! ایران کے لئے پہلی تاریخ ثابت نہیں ہوتی۔((توضیح المسائل۔العروۃ الوثقی،۲،ج،فصل فی طرق ثبوت الهلال

آیات عظام جواد تبریزی، صافی گلپایگانی، فاضل لنکرانی، نوری ہمدانی اور وحید خراسانی: اگر شرعی اور معتبر ذرائع سے ثابت ہو تو ایران کے لئے بھی پہلی تاریخ ثابت ہوجاتی ہے۔

نکتہ: آیات عظام جواد تبریزی، صافی گلپایگانی، نوری ہمدانی اور وحید خراسانی کے اعتبار سے مختلف جگہوں کا رات میں مشترک ہونا مہینے کی پہلی تاریخ ثابت ہونے کے لئے کافی ہوتا ہے اور افق کا ایک ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

سوال: اگر ماہ رمضان یا شوال کا چاند کسی ایسے ملک میں دیکھا جائے کہ جسکا افق ہمارے شہر سے ایک یا دو گھنٹہ مختلف ہو تو کیا ہمارے لئے بھی مہینہ کی پہلی تاریخ ثابت ہوجاتی ہے؟

جواب: آیات عظام امام خمینی، بہجت، خامنہ ای، صافی گلپایگانی، مکارم شیرازی اور فاضل لنکرانی: جس شہر یا ملک میں چاند دیکھا جا رہا ہے اگر وہ مشرقی ممالک میں ہو تو مہینہ کی پہلی تاریخ ثابت ہوجاتی ہے اور اگر مشرقی ممالک میں اسکا شمار نہ ہو (مثلاً ایران کیلئے عربستان) تو مہینہ کی پہلی تاریخ ثابت نہیں ہوتی ہے۔

آیات عظام جواد تبریزی، صافی گلپایگانی، نوری ہمدانی اور وحید خراسانی: اگر رات میں دونوں مشترک ہوں تو مہینہ کی پہلی تاریخ ثابت ہے اگر چہ افق کے اعتبار سے ایک نہ ہوں اور مشرقی ممالک میں انکا شمار نہ ہوتا ہو۔(توضیح المسائل)

مثال کے طور پر افغانستان، ایران کیلئے مشرق میں واقع ہے، اگر چاند وہاں دیکھا جائے تو ایران کے لئے بھی ثابت ہے یا اگر چاند مشہد میں دیکھا گیا تو تہران کے لئے بھی چاند ثابت ہے۔

ان جگہوں پر چاند شرعی اور معتبر ذرائع سے ثابت ہوتا کہ ہمارے ملک کے لئے بھی مہینہ کی پہلی تاریخ ثابت ہوسکے۔

سوال: اگر چاند عراق میں دیکھا جائے تو کیا تہران میں رہنے والے لوگوں کے لئے بھی مہینہ کی پہلی تاریخ ثابت ہے؟

جواب: آیات عظام امام خمینی، بہجت، سیستانی، خامنہ ای، مکارم شیرازی: چونکہ ان دونوں جگہوں کے افق میں اختلاف بہت ہی کم (تقریباً دس منٹ) ہے لہٰذا مہینہ کی تاریخ تہران میں رہنے والوں کے لئے بھی ثابت ہے۔

آیات عظام جواد تبریزی ،صافی گلپایگانی،نوری ہمدانی،وحید خراسانی :ہاں !مہینہ کی پہلی تاریخ ان کیلئے بھی ثابت ہے۔

جب آسمان ابر آلود ہو تو حکم شہادت:

قَالَ (وَإِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ قَبِلَ الْإِمَامُ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ الْعَدْلِ فِي رُؤْيَةِ الْهِلَالِ رَجُلًا كَانَ أَوْ امْرَأَةً حُرًّا كَانَ أَوْ عَبْدًا) لِأَنَّهُ أَمْرٌ دِينِيٌّ ، فَأَشْبَهَ رِوَايَةَ الْإِخْبَارِ وَلِهَذَا لَا يَخْتَصُّ بِلَفْظِ الشَّهَادَةِ ، وَتُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ لِأَنَّ قَوْلَ الْفَاسِقِ فِي الدِّيَانَاتِ غَيْرُ مَقْبُولٍ ، وَتَأْوِيلُ قَوْلِ الطَّحَاوِيِّ عَدْلًا كَانَ أَوْ غَيْرَ عَدْلٍ أَنْ يَكُونَ مَسْتُورًا وَالْعِلَّةُ غَيْمٌ أَوْ غُبَارٌ أَوْ نَحْوُهُ ، وَفِي إطْلَاقِ جَوَابِ الْكِتَابِ يَدْخُلُ الْمَحْدُودُ فِي الْقَذْفِ بَعْدَ مَا تَابَ وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ لِأَنَّهُ خَبَرٌ دِينِيٌّ ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ :أَنَّهَا لَا تُقْبَلُ لِأَنَّهَا شَهَادَةٌ مِنْ وَجْهٍ ، وَكَانَ الشَّافِعِيُّ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ يَشْتَرِطُ الْمَثْنَى وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَا ، وَقَدْ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبِلَ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ فِي رُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ) ثُمَّ إذَا قَبِلَ الْإِمَامُ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ وَصَامُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا لَا يُفْطِرُونَ فِيمَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِلِاحْتِيَاطِ ، وَلِأَنَّ الْفِطْرَ لَا يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ الْوَاحِدِ ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُمْ يُفْطِرُونَ وَيَثْبُتُ الْفِطْرُ بِنَاءً عَلَى ثُبُوتِ الرَّمَضَانِيَّةِ بِشَهَادَةِ الْوَاحِدِ ، وَإِنْ كَانَ لَا يَثْبُتُ بِهَا ابْتِدَاءً كَاسْتِحْقَاقِ الْإِرْثِ بِنَاءً عَلَى النَّسَبِ الثَّابِتِ بِشَهَادَةِ الْقَابِلَةِ .

ترجمہ:

اور اگر آسمان پر کوئی علت (بادل وغیرہ) ہوں تو مسلمانوں کے امام کیلئے حکم ہے کہ وہ چاند دیکھنے والے ایک عادل شخص کی گواہی قبول کرلے۔اگر چہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، آزاد ہو یا غلام ہو اس لئے کہ یہ دینی مسئلہ ہے۔لہٰذا یہ حدیث کے روایت کے مطابق ہوگیا۔اور اسی دلیل کی بنیاد پر رویئت ہلال کی گواہی کو شہادت کے لفظ کے ساتھ خاص کردیا گیا ہے۔اور عادل ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ دینی احکام میں فاسق کے قول کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔جبکہ حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ کا قول کہ وہ عادل ہو یا غیر عادل ہو تو مراد یہ ہے کہ جس کا حال پوشیدہ ہو۔اور بادل کی یا غبار یا اس کی مثل علت (کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے) کہ صاحب کتاب (قدوری) نے اس کا اطلاق اسی طرح کیا ہے جس طرح حد قذف والا جب توبہ کرلے تو وہ (گواہی) میں داخل ہوجاتا ہے۔اور ظاہر الروایت میں اسی طرح ہے کیونکہ یہ خبر ہے۔اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک حد قذف والے کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ ایک طرح یہ بھی شہادت ہے۔اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے دونوں اقوال میں سے ایک قول میں دو(۲)

(گواہوں) کی شرط لگاتے ہیں۔اور ان کے خلاف ہماری حجت وہی دلیل ہے جسے ہم بیان کرچکے ہیں اور یہی حکم ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان کے چاند کی رویئت میں ایک آدمی کی گواہی کو قبول کیا ہے۔اور اگر امام نے ایک آدمی کی گواہی کو قبول کرلیا اور لوگوں نے تیس روزے رکھے تو وہ افطار نہ کریں۔اور یہ اسی روایت کے مطابق ہے جس کو حضرت امام حسن علیہ الرحمہ نے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت کیا ہے۔اور یہی احتیاط پر ہے کیونکہ ایک آدمی کی گواہی ثابت نہیں کرسکتی۔اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ لوگ افطار کریں۔کیونکہ ایک آدمی کی گواہی سے ثابت ہونے والے رمضان میں افطار کا حکم دیا جائے گا۔ اگر چہ ابتدائی طور پر ایک آدمی کی شہادت سے افطار ثابت نہیں کیا جاسکتا۔جس طرح وراثت کا حق اس بات پر مبنی ہے کہ دائی کی شہادت سے ثابت ہوجائے۔

اعرابی کی شہادت پر روزے کا حکم:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم کیا اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔اس نے کہا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں؟ اس نے کہا ہاں اس کے بعد آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بلال لوگوں میں اعلان کردو کہ کل روزہ رکھیں۔(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص مستور الحال ہو یعنی اس کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو تو رمضان کے چاند کے بارے میں اس کی شہادت معتبر اور قابل قبول ہوگی نیز یہ کہ رمضان کے چاند کی گواہی دیتے ہوئے لفظ شہادت کا استعمال شرط نہیں ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہلال رمضان شریف شہادت میں صرف ایک شخص کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے چنانچہ حنفی مسلک میں صحیح مسئلہ یہی ہے کہ ہلال رمضان کی رویت ایک عادل یا مستور الحال شخص کی شہادت سے ثابت ہوجاتی ہے نیز یہ کہ ہلال رمضان کی شہادت میں لفظ شہادت کا استعمال شرط نہیں ہے مگر ایک شخص کی گواہی اسی صورت میں معتبر ہوگی جب کہ مطلع ابر وغبار آلود ہو اگر عید کی چاند رات کو ابر وغبار ہو تو پھر دو مرد یا ایک مرد اور دو عادل وآزاد عورتوں کی شہادت ہی معتبر ہوگی نیز یہ کہ اس موقع پر لفظ شہادت کا استعمال بھی شرط ہوگا پھر موقع ومحل کے پیش نظر شہادت کی صورت بھی بدلتی رہتی ہے۔مطلع صاف ہو تو جماعت کثیرہ کی شہادت ضروری ہوگی۔

ایک غلط نظریے کی زد میں عوامی خیالات:

آخر میں اس غلط نظریہ کا اِزالہ کردینا بھی ضروری ہے کہ سعودی عرب جو اسلامی ممالک کے لئے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے،

اس کے ساتھ ہی تمام اسلامی ملکوں میں روزہ اور عید کو ادا کرنا چاہئے۔

یہ نظریہ اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے کہ روزہ اور عید کا انحصار رویئتِ ہلال پر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: صوموا لروئیته واَفطروا لروئیته کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ نیز مطالع کا اختلاف بھی ایسی حقیقت ہے کہ اس کا انکار ناممکن ہے، اس لئے یہ نظریہ سرے ہی سے غلط ہے کہ سعودی عرب کے ساتھ دیگر اسلامی ممالک روزہ رکھیں اور عید اور دیگر مناسک ادا کریں۔

چھ ماہ یا کم بیش مدت کے دن؟

بعض ایسے علاقے ہیں وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے بلکہ بعض ایسے علاقے بھی ہیں جہاں غروبِ آفتاب کے تھوڑی دیر بعد فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جو ان علاقوں کے ہمسایہ ملک یا علاقے ہیں، ان کے اوقات کے مطابق اندازہ کر کے نماز پڑھی جائے اور روزے رکھیں جائیں، چنانچہ جامع ترمذی میں نواس بن سمعان سے روایت ہے کہ دجال زمان میں چالیس دن قیام کرے گا۔ ایک دن سال بقدر دوسرا دن مہینہ بقدر تیسرا دن جمعہ بقدر ہوگا اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ تعالی نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول کہ جب دن سال بقدر ہوگا تو اس میں صرف ایک دن کی نمازیں کفایت کریں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اندازہ کر کے سال بھر کی نمازیں پڑھی جائیں۔

مطلع کے عدم صاف ہونے میں شہادت وحدہ میں فقہ حنفی کا بیان:

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ خود شہادتِ رؤیت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی، ہلال رمضان مبارک کے لیے ایک ہی مسلمان عاقل، بالغ، غیر فاسق کا مجرد بیان کافی ہے کہ میں نے اس رمضان شریف کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اگر چہ کنیز ہو اگر چہ مستور الحال ہو، جس کی عدالت باطنی معلوم نہیں، ظاہر حال پابندِ شرع ہے اگر چہ اس کا یہ بیان مجلسِ قضاء میں نہ ہو، اگر چہ گواہی دیتا ہُوں نہ کہے، نہ دیکھنے کی کیفیت بیان کرے کہ کہاں سے دیکھا کدھر کو تھا کتنا اونچا تھا وغیرذٰلک۔ یہ اس صورت میں ہے کہ شعبان کو مطلع صاف نہ ہو، چاند کی جگہ ابر یا غبار ہو، اور بحال صفائی مطلع اگر ویسا ایک شخص جنگل سے آیا یا بلند مکان پر تھا تو بھی ایک ہی کا بیان کافی ہو جائے گا، ورنہ دیکھیں گے کہ وہاں کے مسلمان چاند دیکھنے میں کوشش رکھتے ہیں، بکثرت لوگ متوجہ ہوتے ہیں یا کاہل ہیں دیکھنے کی پروانہیں، بے پروائی کی صورت میں کم سے کم دو درکار ہوں گے اگر چہ مستور الحال ہوں، ورنہ ایک جماعتِ عظیم چاہئے کہ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرے جس کے بیان سے خوب غلبہ ظن حاصل ہو جائے کہ ضرور چاند ہُوا اگر چہ غلام یا کھلے فساق ہوں، اور اگر کثرت حدِ تواتر کو پہنچ جائے کہ عقل اتنے شخصوں کا غلط خبر پر اتفاق محال جانے تو ایسی خبر مسلم و کافر سب کی مقبول ہے۔ باقی گیارہ ہلالوں کے واسطے مطلقاً ہر حال میں ضرور ہے کہ دو مرد عادل یا ایک مرد دو عورتیں عادل آزاد جن کا ظاہری و باطنی حال تحقیق ہو کہ پابند شرع ہیں، قاضی شرع کے حضور لفظ اشھد گواہی دیں یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس مہینے کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اور جہاں قاضی شرع نہ ہو تو مفتی اسلام اُس کا قائم مقام ہے جبکہ تمام اہلِ شہر سے علمِ فقہ میں زائد ہو

اُس کے حضور گواہی دیں اور اگر کہیں قاضی و مفتی کوئی نہ ہو تو مجبوری کو اور مسلمانوں کے سامنے ایسے عادل دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کا بیان بے لفظ اشھد بھی کافی سمجھا جائے گا، ان گیارہ ہلالوں میں ہمیشہ یہی حکم ہے مگر عیدین میں اگر مطلع صاف ہو اور مسلمان رؤیتِ ہلال میں کاہلی نہ کرتے ہوں اور وہ دو گواہ جنگل یا بلندی سے نہ آئے ہوں تو اس صورت میں وہی جماعتِ عظیم درکار ہے، اسی طرح جہاں اور کسی چاند مثلاً ہلالِ محرم کا عام مسلمان پُورا اہتمام کرتے ہوں تو بحالتِ صفائی مطلع جبکہ شاہدین جنگل یا بلندی سے نہ آئیں تو ظاہراً جماعت عظیم ہی چاہئے کہ جس وجہ سے اُس کا ایجاب رمضان و عیدین میں کیا گیا تھا یہاں بھی حاصل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰، ص، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صاف مطالع کی صورت کثیر لوگوں کو گواہی کا حکم:

قَالَ (وَإِذَا لَمْ تَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ تُقْبَلْ الشَّهَادَةُ حَتَّى يَرَاهُ جَمْعٌ كَثِيرٌ يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ) لِأَنَّ التَّفَرُّدَ بِالرُّؤْيَةِ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ يُوهِمُ الْغَلَطَ فَيَجِبُ التَّوَقُّفُ فِيهِ حَتَّى يَكُونَ جَمْعًا كَثِيرًا ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لِأَنَّهُ قَدْ يَنْشَقُّ الْغَيْمُ عَنْ مَوْضِعِ الْقَمَرِ فَيَتَّفِقُ لِلْبَعْضِ النَّظَرُ ، ثُمَّ قِيلَ فِي حَدِّ الْكَثِيرِ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ خَمْسُونَ رَجُلًا اعْتِبَارًا بِالْقَسَامَةِ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَهْلِ الْمِصْرِ وَمَنْ وَرَدَ مِنْ خَارِجِ الْمِصْرِ ، وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّهُ تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْوَاحِدِ إذَا جَاءَ مِنْ خَارِجِ الْمِصْرِ لِقِلَّةِ الْمَوَانِعِ ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ فِي كِتَابِ الِاسْتِحْسَانِ ، وَكَذَا إذَا كَانَ عَلَى مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ فِي الْمِصْرِ

ترجمہ:

اور آسمان پر کسی قسم کی کوئی علت نہ ہو تو گواہی کو ہرگز قبول نہ کیا جائے حتیٰ کہ ایک بڑی جماعت دیکھ لے جن کی خبر سے یقین حاصل ہو جائے۔ کیونکہ اس طرح کی حالت میں اکیلے آدمی کیلئے رویئت ہلال کا ہونا غلطی کا وہم ہے۔ لہٰذا اس صورت میں توقف ضروری ہے۔ حتیٰ کہ ایک بڑی جماعت دیکھنے والی ہو۔ بہ خلاف اس کے کہ جب آسمان پر کوئی علت ہو کیونکہ علت کی صورت میں چاند کبھی اپنی جگہ سے الگ ہو جاتا ہے۔ تو بعض لوگوں کی نظر وہاں پڑ سکتی ہے۔ اور بڑی جماعت سے مراد اہل محلّہ لوگ ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک بڑی جماعت پچاس آدمی ہیں۔ انہوں قسامت پر قیاس کیا ہے۔ اور البتہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ شہری لوگ ہوں یا باہر سے آئے ہوئے لوگ ہوں۔

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایک شخص کی گواہی قبول کی جائے گی۔ جب وہ باہر سے آیا ہو۔ کیونکہ وہاں موانع (عدمِ رویئت) کے تھوڑے ہیں۔ اور کتاب الاستحسان میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح وہ شخص جو کسی بلند جگہ

سے چاند کو دیکھے۔

شرح

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان کے دنوں کو اس قدر احتیاط سے شمار کرتے تھے کہ اور کسی مہینے پر اتنی توجہ مبذول نہیں فرماتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے، اگر انتیس تاریخ کو مطلع ابر آلود ہوتا اور چاند کی رویت ثابت نہ ہوتی تو تیس دن پورے کرنے کے بعد روزہ شروع کرتے تھے۔ (ابو داؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ شعبان کے مہینے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص توجہ رہتی تھی اور اس کے دنوں کو بڑی احتیاط اور محافظت کے ساتھ شمار کرتے رہتے تھے تا کہ رمضان کے چاند کے بارے میں کوئی خربطہ پیدا نہ ہو، شعبان کے علاوہ اور کسی مہینے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قدر توجہ مبذول نہیں ہوتی تھی کیونکہ کسی دوسرے مہینے سے کوئی شرع امر متعلق نہیں تھا البتہ حج کا مہینہ ایسا ہوتا تھا جس سے ایک شرع فریضہ متعلق تھا سو وہ نادر ہے کہ نہ تو اس کا تعلق ہر شخص سے اور نہ ہر سال فرض ہے۔

ہلال رمضان کے نصابِ شہادت میں فقہی بیان:

جمہور ائمہ کا قول ہے کہ رمضان کے بارے میں ایک عادل مسلمان کی شہادت کافی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی شہادت پر روزہ رکھا اور دوسروں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ نیز ابن عمر رضی اللہ تعالی نے بیان کیا کہ **فأخبرت النبی صلی الله علیه وسلم أنی رأیته فصام وأمر الناس بصیامه** (ابوداود)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر بیان کیا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا : کیا تو کلمہ توحید اور رسالت کی شہادت دیتا ہے۔ اس نے اعتراف کیا، آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے کہ لوگ روزہ رکھیں (منتقی : ج ر ص)

اس حدیث کو ابن حبان اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

ہر دو احادیث سے ظاہر ہے کہ رمضان کے بارے میں ایک مسلمان عادل کی شہادت کافی ہے۔ امام نووی نے بھی اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔

ہلالِ عید کی شہادت میں مذاہب اربعہ:

ہلال عید کی شہادت کے لئے کم از کم دو گواہوں کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آخر رمضان میں ہلالِ عید کے متعلق جھگڑا ہوا۔ دو

اعرابی آئے اور انہوں نے شہادت دی کہ بخدا ہم نے کل عید کا چاند دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ روزہ افطار کر لیں اور صبح عید گاہ کی طرف نکلیں۔

عید کے بارے میں کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں جس میں ایک شہادت کا ذکر ہو۔

نصاب شہادتِ رمضان کے بارے میں اعتراض: امام مالک، لیث، اوزاعی، ثوری اور امام شافعی سے مروی (ایک قول میں) ہے کہ ہلالِ رمضان کے لئے ایک شہادت کافی نہیں بلکہ دو کی شہادت کا اعتبار ہوگا۔ ان ائمہ نے اپنے موقف کے بارے میں جو احادیث بیان کی ہیں، ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جو عبدالرحمٰن بن زید سے مردی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

فإن شهد شَاهِدَانِ مُسْلِمَانِ فصوموا وأفطروا (مسند احمد) اگر دو مسلمان شہادت دیں تو روزہ رکھو اور افطار کرو دوسری حدیث وہ ہے جو امیر مکہ حارث بن حاطب سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فإن لم نره وشهد شاهد عدل نَسَكْنَا بشهادتهما (ابوداود)

اگر ہم چاند نہ دیکھ پائیں اور دو عادل گواہ شہادت دے دیں تو ان کی شہادت پر شرعی احکام یعنی روزہ ر عید ادا کریں گے اور دار قطنی نے روایت کر کے اس کی سند کو متصل صحیح کہا (منتقی)

بظاہر ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہلالِ رمضان کے لئے بھی کم از کم دو گواہ ہوں۔ جن احادیث میں ایک گواہ کا ذکر ہے، ان میں دوسرے گواہ کی نفی نہیں ہے۔ اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے پہلے کسی دوسرے شخص سے بھی رویئتِ ہلال کا علم ہو گیا ہو۔

اس اعتراض کا ابن مبارک اور امام احمد بن حنبل نے یہ جواب دیا ہے کہ جن احادیث میں دو گواہوں کی تصریح ہے، ان سے زیادہ سے زیادہ ایک شہادت سے ممانعت بالمفہوم ثابت ہوتی ہے۔ مگر ابن عمر اور ابن عباس ہر دو کی احادیث میں ایک شہادت کی قبولیت کا بالمنطوق بیان ہے اور مسلمہ اُصول ہے کہ دلالتِ مفہوم سے دلالتِ منطوق راجح ہے۔ اس لئے یہی قول درست ہے کہ رویئتِ ہلال کے بارے میں ایک مسلمان عادل کی شہادت کافی ہے۔

پھر یہ احتمال پیدا کرنا کہ کسی دوسرے شخص سے رویئتِ ہلال کا علم ہو گیا ہو، شریعت کے بیشتر احکام کو معطل کر دینے کے مترادف ہے۔ البتہ عبدالرحمٰن اور امیر مکہ کی احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہلالِ عید کے لئے بہر حال کم از کم دو گواہوں کی ضرورت ہے۔

صاف مطلع کی صورت شہادت جماعت میں احناف کا موقف:

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب ابر و غبار کی حالت میں ہلال رمضان کے لیے ایک عادل یا مستور الحال کی خبر کافی ہے اگرچہ غلام یا عورت ہو رؤیت کی کیفیت بیان کرے خواہ نہ کرے، دعوٰی یا لفظ اشهد یا حکم یا مجلس قاضی کسی کی

شرط نہیں مگر فاسق کا بیان بالا تفاق مردود ہے اور عید کے لیے بحال ناصافی مطلع عدالت کے ساتھ دو مرد یا ایک مرد دو عورت کی گواہی بلفظ اشھد ضرور ہے اور اگر ایسے شہر میں ہوں جہاں کوئی حاکمِ اسلام نہیں تو بوجہ ضرورت بحال ابر و غبار ایک ثقہ شخص کے بیان پر روزہ رکھیں اور دو عادلوں کی خبر پر عید کرلیں، اور جب ابر و غبار نہ ہو تو ایسی بڑی جماعت کی خبر مقبول ہوگی جس سے ظنِ غالب حاصل ہو جائے اور امام سے مروی ہوا کہ دو گواہ کافی ہیں اور اسی کو بحر الرائق میں اختیار کیا، اور کتاب الاقضیہ میں فرمایا صحیح یہ ہے کہ ایک بھی کافی ہے اگر جنگل سے آئے یا بلند مکان پر تھا اور اسی کو امام ظہیر الدین نے اختیار فرمایا اور ذی الحجہ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا وہی حکم ہے جو ہلالِ عید الفطر کا۔ (درمختار، ج۱، ۱۴۸ص، مطبع مجتبائی دہلی)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب آسمان صاف ہو تو ہلالِ روزہ وعید کے قبول کو جماعتِ عظیم کی خبر شرط ہے اس لیے کہ بڑی جماعت کہ وُہ بھی چاند دیکھنے میں مصروف تھی اُس میں صرف دو ایک شخص کو نظر آنا حالانکہ مطلع صاف ہے ان دو ایک کی خطا میں ظاہر ہے، ایسا ہی بحر الرائق میں ہے اور جماعت عظیم میں عدالت شرط نہیں، ایسا ہی امداد الفتاح میں ہے، نہ آزادی شرط ہے ایسا ہی قہستانی میں ہے۔ (ردالمحتار، ج۲، ص۱۰۰، مطبوعہ، مصر)

عیدالفطر کے چاند میں ایک عادل کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا:

قَالَ (وَمَنْ رَأَى هِلَالَ الْفِطْرِ وَحْدَهُ لَمْ يُفْطِرْ) احْتِيَاطًا ، وَفِي الصَّوْمِ الِاحْتِيَاطُ فِي الْإِيجَابِ قَالَ . (وَإِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ يَقْبَلْ فِي هِلَالِ الْفِطْرِ إلَّا شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ) لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ نَفْعُ الْعَبْدِ وَهُوَ الْفِطْرُ فَأَشْبَهَ سَائِرَ حُقُوقِهِ ، وَالْأَضْحَى كَالْفِطْرِ فِي هَذَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ ، خِلَافًا لِمَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : أَنَّهُ كَهِلَالِ رَمَضَانَ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ نَفْعُ الْعِبَادِ وَهُوَ التَّوَسُّعُ بِلُحُومِ الْأَضَاحِيِّ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ يَقْبَلْ إلَّا شَهَادَةَ جَمَاعَةٍ يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ) كَمَا ذَكَرْنَا .

ترجمہ:

فرمایا: اور اگر کسی شخص نے تنہاء طور پر عید الفطر کا چاند دیکھا تو بطور احتیاط افطار نہ کرے۔ کیونکہ روزے (کے احکام میں) احتیاط روزے کو واجب کرنے والی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

اور جب آسمان پر کوئی علت ہو تو عید الفطر میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی صرف قبول کی جائے گی (اس سے کم کی گواہی نا قابل قبول اور نصاب سے زیادہ کی گواہی کے قبول میں کوئی شبہ نہیں ہے) کیونکہ اسی کے ساتھ لوگوں کے منافع متعلق ہیں اور وہ فطر ہے۔ لہٰذا تمام حقوق بندے کے مشابہ ہو گئے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور ظاہر الروایت کے مطابق عید الاضحیٰ کا حکم چاند دیکھنے میں عید الفطر کی طرح ہے۔ اور یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ بہ خلاف اس روایت کے جس کو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے

روایت کی گئی ہے۔ کہ عید الاضحیٰ کا چاند رمضان کے چاند کی طرح ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ بھی بندوں کا فائدہ متعلق ہے۔ اور فائدہ قربانیوں کے گوشت وسعت کا پایا جانا ہے۔ اور آسمان پر کسی قسم کی کوئی علت نہ ہو تو گواہی کو ہرگز قبول نہ کیا جائے حتیٰ کہ ایک بڑی جماعت دیکھ لے جن کی خبر سے یقین حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

شرح

اسی کے ساتھ لوگوں کے منافع متعلق ہیں اور وہ فطر ہے۔ لہٰذا تمام حقوق بندے کے مشابہ ہو گئے۔ (قاعدہ فقہیہ)

کیونکہ روزے (کے احکام میں) احتیاط روزے کو واجب کرنے والی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

پاکستان میں روئیت ہلال کے بارے میں توہمات اور مفتی منیب الرحمٰن صاحب:

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن نعیمی لکھتے ہیں۔ اس سال جمعرات 09 ستمبر یعنی 29 رمضان المبارک کی شام کو شوال المکرّم کا چاند نظر نہیں آیا تھا۔ لہٰذا جمعتہ المبارک 10 ستمبر کو 30 رمضان المبارک تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں مزید ایک روزے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس دن سہ پہر کو غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے اسلام آباد اور بعض علاقوں میں لوگوں کو چاند نظر آ گیا۔ اس سے لوگ شکوک شبہات میں مبتلا ہوئے۔ کیونکہ ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ہم بہت سے توہمات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض باتیں جو روایتی طور پر چلی آ رہی ہیں ہم ان کے حصار سے نہیں نکل پاتے اور اس میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ حضرات میں بھی بعض اوقات کوئی فرق نہیں رہتا۔ خواہ جدید سائنسی علم ہو یا دینی علم۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا صرف نظریاتی (Teoratical) ہوتا ہے، عملی (Practical) اور اطلاعاتی (Applied) نہیں ہوتا۔ ہمیں بتایا گیا کہ بعض روزے داروں نے روزہ توڑ دیا بہت معتکفین نے اعتکاف توڑ دیا۔ کم علمی کے سبب بعض مساجد سے غروب آفتاب سے پہلے چاند نظر آنے کا اعلان کر دیا گیا۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مسئلے کے تمام ضروری پہلوؤں پر گفتگو کریں تاکہ جو لوگ مثبت ذہن کے مالک ہیں اور روایات و توہمات کے اسیر نہیں ہیں، ان میں آگہی (Awairness) پیدا ہو اور کھلے دماغ کے ساتھ وہ حق بات کو قبول کریں۔ یہ علمی بحث اس لئے ضروری ہے کہ یہ شریعت کا ایک دائمی اور ہمیشہ جاری رہنے والا مسئلہ ہے۔

قمری مہینے کا دورانیہ:

قمری مہینہ یا تو 29 دن کا ہوتا ہے۔ یا 30 دن کا۔ حدیث پاک میں ہے ترجمہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے (اپنے دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں کو کشادہ کر کے تین مرتبہ اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا (قمری مہینہ) اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے، یعنی پورے تیس دن کا پھر آپ ﷺ نے (اسی طرح تین بار اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ کر کے تین بار اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا (قمری مہینہ) اس طرح، اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے۔ (اور آخری بار آپ نے ایک ہاتھ کے انگوٹھے کو دبا لیا۔ یعنی 29 دن کا، یعنی کبھی مہینہ پورے 30 دن کا ہوتا ہے۔ اور کبھی 29 دن کا (صحیح بخاری، رقم الحدیث 5302)۔

کیا کئی قمری مہینے مسلسل 29 دن یا 30 دن کے ہوسکتے ہیں؟

شریعت میں اس طرح کا کوئی طے شدہ ضابطہ نہیں ہے کہ سال میں کتنے قمری مہینے مسلسل 30 دن کے یا مسلسل 29 دن کے ہو سکتے ہیں؟ قرآن وسنت میں ایسی کوئی تصریح نہیں ہے۔ کہ زیادہ سے زیادہ کتنے قمری مہینے مسلسل 30 دن ہو سکتے ہیں اور کتنے مسلسل 29 دن کے ہوسکتے ہیں۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز نے علامہ قطب الدین شیرازی مصنف تحفہ شاہیہ وزیج الغ بیگی کے حوالے سے لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلسل چار قمری مہینے 30 دن کے ہوسکتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مسلسل تین قمری مہینے ممکنہ طور پر 29 دن کے ہوسکتے ہیں، (فتاویٰ رضویہ، جلد 26، ص:423 رضا فاونڈیشن، لاہور)

امام احمد قسطلانی نے ارشادالساری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے 2 یا 3 قمری مہینے مسلسل 29 دن کے ہوسکتے ہیں، 4 ماہ سے زائد مسلسل 29 دن کے نہیں ہوسکتے، (جلد 3، ص 357)

ایک ماہر فلکیات نے لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلسل 5 قمری مہینے 29 دن کے ہوسکتے ہیں، لیکن یہ سب امکانات کی بات ہے ان پر کسی شرعی فیصلے کا مدار نہیں ہے۔ ہمارے پاس اس کی سائنسی توجیہہ کا ایک چارٹ موجود ہے جسے ہم یہاں جگہ کی تنگی کے باعث شامل نہیں کر پارہے، ہماری فتاویٰ کی کتاب تفہیم المسائل جلد ششم میں یہ ساری تفصیلات چارٹ کے ساتھ موجود ہیں جو عنقریب شائع ہورہی ہے۔

نئے چاند کا چھوٹا بڑا ہونا:

نئی قمری تاریخ کے تعین کا مدار شرعاً اور سائنسی طور پر ہلال کے چھوٹا بڑا ہونے یا غروب آفتاب کے بعد مطلع پر اس کے موجود ہونے کی مقدار وقت Timing)) سے نہیں ہوتا، جیسا کہ ہمارے بعض اوقات اہل علم بھی کہہ دیتے ہیں، کہ چاند کافی بڑا ہے اور کافی دیر تک مطلع پر موجود رہا، لگتا ہے کہ ایک دن پہلے کا ہے۔ یہ سوچ اور طرز فکر غیر شرعی اور غیر سائنسی ہے۔ حدیث پاک میں ہے ترجمہ ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرے کے لئے گئے، جب ہم وادی نخلہ میں پہنچے تو ہم نے چاند دیکھنا شروع کیا، بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تیسری تاریخ کا چاند لگتا ہے اور بعض نے کہا یہ دوسری تاریخ کا چاند لگتا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں پھر ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو ہم نے (قیاس کی بنیاد پر اختلاف کی) یہ صورتحال ان سے بیان کی، تو انہوں نے فرمایا تم نے چاند کس رات کو دیکھا تھا؟ ہم نے کہا فلاں رات کو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے دیکھنے کیلئے اسے بڑھادیا، درحقیقت یہ اسی رات کا چاند ہے، جس رات کو تم نے اسے دیکھا ہے (صحیح مسلم، رقم الحدیث 2418)

یہ حدیث اس مسئلہ میں شریعت کی اصل ہے کہ نئے چاند کا مدار رویت پر ہے، اس امر پر نہیں ہے کہ اس کا سائز چھوٹا ہے یا بڑا یا مطلع پر اس کے نظر آنے کا دورانیہ کم ہے یا زیادہ، اس لئے کسی عالم یا تعلیم یافتہ شخص کا نیا چاند دیکھ کر یہ کہنا کہ یہ دو یا تین تاریخ کا لگتا ہے، یہ غیر شرعی اور غیر عالمانہ ہے۔ اسی طرح سائنسی حقیقت بھی یہی ہے مثلاً کسی قمری مہینے کے 29 تاریخ گزرنے کے بعد شام کو

نئے چاند کا غروب آفتاب کے فوراً بعد مطلع پر ظہور تو ہے مگر اس کا درجہ چار یا پانچ ہے، اس کی عمر 18 گھنٹے ہے اور مطلع پر اس کا ظہور پندرہ بیس منٹ ہے۔ تو اس صورت میں چاند مطلع پر موجود تو ہے لیکن اس کی رویت کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے۔ لہٰذا یہ قمری مہینہ 30 دن کا قرار پائے گا۔ اب اگلی شام کو اس چاند کی عمر 42 گھنٹے ہوجائے گی۔ مطلع پر اس کا درجہ 12 یا اس سے اوپر ہوجائے گا اور مطلع پر اس کا استقرار بھی نسبتاً زیادہ وقت کے لئے ہوگا۔ مثلاً پچاس منٹ اور اس کا حجم Size)) بھی بڑا ہوگا لیکن یہ قطعیت کے ساتھ چاند کی پہلی تاریخ ہوگی۔ لہٰذا میری اہلم علم اور اہل وطن سے اپیل ہے کہ توہمات کے حصار سے نکلیں اور حقیقت پسند بنیں۔

اس موضوع پر ہم رویت ہلال ریسرچ کونسل کے سیکرٹری جنرل خالد اعجاز مفتی صاحب کے مضمون کا ایک اقتباس پیش کررہے ہیں بعض لوگ قمری مہینے کی 30 تاریخ کی شام کو دکھائی دینے والے نئے چاند کی جسامت کو نسبتاً دیکھ کر یہ قیاس آرائی کرنے لگتے ہیں کہ یہ لازمی طور پر دوسری رات کا چاند ہے۔ یہ سوچ چاند کے فلکیات نظام سے لاعلمی پر مبنی ہے۔ نئے چاند کی جسامت کا کوئی خاص پیمانہ نہیں ہوتا۔ اس کا اندازہ اس کی عمر سے کیا جاسکتا ہے۔ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ ماہر فلکیات کے مشاہدوں کے مطابق 20 گھنٹے کی عمر کا چاند عموماً دکھائی نہیں دیتا اور 20 سے 30 گھنٹے کے درمیان عمر کا چاند دکھائی دینے کا انحصار متعدد فلکیاتی کیفیات پر ہوتا ہے۔ اس طرح چاند کے پہلی مرتبہ نظر آنے کی عمر 50 سے بھی زائد گھنٹوں تک ہوسکتی ہے۔ لہٰذا مختلف عمروں کے چاند جسامت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل مثالوں سے ہوگی۔

مثال 1)) ایک قمری مہینے کی 29 تاریخ کی شام کو ایک مقام پر چاند کی عمر 21 گھنٹے ہے اور اس کے دیکھے جانے میں کوئی فلکیاتی کیفیت مزاحم نہیں، لہٰذا رویت ہلال ہوگئی۔ اگر اس کی عمر 18 گھنٹے ہوتی تو وہ نظر نہ آتا بلکہ اگلی شام کو مزید 24 گھنٹے گزر جانے کے باعث 42(24+18) گھنٹے کی عمر ہوجانے پر پہلی مرتبہ دکھائی دیتا۔ اب اندازہ کیجئے کہ نیا چاند اول صورت میں 21 گھنٹے کی عمر میں نظر آگیا جبکہ صورت دوم میں 42 گھنٹے کی عمر میں دکھائی دیا۔ دونوں چاند پہلی رات کے ہیں۔ لیکن موخر الذکر صورت میں اس کی عمر دوگنا ہوجانے کے باعث اسی قدر جسامت کا حامل ہوگا اور اس حساب سے افق سے کافی بلند ہوگا جسے لوگ غلطی سے دوسری رات کا چاند خیال کریں گے۔

مثال 2)) یہ کم از کم کیفیت ہے، نیا چاند اس سے بھی بڑی جسامت کا ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ 20 سے 30 گھنٹوں کے درمیان عمر کا چاند دکھائی دینے کا انحصار متعدد فلکیاتی کیفیات پر بھی ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ 24 گھنٹے کی عمر کا چاند دیگر فلکیاتی کیفیات کے موزوں نہ ہونے کے باعث دکھائی نہ دے سکا (جیسا کہ پچھلے عنوان کے تحت نقشہ اول میں، ہم اس کے عملاً واقع ہونے کی صورت میں دیکھ چکے ہیں) جب وہ اگلی شام کو نظر آئے گا تو اس کی عمر 48(24+24) ہوچکی ہوگی، لہٰذا وہ مثال اول میں 42 گھنٹے کی عمر میں دکھائی دینے والے چاند سے بھی بڑا ہوگا۔

مثال 3)) یہی نہیں بلکہ ایک صورت میں پہلی رات کا چاند دوسری رات کے چاند سے بھی بڑا ہوسکتا ہے۔ مثال اول میں 21 گھنٹے کی عمر کا چاند نظر آگیا لہٰذا اگلی شام کو جب یہ دوسری تاریخ میں داخل ہوگیا تو اس کی عمر 45(24+21) گھنٹے ہوگی۔

مثال دوئم میں پہلی رات کا چاند 48 گھنٹے کی عمر میں دکھائی دیا۔ ظاہر ہوا کہ پہلی رات کا 48 گھنٹے کی عمر کا چاند دوسری رات کے 45 گھنٹے کی عمر کے چاند سے بھی بڑا ہے۔ درج بالا مثالوں سے واضح ہوا کہ تمیں کے چاند کی جسامت کو بڑا دیکھ کر یہ قیاس کرنا ضروری کرنا ہے کہ یہ ضروری طور پر دوسری رات کا چاند ہے، درست نہیں۔

چودھویں رات کے چاند سے رویت کی درستگی کا اندازہ کرنا:

عوام الناس میں یہ تصور عام ہے کہ رویت ہلال کے مطابق چودھویں رات کو چاند پوری شب مکمل دائرے کی صورت میں روشن ہوتا ہے۔ اس تصور کے تحت بعض لوگ چاند کی گولائی کی ظاہری تکمیل سے اس ماہ کی رویت ہلال کی درستگی کا اندازہ کرتے ہیں۔ یہ معیار قطعاً درست نہیں۔ چاند کی روشن جسامت ہر لمحے مسلسل بڑھتی یا گھٹتی رہتی ہے۔ قمری مہینے کے نصف اول میں بڑھتے رہنے کے عمل کے بعد ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ زمین کے مقابل چاند کی پوری جسامت روشن ہو جاتی ہے۔ فلکیات کی اصطلاح میں اسے فل مون Full moon) یا ماہ کامل کہتے ہیں اور یہ وقت کرہ ارض پر صبح، دوپہر شام اور رات کے چوبیس گھنٹوں پر پھیلے ہوئے اوقات میں کوئی لمحہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس کے فوراً بعد اس کی روشن سطح کے گھٹنے کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ چاند ساری رات یکساں جسامت کے ساتھ روشن نہیں رہتا۔ محض آنکھوں سے چاند دیکھ کر یہ اندازہ کرنا کہ یہ پورا چاند ہے بالکل ممکن نہیں اور نہ ہی بظاہر پورا دکھائی دینے والے چاند پر گھنٹوں نظر جما کر بھی یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔ کہ یہ تکمیل کے مرحلے میں ہے یا اس کے بعد مسلسل گھٹنے کے عمل میں ہے۔ یہ کام رصد گاہی آلات ہی انجام دے سکتے ہیں۔ جس طرح ماہرین فلکیات اپنے خصوصی فارمولوں پر چاند کی پیدائش کے ماہانہ اوقات کا تعین کرتے ہیں، اسی طرح وہ ہر مہینے کے ماہ کامل کے اوقات بھی معلوم کرتے ہیں۔ پس چودھویں رات کے عمومی تصور سے اس ماہ کی رویت ہلال معلوم کرنے کا معیار مقرر کرنا درست نہیں۔

دن کے وقت نظر آنے والے چاند کے بارے میں وضاحت:

چاند کی روایت سے متعلق یہ ضابطہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ دن کے وقت نظر آنے والا چاند خواہ وہ زوال سے پہلے نظر آئے یا بعد میں آئندہ آنے والی رات کا قرار پائے گا۔ اور اب جو رات آئے گی، مہینے کا آغاز اسی سے ہوگا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول یہی ہے اور یہی قول مختار ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں کہ ترجمہ اور جو چاند دن کے وقت نظر آئے، صحیح مذہب کے مطابق وہ ہر صورت میں اگلی رات کا شمار کیا جائے گا علامہ ابن عابدین شامی کی اس کی شرح میں لکھتے ہیں ترجمہ یعنی (دن میں چاند) زوال سے قبل نظر آئے یا زوال کے بعد (اس کا حکم ایک ہی ہے) مذہب پر ہونے کا معنی یہ ہے کہ قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے۔ بدائع الصنائع میں فرمایا پس طرفین (امام اعظم اور امام محمد) کے نزدیک وہ دن رمضان کا نہیں ہوگا، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر زوال کے بعد نظر آیا تو بے شک آئندہ شب کا ہے اور اگر زوال سے قبل نظر آیا تو پچھلی شب کا ہے اور وہ دن رمضان کا ہوگا اور ائمہ احناف اسی اختلاف پر (امام یوسف کے نزدیک) یہ شوال کا چاند ہے یعنی طرفین (امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) کے نزدیک

(دن میں چاند زوال سے پہلے نظر آئے یا زوال کے بعد) ہر صورت میں آئندہ شب کا ہے اور وہ دن رمضان کا ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر زوال سے پیشتر نظر آیا تو چاند شب گزشتہ کا ہے اور یہ دن عید کا ہے، اس لئے کہ ہلال عادتاً زوال سے قبل نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ دو رات کا چاند ہو، پس ہلال رمضان میں وہ دن رمضان کا ہونا ضروری ہوا اور شوال کے چاند میں عید کا دن اور طرفین کے نزدیک اصل یہ ہے کہ دن کی رویت کا اعتبار نہیں، اعتبار غروب کے بعد کا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(رمضان کا) چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر ہی روزہ چھوڑو (صحیح بخاری، رقم الحدیث 1909 :)

پس صوم وافطار کا حکم رویت کے بعد ہے۔ اس صورت میں امام ابو یوسف کا قول نص کے مخالف ہے۔ فتح القدیر میں ہے: حدیث شریف نے روزہ رکھنے یا عید منانے کے لئے یہ لازم قرار دیا ہے کہ چاند پہلے نظر آئے۔ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے (ائمہ کرام) کے نزدیک رویت سے ظاہر مفہوم یہی ہے کہ ہر قمری مہینے کی آخری شام کو (غروب آفتاب کے بعد) چاند نظر آئے، یعنی ہر مہینے کی تیس تاریخ کو زوال سے قبل رویت معتبر نہیں ہے اور مختار قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے۔

(ردالمختار، جلد 3، ص 322 :، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا: اخیر تاریخ رمضان شریف کا روزہ چاند دیکھ کر افطار کر لینا جائز ہے یا نہیں یعنی تیسویں کا چاند اکثر تیسرے پہر سے نظر آتا ہے تو آیا اسی وقت روزہ کھول لیں یا غروب آفتاب کے بعد؟ آپ نے جواب میں لکھا: کسی تاریخ کا روزہ دن سے افطار کر لینا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام قطعی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرض کیا کہ روزہ رات تک پورا کرو یعنی جب آفتاب ڈوبے اور دن ختم اور رات شروع ہو، اس وقت کھولو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ترجمہ: پھر روزہ کو شام تک پورا کرو۔ (بقرہ 187 :)۔

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام کے صحیح معتمد مذہب کے مطابق ہر حال میں دن کو چاند دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں، مگر امام ثانی (امام ابو یوسف) کے قول پر ہے کہ اگر زوال سے پہلے دیکھا تو یہ گزشتہ رات کا ہوگا، تو اب افطار کا یہ معنی نہیں کہ یہ دن کے روزے کا افطار ہے بلکہ اس سے امام ثانی کے نزدیک ثبوت عید ہو رہا ہے کیونکہ گزشتہ رات کا چاند ہے تو عید کی وجہ سے افطار ہے اور حضور ﷺ کے فرمان مبارک چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو کا معنی یہ نہیں کہ جب دیکھو تو افطار کرو، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ مغرب کے بعد محض چاند دیکھنے سے اسی وقت روزہ لازم ہو جائے اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، ص 389-388 :، رضا فاونڈیشن، لاہور)

اعتکاف خواہ قصداً توڑا ہو یا کسی عذر کے سبب، اس کی قضا واجب ہے اور جس دن توڑا فقط اس ایک دن کی قضا لازم ہے۔ یہ قضا روزے کے ساتھ ہوگی۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ترجمہ: اور جب اعتکاف واجب فاسد ہوگیا، تو اس کی قضا واجب ہے۔ پس اگر وہ کسی معین مہینے کا اعتکاف تھا، تو جس دن افطار کیا (یعنی اعتکاف فاسد ہوا) اسی ایک دن کی قضا اس کے ذمے لازم ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص 213 :)۔

علامہ غلام رسول سعیدی تفسیر تبیان القرآن میں علامہ ابن عابدین شامی حنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں : رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہر چند کہ نفل ہے لیکن شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے، اگر کسی شخص نے ایک دن کا اعتکاف کر کے فاسد کر دیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اسؒ پر پورے دس دن کی قضا لازم ہے اور امام ابو حنفیہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر صرف اسی دن کی قضا لازم ہے (یعنی روزے کے ساتھ ایک دن کا اعتکاف)۔ اس کے برعکس نفل میں اگر کچھ دیر مسجد میں بیٹھ کر باہر نکل گیا تو اس پر قضا نہیں کیونکہ اس کے باہر نکلنے سے وہ اعتکاف ختم ہو گیا۔ (تبیان القرآن، جلد 1، ص 739 :)

جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ بعد میں اس ایک روزے کی قضا رکھیں، کفارہ لازم نہیں۔ اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے رمضان یا عید کا چاند دیکھا مگر اس کی گواہی کسی سبب سے رد کر دی گئی مثلاً فاسق ہے یا عید کا چاند اس نے تنہا دیکھا تو اسے حکم ہے کہ روزہ رکھے اگر چہ اس نے خود عید کا چاند دیکھا ہے، مگر اس روزہ کو توڑنا جائز نہیں اگر توڑے گا تو کفارہ لازم نہیں۔ علامہ علاوالدین حصکفی لکھتے ہیں : ترجمہ : کسی عاقل بالغ نے رمضان یا عید کا چاند دیکھا اور اس کا قول دلیل شرعی کی بنا پر رد کر دیا گیا (یعنی اس کی گواہی قبول کر کے اس پر فیصلہ نہیں کیا گیا) تو اس کے لئے مطلقاً روزہ رکھنا واجب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے لئے روزہ رکھنا مستحب ہے، اگر روزہ نہ رکھا تو فقط قضا ہے، کیونکہ گواہی رد ہونے کی بنا پر اس کے لئے صورت مسئلہ مشتبہ ہے (اور حدود و کفارات شبہے کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں)۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 3، ص 313 :، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

فقہی حوالہ جات کی روشنی میں شرعی مسئلہ واضح کرنے کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ سائنسی اور فنی وجوہات کو بھی قارئین کے سامنے لائیں۔ اس سلسلے میں رویت ہلال ریسرچ کونسل کے سیکرٹری جنرل خالد اعجاز مفتی صاحب کی سائنسی توجیہہ درج ذیل ہے:

09 ستمبر 2010ء بمطابق /29 رمضان المبارک کی شام پاکستان کے کسی بھی حصے سے رویت ہلال کی مستند شہادتیں موصول نہ ہونے کے باعث مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان نے عدم رویت کا فیصلہ کیا اور اس طرح /10 ستمبر 2010ء جمعۃ المبارک کو 30 رمضان المبارک اور /11 ستمبر 2010ء کو یکم شوال المکرّم 1431ھ قرار دیا۔ یہ فیصلہ سائنس اور فلکیات کی رو سے بھی درست ہے۔ جمعۃ المبارک /10 ستمبر کو سہ پہر تقریباً تین بجے اسلام آباد میں چاند دکھائی دینا کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ سائنس کے عین مطابق ہے۔ نئے چاند کی فلکیاتی اور دینی اصطلاحات کے علاوہ رویت ہلال کے سائنسی پہلوؤں پر غور کرنا ہوگا۔ اگر ہم چاند کے بڑھنے گھٹنے کے عمل پر غور کریں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ قمری ماہ کے پہلے دو ہفتوں کے دوران یہ ہمیں روز بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر یہ دائرے کی صورت میں مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اگلے دو ہفتے اس کی جسامت (Size) ہر روز کم ہوتی نظر آتی ہے اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ چاند نظروں سے بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دوبارہ چاند کے بڑھنے کا عمل نئے سرے سے شروع ہوتا ہے۔ اس وقت کو قرآن شمس و قمر (Conjunction) یا اتصال شمس و قمر یا اماوس کہتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب سورج اور چاند ایک سیدھ میں صفر درجہ پر ہوتے ہیں۔ علم فلکیات میں یہی اس کے نیا

چاند کہلانے کا وقت ہے اور رصد گاہی کی کتب میں نئے چاند کے اوقاف اسی کیفیت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اسے نئے چاند کی پیدائش بھی کہتے ہیں اور چاند کی طبعی عمر اسی وقت سے شمار کی جاتی ہے۔

فلکیاتی اصطلاح کا نیا چاند اپنے ابتدائی دور میں بال سے زیادہ باریک، سورج سے بہت قریب اور اس کی طاقت ور شعاعوں کی براہ راست زد میں ہوتا ہے، لہٰذا انسانی آنکھیں یا غیر معمولی قوت کی دوربینیں بھی اسے دیکھنے کے قابل نہیں ہوتیں۔ جوں جوں چاند کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے، اس کی جسامت بھی بڑھتی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ سورج سے دور ہٹتے ہوئے اس کی شعاعوں کی طاقت سے بھی بتدریج محفوظ ہوتا چلا جاتا ہے۔ بالآخر ایک وقت اس کا وجود اس قدر ہو جاتا ہے کہ سورج سے ایک خاص فاصلے پر غروب آفتاب کے بعد انسانی آنکھوں کو پہلی بار نظر آنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ بصری نیا چاند ہے، جو دوسرے الفاظ میں رویت ہلال کے معروف نام سے موسوم ہے۔ فلکیاتی اور مقامی احوال کے تحت رویت ہلال پر اثر انداز ہونے والے عوامل یوں ترتیب دیئے جاسکتے ہیں۔

فلکیاتی کیفیات : (الف) چاند کی عمر (ب) غروب شمس اور غروب قمر کے درمیان فرق (ج) چاند کا سورج سے زاویائی فاصلہ (Longitudinal Distance) (د) سورج کا افق سے نیچے ہونا (ح) چاند کا ارتفاع (Altitude of Moon) (و) چاند کا زمین سے فاصلہ۔

مقامی کیفیات : (الف) مطلع (Horizon) کی کیفیت (ب) فضا کا شفاف پن (Transparency) (ج) مقام مشاہدہ کا محل وقوع یعنی طول بلد (longitude) اور عرض بلد (Latitude)۔ مقام مشاہدہ کی بلندی اگر سطح سمندر سے کم ہو تو انعطاف نور (Refraction of Light) کی شرح زیادہ ہوگی اور رویت ہلال کے لیے زیادہ سازگار ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہاڑوں کے بہ نسبت ساحل سمندر پر نیا چاند دکھائی دینے کے امکانات زیادہ وہتے ہیں۔ سائنسی اور فلکیاتی توضیحات کی باریکیوں میں الجھے بغیر ایک عام آدمی بھی مطلع صاف ہونے کی صورت میں صرف دو معلومات کی بناء پر کسی حد تک رویت ہلال کے امکان کا پیشگی تعین کر سکتا ہے یا شہادتوں کے معیار کو پرکھ سکتا ہے۔ اول چاند کی عمر اور دوئم غروب شمس اور غروب قمر کا درمیانی فرق۔ رویت ہلال کیلئے چاند کی عمر کم از کم بیس گھنٹے نیز غروب شمس اور غروب قمر کا درمیانی فرق کم از کم چالیس منٹ ہونا چاہیے، اگر چاند کی عمر 30 گھنٹوں سے بڑھ جائے تو غروب شمس اور غروب قمر کا درمیانی فرق 35 منٹ ہونے پر بھی ہلال نظر آجاتا ہے یا اگر غروب شمس اور غروب قمر کا درمیانی فرق 50 منٹ سے بڑھ جائے تو تقریباً 19 گھنٹے کی عمر کا چاند بھی دکھائی دے جاتا ہے۔

اصل مسئلہ : رویت ہلال کے لئے غروب آفتاب کا وقت اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس سے قبل ہم نیا چاند دیکھنے کی کوشش کریں گے تو سورج کی تیز روشنی کے باعث ہماری آنکھیں چندھیا جائیں گی اور ہم اتنا باریک چاند اس کی موجودگی کے باوجود دیکھ نہیں پائیں گے۔ نیا چاند دکھائی دینے کیلئے سورج کا غروب ہونا یا سورج کی براہ راست شعاعوں کی زد سے محفوظ ہونا ضروری ہے۔ ستمبر 2010ء میں نیا چاند، /8 ستمبر کو پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق سہ پہر تین بج کر تیس منٹ پر پیدا ہوا۔ /9 ستمبر کو

غروب آفتاب کے وقت اگرچہ چاند کی عمر پاکستان کے تمام شہروں میں ساڑھے 26 گھنٹوں سے بھی تجاوز کر چکی تھی لیکن غروب شمس اور غروب قمر کا درمیانی فرق کسی بھی شہر میں 28 منٹ سے زائد نہیں تھا، لہٰذا جمعرات کی شام نیا چاند دکھائی نہیں دیا۔ اگر نیا چاند سہ پہر ساڑھے تین بجے کی بجائے گیارہ بجے قبل از دو پہر پیدا ہوا ہوتا تو وہ جمعرات کی شام دکھائی دے جاتا۔ جمعۃ المبارک 10/ ستمبر بمطابق 30 رمضان المبارک کی سہ پہر اسلام آباد میں سورج کے آگے اتنے گھنے بادل آ گئے کہ وہ سورج کی براہ راست روشنی کے آئی نائن سیکٹر پہنچنے کی راہ میں مزاحم ہو گئے جبکہ بادلوں کے اوپر سے سورج کی روشنی چاند کے جس حصے پر پہنچ رہی تھی، وہ روشن ہو رہا تھا، لہٰذا وہ پتنگ اڑاتے بچے کو بھی دکھائی دے گیا حالانکہ وہ بچہ رویت ہلال کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ یہ امر مدنظر رہے کہ اس وقت چاند کی عمر 47 گھنٹوں سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔ اگر بادل سورج کی روشنی میں مزاحم نہ ہوتے تو کوئی بھی انسان چاند کی وہاں موجودگی کے باوجود اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا، تو آنکھیں چندھیا جانے کے باعث اسے دیکھ نہ پاتا۔ رہا یہ سوال کہ اس واقعہ سے ماہ شوال 1431ھ کا 10/ ستمبر کی شام سے آغاز مشکوک قرار پاتا ہے، تو اس کا انتہائی سادہ جواب یہ ہے کہ جب 9/ ستمبر کی شام رویت ہلال نہیں ہوئی تھی، تو شرعی حکم کے مطابق رمضان المبارک کے تیس ایام مکمل کرنے کے بعد ہی شوال کا آغاز ہونا تھا۔

ہم نے شرعی اور سائنسی دونوں پہلوؤں کی وضاحت کر دی ہے۔ سائنسی اور فلکیاتی اعتبار سے قمری ماہ کی انتیس یا تیس تاریخ کو دن کے وقت بعض موسمی احوال کی وجہ سے چاند نظر آ سکتا ہے، لیکن اس سے چاند کی تاریخ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ چاند گزشتہ شب ہی سے متعلق ہوتا ہے۔ شرعی اور سائنسی اعتبار سے نئے قمری ماہ کا آغاز اسی صورت میں ہوگا جب چاند اس دن غروب آفتاب کے بعد نظر آئے۔ یہ تفصیلی بحث ہم نے اس لئے کی کہ جب تک دنیا قائم ہے، نظام شمس و قمر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری رہے گا۔ شمسی اور قمری مہینوں کا آغاز اور اختتام بھی ہوتا رہے گا اور ان کے ساتھ جو دینی امور متعلق ہیں وہ بھی جاری و ساری رہیں گے۔ بس یہ ضابطہ ذہن میں رہے کہ نئے قمری مہینے کا آغاز اسی وقت ہوگا، جب قمری مہینے کی انتیس تاریخ کو غروب آفتاب کے بعد مطلع پر چاند نظر آئے، ورنہ وہ قمری مہینہ تیس کا قرار پائے گا اور اگلے دن کو بعض موسمی وجوہ اور فلکیاتی احوال کے باعث کسی وقت آسمان پر چاند نظر بھی آ جائے، تو اس سے قمری تاریخ میں کوئی رد و بدل نہیں ہوگا۔ اس لئے تمام برادران ملت سے گزارش ہے کہ وہ اس حوالے سے توہمات اور ضعیف الاعتقادی میں مبتلا نہ ہوں۔

روزے کے ابتدائی وانتہائی وقت کا بیان:

قَالَ (وَوَقْتُ الصَّوْمِ مِنْ حِينِ طُلُوعِ الْفَجْرِ الثَّانِي إلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ) إلَى أَنْ قَالَ (ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إلَى اللَّيْلِ) وَالْخَيْطَانِ بَيَاضُ النَّهَارِ وَسَوَادُ اللَّيْلِ (وَالصَّوْمُ هُوَ الْإِمْسَاكُ عَنْ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ نَهَارًا مَعَ النِّيَّةِ) لِأَنَّهُ فِي حَقِيقَةِ اللُّغَةِ :هُوَ الْإِمْسَاكُ عَنْ الْأَكْلِ

وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ لِوُرُودِ الِاسْتِعْمَالِ فِيهِ إلَّا أَنَّهُ زِيدَ عَلَيْهِ النِّيَّةُ فِي الشَّرْعِ لِتَتَمَيَّزَ بِهَا الْعِبَادَةُ مِنْ الْعَادَةِ ، وَاخْتَصَّ بِالنَّهَارِ لِمَا تَلَوْنَا ، وَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ الْوِصَالُ كَانَ تَعْيِينُ النَّهَارِ أَوْلَى لِيَكُونَ عَلَى خِلَافِ الْعَادَةِ ، وَعَلَيْهِ مَبْنَى الْعِبَادَةِ ، وَالطَّهَارَةُ عَنْ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ شَرْطٌ لِتَحَقُّقِ الْأَدَاءِ فِي حَقِّ النِّسَاءِ .

ترجمہ:

اور فجر ثانی کے طلوع سے لیکر سے غروب تک روزے کا وقت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ تم کھاؤ پیؤ حتیٰ کہ تمہارے لئے فجر کے سیاہ ڈورے سے سفید ڈورا ظاہر ہو جائے۔ اور اللہ تعالی کا یہ بھی فرمان ہے کہ تم روزے کو رات تک پورا کرو۔ اور دونوں ڈروں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی ہے۔

اور تمام دن کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا نام روزہ ہے۔ کیونکہ صوم کا معنی حقیقی لغت کے مطابق امساک ہے۔ پھر اس کا ورد کھانے پینے اور جماع سے رکنے میں استعمال ہوا ہے۔ اور شریعت میں اس پر نیت کا اضافہ کیا گیا ہے تا کہ عبادت و عادت میں فرق ہو جائے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور روزے کا دن کے ساتھ خاص ہونا اسی آیت کی وجہ سے ہے جسے ہم تلاوت کر چکے ہیں۔ کیونکہ وصال (ملانا) متعذر رہا تو دن کا تعین افضل ہے ۔ (قاعدہ فقہیہ) اس لئے کہ عادت کے خلاف ہو جائے۔ اور عبادت کی بنیاد ہی خلاف عادت پر ہے۔ اور عورتوں کے حق میں ثبوت صوم کیلئے حیض و نفاس پاک ہونا شرط ہے۔

شریعت میں اس پر نیت کا اضافہ کیا گیا ہے تا کہ عبادت و عادت میں فرق ہو جائے۔ (قاعدہ فقہیہ)

کیونکہ وصال (ملانا) متعذر رہا تو دن کا تعین افضل ہے ۔ (قاعدہ فقہیہ)

سحری کے وقت سفیدی کے ظاہر ہونے میں فقہی مذاہب:

حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب من الفجر کا لفظ نہیں اترا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوئی کھاتے پیتے رہے اس کے بعد یہ لفظ اترا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات سے دن ہے،۔

مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے (سیاہ اور سفید) اپنے تکیئے تلے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھاتا پیتا رہا صبح کو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا نکل اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے، مطلب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے اگر تیرے تکیہ تلے یہ دونوں آ جاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق و مغرب تک کی ہے،

صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتا موجود ہے، بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہے کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے، بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کئے ہیں کہ کند ذہن ہے لیکن یہ معنی غلط ہیں، بلکہ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب تکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہی ہوگی واللہ اعلم۔

بخاری شریف میں حضرت عدی کا اسی طرح کا سوال اور آپ کا اسی طرح کا جواب تفصیل وار یہی ہے، آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا مستحب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ کی رخصتوں پر عمل کرنا اسے پسند ہے، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے (بخاری و مسلم)

ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے (مسلم) سحری کا کھانا برکت ہے اسے نہ چھوڑو اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی اللہ تعالی اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (مسند احمد)

اسی طرح کی اور بھی بہت سے حدیثیں ہیں سحری کو دیر کر کے کھانا چاہئے ایسے وقت کہ فراغت کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں (بخاری و مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحری میں تاخیر کرے تب تک بھلائی میں رہے گی۔ (مسند احمد)

یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام غذائے مبارک رکھا ہے، مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا لیکن اس میں ایک راوی عاصم بن ابونجود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالی فاذا بلغن اجلهن ا لخ یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقتوں کو پہنچ جائیں مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب ہو یہی مراد یہاں اس حدیث سے بھی ہے کہ انہوں نے سحری کھائی اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا ہو گئی کوئی کہتا تھا نہیں ہوئی کہ اکثر اصحاب رسول اللہ کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے۔

جیسے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابوہریرہ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق طلوع ہونے کے بالکل قریب تک ہی سحری کھانا مروی ہے، جیسے محمد بن علی بن حسین، ابومجلز، ابراہیم نخعی، ابوالضحی، ابووائل وغیرہ، شاگردان ابن مسعود، عطا، حسن، حاکم بن عیینہ، مجاہد، عروہ بن زبیر، ابوالشعثاء، جابر بن زیاد، اعمش اور جابر بن رشد کا ہے۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب ہوتے ہی افطار کرنا، لیکن یہ قول کوئی اہل علم قبول نہیں کر سکتا کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہے قرآن میں خیط کا لفظ موجود ہے، بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر تم سحری سے نہ رک جایا

کرو وہ رات باقی ہوتی ہے اذان دے دیا کرتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو جب تک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان نہ سن لو وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے۔

مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ فجر نہیں جو آسمان کے کناروں میں لمبی پھیلتی ہے بلکہ وہ جو سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے کہ اس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رکو بلکہ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سرخ دھاری پیش ہو جائے،

ایک اور حدیث میں صبح کاذب اور اذان بلال کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے ایک اور روایت میں صبح کاذب کو صبح کی سفیدی کے ستون کی مانند بتایا ہے، دوسری روایت میں اس پہلی اذان کو جس کے موذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سوتوں کو جگانے اور نماز تہجد پڑھنے والوں اور قضا لوٹانے کے لئے ہوتی، فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو (یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ فجر دو ہیں ایک تو بھیڑیے کی دم کی طرح ہے اس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی ہاں وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ صبح کی نماز اور روزے دار کا کھانا موقوف کرنے کا وقت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے اسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں لیکن فجر جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے۔ حضرت عطا سے مروی ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے نہ اس سے نماز کا وقت آیا ہوا معلوم ہو سکتا ہے نہ حج فوت ہوتا ہے لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے یہ وہ صبح ہے ہ روزہ دار کے لئے سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کو نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے ان دونون روایتوں کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے منقول ہے۔ اللہ تعالی ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۱۸۷)

روزے کے افطار میں جلدی کا بیان:

امام نسائی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔۔ ابوعطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور حضرت مسروق دونوں کے دونوں ایک روز عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ مسروق نے فرمایا کہ دو حضرات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں اور دونوں کے دونوں نیک کام میں کوتاہی نہیں کرتے۔ لیکن ان میں سے ایک نماز بھی تاخیر سے ادا کرتا ہے اور روزہ بھی تاخیر سے افطار کرتا ہے اور دوسرا شخص نماز بھی جلدی سے پڑھتا ہے اور وہ شخص روزہ بھی جلد افطار کرتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ کون شخص ہے جو کہ نماز بھی جلدی ادا کرتا ہے اور روزہ بھی جلدی افطار کر لیتا ہے؟ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بات سن کر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طریقہ سے عمل فرمایا کرتے تھے۔ (سنن نسائی)

سحری کے وقت میں فقہی تطبیق کا بیان:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ۔ کہ بلال رضی اللہ عنہ کچھ رات رہنے سے اذان دے دیا کرتے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان نہ دیں تم کھاتے پیتے رہو کیونکہ وہ صبح صادق کے طلوع سے پہلے اذان نہیں دیتے۔

قاسم نے بیان کیا کہ دونوں (بلال اور ام مکتوم) کی اذان کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہوتا تھا کہ ایک چڑھتے تو دوسرے اترتے۔

علامہ قسطلانی نے نقل کیا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سحری بہت قلیل ہوتی تھی ایک آدھ کھجور یا ایک آدھ لقمہ اسی لئے یہ قلیل فاصلہ بتلایا گیا حدیث ہذا میں صاف مذکور ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ صبح صادق سے پہلے اذان دیا کرتے تھے یہ ان کی سحری کی اذان ہوتی تھی اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ فجر کی اذان اس وقت دیتے جب لوگ ان سے کہتے کہ فجر ہوگئی ہے کیونکہ وہ خود نابینا تھے۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں والمعنی فی الجمیع ان بلالا کان یوذن قبل الفجر ثم یتربص بعدُ للدعاء ونحوہ ثم یرقب الفجر فاذا قارب طلوعہ نزل فاخبر ابن ام مکتوم ۔ الخ یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر سے قبل اذان دے کر اس جگہ دعاء کے لئے ٹھہرے رہتے اور فجر کا انتظار کرتے جب طلوع فجر قریب ہوتی تو وہاں سے نیچے اتر کر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اطلاع کرتے اور وہ پھر فجر کی اذان دیا کرتے تھے ہر دو کی اذان کے درمیان قلیل فاصلہ کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے آیت قرآنیہ حتی یتبین لکم الخیط الابیض سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صبح صادق نمایاں ہوجانے تک سحری کھانے کی اجازت ہے جو لوگ رات رہتے ہوئے سحری کھالیتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہے سنت سحری وہی ہے کہ اس سے فارغ ہونے اور فجر کی نماز شروع کرنے کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہو جتنا کہ پچاس آیات کے پڑھنے میں وقت صرف ہوتا ہے طلوع فجر کے بعد سحری کھانا جائز نہیں ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں سحری اپنے گھر کھاتا پھر جلدی کرتا تا کہ نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جائے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ (سحری وہ بالکل آخر وقت کھایا کرتے تھے پھر جلدی سے جماعت میں شامل ہوجاتے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز ہمیشہ طلوع فجر کے بعد اندھیرے ہی میں پڑھا کرتے تھے ایسا نہیں جیسا کہ آج کل حنفی بھائیوں نے معمول بنالیا ہے کہ نماز فجر بالکل سورج نکلنے کے وقت پڑھتے ہیں ہمیشہ ایسا کرنا سنت نبوی کے خلاف ہے نماز فجر کو اول وقت ادا کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

حضرت قتادہ نے بیان کیا ان سے انس نے اوران سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے سحری کھائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے میں نے پوچھا کہ سحری اور اذان میں کتنا فاصلہ ہوتا تھا تو

انہوں نے کہا کہ پچاس آیتیں (پڑھنے) کے موافق فاصلہ ہوتا تھا۔

اس حدیث کی سند میں حضرت قتادہ بن دعامہ کا نام آیا ہے ان کی کنیت ابوالخطاب السدوسی ہے نابینا اور قوی الحافظ تھے، بکر بن عبداللہ مزنی ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ قوی الحافظہ بزرگ کی زیارت کرے وہ قتادہ کو دیکھ لے، خود قتادہ کہتے ہیں کہ جو بات بھی میرے کان میں پڑتی ہے اسے قلب فوراً محفوظ کرلیتا ہے، عبداللہ بن سرجس اور انس اور سے بہت دیگر حضرات سے روایت کرتے ہیں۔ 70ھ میں انتقال فرمایا رحمۃ اللہ علیہ (آمین)

کوئی شخص دوسرے ملک سے رمضان کے روزے رکھ کر آئے تو اب تکمیل کس حساب سے کرے

سوال: کوئی شخص مثلاً سعودی عرب سے روزہ رکھ کر آئے، جہاں رمضان المبارک ایک دن پہلے شروع ہوا تھا، وہاں کے حساب سے رمضان کے ایام ختم ہوگئے ہیں، لیکن یہاں پاکستان میں رمضان کا آخری دن چل رہا ہے، تو اب وہ کیا کرے، جہاں اور جس ملک میں رمضان المبارک شروع کیا تھا، اس کے حساب کے مطابق رمضان کی تکمیل کرے یا جہاں اب پہنچا ہے، اس کے حساب سے رمضان کی تکمیل کرے۔

جواب: اس سلسلے میں ہمارے سامنے دو نصوص حدیث ہیں، ایک یہ کہ الصَّومُ یَومَ یَصُومُونَ وَالفِطرُ یَومَ یُفطِرُونَ یعنی تم جس مقام پر ہو اس کے مطابق روزہ رکھو یا عید مناؤ، یعنی ان کی پیروی کرو، لہٰذا اگر تمہارے تیس روزے پورے بھی ہوگئے ہیں، تب بھی اس مقام والوں کو ساتھ دو، اس مقام کی اتباع میں آپ کے لئے ابھی رمضان جاری ہے۔

دوسرا یہ ماہ رمضان زیادہ سے زیادہ تیس دن کا ہوتا ہے، اگر آپ کے تیس روزے پورے ہوگئے ہیں تو آپ یہاں اب 31 واں دن کا روزہ نہ رکھیں، جبکہ فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، پس تم میں سے جو اس ماہ رمضان کو پائے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے روزے رکھے والی آیت قرآنی کی رو سے آپ اس مقام پر رمضان کو پارہے تھے، لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ روزہ رکھیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ آپ کے لئے یہ رمضان 31 دن کا متحقق ہوگا، آپ کے مخصوص حالات کی بناء پر۔

اور اگر آپ یہاں سے روزہ رمضان کا آغاز کر کے سعودی عرب جائیں اور وہاں بالفرض 29 ویں رمضان کو چاند نظر آئے گا، جبکہ آپ کے ابھی اٹھائیس روزے ہوئے کیونکہ پاکستان میں رمضان ایک دن پیچھے شروع ہوا تھا، تو اب کے پاس دو راستے ہیں الصَّومُ یَومَ یَصُومُونَ وَالفِطرُ یَومَ یُفطِرُونَ پر عمل کرتے ہوئے روزہ نہ رکھیں اور بعد میں ایک دن کی قضا رکھیں، کیونکہ رمضان المبارک 29 دن سے کم کا نہیں ہوتا۔ یا اَکْمِلُوا العِدَّۃَ پر عمل کرتے ہوئے ان کے ساتھ عید نہ منائیں اور اپنے روزے مکمل کرلیں۔

باب ما يوجب القضاء والكفارة

یہ باب ان اسباب کے بیان میں ہے جو قضاء اور کفارے کو واجب کرتے ہیں

باب وجوب قضاء و کفارہ کی مطابقت فقہی کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ باب ان اسباب کے بیان میں ہے جو قضاء اور کفارے کو واجب کرتے ہیں۔ مصنف جب روزہ اور اس کی اقسام کے بیان سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے اس کے عوارض کو بیان کرنا شروع کیا ہے کیونکہ عوارض ہمیشہ مؤخر ہوتے ہیں۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۲۸۰، حقانیہ ملتان)

قضاء کے احکام ہمیشہ مؤخر ہوتے ہیں کیونکہ قضاء ادا کی محتاج ہوتی ہے جب تک کسی حکم شرعی کا ادائیگی کا حکم ثابت نہیں ہوتا حکم قضائی ثابت ہی نہیں ہوسکتا اور پھر قضاء اس وقت ہوگی جب کوئی شخص حکم ادا سے غفلت برتے گا۔

قضاء روزوں میں تسلسل وعدم تسلسل کا بیان:

قضاء روزے پے در پے رکھنا شرط اور ضروری نہیں ہے تاہم مستحب ضرور ہے تا کہ واجب ذمہ سے جلد اتر جائے اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ جس شخص کا عذر زائل ہو جائے وہ فوراً روزے شروع کر دے کیونکہ اس میں تاخیر مناسب نہیں ہے ویسے مسئلہ یہ ہے کہ قضاء روزوں کا معاً عذر زائل ہوتے ہی رکھنا بھی ضروری نہیں ہے اختیار ہے کہ جب چاہے رکھے۔ نماز کی طرح اس میں ترتیب بھی فرض نہیں ہے قضا روزے رکھے بغیر ادا کے روزے رکھے جاسکتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی جان لیجئے کہ شریعت میں تیرہ قسم کے روزے ہیں جن میں سے سات قسم کے روزے تو وہ ہیں جو علی الاتصال یعنی پے در پے رکھے جاتے ہیں۔ (۱) رمضان کے مہینے کے روزے (۲) کفارہ ظہار کے روزے (۳) کفارہ قتل کے روزے۔ (۴) کفارہ یمین کے روزے (۵) رمضان میں قصداً توڑے ہوئے روزوں کے کفارہ کے روزے (۶) نذر معین کے روزے (۷) اعتکاف واجب کے روزے۔

اور چھ قسم کے روزے ایسے ہیں جن میں اختیار ہے چاہے تو پے در پے رکھے جائیں چاہے متفرق طور پر یعنی ناغہ کے ساتھ۔
(۱) نفل روزے (۲) رمضان کے قضا روزے (۳) متعہ کے روزے (۴) فدیہ حلق کے روزے (۵) جزاء عید کے روزے
(۶) نذر مطلق کے روزے۔

صحیح یہ ہے کہ نفل روزے کا بھی بغیر کسی عذر کے توڑ ڈالنا جائز نہیں ہاں اتنی بات ہے کہ نفل روزہ شروع ہو جانے کے بعد واجب ہو جاتا ہے لہٰذا وہ کسی بھی حالت میں توڑا جائے گا تو اس کی قضا ضروری ہوگی ہاں پانچ ایام ایسے ہیں جن میں اگر نفل روزہ بعد شروع کر چکے کے توڑ دیا جائے تو قضا واجب نہیں ہوتی، دو دن تو عید و بقر عید کے اور تین دن تشریق (ذی الحجہ کی ۱۱، ۱۲، ۱۳، تاریخ)

کے، چونکہ ان ایام کے روزے رکھنے ممنوع ہیں لہٰذا ان ایام میں جب روزہ شروع ہی سے واجب نہیں ہوگا تو اس کے توڑنے پر قضا بھی واجب نہیں ہوگی۔

اگر کوئی شخص ان پانچوں ایام کے روزے کی نذر مانے یا پورے سال کے روزے کی نذر مانے تو ان دونوں صورتوں میں ان ایام میں روزے نہ رکھے جائیں بلکہ دوسرے دنوں میں ان کے بدلے قضا روزے رکھے جائیں۔

آخر میں ایک مسئلہ یہ بھی جان لیجئے کہ جب بچہ میں روزے رکھنے کی طاقت آ جائے تو اسے روزہ رکھنے کے لیے کہا جائے اور جب وہ دس برس کا ہو جائے تو روزہ نہ رکھنے کی صورت میں اس پر سختی کی جائے اور اسے روزہ رکھنے پر مجبور کیا جائے جیسا کہ نماز کے بارے میں حکم ہے۔

بھول کر کھانے پینے سے روزے کے نہ ٹوٹنے کا بیان:

قَالَ (وَإِذَا أَكَلَ الصَّائِمُ أَوْ شَرِبَ أَوْ جَامَعَ نَهَارًا نَاسِيًا لَمْ يُفْطِرْ) وَالْقِيَاسُ أَنْ يُفْطِرَ ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ لِوُجُودِ مَا يُضَادُّ الصَّوْمَ فَصَارَ كَالْكَلَامِ نَاسِيًا فِي الصَّلَاةِ ، وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ (قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلَّذِي أَكَلَ وَشَرِبَ نَاسِيًا تِمَّ عَلَى صَوْمِك فَإِنَّمَا أَطْعَمَك اللَّهُ وَسَقَاك) وَإِذَا ثَبَتَ هَذَا فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ ثَبَتَ فِي الْوِقَاعِ لِلِاسْتِوَاءِ فِي الرُّكْنِيَّةِ بِخِلَافِ الصَّلَاةِ لِأَنَّ هَيْئَةَ الصَّلَاةِ مُذَكِّرَةٌ فَلَا يَغْلِبُ النِّسْيَانُ وَلَا مُذَكِّرَ فِي الصَّوْمِ فَيَغْلِبُ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ لِأَنَّ النَّصَّ لَمْ يُفَصِّلْ وَلَوْ كَانَ مُخْطِئًا أَوْ مُكْرَهًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ ، فَإِنَّهُ يَعْتَبِرُهُ بِالنَّاسِي ، وَلَنَا أَنَّهُ لَا يَغْلِبُ وُجُودُهُ وَعُذْرُ النِّسْيَانِ غَالِبٌ وَلِأَنَّ النِّسْيَانَ مِنْ قِبَلِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ وَالْإِكْرَاهَ مِنْ قِبَلِ غَيْرِهِ فَيَفْتَرِقَانِ كَالْمُقَيَّدِ وَالْمَرِيضِ فِي قَضَاءِ الصَّلَاةِ .

ترجمہ:

اور جب کسی روزے دار نے بھول کر کھا پی لیا یا جماع تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا جبکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے۔ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ روزے کی ضد پائی گئی ہے۔ لہٰذا یہ نماز میں بھول کر کلام کرنے والے کی طرح ہے۔ اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کے بارے میں ارشاد فرمایا: جس نے بھول کر کھا پی لیا تو وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ کیونکہ تجھے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔ اور جب یہ حکم کھانے پینے میں ثابت ہو گیا تو جماع کیلئے بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ ارکان ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ کیونکہ نماز کی حالت اسے خود یاد کرانے والی ہے۔

لہٰذا اس میں بھولنا غالب نہ ہوا۔ (قاعدہ فقہیہ) جبکہ روزے دار کو کوئی یاد دلانے والا نہیں ہے۔لہٰذا یہاں نسیان کا غلبہ پایا گیا ہے۔
اور فرض نفل کے روزے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ نص میں کوئی تفصیل (فرض ونفل کے روزوں کے افطار وعدم، افطار کی صورت میں الگ احکام) نہیں ہے۔

اور اگر روزے دار سے کوئی غلطی ہوئی یا اس کو مجبور کیا گیا تو اس پر قضاء واجب ہے۔اس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے کیونکہ وہ اس کو بھی بھولنے والے پر قیاس کرتے ہیں۔جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ مجبوری کی صورت میں خطا کا پایا جانا غالب نہیں ہے۔اور نسیان کا عذر میں غلبہ ہے۔اور یہ بھی ہے نسیان اسی کی جانب سے ہے جس کا حق ہے جبکہ مجبوری غیر کی جانب سے ہے لہٰذا مجبوری اور نسیان یہ دونوں الگ الگ ہیں۔جس طرح مقید (قیدی) اور مریض کے حق میں نماز کی قضاء کا حکم ہے۔

بھولنے میں تغلیب کا حکم روزے میں عذر جبکہ نماز میں نہیں۔ (قاعدہ فقہیہ)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص نماز میں ہو اور وہ بھول جائے تو اس کیلئے عذر ثابت نہیں ہوتا یعنی اگر اس نے بھول کر کلام کیا یا کسی کی بات کا جواب دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ نماز میں بھولنے کو عذر نہیں سمجھا گیا۔اس کی دلیل یہ ہے نماز اس کیلئے ایک مختصر وقت ایک خاص عمل ہے۔جس میں بھولنا غلبیت کو شامل نہیں ہے بلکہ قلت کو شامل ہوگا اور قلت عمل میں بھولنے کو عذر نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ اس کی ایک خاص حالت اور خاص وقت وافعال خاص کے ساتھ متعین ہے۔جبکہ روزے میں ایک عمل جو طلوع فجر سے لیکر غروب شمس تک رہتا ہے۔اس میں بھولنے کو تغلیب پر محمول کیا جائے گا۔اور بھولنے میں جب صورت اغلب پائی تو اس سے عذر ثابت ہو جاتا ہے۔لہٰذا روزے میں بھولنا اس کیلئے عذر ثابت ہو جائے گا جس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہوگا کہ اس کا روزہ افطار نہیں ہوا۔جبکہ نماز میں بھولنا اس کیلئے عذر ثابت نہ ہوگا لہٰذا اگر کسی نے نماز میں بھول کر کلام کیا تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔

بھول کر کھانے پینے والے روزے دار کا بیان:

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو روزہ دار بھول کر کھالے یا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرلے۔اس لئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلا پلا دیا۔(587 صحیح مسلم)
یہ حکم علی الاطلاق ہر روزہ کے لیے ہے خواہ فرض روزہ ہو یا نفل وغیرہ کہ اگر کوئی روزہ دار بھول کر کچھ کھالے یا پی لے تو اس کا روزہ نہیں جاتا چنانچہ تمام ائمہ کا مسلک یہی ہے البتہ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر یہ صورت رمضان میں پیش آئے تو اس کی قضاء ضروری ہوگی۔

اور صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جب کھانے پینے کے بارے میں یہ حکم ثابت ہوا تو جماع کے بارے میں بھی یہی حکم ہوگا یعنی اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھول کر جماع کرلے تو اس کے روزہ پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

روزے دار کے بھول کر کھانے پینے میں مذاہب فقہاء:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بھول کر کھانے پینے والے کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔اور صحابہ کرام وتابعین وغیرہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔جن میں حضرت علی المرتضی، ابو ہریرہ، ابن عمر، عطاء، طاؤس، مجاہد، حسن بصری، حسن بن صالح، عبداللہ بن حسن، ابراہیم نخعی، ابوثور، ابن ابی ذئب، امام اوزاعی، ثوری، شافعی، احمد واسحاق اور ابن منذر ہیں
اور اگر کسی نے بھول کر جماع کیا تو اس میں بھی ہمارا مذہب اسی طرح ہے۔اور مجاہد وحسن بصری، ثوری، شافعی، اسحاق، ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔جبکہ امام اوزاعی، عطاء اور امام لیث نے کہا ہے کہ اس پر قضاء ہے۔اور امام احمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر قضاء اور کفارہ دونوں ہیں۔
قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔جس طرح حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا قول ہے۔اور اسی طرح ربیعہ، بن علیہ اور لیث بن سعد نے کہا ہے۔اور ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ روزے کا متضاد ومتصادم پایا جا رہا ہے لہٰذا وہ فاسد ہو گیا اور جس چیز کو روزے کی حالت میں معدوم ہونا چاہیے تھا وہ معدوم نہ ہوئی اور دونوں ضدوں کا ایک ساتھ جمع ہونا محال ہے۔لہٰذا یہ مسئلہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح کسی نے بھول کر نماز میں کلام کیا۔اور نماز فاسد ہو جاتی ہے۔
فقہاء احناف کی دلیل استحسان ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ تو روزے کو پورا کر کیونکہ تجھے اللہ تعالی نے کھلایا اور پلایا ہے۔یہ حدیث ائمہ ستہ نے روایت کی ہے۔اور تمام کی کتب میں محمد بن سیرین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
امام ابو داؤد علیہ الرحمہ نے روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا پس اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں بھول کر کھا پی لیا ہے حالانکہ میں روزے دار ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔یہ لفظ ''مصنف'' کے قریب ہے جبکہ بقیہ کتب میں ''جس نے بھول کر کھایا اور پیا اور وہ روزے دار تھا تو وہ اپنا روزہ پورا کرے۔کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے''۔
امام ابن حبان اور امام دار قطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔کہ ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے روزے دار ہوتے ہوئے بھول کر کھایا اور پیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے روزے کو پورا کرو کیونکہ تجھے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔
اور امام دار قطنی علیہ الرحمہ نے اس میں اس لفظ کا اضافہ کیا ہے۔''لا قضاء علیک'' کہ تجھ پر کوئی قضاء نہیں ہے۔
امام بزار نے ایک جماعت کے ساتھ اسی لفظ سے حدیث کو روایت کیا ہے۔اور اس میں یہ زیادہ کیا ہے کہ اس کا روزہ نہیں افطار ہوا کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔
امام دار قطنی علیہ الرحمہ نے یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ اس کو نہ قضاء ہے اور نہ ہی کفارہ ہے۔
(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۲۸۰، حقانیہ ملتان)

احتلام سے روزے کے عدم فساد کا بیان:

قَالَ (فَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ لَمْ يُفْطِرْ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ثَلَاثٌ لَا يُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ الْقَيْءُ وَالْحِجَامَةُ وَالِاحْتِلَامُ) ، وَلِأَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ صُورَةُ الْجِمَاعِ وَلَا مَعْنَاهُ وَهُوَ الْإِنْزَالُ عَنْ شَهْوَةٍ بِالْمُبَاشَرَةِ .

(وَكَذَا إذَا نَظَرَ إلَى امْرَأَةٍ فَأَمْنَى) لِمَا بَيَّنَّا فَصَارَ كَالْمُتَفَكِّرِ إذَا أَمْنَى وَكَالْمُسْتَمْنِي بِالْكَفِّ عَلَى مَا قَالُوا .

(وَلَوْ ادَّهَنَ لَمْ يُفْطِرْ) لِعَدَمِ الْمُنَافِي (وَكَذَا إذَا احْتَجَمَ) لِهَذَا وَلِمَا رَوَيْنَا (وَلَوْ اكْتَحَلَ لَمْ يُفْطِرْ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ الْعَيْنِ وَالدِّمَاغِ مَنْفَذٌ وَالدَّمْعُ يَتَرَشَّحُ كَالْعَرَقِ وَالدَّاخِلُ مِنْ الْمَسَامِّ لَا يُنَافِي كَمَا لَوْ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ الْبَارِدِ (وَلَوْ قَبَّلَ لَا يَفْسُدُ صَوْمٌ) يُرِيدُ بِهِ إذَا لَمْ يُنْزِلْ لِعَدَمِ الْمُنَافِي صُورَةً وَمَعْنًى بِخِلَافِ الرَّجْعَةِ وَالْمُصَاهَرَةِ لِأَنَّ الْحُكْمَ هُنَاكَ أُدِيرَ عَلَى السَّبَبِ عَلَى مَا يَأْتِي فِي مَوْضِعِهِ إنْ شَاءَ اللَّهُ .

ترجمہ:

فرمایا: اگر روزے دار سویا اور اس کو احتلام ہو گیا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ تین چیزیں روزے کو توڑنے والی نہیں ہیں۔ (۱) قئے (۲) پچھنا لگوانا (۳) احتلام۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ یہ صورتاً ومعناً کسی طرح بھی جماع نہیں ہے۔ جبکہ جماع کا معنی یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ مباشرت کر کے انزال کا ہونا ہے۔ اور اسی طرح جب اس نے کسی عورت کو دیکھا تو اس کی منی خارج ہوگئی۔ اس کی دلیل بھی وہی ہے۔ جس ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ اسی طرح ہوگیا جس طرح تصور کرنے والا ہوتا ہے۔ جبکہ اس کی منی خارج ہوگئی تو وہ ہاتھ منی نکالنے والے کی طرح ہوگیا۔ مشائخ کا قول بھی یہی ہے۔

اگر روزے دار تیل لگایا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ روزے کو توڑنے والا نہیں پایا گیا۔ اور اسی طرح جب اس نے پچھنا لگوایا یہ بھی اسی دلیل کے مطابق ہے۔ اور اسی حدیث کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور اگر اس نے سرمہ لگایا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ آنکھ اور دماغ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے۔ آنسو پسینے کی طرح بہتے ہیں۔ اور مساموں میں داخل ہونے والی چیز روزے سے روکنے والی نہیں ہے۔ جس طرح اگر کسی نے ٹھنڈے پانی سے غسل کر لیا ہے۔

اور اگر اس نے عورت کا بوسہ لیا تو روزے دار کا روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انزال نہ ہوا ہو۔ کیونکہ صورتاً

روزے کا کوئی منافی نہیں پایا گیا۔ اور نہ ہی معنوی طور پر کوئی مانع پایا گیا ہے۔ بہ خلاف رجعت ومصاہرت کے کیونکہ رجعت ومصاہرت میں حکم کا دارومدار سبب پر ہے۔ لہٰذا اس کو اس کے اپنے مقام پر ان شاءاللہ بیان کریں گے۔

احتلام سے عدم فساد صوم میں مذاہب اربعہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ احتلام سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اس کے دلائل میں کسی قسم کا شبہ تک نہیں ہے اور اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ کہ اس طرح روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ خواہ اس کو انزال ہو یا نہ ہو۔

(بنایہ، ج ۴، ص ۲۸۳، ملتان)

سینگی، قے اور احتلام سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں روزہ دار کے روزہ کو نہیں توڑتیں سینگی، قے (جو از خود آئے) اور احتلام، امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے، اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید روایت حدیث کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

اس روایت کو دار قطنی بیہقی اور ابوداؤد نے بھی نقل کیا ہے نیز ابوداؤد کی روایت کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ اشبہ بالصواب (یعنی صحت کے زیادہ قریب) ہے۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں روزہ دار کے سینگی کو مکروہ سمجھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں علاوہ خوف کی صورت کے۔ (بخاری)

یعنی اس اعتبار سے سینگی کو مکروہ سمجھتے تھے کہ اس سے ضعف وناتوانی لاحق ہو جاتی ہے: جس کی وجہ سے روزہ پر اثر پڑ سکتا ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ اس کی وجہ سے روزہ جاتا رہتا ہو۔

حضرت امام بخاری بطریق تعلیق نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پہلے تو روزہ کی حالت میں سینگی لگوالیا کرتے تھے مگر بعد میں انہوں نے اسے ترک کر دیا البتہ رات میں سینگی لگوالیتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دن میں بحالت روزہ سینگی لگوانا یا تو احتیاط کے پیش نظر ترک کر دیا تھا یا پھر یہ کہ ضعف کے خوف سے اجتناب کرنے لگے تھے۔

امام بخاری نے بعض احادیث کو سند کے بغیر ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ یہ مذکورہ بالا حدیث ہے چنانچہ بغیر سند روایت کے نقل کرنے کو بطریق تعلیق نقل کرنا کہا جاتا ہے مذکورہ بالا روایت کے نقل کے سلسلہ میں مناسب یہ تھا کہ مصنف مشکوۃ حسب قاعدہ معمول پہلے تو کہتے عن ابن عمر الخ پھر بعد میں رواہ البخاری تعلیقا کے الفاظ نقل کرتے۔

اسی طرح ایک حدیث ہے افطر الحاجم والمحجوم (پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا

ہے) اس حدیث کی بھی یہ تاویل کی گئی ہے کہ پچھنے لگوانے سے چونکہ روزہ دار کو کمزوری لاحق ہو جاتی ہے اور زیادہ خون نکلنے کی صورت میں روزہ توڑ دینے کا خوف ہو سکتا ہے اسی طرح پچھنے لگانے والے کے بارے میں بھی یہ امکان ہوتا ہے کہ خون کا کوئی قطرہ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احتیاط کے پیش نظر یہ فرمایا کہ روزہ جاتا رہتا ہے ورنہ حقیقت میں پچھنے لگانے یا لگوانے سے روزہ ٹوٹتا نہیں۔

روزے کی حالت میں پچھنا لگوانے میں فقہاء اربعہ کا مؤقف:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رمضان کی اٹھارہ تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے قبرستان جنت البقیع میں ایک ایسے شخص کے پاس تشریف لائے جو بھری ہوئی سینگی کھنچوار ہا تھا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سینگی کھینچنے اور کھنچوانے والے نے اپنا روزہ توڑ ڈالا (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) امام محی السنہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جو علماء روزہ کی حالت میں سینگی کھینچنے اور کھنچوانے کی اجازت دیتے ہیں انہوں نے اس حدیث کی تاویل کی ہے یعنی یہ کہ ارشاد گرامی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ سینگی کھنچوانے والا تو ضعف کی وجہ سے روزہ توڑنے کے قریب ہو جاتا ہے اور سینگی کھینچنے والا اس سبب سے افطار کے قریب ہو جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سینگی کھینچنے کے عمل سے خون کا کوئی حصہ اس کے پیٹ میں پہنچ گیا ہو۔

بعض من رخص میں بعض سے مراد جمہور یعنی اکثر علماء ہیں۔ چنانچہ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام اور روزہ کی حالت میں بھری ہوئی سینگی کھنچوائی۔

حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے ان حضرت کی طرف سے حدیث کی وہی مراد بیان کی جاتی ہے جو امام محی السنہ نے نقل کی ہے کہ روزہ توڑنے کے قریب ہو جاتا ہے یعنی بھری ہوئی سینگی کھنچوانے والے کا خون چونکہ زیادہ نکل جاتا ہے جس کی وجہ سے ضعف و سستی اور ناتوانی اتنی زیادہ لاحق ہو جاتی ہے کہ اس کے بارے میں یہ خوف پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں وہ اپنی جان بچانے کے لیے روزہ نہ توڑ ڈالے اور سینگی کھینچنے والے کے بارے میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ سینگی چونکہ منہ سے کھینچنی پڑتی ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس عمل کے وقت خون کا کوئی قطرہ اس کے پیٹ میں چلا گیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کی حالت میں بھری ہوئی سینگی کھنچوائی نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ کی حالت میں (بھی) بھری ہوئی سینگی کھنچوائی ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت شیخ جزری فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کی حالت میں روزے سے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھری ہوئی سینگی کھنچوائی اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ مراد ابوداؤد کی ایک روایت کی روشنی میں اخذ کی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ حدیث (**انہ صلی اللہ علیہ و سلم**

احتجم هو صائما محرما) ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت بھری ہوئی سینگی کھنچوائی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت احرام میں روزہ سے تھے۔ بہر حال حضرت مظہر فرماتے ہیں کہ احرام کی حالت میں سینگی کھنچوانی جائز ہے بشرطیکہ کوئی بال نہ ٹوٹے۔

اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ کا متفقہ طور پر مسلک یہ ہے کہ روزہ دار کو سینگی کھنچوانا بلا کراہت جائز ہے لیکن حضرت امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بھری ہوئی سینگی کھینچنے اور کھنچوانے والا دونوں کا روزہ باطل ہو جاتا ہے مگر کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

حالت روزہ میں خون دینے سے روزہ فاسد نہ ہوگا:

روزے کی حالت میں ٹیسٹ کے لئے خون نکالنا مفسدِ صوم نہیں ہے، روزہ صحیح رہتا ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے: **الفطر مما دخل لیس مما خرج**، بدن میں کوئی چیز جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے نہ کہ خارج ہونے سے۔

عورت کی طرف دیکھنے سے خروج منی کی صورت میں فقہاء اربعہ کی تصریحات:

مالکی حضرات روزہ باطل قرار دیتے ہیں، لیکن جمہور علماء کرام اس کے روزے کو باطل قرار نہیں دیتے، ظاہر یہی ہوتا ہے کہ جمہور علماء کرام اس کا روزہ اس لیے باطل نہیں کیا کیونکہ بندے کا اس میں کوئی ارادہ شامل نہیں، اور سوچ ایک ایسی چیز ہے جو خیالات اور ذہن میں آتی ہے اور اسے دور کرنا ممکن نہیں۔

رہا عمداً سوچنا اور پھر اس سوچ سے انزال مقصود ہو تو اس صورت میں انزال کی بنا پر دیکھنے اور سوچنے میں کوئی فرق نہیں، جمہور علماء کرام انزال تک عمداً دیکھنے سے روزے کو باطل قرار دیتے ہیں۔

الموسوعة الفقهية میں درج ہے: احناف اور شافعی حضرات کے ہاں دیکھنے اور سوچنے سے منی یا مذی خارج ہونے کی بنا پر روزہ باطل نہیں ہوتا، لیکن اس کے مقابلہ میں شافعی حضرات کے ہاں صحیح یہی ہے کہ جب دیکھنے کی بنا پر انزال کی عادت ہو جائے یا پھر بار بار دیکھے اور انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائیگا۔

لیکن مالکی اور حنابلہ کے ہاں مستقل دیکھنے سے منی خارج ہو جانے پر روزہ فاسد ہو جائیگا؛ کیونکہ یہ ایسا فعل کے ساتھ انزال ہے جس سے لذت حاصل کر رہا ہے اور اس فعل سے اجتناب ممکن ہے۔

لیکن صرف سوچ کی بنا پر انزال ہو جانے سے مالکی حضرات کے ہاں، وزہ فاسد ہو جاتا ہے اور حنابلہ کیہاں فاسد نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس سے اجتناب ممکن نہیں "(الموسوعة الفقهية(26 / .(267)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر سوچنے سے انزال ہو گیا اگرچہ وہ سوچ طویل تھی یا نسیاناً جماع شروع کیا تھا، روزہ یاد آنے پر فوراً چھوڑ دیا، اسی طرح حکم

ہے اگراس نے طلوع فجر ہوتے ہی جماع چھوڑ دیا، اگر چھوڑنے کے بعد منی کا خروج ہوا اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ احتلام کی طرح ہے۔ (درمختار، ج۱، ص۱۵۰، مجتبائی دہلی)

اگر بوسے سے انزال ہوا تو وجوب قضاء کا حکم:

(وَإِنْ أَنْزَلَ بِقُبْلَةٍ أَوْ لَمْسٍ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ) لِوُجُودِ مَعْنَى الْجِمَاعِ وَوُجُودِ الْمُنَافِي صُورَةً أَوْ مَعْنًى يَكْفِي لِإِيجَابِ الْقَضَاءِ احْتِيَاطًا ، أَمَّا الْكَفَّارَةُ فَتَفْتَقِرُ إلَى كَمَالِ الْجِنَايَةِ لِأَنَّهَا تَنْدَرِءُ بِالشُّبُهَاتِ كَالْحُدُودِ (وَلَا بَأْسَ بِالْقُبْلَةِ إذَا أَمِنَ عَلَى نَفْسِهِ) أَيْ الْجِمَاعَ أَوْ الْإِنْزَالَ (وَيُكْرَهُ إذَا لَمْ يَأْمَنْ) لِأَنَّ عَيْنَهُ لَيْسَ بِمُفْطِرٍ وَرُبَّمَا يَصِيرُ فِطْرًا بِعَاقِبَتِهِ فَإِنْ أَمِنَ يُعْتَبَرُ عَيْنُهُ وَأُبِيحَ لَهُ ، وَإِنْ لَمْ يَأْمَنْ تُعْتَبَرُ عَاقِبَتُهُ وَكُرِهَ لَهُ ، وَالشَّافِعِيُّ أَطْلَقَ فِيهِ فِي الْحَالَيْنِ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَا وَالْمُبَاشَرَةُ الْفَاحِشَةُ مِثْلُ التَّقْبِيلِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ كَرِهَ الْمُبَاشَرَةَ الْفَاحِشَةَ لِأَنَّهَا قَلَّمَا تَخْلُو عَنْ الْفِتْنَةِ .

ترجمہ:

اگر روزے دار کو بوسہ لینے یا مس کرنے سے انزال ہوا تو اس پر قضاء واجب ہے۔ کفارہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ معنوی طور پر جماع پایا گیا ہے اور بطور صورت ومعنی روزے کو روکنے والے کا پایا جانا بطور احتیاط قضاء کو واجب کرنے میں کافی ہے۔ جبکہ کفارہ مکمل جنایت پر موقوف ہے۔ لہٰذا کفارات شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جس طرح حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ (قاعدہ فقہیہ)

اور جب اسے اپنے نفس پر اطمئنان ہو تو بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یعنی جماع وانزال سے مأمون ہو۔ اور اگر مطمئن نہ ہو تو مکروہ ہے۔ اگرچہ بوسہ بالذات روزے کو توڑنے والا نہیں ہے لیکن عام طور یہ بھی اپنے انجام کے طور پر مفطر صائم بن جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص لطمئن ہے تو بوسے کے عین کا اعتبار کریں گے۔ اور روزے دار کیلئے مباح ہے۔ اور اگر مطمئن نہ ہو تو اس کے انجام (آخر) کا اعتبار ہوگا لہٰذا اس کو روزہ دار کیلئے مباح قرار نہیں دیا جائے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں علی الاطلاق مباح ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل وہی ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور ظاہر الروایت کے مطابق مباشرت فاحشہ بوسہ لینے کی طرح ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مباشرت فاحشہ مکروہ ہے۔ کیونکہ مباشرت فاحشہ فتنے سے خالی نہیں ہوتی۔ البتہ کہیں تھوڑی سی کم ہو (تو اس کا اعتبار بطور دلیل نہیں کیا جاسکتا)۔

روزہ میں بوسہ اور مساس وغیرہ میں فقہ حنفی کا بیان:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے روزہ کی حالت میں (اپنی ازواج کا) بوسہ لیتے تھے اور (انہیں) اپنے بدن سے لپٹاتے تھے (کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حاجت پر تم سے زیادہ قابو یافتہ تھے) (بخاری ومسلم)

حاجت سے مراد شہوت ہے مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لوگوں کی بہ نسبت اپنی خواہشات اور شہوت پر بہت زیادہ قابو یافتہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجودیکہ اپنی ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تھے اور ان کو اپنے بدن مبارک سے لپٹاتے تھے مگر صحبت سے بچے رہتے تھے ظاہر ہے کہ دوسرے لوگوں کا ایسی صورت میں اپنی شہوت پر قابو یافتہ ہونا بہت مشکل ہے۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں اہل علم کے ہاں اختلاف ہے، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ بوسہ لینا، مساس کرنا اور عورت کے بدن کو اپنے سے لپٹانا روزہ دار کے لیے مکروہ ہے جب کہ ایسی صورت میں جماع میں مشغول ہو جانے یا انزال ہو جانے کا خوف ہو اگر یہ خوف نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

روزہ میں بوسہ اور مساس وغیرہ میں فقہ حنبلی کا بیان:

علامہ مصطفی الرحیبانی حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

"اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ اسے انزال ہو جائیگا تو بغیر کسی اختلاف کے اس کے لیے بوسہ لینا، اور معانقہ کرنا بغل گیر ہونا اور بار بار بیوی کو دیکھنا حرام ہے "(مطالب اولی النھی (2 / 204).

چنانچہ اگر آپ نے اپنی بیوی سے اس صورت میں دل بہلایا کہ آپ کو روزہ ٹوٹنے کا کوئی خدشہ نہ تھا تو پھر آپ پر کوئی گناہ نہیں، چاہے روزہ ٹوٹ بھی گیا .

لیکن اگر آپ کو یہ گمان تھا کہ ایسا کام کرنے سے آپ کو انزال ہو جائیگا تو آپ کو بیوی سے دل بہلانے میں گناہ ہوا ہے اور آپ کو اس سے توبہ واستغفار کرنی چاہیے .

لیکن روزہ دونوں حالتوں میں ہی فاسد ہو جائیگا، کیونکہ آپ کا انزال ہو گیا تھا، چاہے آپ نے روزہ توڑنے کی نیت کی تھی یا نہیں .

روزہ میں بوسہ اور مساس وغیرہ میں فقہ شافعی کا بیان:

علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

"جب بغیر جماع کے کسی نے روزہ توڑا ہو یعنی کھا پی کر یا پھر مشت زنی کر کے، اور انزل تک لے جانے والی مباشرت تو اس

پر کوئی کفارہ نہیں؛ کیونکہ نص میں تو جماع کا آیا ہے اور یہ اشیاء اس معنی میں نہیں "(المجموع (6 / 377))

روزہ میں بوسہ اور مساس وغیرہ میں فقہ مالکی کا بیان:

امام مالک علیہ الرحمہ مؤطا میں لکھتے ہیں۔ "عطا بن یسار سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بوسہ دیا اپنی عورت کو اور وہ روزہ دار تھا رمضان میں سو اس کو بڑا رنج ہوا اور اس نے اپنی عورت کو بھیجا ام المومنین ام سلمہ کے پاس کہ پوچھے ان سے اس مسئلہ کو تو آئی وہ عورت ام سلمہ کے پاس اور بیان کیا ان سے، ام سلمہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے ہیں روزے میں تب وہ اپنے خاوند کے پاس گئی اور اس کو خبر دی پس اور زیادہ رنج ہوا اس کے خاوند کو اور کہا اس نے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سے نہیں ہیں اللہ اپنے رسول کے لئے جو چاہتا ہے حلال کر دیتا ہے پھر آئی اس کی عورت ام سلمہ کے پاس اور دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں موجود ہیں سو پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہوا اس عورت کو تو بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ام سلمہ نے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ کہہ دیا اس سے کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں ام سلمہ نے کہا میں نے کہہ دیا لیکن وہ گئی اپنے خاوند کے پاس اور اس کو خبر کی سو اس کو اور زیادہ رنج ہوا اور وہ بولا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سے نہیں ہیں حلال کرتا ہے اللہ جل جلالہ جو چاہتا ہے اپنے رسول کے لئے غصہ ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم خدا کی تم سب سے زیادہ ڈرتا ہوں اللہ تعالی سے اور تم سب سے زیادہ پہچانتا ہوں اس کی حدوں کو۔"

حضرت ام المومنین عائشہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ دیتے تھے اپنی بعض بیبیوں کو اور وہ روزہ دار ہوتے تھے پھر ہنستی تھیں۔

حضرت یحیی بن سعید سے روایت ہے کہ عاتکہ بیوی حضرت عمر کی بوسہ دیتی تھیں سر کو حضرت عمر کے اور حضرت عمر روزہ دار ہوتے تھے لیکن ان کو منع نہیں کرتے تھے۔

حضرت عائشہ بن طلحہ سے روایت ہے کہ وہ ام المومنین عائشہ کے پاس بیٹھی تھیں اتنے میں ان کے خاوند عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق آئے اور وہ روزہ دار تھے تو کہا ان سے حضرت عائشہ نے تم کیوں نہیں جاتے اپنی بی بی کے پاس بوسہ لو ان کا اور کھیلو ان سے تو کہا عبداللہ نے بوسہ لوں میں ان کا اور میں روزہ دار ہوں حضرت عائشہ نے کہا ہاں۔

حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ اور سعد بن ابی وقاص روزہ دار کو اجازت دیتے تھے بوسہ کیا۔ حضرت امام مالک کو پہنچا کہ ام المومنین جب بیان کرتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے تھے روزہ میں تو فرماتیں کہ تم میں سے کون زیادہ قادر ہے اپنے نفس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے سوال ہوا روزہ دار کو بوسہ لینا کیسا ہے تو اجازت دی بوڑھے کو اور مکروہ رکھا جوان کے لئے۔ حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر منع کرتے تھے روزہ دار کو بوسہ اور مباشرت سے۔ (مؤطا امام مالک، کتاب الصوم)

وہ چیزیں جن سے صرف قضا لازم ہوتی ہے قاعدہ کلیہ:

اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر کسی ایسی چیز سے روزہ فاسد ہو جو غذا کی قسم سے نہ ہو یا اگر ہو تو کسی شرعی عذر کی بنا پر اسے پیٹ یا دماغ میں پہنچایا گیا ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس سے شرمگاہ کی شہوت پوری طرح ختم نہ ہوتی ہو جیسے جلق وغیرہ تو ایسی چیزوں سے کفارہ لازم نہیں ہوتا بلکہ صرف قضا ضروری ہے لہٰذا اگر روزہ دار رمضان میں کچے چاول اور خشک یا گوندھا ہوا آٹا کھائے تو روزہ جاتا رہتا ہے اور قضا واجب ہوتی ہے اور اگر کوئی جو یا گیہوں کا آٹا پانی میں گوندھ کر اور اس میں شکر ملا کر کھائے گا تو اس صورت میں کفارہ لازم ہو جائے گا۔

حلق میں مکھی کے دخول سے عدم افطار کا حکم:

(وَلَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ ذُبَابٌ وَهُوَ ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ لَمْ يُفْطِرْ) وَفِي الْقِيَاسِ يَفْسُدُ صَوْمُهُ لِوُصُولِ الْمُفْطِرِ إلَى جَوْفِهِ ، وَإِنْ كَانَ لَا يَتَغَذَّى بِهِ كَالتُّرَابِ وَالْحَصَاةِ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ لَا يُسْتَطَاعُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ فَأَشْبَهَ الْغُبَارَ وَالدُّخَانَ ، وَاخْتَلَفُوا فِي الْمَطَرِ وَالثَّلْجِ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَفْسُدُ لِإِمْكَانِ الِامْتِنَاعِ عَنْهُ إذَا آوَاهُ خَيْمَةٌ أَوْ سَقْفٌ .

ترجمہ:

اگر روزے دار کے حلق میں مکھی داخل ہو گئی اور اسے روزہ بھی یاد تھا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ روزے کو توڑنے والی چیز جوف (معدہ) تک پہنچ گئی ہے۔ اگرچہ اس سے غذا حاصل نہیں کی جاتی جس طرح مٹی اور کنکری کا حکم ہے۔ اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مکھی سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا یہ غبار اور دھویں کے مشابہ ہو گیا اور مشائخ فقہاء نے بارش اور برف میں اختلاف کیا ہے اور سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ ان سے بچنا ممکن ہے۔ جبکہ روزے دار کیلئے کوئی چھت یا خیمہ میسر ہو۔

شرح

کسی شخص کے حلق میں غبار یا چکی پیستے ہوئے آٹا یا مکھی جائے یا دوائیں کوٹتے ہوئے یا ان کی پڑیا باندھتے ہوئے اس میں سے کچھ اڑ کر حلق میں چلا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ ان چیزوں سے بچنا ناممکن ہے۔

جوف معدہ تک پہنچنے والی اشیاء سے روزے کے ٹوٹنے کا بیان:

کسی شخص نے پیٹ کے زخم میں دوا ڈالی اور وہ پیٹ میں پہنچ گئی یا سر کے زخم میں دوا ڈالی اور وہ دماغ میں پہنچ گئی یا حلق میں بارش کا پانی یا برف چلا گیا اور اسے قصداً نہیں نگلا بلکہ از خود حلق سے نیچے اتر گیا یا چوک میں روزہ جاتا رہا مثلاً کلی کرتے ہوئے پانی

حلق کے نیچے اتر گیا یا ناک میں پانی دیتے ہوئے دماغ کو چڑھ گیا، یا کسی نے زبردستی روزہ تڑوا دیا خواہ جماع ہی کے سبب سے یعنی خاوند نے زبردستی بیوی سے جماع کیا یا بیوی نے زبردستی خاوند سے جماع کرایا تو ان سب صورتوں میں بھی کفارہ لازم نہیں ہوگا بلکہ صرف قضا لازم ہوگی ہاں جماع کے سلسلہ میں زبردستی کرنے والے پر کفارہ بھی لازم ہوگا اور جس کے ساتھ زبردستی کی گئی اس پر صرف قضا واجب ہوگی۔

روزے کی حالت میں ان ہیلر کا استعمال:

ڈاکٹر صاحبان سے ہم نے اس سلسلے میں جو معلومات حاصل کی ہیں، ان کے مطابق سانس کے مریض کے پھیپھڑے سکڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں سانس لینے میں تکلیف اور دشواری محسوس ہوتی ہے۔ ان ہیلر کے ذریعے ایسے کیمیکلز گیس یا مائع بوندوں کی شکل میں ان کے پھیپھڑوں میں پہنچتے ہیں جن کی بناء پر ان کے پھیپھڑے (LUNGS)) کھل جاتے ہیں اور وہ دوبارہ آسانی سے سانس لینے لگتا ہے، تو چونکہ مریض کے بدن کے اندر ایک مادی چیز جاتی ہے لہٰذا استعمال کے بغیر مریض کے لئے اگر مرض اس درجے کا ہے کہ پورے روزے کا وقت ان ہیلر کے استعمال کے بغیر مریض کے لئے گزارنا مشکل ہے تو پھر وہ معذور ہے، بر بنائے عذر و بیماری روزہ نہ رکھے اور فدیہ ادا کرے۔

ہوائی جہاز میں افطار کس وقت کے لحاظ سے کیا جائے؟

روزہ دار اگر جہاز میں سفر کر رہا ہو اور بلندی پر ہونے کی وجہ سے سورج نظر آرہا ہو حالانکہ اسی وقت اسی جگہ کی زمین پر سورج غروب ہو چکا ہو اور وہاں کے لوگ افطار کر چکے ہوں تب بھی یہ مسافر افطار نہیں کر سکتا جب تک کہ سورج کو غروب ہوتا ہوا نہ دیکھ لے۔ (آپ کے مسائل)

دوائی کھا کر ایام روکنے والی عورت کا روزہ رکھنا؟

ایام روکنے والی دوائی کھا کر رمضان المبارک کے پورے روزے رکھ لینا صحیح ہوگا، رہا یہ کہ یہ روکنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو شرعاً روکنے پر کوئی پابندی نہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اگر یہ فعل عورت کی صحت کے لئے مضر ہو تو جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

روزے کی حالت میں سگریٹ یا حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

روزہ کی حالت میں حقہ یا سگریٹ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر یہ عمل جان بوجھ کر کیا ہو تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

روزہ کی حالت میں منجن اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال

منجن اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال روزہ کی حالت میں مکروہ ہے۔ تاہم اگر حلق میں نہ جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (جدید فقہی مسائل)

پائیلٹ کیلئے روزہ چھوڑنا کیسا ہے؟

ڈاکٹروں کی بعض ہدایات تو محض بر بنائے احتیاط ہوتی ہیں جن کی خلاف ورزی سے کوئی واقعی نقصان عموماً نہیں ہوتا ایسی ہدایات کی بناء پر تو روزہ چھوڑنا درست نہیں؛ لیکن اگر یہ ہدایات واقعتاً ایسی ہیں کہ ان کی خلاف ورزی سے نقصان کا گمانِ غالب ہے تو ایسی صورت میں پائیلٹ کے لئے روزہ چھوڑ کر دوسرے دنوں میں قضاء کرنا جائز ہوگا۔ (فتاوی عثمانی)

روزہ کی حالت میں اگربتی، دوا، عطر، اور پرفیوم سونگھنا

محض کسی خوشبو یا بدبو کے بے اختیار ناک میں جانے یا قصداً سونگھنے سے۔ خواہ علاجاً ہو یا تنشیطاً۔ روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ اگربتی، دوا، عطر، سینٹ اور پرفیوم سب کا حکم ایک ہے؛ البتہ اگربتی وغیرہ سلگا کر اس کا دھواں ناک میں پہونچانا مفسدِ صوم ہے۔

دانتوں کے درمیان پائے جانے ریشے کو نگلنے والے کے روزے کا حکم:

(وَلَوْ أَكَلَ لَحْمًا بَيْنَ أَسْنَانِهِ فَإِنْ كَانَ قَلِيلًا لَمْ يُفْطِرْ وَإِنْ كَانَ كَثِيرًا يُفْطِرُ) وَقَالَ زُفَرُ : يُفْطِرُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ الْفَمَ لَهُ حُكْمُ الظَّاهِرِ حَتَّى لَا يَفْسُدَ صَوْمُهُ بِالْمَضْمَضَةِ . وَلَنَا أَنَّ الْقَلِيلَ تَابِعٌ لِأَسْنَانِهِ بِمَنْزِلَةِ رِيقِهِ بِخِلَافِ الْكَثِيرِ لِأَنَّهُ لَا يَبْقَى فِيمَا بَيْنَ الْأَسْنَانِ ، وَالْفَاصِلُ مِقْدَارُ الْحِمَّصَةِ وَمَا دُونَهَا قَلِيلٌ (وَإِنْ أَخْرَجَهُ وَأَخَذَهُ بِيَدِهِ ثُمَّ أَكَلَهُ يَنْبَغِي أَنْ يَفْسُدَ صَوْمُهُ) لِمَا رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ : أَنَّ الصَّائِمَ إذَا ابْتَلَعَ سِمْسِمَةً بَيْنَ أَسْنَانِهِ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ وَلَوْ أَكَلَهَا ابْتِدَاءً يَفْسُدُ صَوْمُهُ وَلَوْ مَضَغَهَا لَا يَفْسُدُ لِأَنَّهَا تَتَلَاشَى وَفِي مِقْدَارِ الْحِمَّصَةِ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ زُفَرَ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ أَيْضًا لِأَنَّهُ طَعَامٌ مُتَغَيِّرٌ ، وَلِأَبِي يُوسُفَ : أَنَّهُ يَعَافُهُ الطَّبْعُ .

ترجمہ:

اگر کوئی شخص دانتوں کے درمیان گوشت کے ریشے کو کھا گیا۔ اگر وہ تھوڑا ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر وہ زیادہ ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ منہ کیلئے ظاہری حکم یہی ہے۔ ہاں البتہ کلی کرنے سے اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ قلیل اس کے دانتوں کے تابع ہو کر روزے کو توڑنے والا نہیں ہے۔ بہ خلاف کثیر کے کیونکہ وہ دانتوں کے درمیان باقی نہیں رہتا۔ اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے کی مقدار چنے کی مقدار ہے۔ جو اس سے کم ہو وہ قلیل ہے۔

اور اگر اس نے اس چیز کو نکال کر ہاتھ میں لیا پھر اس کا کھا لیا تو مناسبت اسی حکم سے ہے کہ اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے اسی طرح روایت ہے۔ کہ روزے دار جب تل کا دانہ دانتوں کے درمیان سے نگلے تو اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اور اگر اس نے تل ابتدائی وقت میں کھایا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ملوث ہو ختم ہو جائے گا اور چنے کی مقدار سے فاسد ہونے والے روزے میں اس پر قضاء واجب ہے کفارہ واجب نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام زفر علیہما الرحمہ کے نزدیک اس پر کفارہ بھی واجب ہے۔ کیونکہ یہ کھانا ہی ملا ہوا ہے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ طبیعت اس کو مکروہ جانتی ہے۔

شرح

بات کرنے میں تھوک سے ہونٹ تر ہو گئے اور اسے پی گئی یا منہ سے رال ٹپکی مگر تار ٹوٹا نہ تھا کہ اسے چڑھا کر پی گئی۔ یا ناک میں رینٹھ آ گئی بلکہ ناک سے باہر ہو گئی مگر الگ نہ ہوئی تھی کہ اسے چڑھا کر پی گئی یا کھنکار منہ میں آئی اور اسے کھا گئی، اگرچہ کتنی ہی ہو، روزہ نہ جائے گا۔ لیکن یہ چونکہ نفرت لانے والی چیزیں ہیں، اور ان سے دوسروں کو بھی گھن آتی ہے، اس لیے ان سے احتیاط چاہئیے۔ (عالمگیری)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں کہ ابن منذر نے کہا اس پر اجماع ہے کہ اگر روزہ دار اپنے تھوک کے ساتھ دانتوں کے درمیان جو رہ جاتا ہے جس کو نکال نہیں سکتا نگل جائے تو روزہ نہ ٹوٹے گا، اور حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اگر روزہ دار کے دانتوں میں گوشت رہ گیا ہو اس کو چبا کر قصداً کھا جائے تو اس پر قضاء نہیں، اور جمہور کہتے ہیں قضاء لازم ہوگی، اور انہوں نے روزے میں مصطگی چبانے کی اجازت دی اگر اس کے اجزاء نہ نکلیں، اگر نکلیں اور نگل جائے تو جمہور علماء کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(فتح الباری 190/4)

کلی کی تری اور تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

حضرت عطاء (تابعی) کہتے ہیں کہ اگر روزہ دار کلی کرے اور پھر پانی کو منہ سے بالکل نکال دے تو اس کے روزہ کو اس بات سے نقصان نہیں پہنچے گا کہ وہ اپنا تھوک اور وہ چیز جو منہ کے اندر باقی ہے نگل جائے اور روزہ دار مصطگی نہ چبائے اور اگر روزہ دار مصطگی کا تھوک نگل جائے تو میں یہ تو نہیں کہتا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا لیکن اس سے منع کیا جاتا ہے۔ یہ روایت بخاری کے ترجمۃ الباب میں نقل کی گئی ہے۔

لفظ ما بقی میں حرف ما موصولہ ہے اور اس کا عطف لفظ ریقہ پر ہے اسی پورے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی روزہ دار کلی کرنے کے بعد اپنا تھوک یا پانی کی وہ تری جو کلی کے بعد منہ میں باقی رہ گئی ہے نگل لے تو اس کے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اس سے اجتناب قطعاً ممکن نہیں ہے۔ مصطگی ۔ علك کا ترجمہ یہ گوند کی قسم سے ایک دوا ہے جو دانت کے امراض میں اور دانتوں کی تقویت کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے پہلے زمانہ میں بھی لوگ اسے دانت کی تقویت کے لیے منہ میں رکھ لیا کرتے تھے اور

چباتے تھے چنانچہ روزہ کی حالت میں اسے چبانے سے منع فرمایا گیا ہے۔

البتہ مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مصطگی کو چباتے ہوئے جو تھوک منہ میں جمع ہو جائے اس کو نگلنے سے روزہ نہیں جاتا کیونکہ وہ تو منہ میں چپک کر رہ جاتی ہے اس کا کوئی جز علیحدہ نہیں ہوتا کہ وہ حلق میں اتر جائے اور اس سے روزہ ٹوٹ جائے تاہم بطور احتیاط اس کے تھوک کو بھی نگلنے سے منع فرمایا گیا ہے لہٰذا حدیث کے الفاظ ولکن ینہی عنہ میں مذکورہ نہی تنزیہی ہے کیونکہ علماء فرماتے ہے کہ کسی بھی چیز کو چبانا خواہ وہ مصطگی ہو یا کوئی اور چیز مکروہ ہے ہاں ضرورت کے وقت کسی بچہ کے منہ میں دینے کے لیے اس کا کوئی ٹکڑا چبانا جائز ہے۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ مصطگی وغیرہ چبانے کی کراہت اس صورت میں ہے جب کہ یہ یقین ہو کہ اس کا کوئی جز حلق کے نیچے نہیں اترا ہے اور اگر حلق کے نیچے اتر جانے کا یقین ہو تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اگر کوئی درزی یا کوئی بھی شخص رنگا ہوا ڈور منہ میں لے اور اس کا تھوک ڈورے کے رنگ جیسا ہو جائے اور پھر وہ اس کی تھوک کو نگل جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر تھوک پر رنگ غالب نہ آئے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

خود بہ خود آنے والی قئے میں روزے کا حکم:

(فَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ لَمْ يُفْطِرْ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ قَاءَ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَمَنْ اسْتَقَاءَ عَامِدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ) وَيَسْتَوِي فِيهِ مِلْءُ الْفَمِ فَمَا دُونَهُ فَلَوْ عَادَ وَكَانَ مِلْءَ الْفَمِ فَسَدَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ خَارِجٌ حَتَّى انْتَقَضَ بِهِ الطَّهَارَةُ وَقَدْ دَخَلَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا يَفْسُدُ لِأَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ صُورَةُ الْفِطْرِ وَهُوَ الِابْتِلَاعُ وَكَذَا مَعْنَاهُ لِأَنَّهُ لَا يَتَغَذَّى بِهِ عَادَةً ، إنْ أَعَادَهُ فَسَدَ بِالْإِجْمَاعِ لِوُجُودِ الْإِدْخَالِ بَعْدَ الْخُرُوجِ فَتَتَحَقَّقُ صُورَةُ الْفِطْرِ . وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ الْفَمِ فَعَادَ لَمْ يَفْسُدْ صَوْمُهُ لِأَنَّهُ غَيْرُ خَارِجٍ وَلَا صُنْعَ لَهُ فِي الْإِدْخَالِ ، وَإِنْ أَعَادَهُ فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِعَدَمِ الْخُرُوجِ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يَفْسُدُ صَوْمُهُ لِوُجُودِ الصُّنْعِ مِنْهُ فِي الْإِدْخَالِ .

ترجمہ:

اگر روزے دار کو خود بہ خود قئے آ گئی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کو قئے آئی اس پر قضاء نہیں ہے۔ اور جس نے جان بوجھ کر قئے کی تو اس پر قضاء واجب ہے۔ اس حدیث میں منہ بھر اور اس سے کم قئے دونوں مراد ہیں۔ پھر اگر وہ قئے خود لٹ گئی جو منہ بھر تھی تو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ خارج ہے کیونکہ اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اسی حالت میں وہ پھر داخل بھی ہو گئی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک فاسد نہ ہوگا کیونکہ یعنی اس کا نگلنا نہیں پایا گیا لہٰذا اسی طرح افطار کا معنی بھی نہیں پایا گیا اور عام طور پر اس سے غذا بھی حاصل نہیں کی جاتی۔ ہاں البتہ اگر اس نے اس کو لوٹایا تو پھر بہ اتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ خروج کے بعد داخل کرنا ہے۔ لہٰذا افطار کا حکم ثابت ہو گیا۔ اگر وہ منہ بھر سے کم ہو اور واپس لوٹ گئی تو اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس میں کوئی خارج ہے اور نہ ہی روزے دار کا کوئی ایسا عمل جو داخل کرنے میں ہو۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جب اس نے واپس لوٹایا تو بھی اسی طرح حکم ہے کیونکہ خارج نہیں پایا گیا۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ دخول میں اس فعل شامل ہے۔

قئے سے فساد صوم یا عدم فساد صوم کا بیان:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص پر قے غالب آجائے (یعنی خود بخود قے آئے) اور وہ روزہ سے ہو تو اس پر قضا نہیں ہے اور جو شخص (حلق میں انگلی وغیرہ ڈال کر) قصداً قے کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے روزے کی قضا کرے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی،) اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو عیسیٰ بن یونس کے علاوہ اور کسی سند سے نہیں جانتے، نیز محمد (یعنی امام بخاری) فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو محفوظ نہیں سمجھتا۔

ومن استاء عمداً (اور جو شخص قے کرے) میں قصداً کی قید لگا کر گویا بھول چوک کا استثناء فرمایا گیا ہے یعنی اگر کوئی روزہ دار اس حال میں قصداً قے کرے کہ اسے اپنا روزہ یاد ہو تو اس کا روزہ جاتا رہے گا اور اس پر قضا واجب ہوگی برخلاف اس کے اگر کوئی روزہ دار قصداً قے کرے مگر اسے یاد نہ رہا ہو کہ میں روزہ سے ہوں تو اس پر قضا واجب نہیں ہوگی۔

حضرت معدان بن طلحہ کے بارے میں منقول ہے کہ حضرت ابودرداء نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (روزہ کی حالت میں) قے کی اور پھر روزہ توڑ ڈالا، معدان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قے کی اور پھر روزہ توڑ ڈالا یا حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابودرداء نے بالکل سچ کہا اور اس موقع پر میں نے ہی آپ کے وضو کے لیے پانی کا انتظام کیا تھا۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی)

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی عذر کی وجہ سے اپنا نفل روزہ قصداً قے کر کے توڑ ڈالا تھا چاہے عذر بیماری کا رہا ہو یا ضعف وناتوانی کا بہرکیف عذر کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر عذر کے نفل روزہ بھی نہیں توڑتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لاتبطلوا اعمالکم۔ یعنی اپنے اعمال کو باطل نہ کرو یعنی انہیں شروع کر کے نامکمل نہ ختم کر ڈالو۔

قئے سے فساد صوم میں مذاہب اربعہ:

حدیث کے آخری الفاظ وانا صببت لہ وضوءہ سے حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد وغیرہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے حضرت امام شافعی اور دیگر علماء جو قے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں ہیں فرماتے ہیں کہ یہاں سے وضو کرنے سے مراد کلی کرنا اور منہ دھونا مراد ہے۔

اگر قے بے اختیار ہو جائے تو اس سے نہ روزہ ٹوٹے گا اور نہ قضاء لازم آئے گی اگرچہ قے منہ بھر ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص قصداً قے کرے اور قے منہ بھر ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس روزہ کی قضاء لازم آئیگی۔ فتاوی عالمگیری ج 1 ص 203/4 مایوجب القضاء دون الکفارۃ کے بیان میں ہے۔

اذا قاء او استقاء ملا الفم او دونہ عاد بنفسہ او اعاد او خرج فلا فطر علی الاصح الا فی الاعادۃ والاستقاء بشرط ملا الفم ھکذا فی النھر الفائق ۔

منہ بھر سے کم قئے کے لوٹنے کی صورت میں روزے کا حکم:

(فَإِنْ اسْتَقَاءَ عَمْدًا مِلْءَ فِيهِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ) لِمَا رَوَيْنَا وَالْقِيَاسُ مَتْرُوكٌ بِهِ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لِعَدَمِ الصُّورَةِ وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ الْفَمِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَفْسُدُ لِعَدَمِ الْخُرُوجِ حُكْمًا ثُمَّ إنْ عَادَ لَمْ يَفْسُدْ عِنْدَهُ لِعَدَمِ سَبْقِ الْخُرُوجِ ، وَإِنْ أَعَادَهُ فَعَنْهُ :أَنَّهُ لَا يَفْسُدُ لِمَا ذَكَرْنَا ، وَعَنْهُ :أَنَّهُ يَفْسُدُ فَأَلْحَقَهُ بِمِلْءِ الْفَمِ لِكَثْرَةِ الصُّنْعِ .

ترجمہ:

اگر اس نے ارادے سے منہ بھر قئے کی تو اس پر قضاء ضروری ہے اس کی دلیل وہی ہے جو ہم روایت بیان کر چکے ہیں۔ اور اسی دلیل کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ افطار کی صورت نہ پائی گئی۔ اگر وہ منہ بھر سے کم ہو تو امام محمد علیہ الرحمہ اسی طرح حکم ہے۔ کیونکہ حدیث مطلق ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے فاسد روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ حکمی طور پر خروج نہیں پایا گیا۔ اور اگر وہ اس کے بعد لوٹ گئی تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے وہ روزہ توڑنے والی نہ ہوگی۔ کیونکہ خروج میں سبقت نہیں پائی گئی۔ اور اگر اس نے لوٹایا تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی ایک روایت کے مطابق بھی وہ روزہ توڑنے والی نہ ہوگی۔ اسی دلیل کے ساتھ جسے ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک دوسری روایت کے مطابق وہ مفسد ہے کیونکہ آپ نے اس کو منہ بھر کے حکم سے ملا دیا ہے یا فعل میں کثرت کی وجہ سے اس کے حکم میں ملا دیا ہے۔

قئے کے منہ بھر ہونے یا نہ ہونے کی تعریف:

علامہ محمود بخاری لکھتے ہیں امام حسن بن زیاد فرماتے ہیں کہ اگر قئے اس طرح آئے جس کو روکنا اور قابو کرنا انسان کے بس میں نہ ہو تو وہ منہ بھر قئے ہوگی اور اگر قئے اس طرح کی ہے کہ انسان اس کو روک سکتا ہے اور قابو کر سکتا ہے تو وہ منہ بھر قئے نہیں۔

جبکہ بعض مشائخ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ وہ قئے جسے انسان نہ روک سکتا ہو اور نہ ہی اس پر قابو پا سکتا ہو مگر تکلیف کے ساتھ اسے قابو کرنا ممکن ہو تو وہ منہ بھر نہ ہوگی اور جس قئے کو تکلیف کے ساتھ بھی قابو کرنا ممکن نہ ہو وہ منہ بھر کر ہوگی۔ اور کثیر مشائخ فقہاء نے بھی اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ جبکہ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ قئے کے منہ بھر ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار صاحب قئے کے حال پر چھوڑ دیں گے کہ اگر اس کے دل میں یہ خیال ہوا کہ وہ منہ بھر تھی تو وہ منہ بھر ہوگی۔

(المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، ج ۱، ص ۳۲، بیروت)

اگر کسی شخص کو خود بخود قئے آ گئی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ فرمان رسول ﷺ ہے: جس نے قئے کی اسے اس روزہ کی قضا دینی ہوگی، جسے خود بخود قئے آ گئی اس پر کوئی قضا نہیں ہے۔ (جامع ترمذی، ابواب الصیام)

اختیاری قئے کے مفسد ہونے یا نہ ہونے کا بیان:

بے اختیار قے ہو جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا خواہ قے کسی قدر ہو منہ بھر کر یا اس سے زیادہ اسی طرح صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا جب کہ آئی ہوئی قے بے اختیار خلق کے نیچے اتر جائے خواہ وہ کسی قدر ہو لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں روزہ جاتا رہتا ہے ہاں اگر وہ قصداً نگل جائے اور منہ بھر کر ہو تو سب ہی کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا البتہ کفارہ لازم نہیں آئے گا اور اگر منہ بھر کر نہیں ہوگی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا اگر کوئی شخص قصداً قے کرے اور منہ بھر کر ہو تو متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ روزہ جاتا رہے گا اور اگر منہ بھر کر نہ ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا اور صحیح یہی ہے حضرت امام محمد کا قول ہے کہ منہ بھر کر نہ ہونے کی صورت میں روزہ جاتا رہتا ہے۔ جو قے عمداً کی جائے اور منہ بھر کر نہ ہو اور وہ بے اختیار حلق کے نیچے اتر جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، قصداً نگل جانے کے بارے میں دو قول ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

کوئی چیز جو غذا وغیرہ کی قسم سے ہو اور رات میں دانتوں کے درمیان باقی رہ گئی ہو تو دن میں اسے نگل جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ چنے کی مقدار سے کم ہو اور منہ سے باہر نکال کر نہ کھائی جائے، اسی طرح کسی کے دانتوں سے یا منہ کے کسی دوسرے اندرونی حصے سے خون نکلے اور حلق میں چلا جائے تو روزہ نہیں جاتا بشرطیکہ وہ پیٹ تک نہ پہنچے یا پیٹ میں پہنچ جائے مگر تھوک کے ساتھ مخلوط ہو کر اور تھوک سے کم اور اس کا مزہ حلق میں محسوس نہ ہوا اگر خون پیٹ تک پہنچ جائے گا اور وہ تھوک پر غالب ہوگا یا تھوک کے برابر ہوگا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

کنکری یا لوہا نگلنے کی صورت میں فساد صوم کا حکم:

قَالَ: (وَمَنْ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ أَوْ الْحَدِيدَ أَفْطَرَ) لِوُجُودِ صُورَةِ الْفِطْرِ (وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ)

لِعَدَمِ الْمَعْنَى

ترجمہ:

فرمایا: اور اگر اس نے کنکری یا لوہے کو نگلا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ افطار کی صورت پائی جا رہی ہے اور اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا معنی معدوم ہے۔

شرح

جب روزہ دار کوئی ایسی چیز کھا لے جو عموماً کھائی نہیں جاتی اور جس سے پیٹ کی خواہش نہیں مٹتی جیسے دوا کو کسی عذر شرعی کی وجہ سے یا آٹا، یا گوندھا ہوا آٹا یا بہت زیادہ ایک ہی بار میں یا روئی، کاغذ، گٹھلی، یا مٹی کھا لے جب وہ مٹی کھانے کا عادی بھی نہ ہو۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ (البقرة:) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ وَإِنْ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ سَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي الصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا (بخاری باب فَضْلِ الصَّوْمِ) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: وَإِنَّمَا الْفِطْرُ مِمَّا دَخَلَ (السنن الكبرى للبيهقى باب الْوُضُوءِ مِنَ الدَّمِ يَخْرُجُ مِنْ أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ)

روزہ کی حالت میں آنکھ، ناک، اور کان میں دوا ڈالنے کا حکم

آنکھ میں دوائی ڈالنے یا زخم پر مرہم لگانے یا دوائی لگانے سے روزہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لیکن ناک اور کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اگر زخم پیٹ میں ہو یا سر پر ہو اور اس پر دوائی لگانے سے دماغ یا پیٹ کے اندر دوائی سرایت کر جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا:

گلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ یہ گلوکوز کسی عذر کی وجہ سے لگایا جائے، بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے۔

(نفائس الفقہ)

خون دینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا: اگر کسی نے روزہ کی حالت میں جان بوجھ کر خون دیا تو اس کی وجہ سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

دانت نکالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

دانت میں تکلیف کے باعث دانت نکال دینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ خون حلق میں نہ گیا ہو۔
(آپ کے مسائل اوران کا حل)

روزہ میں آکسیجن ماسک لگانا

آکسیجن ماسک لگانے سے اگر سوائے ہوایااس کے کسی جزو کے علاوہ کوئی اور چیز حلق میں نہ جاتی ہوتو اس کے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا (فتاوی عثمانی: ۰/، جدید فقہی مسائل)

روزہ کی حالت میں قلب کے مریض کا زبان کے نیچے دوا رکھنا

ایسی دوا کا استعمال جو حلق میں نہ جائے، صرف زبان کے نیچے دبالی جائے، جائز ہے؛ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ حلق میں داخل نہ ہو ورنہ روزہ یقیناً فاسد ہو جائیگا۔ (نفائس الفقہ)

روزہ میں بھپارہ لینا

بھاپ کے ذریعہ دوا کو اندر پہونچانا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے؛ خواہ وہ پرانے طریقہ کے مطابق ہو یا کسی نئے طریقے کے مطابق کسی مشین کے ذریعہ ہو۔ (نفائس الفقہ: /، جدید فقہی مسائل)

روزہ میں انجکشن

انجکشن خواہ رگوں میں دیا جائے جیسے عام بیماریوں کے اندر ہوتا ہے، یا گوشت یا پوست میں لگایا جائے جیسے ذیابطیس (شوگر) کیمریضوں کو انسولین پوست کے اندر لگاتے ہیں، یا پیٹ میں لگایا جائے جیسے کتا کاٹے ہوئے کو پیٹ میں لگاتے ہیں، سب کا حکم ایک ہے کہ ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ البتہ روزہ کی حالت میں غذائی ضرورت کی تکمیل اور تقویت کے لیے بلا ضرورت انجکشن لینا مکروہ ہے ۔(نفائس الفقہ)

روزہ کی حالت میں کسی آلہ کا جسم میں داخل کرنا

امراض معدہ وغیرہ کی تحقیق کے لئے اگر مقعد (پیچھے کے راستہ) سے یا کسی مرض کی تحقیق کے لئے عورت کے آگے کے راستہ سیر حم تک کوئی آلہ داخل کیا جائے اور اس میں کوئی دوا یا پانی وغیرہ لگا ہوا نہ ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اگر اس پر دوا یا پانی لگا ہوا ہو تو چونکہ وہ دوا یا پانی اندر رہ جائیگا اس لئے اس سے روزہ فاسد ہو جائیگا۔ (نفائس الفقہ)

سبیلین میں جماع کی صورت میں فساد صوم کا بیان:

(وَمَنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ عَامِدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ) اسْتِدْرَاكًا لِلْمَصْلَحَةِ الْفَائِتَةِ (

وَالْكَفَّارَةُ) لِتَكَامُلِ الْجِنَايَةِ وَلَا يُشْتَرَطُ الْإِنْزَالُ فِي الْمَحَلَّيْنِ اعْتِبَارًا بِالِاغْتِسَالِ ، وَهَذَا لِأَنَّ قَضَاءَ الشَّهْوَةِ يَتَحَقَّقُ دُونَهُ وَإِنَّمَا ذَلِكَ شِبَعٌ ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : أَنَّهُ لَا تَجِبُ الْكَفَّارَةُ بِالْجِمَاعِ فِي الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوهِ اعْتِبَارًا بِالْحَدِّ عِنْدَهُ .

وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا تَجِبُ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ مُتَكَامِلَةٌ لِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ (وَلَوْ جَامَعَ مَيْتَةً أَوْ بَهِيمَةً فَلَا كَفَّارَةَ أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ تَكَامُلُهَا بِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ فِي مَحَلٍّ مُشْتَهًى وَلَمْ يُوجَدْ ، ثُمَّ عِنْدَنَا كَمَا تَجِبُ الْكَفَّارَةُ بِالْوِقَاعِ عَلَى الرَّجُلِ تَجِبُ عَلَى الْمَرْأَةِ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلٍ :لَا تَجِبُ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجِمَاعِ وَهُوَ فِعْلُهُ وَإِنَّمَا هِيَ مَحَلُّ الْفِعْلِ ، وَفِي قَوْلٍ :تَجِبُ ، وَيَتَحَمَّلُ الرَّجُلُ عَنْهَا اعْتِبَارًا بِمَاءِ الِاغْتِسَالِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُظَاهِرِ) وَكَلِمَةُ مَنْ تَنْتَظِمُ الذُّكُورَ وَالْإِنَاثَ ، وَلِأَنَّ السَّبَبَ جِنَايَةُ الْإِفْسَادِ لَا نَفْسُ الْوِقَاعِ وَقَدْ شَارَكَتْه فِيهَا وَلَا يَتَحَمَّلُ لِأَنَّهَا عِبَادَةٌ أَوْ عُقُوبَةٌ ، وَلَا يَجْرِي فِيهَا التَّحَمُّلُ .

ترجمہ:

اور جس شخص نے دونوں راستوں میں کسی ایک راستے میں بھی جماع کیا تو اس پر قضاء واجب ہے۔ تاکہ مفقود مصلحت کو حاصل کیا جاسکے اور اس پر کفارہ بھی واجب ہے کیونکہ کامل جنایت پائی گئی ہے۔ اور غسل والے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے دونوں محلوں میں انزال کی شرط نہ ہوگی۔ کیونکہ بغیر انزال کے شہوت کا پورا ہونا ثابت ہے۔ جبکہ انزال تو محض بہاؤ ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک جب کسی نے دبر میں جماع کیا تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔ اور آپ کے نزدیک اس مسئلہ کو حد پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور جبکہ زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ اس صورت میں بھی کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ شہوت ادا کرنے سے جنایت کاملہ پائی جارہی ہے۔

اور اگر کسی روزے دار نے مردہ عورت یا کسی جانور سے ارادے کرتے ہوئے جماع کیا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ اگرچہ اس کو انزال ہو یا نہ ہو۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اس لئے کہ جنایت کاملہ کا مکمل ہونا شہوت کا محل شہوت میں پورا ہونا ہے اور یہ بات نہیں گئی۔ اس کے بعد ہمارے نزدیک جماع کی وجہ سے جس طرح مرد پر کفارہ

واجب ہوتا ہے اسی طرح عورت پر بھی واجب ہوتا ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے ایک قول کے مطابق عورت کفارہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ کفارہ جماع کے ساتھ تعلق متعلق ہے اور جماع مرد کا فعل ہے عورت تو محض اس فعل کا محل ہے۔ اور ایک قول کے مطابق واجب ہے۔ لیکن عورت کی طرف سے مرد برداشت کرے گا۔ اسے غسل پر قیاس کیا گیا ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان میں روزہ توڑا اس پر وہی واجب ہے جو ظہار کرنے والے پر واجب ہے۔ اس میں کلمہ "من" مرد و عورت دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا کفارے کا سبب روزے کا فاسد کرنے والی جنایت ہے نفس جماع (سبب) نہیں ہے۔ اور اس جنایت میں مرد کے ساتھ عورت بھی شامل ہے۔ لہٰذا عورت کی طرف مرد برداشت نہیں کرے گا۔ کیونکہ کفارہ خواہ عبادت ہو یا عقوبت ہو ان دونوں میں سے ایک کا دوسرے کی جانب سے بوجھ اٹھانے کا حکم جاری نہیں کیا جائے گا۔

جماع کے ناقض صوم ہونے میں فقہی مذاہب کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جس نے قبل یا دبر میں عمداً جماع کیا تو اس پر قضاء ہے اور اس میں عمداً کی قید اس لئے کیونکہ جب وہ بھول کر جماع کرے تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ جمہور علماء اور امام اوزاعی اور بعض اصحاب شوافع نے کہا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص روزے کا کفارہ ادا کرے تو اس پر قضاء واجب نہیں ہے۔ کیونکہ قضاء اسی کفارے کی جنس میں سے ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے حکایت نقل کی گئی ہے کہ ان کی دلیل یہ ہے۔ جس بندے نے کفارہ ادا کیا تو اس پر قضاء نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اعرابی کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ قضاء کا اس میں کوئی بیان نہیں ہے۔ اور بیان کو اس کے وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے جان بوجھ کر روزہ افطار کیا تو اس پر وہی ہے جو مظاہر یعنی اظہار والے پر ہے۔ اور مظاہر پر کفارے کے سوا کچھ واجب نہیں ہے۔

فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ شہود شہر کی وجہ سے اس پر روزہ واجب ہے۔ اور جب وہ معدوم ہوا تو قضاء واجب ہوگئی۔ جس طرح معذور کا مسئلہ ہے کہ جب وہ ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تو اس کی مثلی چیز کا ضامن کیا جاتا ہے۔ جو اس کے پاس ہوتی ہے اسی طرح حقوق العباد میں ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کے فرمان مبارک کہ تم پر وہی جو مظاہر پر ہے اس مراد یہ ہے کہ افطار کے سبب وہی ہے۔ یہی نقل کیا گیا ہے جبکہ وجوب قضاء سبب فطر سے نہیں ہے۔ پس نبی کریم ﷺ نے اعرابی کیلئے وہ بیان فرمایا جو مشکل تھا۔ اور وجوب قضاء ادائیگی کے فوت ہونے پر غیر مشکل ہے۔ اسی طرح مبسوط میں ہے۔

فساد صوم کی وجہ سے جو مصلحت فوت ہو رہی تھی اس کو پانا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ شارع کا حکم کسی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اور مصلحت یہ ہے نفس امارہ پر قہر کیا جائے لہٰذا مصلحت بالفساد سے قضاء واجب ہوگی۔ تا کہ اس سے مصلحت کا ادراک کیا جائے۔

(البنایہ شرح الہدایہ ج ۴، ص ۳۳۰، حقانیہ ملتان)

فقہ شافعی و حنبلی کے مطابق ناکح الید کے فساد روزے کا حکم:

مشت زنی سے انزال شہوت سے ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ یہ صورت شہوت کے بیدار کرنے میں اس بوسے کی طرح ہوگی، جس سے انزال ہوا اور بلا شہوت خارج ہونے میں کوئی شیء واجب نہیں۔ (المغنی: ج ۴، ص ۳۶۳)

شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ جس شخص کو وطی یا کھانے پینے پر مجبور کیا جائے اور وہ جبرا ایسا کرے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹیگا، اور اس پر قضاء بھی نہیں ہوگی۔

لیکن شافعی حضرات کے ہاں جبرا زنا کے ساتھ روزہ توڑنے والے شخص پر قضاء ہوگی "(الموسوعۃ الفقہیة (28، . 58)

شرح

کسی شخص کو جانور کے ساتھ یا میت کے ساتھ فعل بد کرنے کے سبب انزال ہوگیا یا کسی کی ران یا ناف یا ہاتھ کی رگڑ سے منی گرائی یا کسی کو چھونے یا اس کا بوسہ لینے کی وجہ سے انزال ہوگیا یا غیر ادائے رمضان کا روزہ توڑا تو ان سب صورتوں میں کفارہ واجب نہیں ہوگا بلکہ قضا لازم ہوگی، اسی طرح اگر کسی نے روزہ دار عورت کے ساتھ اس کے سونے کی حالت میں جماع کیا تو اس عورت کا روزہ جاتا رہے گا اور اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا، یا کسی عورت نے رات سے روزہ کی نیت کی اور جب دن ہوا تو دیوانی ہوگئی اور اس کی دیوانگی کی حالت میں کسی نے اس سے جماع کیا تو اس صورت میں اس عورت پر اس روزہ کی قضا لازم ہو گی۔

ناکح ید والی روایت کی سند کے ضعف کا بیان:

علامہ عبدالقادر رافعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حدیث ناکح الید موضوع ہے۔ اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس طرح شہوت حلال ہے یا نہیں اور اس کے جواب میں حدیث بیان کی جاتی ہے کہ ناکح الید ملعون ہے۔ یہ موضوع ہے۔ علامہ سندی نے ملا علی قاری سے نقل کیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے لہٰذا یہ موضوع ہے۔ (تقریرات رافعی، ج ۱، ص ۱۳۸، دیار مصر)

عمل قوم لوط کا عبرت ناک انجام:

جرم میں مبتلا قوم لوط پر اللہ تعالی نے مختلف قسم کے سخت ترین عذاب نازل کئے، رات کیا خیر حصہ میں فرشتہ نے ایک ہیبت ناک چیخ ماری جس نے انہیں زیر و زبر کر دیا، چالیس لاکھ پر مشتمل آبادی کو آسمان تک لیجا کر الٹ دیا گیا اور ان پر پتھروں کی لگاتار بارش برسائی گ۔ جس نے صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس واقعہ کو تفصیل سے بیان فرمایا جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں، اگر وہ ہم جنس پرستی کے جرم میں مبتلا ہونگے تو کہیں قہر الہی کی بجلیاں انہیں بھی جلا کر خاکستر کر نہ ڈالے، سماجی خرابیوں اور اخلاقی برائیوں میں ہم جنس پرستی سے بڑھ کر کوئی خرابی اور برائی نہیں، صالح معاشرہ کی تعمیر و تشکیل اور نسل انسانی کی افزائش و بقا کے لئے

اس بدترین جرم کی بیخ کنی کرنا حکومت سمیت ہر قوم وملت کی ذمہ داری ہے۔معاشرہ کو پاکیزہ اقدار عطا کرنے والے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بنی نوع انسان کو اس اخلاق سوز خصلت سے بچانے کے لئے اس پر سخت ترین وعید بیان فرمائی ہے : مسند امام احمد میں حدیث شریف ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "،اللہ تعالی اس شخص پر لعنت فرمائے جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، اللہ تعالی اس شخص پر لعنت فرمائے جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، اللہ تعالی اس شخص پر لعنت فرمائے جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے تین مرتبہ فرمایا۔

کنز العمال میں حدیث شریف ہے، قوم لوط پر دس بری خصلتوں کی وجہ سے عذاب آیا تھا میری امت ان کے علاوہ ایک اور خصلت میں مبتلا ہوگی، وہ مرد مرد کے ساتھ ہم جنس پرستی کرتے تھے اور اس امت کی عورتیں عورتوں کے ساتھ جنسی خواہشات پوری کرینگی۔

جامع ترمذی سنن ابن ماجہ اور مستدرك على الصحيحين میں روایت ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا : مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔

معجم الکبیر اور مجمع الزوائد میں حدیث مبارک ہے: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔۔۔۔اور جب قوم لوط کا عمل کرنے والے زیادہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دست رحمت مخلوق سے اٹھالے گا پھر اللہ کو کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ لوگ کس وادی میں ہلاک ہوتے ہیں۔

معجم الاوسط شعب الایمان اور مجمع الزوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا : چار شخص ایسے ہیں جو اللہ تعالی کے غضب میں صبح وشام کرتے ہیں جن میں سے ایک وہ مرد ہیں جو مردوں سے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کرتے ہیں۔

جامع ترمذی اور صحیح ابن حبان میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اللہ تعالی اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو مرد سے جنسی خواہش پوری کرے یا عورت سے لواطت کرے۔

ہم جنس پرستی کے دائمی و تاریخی نقصانات:

کچھ عرصہ پہلے اردن کے سفر کے دوران میرا گزر بحیرہ مردار Dead Sea)) کے جنوبی حصے سے ہوا۔اس حصے میں عجیب وغریب کٹے پھٹے پہاڑ موجود تھے۔ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس علاقے میں کوئی ایٹم بم پھٹا ہوگا جس کے باعث ان پہاڑوں کی یہ حالت ہوئی ہوگی۔میرے ذہن میں قرآن مجید اور بائبل کی یہ آیات گونجنے لگیں:

پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو الٹ پلٹ کر دیا اور ان پر پکی مٹی کے پتھر برسائے جس میں سے ہر پتھر تیرے رب کے ہاں سے (اپنے ہدف کے لئے) نشان زدہ تھا۔(ہود 11:82)

دوسرے دن صبح سویرے ابرہام اٹھے اور اس مقام کو پلٹے جہاں وہ خداوند کے حضور (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے تھے۔ انہوں نے نیچے سدوم اور عمورہ اس میدان کے سارے علاقے پر نظر دوڑائی اور دیکھا کہ اس سرزمین سے کسی بھٹی کے دھویں جیسا گہرا دھواں اٹھ رہا تھا۔(کتاب پیدائش(28-19:27

جی ہاں، جہاں سے ہم گزر رہے تھے، یہ علاقہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ تھا۔جب لوط علیہ الصلوۃ والسلام یہاں آباد ہوئے تو بائبل کے بیان کے مطابق، یہ دور دور تک سرسبز وشاداب علاقہ تھا۔اہل سدوم نہایت ہی بدکار قوم تھی۔ یہ لوگ دوسری اخلاقی خرابیوں کے علاوہ ہم جنس پرستی کے مرض میں بھی مبتلا تھے۔بعض احمق لوگ اس فعل بد کو لواطت کہتے ہیں۔سیدنا لوط علیہ الصلوۃ والسلام وہ پاکباز ہستی ہیں جنہوں نے اس فعل بد کے خلاف آواز اٹھائی۔اس فعل کو آپ سے موسوم کرنا یقیناً آپ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔

اللہ کے رسول کو جھٹلانے اور اپنی برائی پر اصرار اور سرکشی کے باعث قوم لوط پر اللہ کا عذاب آیا۔قرآن مجید کے مطابق ان پر مٹی کے دہکتے پتھروں کی بارش کر کے انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ بائبل کے مطابق اس میں گندھک کی آمیزش بھی تھی۔امریکی محقق رون وائٹ نے اس علاقے کی مٹی کے بارے میں جو تحقیقات کی ہیں، ان کے مطابق اس علاقے میں گندھک کثرت سے پائی جاتی ہے۔اس علاقے میں عام زمین کے اوپر ایک اور زمینی تہہ Geological Layer)) پائی جاتی ہے جو رون کی تحقیقات کے مطابق عذاب والے مٹی اور پتھروں کی تہہ ہے۔

قرآن مجید نے جہاں جہاں اس قوم کا ذکر کیا وہاں ان کی اس بدفعلی کا ذکر بھی کیا ہے۔اس مقام پر قرآن مجید کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں پڑی کہ یہ بھی کوئی برائی ہے۔قرآن نے اس کا ذکر ایک طے شدہ Established)) برائی کے طور پر کیا ہے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری تاریخ انسانیت میں ہم جنس پرستی کو ایک برائی کی حیثیت ہی حاصل رہی ہے۔اس سے استثنا صرف سدوم اور قدیم یونان کے لوگوں کو حاصل ہے یا پھر آج کے اہل مغرب میں سے ہم جنس پرستوں Gays & Lesbians)) کا ایک اقلیتی گروہ ہے جو اس فعل کی حمایت میں سرگرم ہوا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں نیکی اور بدی کا جو شعور ودیعت کیا ہے، انسانوں کی قلیل تعداد اس فطرت کو کبھی کبھی مسخ بھی کر لیا کرتی ہے جیسا کہ انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی آسمانی ہدایت کو بھی کہیں کہیں مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس موقع پر اچھا ہے اگر میں سید مودودی صاحبؒ کا ایک اقتباس نقل کرتا چلوں کیونکہ فطرت کے اس بیان کے لئے میں ان سے بہتر الفاظ نہیں پا رہا۔:

یہ بات بالکل صریح حقیقت ہے کہ مباشرت ہم جنسی قطعی طور پر وضع فطرت کے خلاف ہے۔اللہ تعالی نے تمام ذی حیات انواع میں نر و مادہ کا فرق محض تناسل اور بقائے نوع کے لئے رکھا ہے اور نوع انسانی کے لئے اس کی مزید غرض یہ بھی ہے کہ دونوں

صنفوں کے افراد مل کر ایک خاندان وجود میں لائیں اور اس سے تمدن کی بنیاد پڑے۔ اسی مقصد کے لئے مرد اور عورت کی دو الگ صنفیں بنائی گئی ہیں، ان میں ایک دوسرے کے لئے صنفی کشش پیدا کی گئی ہے، ان کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی ترکیب ایک دوسرے کے جواب میں مقاصد زوجیت کے لئے عین مناسب بنائی گئی ہے اور ان کے جذب وانجذاب میں وہ لذت رکھی گئی ہے جو فطرت کے منشا کو پورا کرنے کے لئے بیک وقت داعی و محرک بھی ہے اور اس خدمت کا صلہ بھی۔ مگر جو شخص اپنے ہم جنس سے شہوانی لذت حاصل کرتا ہے وہ ایک ہی وقت میں متعدد جرائم کا مرتکب ہوتا ہے:

اولاً وہ اپنی اور اپنے معمول کی طبعی ساخت اور نفسیاتی ترکیب سے جنگ کرتا ہے اور اس میں خلل عظیم برپا کر دیتا ہے جس سے دونوں کے جسم، نفس اور اخلاق پر نہایت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ثانیاً وہ فطرت کے ساتھ غداری و خیانت کا ارتکاب کرتا ہے، کیونکہ فطرت نے جس لذت کو نوع اور تمدن کی خدمت کا صلہ بنایا تھا اور جس کے حصول کو فرائض اور ذمہ داریوں اور حقوق کے ساتھ وابستہ کیا تھا وہ اسے کسی خدمت کی بجا آوری اور کسی فرض اور حق کی ادائگی اور کسی ذمہ داری کے التزام کے بغیر چرا لیتا ہے۔

ثالثاً وہ انسانی اجتماع کے ساتھ کھلی بد دیانتی کرتا ہے کہ جماعت کے قائم کیے ہوئے تمدنی اداروں سے فائدہ تو اٹھا لیتا ہے مگر جب اس کی اپنی باری آتی ہے تو حقوق اور فرائض اور ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی بجائے اپنی قوتوں کو پوری خود غرضی کے ساتھ ایسے طریقہ پر استعمال کرتا ہے جو اجتماعی تمدن و اخلاق کے لیے صرف غیر مفید ہی نہیں بلکہ ایجاباً مضرت رساں ہے۔ وہ اپنے آپ کو نسل اور خاندان کی خدمت کے لیے نا اہل بناتا ہے، اپنے ساتھ کم از کم ایک مرد کو غیر طبعی زنانہ پن میں مبتلا کرتا ہے، اور کم از کم دو عورتوں کے لیے بھی صنفی بے راہ روی اور اخلاقی پستی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (تفہیم القرآن ج 2، ص 52)

آج کے ہم جنس پرست اپنے غلیظ کاموں کے جواز میں جو پروپیگنڈا کر رہے ہیں، اس کی بنیاد میں وہ بائیو کیمسٹری کے کچھ تصورات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق ہم جنس پرست انسان کے جسم و دماغ میں کچھ کیمیکلز ایسے ہوتے ہیں جن کے باعث اس کا فطری میلان صنف مخالف کی بجائے اپنی ہی صنف کی طرف ہو جاتا ہے۔ یہ میلان ان کے ڈی این اے میں ہی ودیعت کیا ہوا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ چیز ان کے اختیار میں نہیں، اس لیے معاشرے کو ہم جنس پرستوں کو قبول کر لینا چاہیے۔

ان کے اس مغالطے کا کم از کم اردو لٹریچر میں مجھے جواب نہیں ملا اس لیے اس پر کچھ جملے لکھنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اگر ہم جنس پرستوں کے کیمیکلز میں کچھ مسئلہ ہے بھی، تو معاشرے کو ان کے مضر اخلاقی اثرات سے بچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کا علاج کیا جائے۔ میڈیکل سائنس اب اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ ادویات کی مدد سے اس مسئلہ کو دور کیا جا سکتا ہے۔ رہا مسئلہ جینز اور ڈی این اے کا تو یہ ابھی تک محض ایک مفروضہ ہے جسے کوئی بھی ثابت نہیں کر سکا۔ ہم جنس پرستوں کے مسائل پر کی گئی تحقیقات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کم عمری ہی میں بری صحبتوں کا شکار ہو کر یہ عادات اپنا لیتے ہیں جو عمر کے ساتھ ساتھ پختہ ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کسی اچھے ماہر نفسیات بالخصوص ہپناٹسٹ یا پھر اچھے سائیکاٹرسٹ کی مدد سے ان عادات سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔

غذائی اشیاء کھانے کی صورت میں قضاء وکفارے کا بیان:

(وَلَوْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ مَا يَتَغَذَّى بِهِ أَوْ يَتَدَاوَى بِهِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لِأَنَّهَا شُرِعَتْ فِي الْوِقَاعِ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ لِارْتِفَاعِ الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ فَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ .

وَلَنَا أَنَّ الْكَفَّارَةَ تَعَلَّقَتْ بِجِنَايَةِ الْإِفْطَارِ فِي رَمَضَانَ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ وَقَدْ تَحَقَّقَتْ ، وَبِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا عُرِفَ أَنَّ التَّوْبَةَ غَيْرُ مُكَفِّرَةٍ لِهَذِهِ الْجِنَايَةِ .

ترجمہ:

اور اگر روزے دار ایسی کوئی چیز کھانے والی یا پینے والی لی جس غذا بنتی ہو یا جس سے دوائی دی جاتی ہو تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ کفارہ اس جماع کے بارے میں مشروع ہے جو خلاف قیاس ہے۔ اور گناہ توبہ کرنے کی وجہ سے دور ہو گیا ہے لہذا اس کو دوسری چیز پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ رمضان المبارک میں جب پوری طرح جنایت افطار پائی تو کفارہ اس کے ساتھ متعلق ہے اور وہ ثابت ہو گیا ہے۔ اور اس کی پہچان بطور کفارہ غلام کی آزادی واجب کرنے سے ہے۔ لہذا توبہ جنایت سے دور کرنے والی نہیں ہے۔

شرح

کان میں تیل ٹپکایا یا پیٹ یا دماغ کی جھلی تک زخم تھا، اس میں دوا ڈالی کہ پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی یا حقنہ لیا یا ناک سے دوا چڑھائی یا پتھر، کنکری، مٹی، روئی، کاغذ، گھاس وغیرہا ایسی چیز کھائی جس سے لوگ گھن کرتے ہیں یا رمضان میں بلا نیّتِ روزہ روزہ کی طرح رہا یا صبح کو نیّت نہیں کی تھی، دن میں زوال سے پیشتر نیّت کی اور بعد نیّت کھا لیا یا روزہ کی نیّت تھی مگر روزہ رمضان کی نیّت نہ تھی یا اس کے حلق میں مینھ کی بوند یا اولا جا رہا یا بہت سا آنسو یا پسینہ نگل گیا یا بہت چھوٹی لڑکی سے جماع کیا جو قابلِ جماع نہ تھی یا مردہ یا جانور سے وطی کی یا ران یا پیٹ پر جماع کیا یا بوسہ لیا یا عورت کے ہونٹ چوسے یا عورت کا بدن چُھوا اگرچہ کوئی کپڑا حائل ہو، مگر پھر بھی بدن کی گرمی محسوس ہوتی ہو۔

اور ان سب صورتوں میں انزال بھی ہو گیا یا ہاتھ سے منی نکالی یا مباشرت فاحشہ سے انزال ہو گیا یا ادائے رمضان کے علاوہ اور کوئی روزہ فاسد کر دیا، اگرچہ وہ رمضان ہی کی قضا ہو یا عورت روزہ دار سو رہی تھی، سوتے میں اس سے وطی کی گئی یا صبح کو ہوش میں تھی اور روزہ کی نیت کر لی تھی پھر پاگل ہو گئی اور اسی حالت میں اس سے وطی کی گئی یا یہ گمان کر کے کہ رات ہے، سحری کھالی یا رات ہونے میں شک تھا اور سحری کھالی حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا یہ گمان کر کے کہ آفتاب ڈوب گیا ہے، افطار کر لیا حالانکہ ڈوبا نہ تھا یا دو شخصوں

نے شہادت دی کہ آفتاب ڈوب گیا اور دو نے شہادت دی کہ دن ہے اور اُس نے روزہ افطار کرلیا، بعد کو معلوم ہوا کہ غروب نہیں ہوا تھا ان سب صورتوں میں صرف قضا لازم ہے، کفارہ نہیں۔ (درمختار، کتاب الصوم)

حالت روزہ میں دمے والی سپرے ڈبی کا استعمال کرنا:

ڈاکٹر احمد خلیل لکھتے ہیں۔ دمہ کے لیے سپرے کی ڈبی ایک ایسی دوائی ہے جس میں سائل مادہ تین عناصر پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ کیمائی مادہ، پانی اور آکسیجن۔

جب اس سپرے کو دبا کر نکالا جاتا ہے تو اس سے دھویں کی شکل میں دوائی خارج ہوتی ہے، جب مریض اس کو دباتا ہے تو یہ سپرے اور دوائی اس کے سانس کی نالیوں میں داخل ہوتی ہے، لیکن اس کا کچھ حصہ منہ میں حلق کے شروع میں ہی رہ جاتا ہے، اور قلیل سی مقدار اس کے پھیپھڑوں میں چلی جاتی ہے. کچھ معاصر علماء کا کہنا ہے کہ یہ سپرے استعمال کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ : کیونکہ یہ سپرے جن مواد پر مشتمل ہے وہ مواد منہ کے ذریعہ معدے تک جاتے ہیں تو اس طرح اس سے روزہ ٹوٹ جائیگا.

اور اکثر معاصر علماء کہتے ہیں کہ اس سپرے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور یہی قول صحیح ہے انہوں نے کئی ایک دلائل سے استدلال کیا ہے۔

اصل میں روزہ صحیح ہے، اور اس اصل سے صرف یقین ہونے پر ہی نکلا جا سکتا ہے، اور اس سپرے کی پھوار کا معدے میں جانا مشکوک ہے، یہ معدے میں جا بھی سکتی ہے اور نہ بھی جاتی، کیونکہ اصل میں یہ مادہ پھیپھڑوں اور سانس کی نالیوں میں جاتا ہے، لیکن یہ معدے میں بھی جا سکتا ہے، تو اس احتمال کے ساتھ روزہ نہیں ٹوٹ سکتا، پہلے قول کا ان علماء نے اس دلیل کے ذریعہ جواب دیا ہے.

فرض کرلیں کہ اس دوائی کا کچھ حصہ بالفعل معدے میں چلا جاتا ہے تو یہ معاف کردہ ہے، اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور اس کو انہوں نے کلی اور مسواک پر قیاس کیا ہے۔

کیونکہ کلی کا کچھ پانی روزے دار کے منہ میں باقی رہ جاتا ہے، اور اس میں سے کچھ نہ کچھ معدہ میں چلا جاتا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص ایسے پانی سے وضوء کرے جس میں کوئی مواد ملا ہوا ہو، تو یہ مادہ کچھ دیر بعد معدۃ میں ظاہر ہو جائیگا، جو اس کو متاکد کرتا ہے کہ کلی کا پانی معدہ میں جاتا ہے، لیکن یہ بہت ہی قلیل مقدار میں ہوتا ہے جو شریعت نے معاف کیا ہے، اور کلی کے باوجود اس کے روزے کو صحیح کا حکم دیا ہے، اور دمہ کی سپرے سے معدہ میں جانے والی دوائی بہت ہی قلیل مقدار میں ہوتی ہے یہ بھی اس وقت اگر یہ معدہ میں جاتی ہو تو پھر بلکہ کلی کے پانی سے بھی کم مقدار میں تو اس طرح یہ بالاولی روزے کو نہیں توڑتا۔

اور مسواک میں ایسا مواد ہوتا ہے جو لعاب کے ساتھ مل کر حلق اور پھر معدہ میں جا سکتا ہے، لیکن شریعت نے اسے بھی معاف کیا ہے اور اسے روزہ توڑنے والی اشیاء میں شامل نہیں کیا، کیونکہ یہ بہت قلیل اور غیر مقصود ہے. تو اسی طرح دمہ کی سپرے سے معدہ میں جانے والی چیز بھی بہت قلیل مقدار میں ہوتی ہے اور اس کا معدہ میں لے جانا مقصود نہیں ہوتا، تو اس طرح مسواک پر قیاس کرتے

ہوئے یہ بھی روزہ نہیں توڑیگی. اس سے ظاہر ہوا کہ دوسرا قول قوی ہے، اور ہمارے معاصر علماء کرام میں سے یہی قول ہے۔ (مفطرات الصيام المعاصرة تاليف ڈاكٹر احمد الخليل (ص، 33 ، 38)

روزے کا کفارہ ظہار کے کفارے کی طرح ہے:

ثُمَّ قَالَ (وَالْكَفَّارَةُ مِثْلُ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ) لِمَا رَوَيْنَا ، وَلِحَدِيثِ (الْأَعْرَابِيِّ فَإِنَّهُ قَالَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْت وَأَهْلَكْت .فَقَالَ :مَاذَا صَنَعْت .قَالَ :وَاقَعْت امْرَأَتِي فِي نَهَارِ رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا ، فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَعْتِقْ رَقَبَةً .فَقَالَ :لَا أَمْلِكُ إلَّا رَقَبَتِي هَذِهِ ، فَقَالَ :صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ .فَقَالَ :وَهَلْ جَاءَنِي مَا جَاءَنِي إلَّا مِنْ الصَّوْمِ فَقَالَ :أَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا .فَقَالَ :لَا أَجِدُ ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُؤْتَى بِفَرْقٍ مِنْ تَمْرٍ .

وَيُرْوَى بِعَرَقٍ فِيهِ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا ، وَقَالَ :فَرِّقْهَا عَلَى الْمَسَاكِينِ فَقَالَ :وَاَللَّهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ أَحْوَجُ مِنِّي وَمِنْ عِيَالِي ، فَقَالَ :كُلْ أَنْتَ وَعِيَالُك ، يَجْزِيَك وَلَا يَجْزِي أَحَدًا بَعْدَك) ، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي قَوْلِهِ يُخَيَّرُ لِأَنَّ مُقْتَضَاهُ التَّرْتِيبُ وَعَلَى مَالِكٍ فِي نَفْيِ التَّتَابُعِ لِلنَّصِّ عَلَيْهِ .

ترجمہ:

پھر فرمایا: کہ روزے کا کفارہ ظہار کے کفارے کی طرح ہے۔ اسی روایت کی وجہ سے جس کو ہم روایت کر چکے ہیں کہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں ہلاک ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے ہلاک کیا؟ اس نے کہا کہ میں رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو ایک غلام یا لونڈی آزاد کر سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو مہینے کے روزے لگاتار رکھ سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) پھر وہ بیٹھا رہا یہاں تک کہ نبی ﷺ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا روایت کیا گیا ہے کہ اس ٹوکرے میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جا یہ مسکینوں کو صدقہ دے دے۔ اس نے کہا کہ مدینہ کے دونوں کنکریلی کالے پتھروں والی زمینوں کے درمیان میں مجھ سے بڑھ کر کوئی مسکین ہے؟ بلکہ اس علاقہ میں کوئی گھر والا مجھ سے بڑھ کر محتاج نہیں تو نبی ﷺ ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے مبارک دانت ظاہر ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لے اور اپنے گھر والوں کو کھلا۔

(صحیح مسلم، رقم ۵۸۹) یہ حدیث امام شافعی علیہ الرحمہ پر تخییر کی صورت میں حجت ہے۔

شرح

جو شخص رمضان کا روزہ رمضان ہی کے مہینہ میں قصداً توڑ دے خواہ کچھ کھا پی کر یا جماع میں مشغول ہو کر تو اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور کفارہ کی ترتیب وہی ہے جو حدیث بالا میں ذکر کی گئی ہے یعنی ایک غلام آزاد کرے اگر یہ نہ ہو سکے تو دو مہینہ کے روزے پے درپے رکھے اور اگر یہ بھی بس سے باہر ہو تو پھر آخری درجہ یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اس میں اختیار ہے چاہے تو ہر مسکین کو کچا اناج دے دے اس صورت میں ہر مسکین کو پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو دیا جائے گا اور چاہے کھانا پکا کر دے۔ اس صورت میں ان ساٹھ مسکینوں کو ایک دن دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے گا۔

اپنے اہل وعیال کو کفارہ دینے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا خواہ اصول میں سے یعنی باپ دادا وغیرہ ہوں یا فروع میں سے یعنی بیٹا یا پوتا وغیرہ ہوں جہاں تک حدیث بالا کا تعلق ہے کہ اس سے اپنے اہل وعیال کو کفارہ دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا اس شخص کے ذمہ سے کفارہ ادا ہو گیا تھا یا نہیں؟ چنانچہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ کفارہ ادا ہو گیا تھا اور یہ حکم صرف اسی کے ساتھ مخصوص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور خاص اس کو اجازت عطا فرما دی تھی کہ وہ کھجوریں جو کفارہ کے طور پر اس کی طرف سے دی جاتی تھیں اپنے اہل وعیال کو کھلانے پر صرف کر دے۔ اور چونکہ یہ ایک مخصوص معاملہ تھا اس لیے کسی دوسرے کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس وقت اس کے ذمہ سے کفارہ ادا نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے ذمہ باقی رہا تھا اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ کفارہ کی ادائیگی بالفعل وقتی طور پر اس وقت ضروری ہوتی ہے جب کہ کفارہ دینے والے کے پاس اس کے اور اس کے اہل وعیال کے کھانے سے بچ کر اتنا مال موجود ہو جو وہ بطور کفارہ دے سکے ورنہ بصورت دیگر وہ کفارہ اس کے ذمہ باقی رہتا ہے کہ جب بھی اس میں استطاعت ہو کفارہ ادا کر دے لہٰذا سلمہ بن صخر الانصاری البیاضی بہت زیادہ محتاج تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت عطا فرمائی کہ اس وقت تو یہ کھجوریں اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ مگر جب بعد میں استطاعت ہو تو کفارہ ادا کر دینا۔

کچھ حضرات کا کہنا یہ ہے کہ پہلے یہ حکم تھا کہ کفارہ اپنے اہل وعیال کو دیا جا سکتا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان کھجوروں کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کر دیں مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اس لیے اب مسئلہ یہی ہے کہ کسی بھی طرح کفارہ اپنے اہل وعیال کو نہ دیا جائے۔

فقہی اصطلاح تنقیحِ مناط کا مفہوم:

اس سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ کریم یا حدیث شریف میں ایک حکم کے ساتھ کئی ایسے اسباب واوصاف مذکور ہوں، جو اس کی علت بن سکتے ہوں، دلائل وقرائن کے ذریعہ ان میں سے کسی ایک کو علت کا حکم قرار دیا جائے اور باقی ان اتفاقی قیود کو نظر انداز کر دیا

جائے، جن کا حکم میں کوئی دخل نہیں۔

"وذلك أن يكون الوصف المعتبر في الحكم مذكورا مع غيره في النص؛ فينقح بالاجتهاد، حتى يميز ماهو معتبر مماهو ملغى" ۔(الموافقات، ج۴، ص۶۰)

مثلاً ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں تو برباد ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا، آپ ﷺ نے بطور کفارہ انہیں ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ هَلَكْتُ قَالَ وَمَاأَهْلَكَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ قَالَ هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُعْتِقَ رَقَبَةً، الخ " ۔(ترمذی، كِتَاب الصَّوْمِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَاب مَاجَاءَ فِي كَفَّارَةِ الْفِطْرِ فِي رَمَضَانَ، حديث نمبر: ۲۹۷۰، شامله، موقع الإسلام)

اس روایت میں غور کرنے سے اصل سبب حکم کے علاوہ چند اور اسباب واوصاف کا بھی پتہ چلتا ہے، جیسے سائل کا دیہاتی ہونا، رمضان کے مہینہ میں جماع کرنا، بحالتِ روزہ جماع کرنا، اپنی زوجہ کے ساتھ جماع کرنا وغیرہ، جب کہ اصل سبب حکم تو کسی بھی عاقل وبالغ مسلمان کا کسی بھی رمضان میں کسی بھی عورت کے ساتھ جماع کرنا ہے؛ لہٰذا اس اصل سبب کے علاوہ سابق میں ذکر کردہ تمام اسباب واوصاف، اتفاقی قیود قرار پائیں گی، جن کا حکم میں کوئی دخل نہیں اور یہی تنقیح مناط ہے۔

سوائے فرج میں جماع کی صورت میں صرف قضاء کا بیان:

(وَمَنْ جَامَعَ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ) لِوُجُودِ الْجِمَاعِ مَعْنًى (وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ) لِانْعِدَامِهِ صُورَةً

ترجمہ:

اور جس شخص نے فرج کے سوا میں جماع کیا تو پس اسے انزال ہو گیا تو اس پر قضاء ہے کیونکہ جماع کا معنیٰ پایا گیا ہے۔ اور اس پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ جماع بطور صورت معدوم ہے۔

شرح

غیر سبیلین میں جماع کیا تو جب تک انزال نہ ہو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ یونہی ہاتھ سے منی نکالنے میں اگرچہ یہ سخت حرام ہے۔ چوپایہ یا مُردہ سے جماع کیا اور انزال نہ ہوا تو روزہ نہ گیا اور انزال ہوا تو جاتا رہا۔ جانور کا بوسہ لیا یا اس کی فرج کو چھوا تو روزہ نہ گیا اگرچہ انزال ہو گیا ہو۔ (درمختار، کتاب الصوم)

علامہ طحطاوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

روزے کے منافی جو امور ہیں یعنی کھانا پینا اور جماع، ان میں سے جب بھی کوئی ایک امر ظاہری یا معنوی طور پر پایا جائے۔ یا کوئی شرعی عذر لاحق ہو جائے یا شبہ اور خطا کے باعث یا جبر و اکراہ کی موجودگی میں روزہ افطار کرلیا جائے۔ تو ایسی صورت میں روزہ توڑنے پر قضا واجب ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ گمان تھا کہ صبح نہیں ہوئی اور کھایا پیا بعد کو معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو صرف قضا لازم ہے یعنی اس روزے کے بدلہ میں ایک روزہ رکھنا پڑے گا۔ (درمختار، طحطاوی)

جسے مصافحہ یا معانقہ سے انزال ہو گیا اس کا روزہ فاسد ہو گیا اس پر اس کی قضا لازم کفارہ کا حکم نہیں اگرچہ مصافحہ معانقہ نہیں بشہوت بوسہ یا مباشرت فاحشہ بھی ہوئی ہوتی عالمگیریہ میں ہے ۔

اذا قبل امراته وانزل فسد صومه من غير كفارة كذا فى المحيط وكذا فى تقبيل الامة والغلام . . . والمس المباشرة والمصافحه والمعانقه كالقبلة كذا فى البحر الرائق .

فتح القدير میں ھے . قوله اما الكفارة الخ فكانت عقوبة وهى اعلىٰ عقوبة للافطار فى الدنيا فيتوقف لزومها على كمال الجناية ولو قال بالو او كانا تعليلين وهو احسن ويكون نفس قوله تفتقر الى كمال الجناية تعليلا اى لا تجب لانها تفتقر الى كمال الجناية اذ كانت اعلى العقوبات فى هذا الباب ولانها تندرء بالشبهات وفى كون ذلك مفطر اشبهة حيث كان معنى الجماع لا صورته فلا تجب .

عنايه میں ھے :لان لكفارة اعلىٰ عقوبات المفطر لافطاره فلا يعاقب بها الابعد بلوغ الجناية نها يتها ولم تبلغ نها يتها لان ههنا جناية من جنسها ابلغ منها وهى الجماع صورة ومعنى .

غیر رمضان کے کسی روزے کے فساد میں کفارہ نہیں ہے:

(وَلَيْسَ فِى إِفْسَادِ صَوْمِ غَيْرِ رَمَضَانَ كَفَّارَةٌ) لِأَنَّ الْإِفْطَارَ فِى رَمَضَانَ أَبْلَغُ فِى الْجِنَايَةِ فَلَا يَلْحَقُ بِهِ غَيْرُهُ .

ترجمہ:

اور غیر رمضان کے روزے میں فساد وجہ سے کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ رمضان میں روزے کا توڑنا یہ سب سے بڑی جنایت ہے

اور لہٰذا اس کو کسی دوسری جنایت کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔

فقہ حنبلی کے مطابق بھی غیر رمضان کے روزے کا کفارہ نہیں ہے:

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ صرف رمضان کے ساتھ خاص ہے۔ ولا تجب الكفارة بالفطر فى غير رمضان فى قول أهل العلم وجمهور الفقهاء اہل علم اور جمہور فقہا کے نزدیک رمضان کے علاوہ افطار کی صورت میں کفارہ واجب نہیں۔ (المغنی، ج۴، ص ۳۷۸)

فقہ شافعی کے مطابق بھی غیر رمضان کے روزے میں کفارہ واجب نہیں ہے:

امام نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر رمضان کے علاوہ کسی اور روزے یعنی قضاء یا نذر وغیرہ کے روزے میں جماع کرلیا تو اس پر کفارہ نہیں، جمہور علماء کرام کا یہی کہنا ہے، اور قتادہ رحمہ اللہ تعالی کا قول ہے :رمضان کی قضاء میں رکھے ہوئے روزہ کو فاسد کرنے پر کفارہ واجب ہوگا۔ (المجموع(6 / 383) ۔

تو ہم پرست ہندو مذہب کے مطابق کفارے کا روزہ:

ہندوؤں کا مذہب جو سراپا وہم پرستی کا مجسمہ ہے کہ ان کے ہاں بھی کفارے کے طور پر روزے رکھنے کا حکم ہے۔ چنانچہ گرو (استاد) کے ساتھ آداب کو ملحوظ نہ رکھنے کے جرم کا کفارہ بیان کرتے ہوئے "Sacred Books of theEast" کا مصنف لکھتا ہے" :اگر کسی نے اپنے اساتذہ کو بے ادبی کرتے ہوئے ناراض کر دیا تو اسے روزہ رکھنا ہوگا اور اس وقت تک کھانے سے پرہیز کرنا ہوگا جب تک اسے معافی نہ مل جائے۔ "(۱۳۰/۷) ہندوؤں میں بعض عمومی واقعات سے بد شگون لینے کا بہت رواج ہے۔ ان کی مذہبی کتابوں میں ایسی بدشگونیوں کے اثرات سے بچنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ "Sacred Books of the East" کا مصنف بیان کرتا ہے" :اگر استاد اور شاگرد کے درمیان سے کتا، نیولا، سانپ، مینڈک یا بلی گزر جائے تو ان کے لیے تین دن کا روزہ اور سفر ضروری ہے۔ "(۱۸۴/۲)

حقنہ کرانے یا ناک میں قطرے ڈالنے میں فساد صوم کا بیان:

(وَمَنْ احْتَقَنَ أَوْ اسْتَعَطَ أَوْ أَقْطَرَ فِى أُذُنِهِ أَفْطَرَ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الْفِطْرُ مِمَّا دَخَلَ) وَلِوُجُودِ مَعْنَى الْفِطْرِ ، وَهُوَ وُصُولُ مَا فِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ إِلَى الْجَوْفِ (وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ) لِانْعِدَامِهِ صُورَةً .

(وَلَوْ أَقْطَرَ فِى أُذُنِهِ الْمَاءَ أَوْ دَخَلَهُ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ) لِانْعِدَامِ الْمَعْنَى وَالصُّورَةِ .

بِخِلَافِ مَا إِذَا دَخَلَهُ الدُّهْنُ

ترجمہ:

اور جس آدمی نے حقنہ کرایا یا کسی چیز کو ناک میں چڑھایا یا اپنے کان میں دواء استعمال کی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: روزہ چیز سے ٹوٹتا ہے جو داخل ہو لہٰذا اس میں افطار کا معنی پایا گیا۔ اور افطار کا مطلب ہے کسی چیز کا جوف (معدہ) تک پہنچنا جس سے بدن کی اصلاح ہو۔ اور اس پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ داخل ہونے کی صورت معدوم ہے۔

اور اگر روزے دار نے اپنے کانوں میں پانی کے قطرے ڈالے یا داخل کیے تو اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ بطور صورت و معنی کسی طرح بھی افطار نہ پایا گیا۔ بہ خلاف جب اس نے تیل داخل کیا ہے۔

حقنہ کے فساد صوم ہونے میں فقہی مذاہب کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ نیچے والے مقام سے دوائی دینے کا نام حقنہ ہے۔ اور یہ اطباء کے نزدیک معروف ہے۔ اور حدیث میں اس کی کراہت بیان کی گئی ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ حالت مجبوری میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام نخعی علیہ الرحمہ کا یہی قول ہے۔

حضرت مجاہد اور حضرت شعبی علیہما الرحمہ نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے حقنہ کے بارے میں دو روایت نقل کی گئیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جو چیزیں حقنہ کی اجناس میں سے ہیں وہ افطار کو واجب کرتی ہیں۔ اور اسی طرح اس کے ساتھ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اور نوادر میں ہشام سے روایت کی گئی ہے کہ رضاعت اس دودھ سے ثابت ہوتی ہے جو چھوٹے بچوں کو نشو و نما وغیرہ کیلئے دودھ پلایا جاتا ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بڑوں کیلئے اس طرح رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اور حقنہ اس معنی میں پینے سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۳۱۴، حقانیہ ملتان)

فقہ حنبلی مطابق حقنہ کرنے سے فساد صوم کا بیان:

علامہ ابن قدامہ میں فرماتے ہیں کہ ہر وہ شئی جو پیٹ میں داخل ہو، اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ یہ کھانے کے مشابہ ہے۔ مذکورہ چیزیں بھی اسی حکم میں ہیں۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ او مایدخل إلى الجوف من الدبر بالحقنة حقنہ کے ذریعہ جو دوا پیٹ میں داخل ہو، اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (المغنی، ج ۴، ص ۳۵۳، بیروت)

معدے یا دماغ میں پہنچنے والی دوائی کی صورت میں فساد صوم کا بیان:

(وَلَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً بِدَوَاءٍ فَوَصَلَ إلَى جَوْفِهِ أَوْ دِمَاغِهِ أَفْطَرَ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَالَّذِي يَصِلُ هُوَ الرَّطْبُ ، وَقَالَا : لَا يُفْطِرُ لِعَدَمِ التَّيَقُّنِ بِالْوُصُولِ لِانْضِمَامِ الْمَنْفَذِ مَرَّةً وَاتِّسَاعِهِ أُخْرَى ، كَمَا فِي الْيَابِسِ مِنْ الدَّوَاءِ .

وَلَهُ أَنَّ رُطُوبَةَ الدَّوَاءِ تَلَاقِي رُطُوبَةَ الْجِرَاحَةِ فَيَزْدَادُ مَيْلًا إلَى الْأَسْفَلِ فَيَصِلُ إلَى الْجَوْفِ ، بِخِلَافِ الْيَابِسِ لِأَنَّهُ يُنَشِّفُ رُطُوبَةَ الْجِرَاحَةِ فَيَنْسَدُّ فَمُهَا (وَلَوْ أَقْطَرَ فِي إحْلِيلِهِ لَمْ يُفْطِرْ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يُفْطِرُ ، وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ : مُضْطَرِبٌ فِيهِ فَكَأَنَّهُ وَقَعَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَوْفِ مَنْفَذًا ، وَلِهَذَا يَخْرُجُ مِنْهُ الْبَوْلُ ، وَوَقَعَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمَثَانَةَ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ وَالْبَوْلُ يَتَرَشَّحُ مِنْهُ ، وَهَذَا لَيْسَ مِنْ بَابِ الْفِقْهِ

ترجمہ:

اور اگر روزے دار نے جائفہ کا علاج کیا یا دماغ کا علاج کیا اور دوائی اس کے جوف یا دماغ تک پہنچ گئی تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک افطار ہو جائے گا کیونکہ پہنچنے والی دوائی تر ہے۔

جبکہ صاحبین نے فرمایا ہے کہ روزہ افطار نہیں ہوگا۔ کیونکہ دوا کا پہنچنا یقینی نہیں ہے کیونکہ کبھی یہ راستہ بند بھی ہوتا ہے۔ اور کبھی کھلا ہوتا ہے۔ جس طرح خشک دوا میں ہوتا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ زخم کی رطوبت جب دوا کی رطوبت سے ملتی ہے تو اس کا رجحان نیچے کی جانب بڑھ جاتا ہے۔ پھر وہ جوف تک پہنچ جاتی ہے۔ بہ خلاف خشک دوائی کے کیونکہ وہ زخم کی رطوبت کو جذب کرنے والی ہے۔ لہٰذا اس کا منہ بند ہو جاتا ہے۔

غذائیت و عدم غذائیت والی اشیاء کھانے سے روزے کا حکم:

غذائیت کے معنی اور محمول میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ غذا کا محمول اس چیز پر ہوگا جس کو کھانے کے لیے طبیعت خواہش کرے اور اس کے کھانے سے پیٹ کی خواہش کا تقاضہ پورا ہوتا ہو۔ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ غذا کی چیز وہ کہلائے گی جس کے کھانے سے بدن کی اصلاح ہو اور بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ غذا انہیں چیزوں کو کہیں گے جو عادۃً کھائی جاتی ہو۔

لہٰذا اگر کوئی شخص بارش کا پانی، اولہ اور برف نگل جائے یا کچا گوشت کھائے خواہ وہ مردار ہی کا کیوں نہ ہو تو کفارہ لازم ہوگا اسی طرح چربی، خشک کیا ہوا گوشت اور گیہوں کھانے سے بھی کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر ایک آدھ گیہوں منہ میں ڈال کر چبایا جائے اور وہ منہ میں پھیل جائے تو کفارہ لازم نہیں ہوتا۔ اپنی بیوی یا محبوب کا تھوک نگل جانے سے بھی کفارہ واجب ہوتا ہے کیونکہ اس میں بھی طبیعت کی خواہش کا دخل ہوتا ہے۔ ہاں ان کے علاوہ دوسروں کا تھوک نگلنے کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا، البتہ روزہ جاتا رہتا ہے اور قضا لازم آتی ہے نمک کو کم مقدار میں کھانے سے تو کفارہ لازم ہوتا ہے زیادہ مقدار میں کھانے سے نہیں۔

مستغنی میں اس قول کو روایت مختار کہا گیا۔

لیکن خلاصہ اور بزاریہ میں لکھا ہے کہ مختار (یعنی قابل قبول اور لائق اعتماد) مسئلہ یہ ہے کہ مطلقا نمک کھانے سے کفارہ واجب ہوتا ہے یعنی خواہ نمک زیادہ یا کم ہو۔ اگر بغیر بھنا جو کھایا جائے گا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ کچا جو نہیں جاتا، لیکن یہ خشک جو کا مسئلہ ہے۔ اگر تازہ خوشہ میں سے جو نکال کر بغیر بھنا ہوا بھی کھایا جائے گا تو کفارہ لازم آئے گا۔ گل ارمنی کے علاوہ وہ مٹی مثلا ملتانی وغیرہ کھانے کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ عادۃً کھائی جاتی ہو تو اس پر بھی کفارہ لازم آئے گا اور اگر نہ کھائی جاتی ہو تو پھر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

کسی شخص کی ناک میں دماغ سے اتر کر بلغم آجائے اور وہ اس کو چڑھا جائے یا نگل جائے جیسا کہ اکثر بے تمیز اور کثیف الطبع لگ کرتے ہیں تو روزہ نہیں ٹوٹتا، کسی کے منہ سے لعاب نکلے اور وہ منقطع نہ ہو بلکہ مثل تار کے لٹک کر ٹھوڑی تک پہنچ جائے اور پھر وہ اس لعاب کو اوپر کھینچ کر نگل جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں اگر لعاب لٹکتا نہ بلکہ منقطع ہو کر گر جائے، اور پھر وہ اسے منہ میں ڈال لے تو روزہ جاتا رہے گا، منہ بھر بلغم نگل جانے سے امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ جاتا رہتا ہے مگر امام اعظم کے نزدیک اس سے روزہ نہیں جاتا امام شافعی کے نزدیک جب کہ بلغم وغیرہ کے تھوک دینے پر قادر ہو اور اس کے باوجود نگل جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

معدے میں ڈالی جانے والی دوربین سے فساد روزے میں فقہی مذاہب اربعہ:

معدہ میں ڈالی جانے والی دوربین میڈیکل اور طبی ہے جو منہ کے راستہ سے اندر ڈالی جاتی ہے تا کہ اس سے یا تو معدہ کی تصویر لی جائے یا پھر چیک اپ کے لیے وہاں سے خوراک کا نمونہ حاصل کیا جائے یا کسی اور طبی سبب کے پیش نظر ڈالی جاتی ہے پھر کام مکمل ہونے پر منہ کے ذریعہ ہی باہر نکال لی جاتی ہے ۔

علماء کرام کا اختلاف ہے کہ اگر معدہ میں کوئی چیز پہنچ جائے تو کیا اس سے روزہ فاسد ہو جائیگا یا نہیں چاہے وہ چیز خوراک بنتی ہو یا خوراک نہ ہو، یا کہ صرف خوراک بننے والی چیز سے ہی روزہ فاسد ہوتا ہے؟

تین فقہی مسلک مالکی شافعی اور حنبلی تو یہ کہتے ہیں کہ معدہ میں پہنچنے والی ہر چیز سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے ۔اس بنا پر یہ دوربین بھی روزہ توڑنے کا باعث ہوگی۔

اور احناف ان کی موافقت اس طرح کرتے ہیں کہ معدہ میں جانے والی ہر چیز روزہ توڑ دیتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ معدہ میں استقرار پکڑے ۔

اس بنا پر یہ دوربین معدہ میں جانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ یہ وہاں مستقر نہیں رہتی بلکہ اپنا کام پورا کر کے باہر نکال لی جاتی ہے ۔(تبیین الحقائق للزیلعی (1 / 326)

اور ابن تیمیہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ " :روزہ اسی وقت ٹوٹے گا جب خوراک بننے والی کوئی چیز معدہ میں جائیگی، ان کا کہنا ہے :ظاہر یہی ہے کہ جو چیز خوراک نہیں بنتی اس کے نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مثلا کنکری وغیرہ۔

(مجموع الفتاوی (20 / . (528)

چکھنے سے فساد صوم یا عدم فساد کا بیان:

(وَمَنْ ذَاقَ شَيْئًا بِفَمِهِ لَمْ يُفْطِرْ) لِعَدَمِ الْفِطْرِ صُورَةً وَمَعْنًى (وَيُكْرَهُ لَهُ ذَلِكَ) لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْرِيضِ الصَّوْمِ عَلَى الْفَسَادِ .

(وَيُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَمْضُغَ لِصَبِيِّهَا الطَّعَامَ إذَا كَانَ لَهَا مِنْهُ بُدٌّ) لِمَا بَيَّنَّا (وَلَا بَأْسَ إذَا لَمْ تَجِدْ مِنْهُ بُدًّا) صِيَانَةً لِلْوَلَدِ .

أَلَا تَرَى أَنَّ لَهَا أَنْ تُفْطِرَ إذَا خَافَتْ عَلَى وَلَدِهَا (وَمَضْغُ الْعِلْكِ لَا يُفْطِرُ الصَّائِمَ) لِأَنَّهُ لَا يَصِلُ إلَى جَوْفِهِ .وَقِيلَ :إذَا لَمْ يَكُنْ مُلْتَئِمًا يُفْسِدُ لِأَنَّهُ يَصِلُ إلَيْهِ بَعْضُ أَجْزَائِهِ .

وَقِيلَ :إذَا كَانَ أَسْوَدَ يُفْسِدُ وَإِنْ كَانَ مُلْتَئِمًا لِأَنَّهُ يَتَفَتَّتُ (إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِلصَّائِمِ) لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْرِيضِ الصَّوْمِ لِلْفَسَادِ ، وَلِأَنَّهُ يُتَّهَمُ بِالْإِفْطَارِ وَلَا يُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ إذَا لَمْ تَكُنْ صَائِمَةً لِقِيَامِهِ مَقَامَ السِّوَاكِ فِي حَقِّهِنَّ ، وَيُكْرَهُ لِلرِّجَالِ عَلَى مَا قِيلَ إذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ غِلَّةٍ ، وَقِيلَ :لَا يُسْتَحَبُّ لِمَا فِيهِ مِنْ التَّشَبُّهِ :بِالنِّسَاءِ .

ترجمہ:

اور جس نے اپنے منہ سے کسی چیز کو چکھ لیا تو اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ بطور صورت و معنی کسی طرح بھی افطار نہیں پایا گیا۔

لیکن اس کا یہ کام کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ فعل فساد صوم کا پیش رو ہے۔

اور عورت کیلئے اپنے بچے کیلئے کھانا چبا کر دینا مکروہ ہے ہاں البتہ شرط یہ ہے جب کوئی دوسرا ذریعہ ہو۔ اس کی دلیل وہی جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور دوسرا کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس کیلئے مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بچے کی حفاظت ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جب اس کو بچے کا خوف ہو تو اس کیلئے افطار کرنے کا اجازت ہے۔

اور گوند چبانے سے روزہ افطار نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس کے جوف تک پہنچنے والی نہیں ہے۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جب گوند ملی ہوئی نہ ہو تو روزے کو فاسد کرنے والی ہے۔ کیونکہ اس کے کچھ اجزاء جوف تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے جب گوند سیاہ ہو تو روزے کو فاسد کرنے والی ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور سیاہ گوند ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے لہٰذا روزے دار کیلئے اس کو چبانا مکروہ ہے۔ اس لئے فساد روزہ کا پیش رو ہے۔ اور اس لئے بھی افطار کی تہمت ہوگی۔ اور عورت جب روزے دار نہ ہو تو اس کیلئے مکروہ نہیں ہے کیونکہ عورتوں کے حق میں گوند چبانا مسواک کے قائم مقام ہے اور مردوں کیلئے مکروہ ہے اسی

دلیل کی وجہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔البتہ شرط یہ ہے کہ کسی بیماری کیلئے اس کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ مردوں کیلئے اس کا استحباب نہیں ہے۔ کیونکہ عورتوں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

چکھنے کا فقہی مفہوم:

چکھنے سے مراد یہ ہے کہ زبان پر رکھ کر ذائقہ پہچان لیں اور اسے تھوک دیں تا کہ ذائقہ حلق میں نہ جانے پائے چکھنے کے وہ معنی نہیں جو آج کل عام محاورہ میں بولے اور سمجھے جاتے ہیں یعنی کسی چیز کا ذائقہ چکھنے کے لئے اس میں سے تھوڑا سا کھا لینا اور یہ سمجھنا کہ اس میں کراہت نہیں حالانکہ اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا بلکہ کفارہ کی شرائط پائی جائیں تو کفارہ بھی لازم ہوگا۔

چکھنے سے روزے کی کراہت میں فقہی بیان:

امام احمد رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں :

میں کھانا چکھنے سے اجتناب پسند کرتا ہوں، لیکن اگر چکھ لیا جائے تو کوئی نقصان نہیں اور اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے۔
(المغنی لابن قدامہ (4 / 359)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔روزے دار کو بلا عذر کسی چیز کا چکھنا یا چبانا مکروہ ہے۔چکھنے کیلیے عذر یہ ہے کہ مثلاً عورت کا شوہر بدمزاج ہے۔ہانڈی میں نمک کم وبیش ہوگا تو وہ اس کی ناراضگی کا باعث ہوگا تو چکھنے میں حرج نہیں۔چبانے کیلئے عذر ہے کہ اتنا چھوٹا بچہ کہ روٹی نہیں کھا سکتا اور کوئی نرم غذا نہیں جو اسے کھلائی جائے، نہ حیض ونفاس والی عورت ہے اور نہ کوئی اور بے روزہ دار ایسا ہے جو اسے چبا کر دے دے تو بچہ کے کھلانے کیلیے روٹی وغیرہ چبانا مکروہ نہیں۔(درمختار)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک کپڑا اتر کر کے اپنے جسم پر ڈالا حالانکہ وہ روزے سے تھے، اور شعبی روزے سے تھے لیکن حمام میں (غسل کے لئے) گئے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہانڈی یا کسی چیز کا مزہ معلوم کرنے میں (زبان پر رکھ کر) کوئی حرج نہیں۔حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا کہ روزہ دار کے لئے کلی کرنے اور ٹھنڈ حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

سرمہ اور مونچھوں کو تیل لگانے کی صورت میں عدم فساد کا بیان:

(وَلَا بَأْسَ بِالْكُحْلِ وَدَهْنِ الشَّارِبِ) لِأَنَّهُ نَوْعُ ارْتِفَاقٍ وَهُوَ لَيْسَ مِنْ مَحْظُورَاتِ الصَّوْمِ ، وَقَدْ نَدَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلَى الِاكْتِحَالِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَإِلَى الصَّوْمِ فِيهِ ، وَلَا بَأْسَ بِالِاكْتِحَالِ لِلرِّجَالِ إذَا قَصَدَ بِهِ التَّدَاوِي دُونَ الزِّينَةِ ، وَيُسْتَحْسَنُ دَهْنُ الشَّارِبِ إذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الزِّينَةُ لِأَنَّهُ يَعْمَلُ عَمَلَ الْخِضَابِ ، وَلَا يُفْعَلُ لِتَطْوِيلِ اللِّحْيَةِ إذَا كَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُونِ وَهُوَ الْقُبْضَةُ .

ترجمہ:

اور روزے دار کیلئے سرمہ لگانے اور مونچھوں پر تیل لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک قسم کی آسائش ہے اور کوئی بھی آسائش ممنوعات روزہ میں سے نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے اور سرمہ لگانے کو مستحب قرار دیا ہے۔اور مردوں کیلئے سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔جبکہ اس کا استعمال بطور دوا ہو نہ کہ بطور سجاوٹ ہو۔اور یہ خضاب کا کام بھی مہیا کرتا ہے۔ہاں البتہ داڑھی بڑھانے کیلئے ایسا نہ کیا جائے جبکہ داڑھی سنت کی مقدار کے مطابق ہو اور وہ ایک مٹھی کی مقدار ہے۔

روزہ میں سرمہ لگانے کے جواز وعدم جواز میں فقہاء اربعہ کا مذہب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری آنکھیں دکھتی ہیں کیا میں روزہ کی حالت سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں۔امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے اور اس کے ایک راوی ابو عاتکہ ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے چنانچہ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے اگر چہ اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو جب کہ حضرت امام احمد، اسحٰق اور سفیان رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے امام مالک سے بعض لوگوں نے کراہت کا قول نقل کیا ہے اور بعض لوگوں نے عدم کراہت کا۔یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے لیکن اس بارے میں چونکہ اور بھی احادیث منقول ہیں اس لیے یہ سب مل کر قابل استناد واستدلال ہو جاتی ہیں۔

سرمہ لگانے میں عصر حاضر کے فقہاء کا اختلاف:

علامہ مفتی منیب الرحمٰن نعیمی صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے قدیم فقہاءِ کرام نے ظن غالب کی بناء پر بعض امور کے مفسدِ صوم ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں رائے قائم کر کے حکم صادر کیا تھا۔ان میں سے ایک یہ تھا کہ کان میں دوا یا تیل ٹپکانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ کان سے معدے کی طرف حلق کے راستے ایک منفذ نالی یا سوراخ ہے۔اب جدید طبی تحقیق نے عین الیقین سے بتادیا کہ کان سے معدے کی طرف کوئی سوراخ نہیں ہے، لہٰذا اب اس پر فقہاء عصر کا اجماع ہوتا جارہا ہے کہ کان میں دوا یا تیل ٹپکانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔الحمدللہ ہم لوگ اور حضرت مفتی محمد ابراہیم قادری اس مسئلے کی نشاندہی میں سبقت کا شرف رکھتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے قدیم فقہاء کرام کی رائے یہ تھی کہ چونکہ آنکھ میں حلق کی جانب کوئی سوراخ یا منفذ نہیں ہے، اس لئے آنکھ میں دوا ٹپکانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، ہمارے معاصر فقہاء میں سے غالب اکثریت ابھی تک اسی رائے پر قائم ہے۔اب

چونکہ طبی طور پر عین الیقین کی حدتک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنکھ میں حلق کی ظرف سوراخ یا نالی موجود ہے، اس لئے اب اہل فتویٰ کو یہ فتویٰ دینا چاہئے کہ آنکھ میں دوا ٹپکانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

ہمارے اجلّہ فقہاء عصر علامہ غلام رسول سعیدی اور علامہ مفتی محمد ابراہیم قادری کی یہی رائے ہے اور انہی کی تحقیقات سے استفادہ کرکے ہم نے تین سال قبل قومی اخبارات وجرائد میں ان مسائل کی جانب فقہاء عصر کو متوجہ کیا تھا اور ان سے جدید تحقیق کی روشنی میں اس مسئلے کے بارے میں اپنی قدیم رائے پر نظر ثانی کی درخواست کی تھی۔ ان مسائل جدیدہ میں سے کان میں دوا یا تیل ٹپکانے سے روزہ ٹوٹ جانے کی بابت علماءِ دیوبند میں سے دارالعلوم کراچی کے مفتیانِ کرام کا نظر ثانی شدہ فتویٰ باقاعدہ دستخطوں کے ساتھ آچکا ہے، جس کی ہم نے مجلس فقہ اسلامی کی جانب سے تحسین کی ہے اور انہیں بعض دیگر مسائل پر نظرِ ثانی کرنے اور غور وفکر کی دعوت دی ہے۔

ہم نے آنکھ میں دوا ٹپکانے کے مسئلے میں لکھا تھا کہ سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے روزے کی حالت میں سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، لہٰذا خلافِ قیاس استحساناً سرمہ لگانے کو مفسدِ صوم نہیں قرار دیا جائے گا۔ اس پر کوئی محترم اشرف صاحب ہیں، جنہوں نے حضرت مفتی محمد رفیق حسنی صاحب نائب رئیس مجلس فقہ اسلامی کی خدمت میں ہمارا اور حضرت مفتی محمد ابراہیم قادری صاحب کا موقف ارسال کرکے سرمے کے مفسد صوم ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ان سے محاکمہ کرنے کی درخواست کی ہے، مفتی صاحب نے اپنا موقف واضح کرنے کے لئے یہ مسئلہ مجھے ارسال فرمایا ہے۔ اس مسئلے پر اپنے تفصیلی معروضات پیش کرنے سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ ہمارے اور حضرت مفتی محمد ابراہیم قادری صاحب کے درمیان اصل متفق علیہ ہے، لہٰذا اختلافِ رائے اصول میں نہیں ہے بلکہ اس کے اطلاق میں ہے، جو اصل ہمارے درمیان متفق علیہ ہے، وہ یہ ہے کہ آنکھ اور حلق کے درمیان منفذ ہے، حضرت مفتی محمد ابراہیم قادری ہمارے معاصر علماء وفقہاء کرام اور اہل فتویٰ میں سے دقتِ نظر کے حامل ہیں، جزئیات پر اصول کے اطلاق وانطباق میں ان کی نظر عمیق ہے۔

جزئیات کے استنباط واستخراج، مماثل جزئیات میں علتِ مشترکہ کی بناء پر ایک حکم دوسری کے لئے ثابت کرنے اور جدید دور میں پیش آمدہ مسائل کا فقہی وشرعی حل تلاش کرنے میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل ہیں۔ موجودہ دور میں ایسے وسیع المطالعہ، متصلّب فی الدین اور روشن خیال علماء کا وجود اہلسنّت کے لئے غنیمت اور وقیع علمی سرمایہ ہے۔ ہم اسے علمی دیانت کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں کہ زیرِ بحث مسئلے پر حضرت مفتی محمد ابراہیم قادری صاحب کا موقف ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ پیش کردیا جائے تاکہ اہل علم کو محاکمہ کرنے میں آسانی ہو۔

چنانچہ مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں : اختتامِ بحث سے قبل اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ کی حالت میں سرمہ ڈالنا یا اس کا حکم فرمانا ثابت نہیں اور اس سلسلے میں مروی تمام احادیث ضعیف ہیں۔ اس قسم کی متعدد احادیث اور ان کی اسناد پر مفصل جزم کے لئے فتح القدیر ص 72، ج 2، مطبوعہ مصر اور مرقات شرح مشکوۃ، ص 505، ص 506،

ج 4، مطبوعہ المکتبہ التجاریہ، مکہ مکرمہ ملاحظہ ہو۔ یہاں صرف ایک حدیث اور پھر اس کی فنی حیثیت پر امام ابوعیسیٰ ترمذی علیہ الرحمۃ کا کلام نقل کیا جاتا ہے۔

ترمذی شریف باب ماجاء فی الکحل للصائم میں حضرت انس بن مالك سے روایت هے ۔جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم قال اشتکت عینی افاکتحل وانا صائم قال نعم وفی الباب عن ابی رافع قال ابوعیسیٰ حدیث انس حدیث اسناده لیس بالقوی ولا یصح عن النبی صلی الله علیه وسلم فی هذا الباب شيٍ و ابو عاتکة یضعف و اختلف اهل العلم فی الکحل للصائم فکرهه بعضهم وهو قول سفیان و ابن المبارك و احمد و اسحق و رخص بعض اهل العلم فی الکحل للصائم ۔

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا میری آنکھیں دکھتی ہیں کیا میں روزہ رکھتے ہوئے سرمہ لگا سکتا ہوں فرمایا ہاں (امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں) اس باب میں ابورافع سے بھی روایت ہے اور حدیث انس (جس کا ابھی ذکر ہوا) کی سند قوی نہیں اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث صحت کے ساتھ ثابت نہیں اور ابوعاتکہ (جو حدیث انس کے راوی ہیں) کو ضعیف مانا جاتا ہے اور اہل علم نے روزہ کی حالت میں سرمہ لگانے میں اختلاف کیا ہے بعض اسے مکروہ کہتے ہیں حضرت سفیان ثوری، ابن المبارک، امام احمد اور اسحٰق کا یہی قول ہے اور بعض اہل علم نے روزہ دار کو سرمہ لگانے میں رخصت دی ہے۔

الغرض **اکتحال فی الصوم** کے جواز میں وارد احادیث ضعیف ہیں۔ بلکہ روزہ کی حالت میں سرمہ ڈالنے کی ممانعت پر بھی بعض ضعیف احادیث موجود ہیں، چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت معبد بن ہوذہ سے روایت ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت مشک ملے ہوئے اثمد (سرمہ کی ایک قسم) لگانے کا حکم فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا **لیتقه الصائم** یعنی روزہ دار اس سے بچے۔

اسی حدیث سے قاضی ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ (یہ دونوں تابعی ہیں اور حضرت امام اعظم کے معاصر ہیں) نے یہ استدلال کیا ہے کہ سرمہ لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد میں ہے :**وقد استدل لهذا الحدیث ابن شبرمة و ابن ابی لیلیٰ وقالا ان الکحل یفسد الصوم**، (ص 283، ج 2، طبع بیروت)

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ روزہ میں سرمہ لگانے کی احادیث اگرچہ ضعیف ہیں مگر احادیثِ ضعیفہ کا مجموعہ قابل استدلال ہوتا ہے جیسا کہ امام ابن الہمام اور علامہ علی قاری نے اس کی تصریح فرمائی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مجموعہ کی قوت مسلم ہے مگر یہ حدیث صحیح **الفطر مما دخل** کے معارض ہیں اور احناف تعارض کے وقت محرم کو مبیح پر ترجیح دیتے ہیں چونکہ الفطر مما دخل سے

روزہ کی حالت میں سرمہ لگانے کی حرمت ظاہر ہوتی ہے اور اکتحال فی الصوم کی احادیث سے سرمہ ڈالنے کا جواز نکلتا ہے لہٰذا الفطر مما دخل کی روایات اکتحال فی الصوم کی روایات پر راجح قرار پائیں گی۔

نیز الفطر مما دخل کی روایت ضابطہ کلیہ بیان کر رہی ہے اور اکتحال فی الصوم کی روایات اس ضابطہ کلیہ کے خلاف ایک امر جزئی (آنکھ میں سرمہ ڈالنا) بیان کر رہی ہیں اور احناف ایسی صورت میں اس روایت کو قبول کرتے ہیں جو ضابطہ کلیہ بیان کر رہی ہو۔ (خلاصہ تذکرۃ المحدثین بحوالہ عمدۃ القاری، ص(79)

پھر الفطر مما دخل کی روایت موید بالقیاس ہے اور اکتحال فی الصوم کی روایات موید بالقیاس نہیں بلکہ مخالف قیاس ہیں اس لئے بھی الفطر مما دخل کی حدیث راجح ہونی چاہئے۔

مفتی محمد ابراہیم قادری صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو مُحَرِّم کو مُبِیح پر ترجیح دی جاتی ہے، لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ

اَلْاِفْطَارُ مِمَّا دَخَلَ یا اَلصَّوْمُ مِمَّا دَخَلَ والی حدیث کو، ترمذی کی روزے میں سرمہ لگانے کی اجازت والی حدیث پر، ترجیح حاصل ہے۔ کیونکہ اَلْاِفْطَارُ مِمَّا دَخَلَ والی حدیث، جوانہوں نے فتح القدیر ص72، ج 2 کے حوالے سے لکھی ہے، یہ مسند ابویعلیٰ کی حدیث نمبر 4602 ہے اور فتح القدیر میں بھی یہ مسند ابویعلیٰ ہی کے حوالے سے لکھی گئی ہے اور امام کمال الدین ابن ہمام نے اس حدیث کو درج کرنے کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ: وَلِجَهَالَةِ الْمَوْلَاةِ لَمْ يُثْبِتْهُ بَعْضُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ یعنی باندی کے مجہول ہونے کی وجہ سے بعض ماہرین علم حدیث کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ اس جملے کو حضرت مفتی محمد ابراہیم نے نقل نہیں فرمایا کہ یہ حدیث غیر ثابت ہے اور لائقِ استدلال نہیں، نیز مسند ابویعلیٰ کے شارح اور محقق نے اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: سلمٰی کے مجہول ہونے کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔ (حاشیہ مسند ابویعلیٰ ج 8 ص76) اور حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو درج کر کے لکھا ہے: وَفِيْهِ مَنْ لَّمْ اَعْرِفْ یعنی اس میں ایک راوی ایسا ہے جسے میں نہیں جانتا (مجمع الزوائد ج3 ص167)

ان تمام حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور دیگر اسانید سے اس کو روایت کر کے اس کی تقویت بھی نہیں کی گئی، لہٰذا اس حدیث میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ یہ جامع ترمذی کی اس حدیث سے معارض ہو سکے جو دیگر اسانید سے تقویت یافتہ ہے۔

یہ اصل جو بیان کیا گیا ہے کہ مُبِیح اور مُحَرِّم میں تعارض کے وقت مُحَرِّم کو مُبِیح پر ترجیح ہوتی ہے، یہ اس وقت ہے جب دونوں حدیثیں ایک ہی درجہ کی ہوں، لیکن پر جو حدیث مُبِیح ہے، وہ صحاح ستہ کی ہے اور دیگر متعدد اسانید سے اس کی تائید و تقویت ہے، اور جو حدیث محرم ہے، وہ غیر صحاح ستہ کی ہے اور اس کی ضعیف سند کی کسی دوسری سند سے تائید بھی نہیں ہے، لہٰذا ان دونوں میں تعارض ہی نہیں ہے، چہ جائے کہ ایک دوسری پر راجح ہو۔ نیز مفتی صاحب کا اسے حدیث صحیح قرار دینا فنی

اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے۔

مفتی صاحب نے اَلْاِفْطَارُ مِمَّا دَخَلَ (یعنی روزہ ان چیزوں سے ٹوٹتا ہے جو بدن کے اندر داخل ہوں) والی جو حدیث پیش کی ہے، وہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عکرمہ (جو تابعی ہیں) کے اقوال ہیں اور ان کی فنی حیثیت یہ ہے کہ ان کو امام بخاری نے تعلیقاً بغیر سند کے درج کیا ہے۔ (صحیح البخاری ج 1 ص260) جیسا کہ علامہ عینی نے لکھا ہے: هٰذَانِ التَّعْلِيْقَانِ۔ (عمدۃ القاری ج 11 ص37)

اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ امام بخاری کی تعلیقات میں ہر قسم کی روایات ہیں اور صحیح بخاری میں درج ہونے سے وہ لازماً صحیح نہیں قرار پاتیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ روزے میں سرمہ لگانے کی اجازت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور اَلصَّوْمُ مِمَّا دَخَلَ یہ صحابی اور تابعی کے اقوال ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بہر حال صحابی اور تابعی کے اقوال پر راجح ہے۔ لہٰذا یہ بھی ایک درجے کی احادیث نہیں ہیں اور ان میں بھی تعارض نہیں ہے، اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ ان میں سے مُحَرِّم، مُبِیح پر راجح ہے، کیونکہ ترجیح اس وقت دی جاتی ہے جب دونوں ایک ہی درجے کی احادیث ہوں۔

مفتی صاحب نے سنن ابی داوٗد کی حدیث نمبر 2377 کا حوالہ دیا ہے جو یہ ہے:

عن عبدالرحمن بن النعمان بن معبد بن هوذة عن ابيه عن جده عن النبى صلى الله عليه وسلم انه امر بالاثمد المروح عندالنوم وقال :ليتقه الصائم ۔

حضرت معبد بن ھوذہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت مشک ملا ہوا سرمہ لگانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ روزے دار اس سے بچے۔

اس حدیث کے تحت امام ابوداوٗد نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے، واضح رہے کہ حدیث منکر اسے کہتے ہیں جو حدیث معروف کے مقابلے میں ہو اور معروف حدیث یہ ہے:

عن انس بن مالك، قال :جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال :اشتكت عينى، افاكتحل وانا صائم؟ قال :نعم ۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری آنکھیں دکھ رہی ہیں، کیا میں سرمہ لگا سکتا ہوں جبکہ میں روزے سے ہوں، آپ نے فرمایا: ہاں۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث: 726)

لہٰذا یہ جامع ترمذی کی حدیث معروف کے معارض نہیں ہو سکتی۔ حضرت مفتی محمد ابراہیم قادری نے اَلْاِفْطَارُ مِمَّا دَخَلَ کو ضابطۂ کلیہ قرار دیا ہے، حالانکہ یہ عام مخصوص عنه البعض ہے، کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناک میں پانی ڈالنے

اورکلی کرنے کی اجازت دی ہےاوروہ بھی مِمَّا دَخَلَ کے عموم میں شامل ہے۔

اور جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ تک پہنچنے کے مفطر ہونے کا ذکر کسی حدیث میں نہیں ہے، یہ ہمارے فقہاء کرام کی تصریح ہے۔ اور عام مخصوص عنه البعض ظنی ہوتا ہےاوراس سے کسی کلیہ پراستدلال کرنایااس کوضابطہ کلیہ قرار دینا صحیح نہیں ہے، علاوہ ازیں یہ ایک صحابی یا تابعی کا قول ہےاوروہ حدیث رسول سے متصادم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور برسبیلِ تنزل اگراسے ضابطہ کلیہ مان بھی لیا جائے، تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرمہ لگانے کی اجازت اس ضابطہ کلیہ سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ آپ شارع ہیں۔ علاوہ ازیں جس طرح ایک صحابی اورایک تابعی حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ سے اَلصَّوْمُ مِمَّا دَخَلَ منقول ہے، جس کی بنیاد پر حضرت مفتی صاحب نے روزے میں سرمہ لگانے کو مفطر (روزہ ٹوٹنے کا سبب) قرار دیا ہے، اسی طرح سے ایک صحابی اورایک تابعی حضرت انس اور حضرت اعمش سے عبارۃ النص سے روزے میں سرمہ لگانے کے غیر مفطر ہونے کی تصریح ہے، وہ روایات درج ذیل ہیں:

1)عن انس بن مالك انه كان يكتحل وهو صائم ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ وہ روزے کی حالت میں سرمہ لگایا کرتے تھے، (سنن ابی داؤد رقم الحدیث: 237۔

2)عن الاعمش قال :مارايت احدا من اصحابنا يكره الكحل للصائم و كان ابراهيم يرخص ان يكتحل الصائم بالمصبر ۔

حضرت اعمش نے فرمایا کہ میں نے اپنے اصحاب میں سے کسی کونہیں دیکھا جوروزے دار کے لئے سرمہ لگانے کو مکروہ سمجھتا ہو اور ابراہیم روزے دار کو مصبر کا سرمہ لگانے کی اجازت دیا کرتے تھے، (سنن ابی داؤد رقم الحدیث 2379 :)۔

حضرت ابن عباس اور عکرمہ کے اقوال سے اشارۃ النص کے طور پر روزے میں سرمہ لگانے کی ممانعت ثابت ہے اوراس کے مقابلے میں حضرت انس اور اعمش سے روزے میں سرمہ لگانے کے غیر مفطر ہونے کی تصریح ہے۔ اگران اقوال کو آپس میں متعارض بھی قرار دیا جائے تو جامع ترمذی میں جوروزے میں سرمہ لگانے کی اجازت کا ذکر ہے، وہ تعارض سے خالی ہےاوراس کا کوئی مزاحم نہیں ہے۔

امید ہے حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم قادری صاحب ان سطور کا مطالعہ فرمانے کے بعد اپنے موقف پر یا تو نظر ثانی فرمائیں گےاور یا ہماری ان گزارشات کی توجیہہ فرمائیں گے۔ (از، مفتی اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن صاحب)

خشک وتر مسواک کرنے کی اباحت کا بیان:

(وَلَا بَأْسَ بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ لِلصَّائِمِ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (

خَيْرُ خِلَالِ الصَّائِمِ السِّوَاكُ) مِنْ خَيْرِ فَصْلٍ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :يُكْرَهُ بِالْعَشِيِّ لِمَا فِيهِ مِنْ إزَالَةِ الْأَثَرِ الْمَحْمُودِ ، وَهُوَ الْخُلُوفُ فَشَابَهُ دَمَ الشَّهِيدِ .قُلْنَا :هُوَ أَثَرُ الْعِبَادَةِ اللَّائِقُ بِهِ الْإِخْفَاءُ .بِخِلَافِ دَمِ الشَّهِيدِ لِأَنَّهُ أَثَرُ الظُّلْمِ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الرَّطْبِ الْأَخْضَرِ وَبَيْنَ الْمَبْلُولِ بِالْمَاءِ لِمَا رَوَيْنَا .

ترجمہ:

اورروزے دار کیلئے صبح وشام میں تر مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ روزے دار کی بہترین عادت یہ ہے کہ وہ مسواک کرے۔ اس حدیث میں کوئی تفصیل نہیں ہے (لہٰذا اپنے اطلاق پر رہے گی)

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: شام کے وقت مسواک کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس وقت اثر محمود (پاکیزہ خوشبو) کا زائل کرنا ہے۔ اوروہ خلوف ہے۔ لہٰذا یہ شہید کے خون سے مشابہت رکھنا ہوگیا۔

ہم نے کہا کہ یہ خلوف عبادت کا اثر ہے۔ عبادت میں زیادہ مناسبت یہی ہے کہ اس کو چھپایا جائے بہ خلاف خون شہید کے کیونکہ ظلم کا اثر ہے۔ اورتر مسواک میں اصلی تر یا پانی سے گیلی کرنے والی تری میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی حدیث کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

روزہ کی حالت میں مسواک کرنی جائز ہے:

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روزہ کی حالت میں اس قدر مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ میں اس کو شمار نہیں کرسکتا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ روزہ دار کے لیے کسی بھی وقت اور کسی بھی طرح کی مسواک کرنا جائز ہے چنانچہ اس بارے میں اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث منقول ہیں جو مرقات میں تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں۔

روزہ کی حالت میں مسواک کرنے کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال بھی ہیں چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ تو فرماتے ہیں کہ روزہ کی حالت میں ہر طرح کی مسواک کرنا جائز ہے خواہ وہ سبز یعنی تازی ہو یا پانی میں بھگوئی ہوئی ہو اسی طرح کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے خواہ زوال آفتاب سے پہلے کا وقت ہو یا زوال آفتاب کے بعد کا جب کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کا قول یہ ہے کہ روزہ دار کے لیے تازی اور بھگوئی ہوئی مسواک مکروہ ہے نیز حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ زوال آفتاب کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے۔

حالت روزہ میں مسواک کرنے میں مذاہب اربعہ:

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا مؤقف یہ ہے۔ شام کے وقت مسواک کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے

ہیں کہ فرض روزے میں مسواک کرنا مکروہ ہے نفلی روزے میں مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے۔ بلکہ ان سے ایک روایت کے مطابق مستحب ہے۔اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے تر مسواک شام کے وقت مکروہ ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک تمام احوال میں مسواک کرنا جائز ہے۔امام احمد کے نزدیک فرض میں زوال کے بعد کرنا مکروہ ہے اور نفل میں مکروہ نہیں ہے۔(البنائیہ شرح الهدایہ،۴،ص ۲۲۶،حقانیہ ملتان)

جب شدت مرض کا خوف ہوتو افطار وقضاء کا حکم:

(وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا فِي رَمَضَانَ فَخَافَ إنْ صَامَ ازْدَادَ مَرَضُهُ أَفْطَرَ وَقَضَى) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يُفْطِرُ ، هُوَ يَعْتَبِرُ خَوْفَ الْهَلَاكِ أَوْ فَوَاتَ الْعُضْوِ كَمَا يَعْتَبِرُ فِي التَّيَمُّمِ ، وَنَحْنُ نَقُولُ :إنَّ زِيَادَةَ الْمَرَضِ وَامْتِدَادَهُ قَدْ يُفْضِي إلَى الْهَلَاكِ فَيَجِبُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ (وَإِنْ كَانَ مُسَافِرًا لَا يَسْتَضِرُّ بِالصَّوْمِ فَصَوْمُهُ أَفْضَلُ ، وَإِنْ أَفْطَرَ جَازَ) لِأَنَّ السَّفَرَ لَا يَعْرَى عَنْ الْمَشَقَّةِ فَجُعِلَ نَفْسُهُ عُذْرًا ، بِخِلَافِ الْمَرَضِ فَإِنَّهُ قَدْ يُخَفَّفُ بِالصَّوْمِ فَشُرِطَ كَوْنُهُ مُفْضِيًا إلَى الْحَرَجِ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :الْفِطْرُ أَفْضَلُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَيْسَ مِنْ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ) وَلَنَا أَنَّ رَمَضَانَ أَفْضَلُ الْوَقْتَيْنِ فَكَانَ الْأَدَاءُ فِيهِ أَوْلَى ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْجَهْدِ (وَإِذَا مَاتَ الْمَرِيضُ أَوْ الْمُسَافِرُ وَهُمَا عَلَى حَالِهِمَا يَلْزَمُهُمَا الْقَضَاءُ) لِأَنَّهُمَا لَمْ يُدْرِكَا عِدَّةً مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (وَلَوْ صَحَّ الْمَرِيضُ وَأَقَامَ الْمُسَافِرُ ثُمَّ مَاتَا لَزِمَهُمَا الْقَضَاءُ بِقَدْرِ الصِّحَّةِ وَالْإِقَامَةِ) لِوُجُودِ الْإِدْرَاكِ بِهَذَا الْمِقْدَارِ وَفَائِدَتُهُ وُجُوبُ الْوَصِيَّةِ بِالْإِطْعَامِ .

ترجمہ:

اور جو شخص رمضان میں بیمار ہوا پس اسے خوف ہوا کہ اگر وہ روزہ رکھے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ افطار کرے اور قضاء کرے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ وہ افطار نہ کرے کیونکہ آپ علیہ الرحمہ ہلاکت کے خوف یا کسی عضو کو فوت کرنے والے خوف کا اعتبار کرتے ہیں۔جس طرح ہم تیمّم میں اعتبار کرتے ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ کسی مرض کا بڑھنا اور اس کا لمبا ہونا بھی ہلاکت تک پہنچانے والا ہے لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

اگر مسافر کو روزہ رکھنے میں تکلیف نہ ہو تو اس کیلئے افضل یہی ہے کہ وہ روزہ رکھے۔اور اگر اس نے نہ رکھا تو بھی جائز ہے۔ اس لئے سفر مشقت سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ نفس سفر کو عذر قرار دیا گیا ہے۔ بہ خلاف مرض کے۔اس لئے کہ روزہ کبھی سفر میں ہلکا ہوتا ہے۔اسی وجہ سے حرج کی طرف پہنچنے کی شرط لگائی گئی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ افطار افضل ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رمضان رمضان دونوں اوقات سے افضل ہے لہٰذا اس میں ادا کرنا افضل ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث کو مشقت پر محمول کیا جائے گا۔اور اگر مسافر و مریض دونوں فوت ہو جائیں جبکہ وہ اسی حالت میں ہوں تو ان پر قضاء ضروری نہیں ہے کیونکہ نے دوسرے دنوں سے قضاء کرنے مقدار وقت ہی نہیں پایا۔

اگر بیمار تندرست ہو گیا اور مسافر مقیم ہو گیا پھر دونوں فوت ہوئے ہیں۔تو ان پر تندرستی کی مقدار اور اقامت کی مقدار قضاء ضروری ہے۔ کیونکہ دوسرے ایام اتنی مقدار میں پائے گئے ہیں۔اور مفاد یہ ہوگا کہ فدیہ طعام دینے میں وصیت ضروری ہے۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں سفر کی حالت میں روزہ رکھوں؟ (یعنی اگر میں رمضان میں سفر کروں تو روزہ رکھوں یا نہ رکھوں اس بارے میں کیا حکم ہے؟) اور حمزہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ روزے رکھا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کہ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے چاہو رکھو اور چاہے نہ رکھو۔(بخاری ومسلم)

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں خواہ سفر صعوبت و مشقت کے ساتھ ہو یا راحت و آرام کے ساتھ تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اگر سفر میں کوئی صعوبت و مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے اور صعوبت و مشقت نہ ہو تو پھر نہ رکھنا بہتر ہوگا، نیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے یہاں یہ مسئلہ ہر سفر کے لیے خواہ مباح اور جائز امور کے لیے سفر ہو یا معصیت و برائی کے لئے، جب کہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت کا تعلق صرف مباح اور جائز سفر سے ہے اگر معصیت و برائی کے لئے سفر ہوگا تو اس صورت میں رمضان کا روزہ نہ رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

حالت سفر میں عزیمت ورخصت پر عمل کرنے کا بیان:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو رمضان کی سولہویں تاریخ تھی ہم میں سے کچھ لوگوں نے (جو قوی تھے) روزہ رکھا اور کچھ لوگوں نے (جو ضعیف تھے یا یہ کہ دوسروں کے خدمت گار تھے) روزہ نہ رکھا چنانچہ نہ تو روزہ داروں نے روزہ نہ رکھنے والوں کو معیوب جانا کیونکہ انہوں نے رخصت یعنی اجازت پر عمل کیا تھا اور نہ روزہ نہ رکھنے والوں نے روزہ داروں کو معیوب سمجھا (کیونکہ انہوں نے عزیمت پر عمل کیا تھا)۔(مسلم)

ضعف اور مشقت کی حالت میں روزہ نہ رکھنا ہی لیے بہتر ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سفر میں تھے کہ ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجمع دیکھا اور ایک شخص کو دیکھا جس پر دھوپ سے بچاؤ کے لئے سایہ کیا گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا یہ شخص روزہ دار ہے جو ضعف کی وجہ سے گر پڑا ہے آپ نے فرمایا سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر روزہ رکھنے کی صورت میں ضعف وناتوانی کی وجہ سے روزہ دار کی اتنی خستہ حالت ہو جائے تو اس کے لیے سفر میں روزہ رکھنا کوئی زیادہ بہتر بات نہیں ہے۔ بلکہ افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے ہم میں سے کچھ لوگ تو روزہ دار تھے اور کچھ لوگ بغیر روزہ کے تھے، جب ہم ایک منزل پر اترے تو گرمی کا دن تھا جو لوگ روزہ سے تھے وہ تو گر پڑے (یعنی ضعف وناتوانی کی وجہ سے کسی کام کے لائق نہیں رہے) اور جو لوگ روزہ سے نہیں تھے وہ مستعد رہے (یعنی اپنے کام کاج میں مشغول ہو گئے) چنانچہ انہوں نے خیمے کھڑے کئے اور اونٹوں کو پانی پلایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ روزہ نہ رکھنے والوں نے آج ثواب کا میدان جیت لیا۔ (بخاری ومسلم)

یعنی جن لوگوں نے آج روزہ نہیں رکھا زیادہ کامل ثواب انہیں لوگوں کے حصہ میں آیا کیونکہ ایسے وقت میں ان کے لیے روزہ نہ رکھنا ہی بہتر تھا۔

لفظ الیوم سے اس طرف اشارہ ہے کہ روزہ نہ رکھنے کی یہ فضیلت روزہ داروں کی خدمت گاری کی وجہ سے حاصل ہوئی نہ کہ مطلقاً نیز یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کے نیک وصالح بندوں کی خدمت نوافل سے افضل ہے۔

سفر میں روزہ توڑنے کی اجازت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سفر میں روزہ رکھا یہاں تک کہ جب عسفان (جو مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے) پہنچے تو پانی منگوایا پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پانی کو ہاتھ میں (لے کر بہت اونچا) اٹھایا (تا کہ لوگ دیکھ لیں) اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ توڑ ڈالا اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تشریف لائے اور یہ سفر رمضان میں ہوا تھا، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (سفر کی حالت میں) روزہ رکھا بھی اور نہیں بھی رکھا لہٰذا جو چاہے (سفر کی حالت میں) روزہ رکھے اور جو نہ چاہے نہ رکھے (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک اور روایت جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کے بعد پانی پیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ میں لے کر یا اونچا اس لیے اٹھایا تا کہ لوگ جان لیں کہ سفر کی حالت میں روزہ توڑنا جائز ہے یا پھر یہ مقصد تھا کہ دوسرے لوگ بھی آپ کی متابعت میں اپنا اپنا روزہ افطار کر لیں۔

سفر کے روزے میں شوافع کی فقہی تصریحات:

علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں۔ (سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں) یعنی سفر میں روزہ رکھنا اطاعت اور عبادت میں سے نہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ :جب تم پر روزہ مشقت بنے اور تم ضرر کا خدشہ محسوس کرو تو روزہ رکھنا نیکی نہیں۔

اور حدیث کا سیاق بھی اسی چیز کا متقاضی ہے۔ لھذا یہ حدیث اس شخص کے لیے ہوگی جو روزے کی وجہ سے ضرر اور تکلیف محسوس کرے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے بھی یہی معنی سمجھا ہے، اسی لیے انہوں نے یہ کہتے ہوئے باب باندھا ہے :بابٌ ہے اس سایہ کیے ہوئے شخص کے بارے میں جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں :امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اس باب سے یہ اشارہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں، اس شخص کو مشقت پہنچنے کی وجہ سے فرمایا۔

ابن قیم تھذیب السنن میں کہتے ہیں :اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول :(سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں) یہ ایک معین شخص کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا کہ اس پر مشقت کی وجہ سے سایہ کیا گیا ہے تو اس وقت یہ فرمایا کہ انسان کو سفر میں اتنی مشقت نہیں اٹھانی چاہیے کہ اس حد تک پہنچ جائے کہ کوئی نیکی نہیں، حالانکہ اللہ تعالی نے اسے روزہ چھوڑنے کی رخصت دے رکھی ہے۔

سوم ؛اس حدیث کو عموم پر محمول کرنا ممکن نہیں، کہ کسی بھی سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں روزہ رکھا کرتے تھے۔

اسی لیے علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالی نے کہا ہے۔ یہ سب صرف سبب کی وجہ سے کہا گیا ہے جو صرف اس شخص کے بارہ میں ہے جس کی حالت بھی اس شخص کی طرح ہو جائے جس کے بارہ میں یہ کہا گیا کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔

یعنی جب مسافر کو روزہ اس حالت تک اذیت دے تو روزہ رکھنا نیکی نہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال سفر میں روزہ رکھا تھا۔ (عون المعبود)

اہل تشیع کے نزدیک غوطہ خور کا روزہ:

سوال غوطہ خوری کا مخصوص لباس پہن کر اگر کوئی شخص پانی میں غوطہ لگائے کہ جس سے اس کا جسم تر نہ ہو تو اس کے روزے کا کیا حکم ہے؟

ج: اگر لباس سر سے چپکا ہوا ہو تو اس کے روزہ کے صحیح ہونے میں اشکال ہے اور احتیاط واجب یہ ہے کہ قضا کرے۔

(آیت اللہ عظمی، روزے کے مسائل)

فقہ حنفی کے مطابق سفری روزے کے استحباب کا بیان:

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ وُہ مسافر جس کا سفر شرعی (مقدار کے برابر) ہو خواہ گناہ کی خاطر ہو روزہ چھوڑ سکتا ہے اور اگر اسے روزہ تکلیف نہ دے تو روزہ رکھنا مستحب ہے، اور اگر روزہ مشکل ہو یا اس کے ساتھی پر مشکل ہو تو پھر جماعت کی موافقت میں افطار افضل ہے۔ مقیم پر اس روزہ رمضان کا اتمام لازم ہے جس دن اس نے سفر شروع کیا

(درمختار، ج ۱، ص، ۱۵۲، مطبع مجتبائی دہلی)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مبسوط میں نہایت نفیس جزئیہ ہے کہ اگر اہلِ حرب میں سے کچھ لوگوں نے کسی ایسے علاقے پر حملہ کر دیا جس میں کسی مسلمان نے پناہ لے رکھی تھی تو اس مسلمان کے لیے ان کفار کے ساتھ لڑائی کرنا جائز نہ ہوگا، البتہ اس صورت میں جب اسے اپنی جان کا خوف ہو، کیونکہ قتال میں اپنے آپ کو ہلاکت پر پیش کرنا ہوتا ہے اور یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں جب اپنی جان کا خوف ہو یا کلمۃ اللہ تعالیٰ کی سربلندی کے لیے ہو، اور جب اسے اپنے نفس کا خوف نہیں تو اب اس کا قتال سوائے کفر کی بلندی کے کُچھ نہ ہوگا (ہاں جب یہ لوگ سفر میں ہوں تو بوجہ سفر اجازت ہوگی اگرچہ وُہ سفر جانب معصیت ہو)۔

(فتح القدیر، ج ۵، ڈص، ۲۶۷، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

سفر کا روزہ رکھنے یا رکھنے میں فقہاء اربعہ کا موٗقف:

اس مسئلہ میں سلف کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا سفر میں اگر روزہ رکھے گا تو اس سے فرض روزہ ادا نہ ہوگا پھر قضا کرنا چاہئیے اور جمہور علماء جیسے امام مالک اور امام شافعی اور ابوحنیفہ علیہم الرحمہ یہ کہتے ہیں کہ روزہ رکھنا سفر میں افضل ہے اگر طاقت ہو، اور کوئی تکلیف نہ ہو، اور امام احمد بن حنبل اور اوزاعی اور اسحاق اور اہل حدیث (غیر مقلدین) یہ کہتے ہیں کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے بعضوں نے کہا دونوں برابر ہیں روزہ رکھے یا افطار کرے بعضوں نے کہا جو زیادہ آسان ہو وہی افضل ہے۔

امام طحاوی کا بیان کردہ نذر کے مسئلے میں احناف کا اختلاف:

وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ فِيهِ خِلَافًا بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ وَإِنَّمَا الْخِلَافُ فِي النَّذْرِ.

وَالْفَرْقُ لَهُمَا أَنَّ النَّذْرَ سَبَبٌ فَيَظْهَرُ الْوُجُوبُ فِي حَقِّ الْخُلْفِ ، وَفِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ السَّبَبُ إدْرَاكُ الْعِدَّةِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا أَدْرَكَ .

ترجمہ:

اور حضرت امام طحاوی حنفی علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ میں شیخین اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے درمیان اختلاف بیان کیا ہے۔ کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اختلاف نذر والے مسئلہ میں ہے۔ اور شیخین کے مطابق فرق یہ ہے کہ نذر سبب ہے لہٰذا خلیفہ کے حق میں اس کا وجوب ظاہر ہوگا۔ اور اس مسئلہ میں ادراک علت سبب ہے۔ لہٰذا جتنی مقدار میں دوسرے ایام پائے گئے اتنی مقدار میں وجوب قضاء ضروری ہوگا۔

امام طحاوی کا فدیہ طعام میں نقل کردہ اختلاف کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ فدیہ طعام کے وجوب میں امام طحاوی علیہ الرحمہ نے احناف کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ شیخین کے نزدیک جب وہ ایک دن صحیح رہا تو تمام دنوں کا قضاء لازم ہوگئی خواہ اس نے جن کے بارے میں نصیحت نہ کی ہو۔ جبکہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے مطابق جن میں وہ صحیح تھا ان کی قضاء لازم ہوئی اور جن میں وہ صحیح نہ تھا ان کی قضاء لازم نہ ہوئی۔ جس پر وہ قادر ہوا تو قضاء پر بہ اتفاق فدیہ طعام ہے۔ اور ائمہ کا یہ اختلاف صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص رازی حنفی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس طرح امام ابوجعفر طحاوی نے اختلاف ذکر کیا ہے اس طرح ہمیں معلوم نہیں ہے۔ بلکہ فقہاء کا مشہور قول یہ ہے صرف اسی روزے کی قضاء ہے جس کا اس نے ادراک کیا ہے۔

صاحب تحفہ نے کہا ہے کہ امام طحاوی نے یہ اختلاف ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ یہ غلط ہے۔ اور صاحب ایضاح نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں اختلاف نہیں ہے۔ اور مصنف نے کہا ہے اختلاف صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف نذر میں ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۳۳۴، حقانیہ ملتان)

نذر کی اقسام کا بیان اور ان کے احکام:

اپنے آپ پر کسی چیز کو واجب کر لینے کا نام نذر ماننا یا منّت ماننا ہے۔ اور نذر کی کئی ایک اقسام ہیں۔

نذر مطلق کا بیان:

نذر کبھی مطلق ہوتی ہے جیسے میں نذر مانتا ہوں کہ روزانہ پچاس رکعت نفل پڑھوں گا یا میں اللہ تعالی سے یہ عہد کرتا ہوں کہ ہر ماہ دس دن کا روزہ رکھوں گا۔ شرعی طور پر ایسی نذر ماننا پسندیدہ اگرچہ نہیں ہے لیکن اگر نذر مان لی گئی تو اس کا پورا کرنا فرض و واجب ہے۔ یہ نذر ناپسندیدہ اس لیے ہے کہ بندے نے اپنے اوپر ایک ایسی چیز کو واجب کر لیا جو اس پر شرعی طور پر واجب نہیں تھی اور بہت ممکن ہے کہ اس کی ادائیگی سے عاجز آ جائے۔

نذر معلق کا بیان

نذر کبھی کسی سبب کے ساتھ معلق کی جاتی ہے، جیسے اگر میرا بچہ شفایاب ہو گیا تو اللہ کے لیے ایک بکرہ ذبح کروں گا۔ یہ نذر

صورت سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا: نذر نہ مانو اس لیے کہ نذر تقدیر سے کسی چیز کو دور نہیں کرتی، سوائے اسکے کہ نذر کی وجہ سے بخیل کچھ مال خرچ کر دیتا ہے (بخاری ومسلم)

گویا یہ شخص اللہ کی راہ میں اسی وقت خرچ کرے گا جب اس کا کسی قسم کا فائدہ ہوگا اور اگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا تو اللہ تعالی کے راستے پر خرچ نہ کرے گا۔ البتہ اس کا بھی پورا کرنا ضروری اور واجب ہے۔

نذر معصیت کا بیان

نذر کی ایک تیسری صورت وہ ہوتی ہے جس میں بندہ اللہ تعالی کی نافرمانی کی نذر مانتا ہے۔ اس نذر کو توڑنے کی وجہ سے اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی گناہ کے کام کی نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔

(سنن ابی داود، سنن الترمذی)

یعنی اگر کوئی شخص کسی گناہ کے کام کی نذر مانتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس نذر کو پورا نہ کرے بلکہ اسے توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔

جائز نذر کا بیان :

اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ کسی جائز کام کرنے کی نذر مانے جیسے کسی کپڑے کے پہننے کی یا کسی کپڑے کے نہ پہننے کی، کسی خاص سواری پر سوار ہونے کی یا اس پر سوار نہ ہونے کی نذر مانے اس نذر کا حکم یہ ہے کہ نذر ماننے والے کو اسے پورا کرنے یا پورا نہ کرنے کا اختیار ہے، البتہ اگر اسے پورا نہ کیا گیا تو اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

مکروہ نذر کا بیان :

نذر کی ایک قسم یہ ہے کہ کسی مکروہ اور شرعا ناپسندیدہ عمل کی نذر مانی جائے، جیسے بغیر کسی شرعی وجہ کے طلاق کی نذر ماننا، پیاز و لہسن کھا کر مسجد جانے کی قسم کھانا وغیرہ۔ اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اس نذر کا پورا کرنا بہتر نہیں ہے۔ بلکہ مستحب یہ ہے کہ اس کا کفارہ ادا کیا جائے۔

غصے اور جھگڑے کی نذر کا بیان

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بندہ اپنے کو یا کسی اور شخص کو کسی کام سے روکنے یا کسی کام کے کرنے کے لئے نذر مانے جیسے یہ کہے کہ اگر میں نے ایسا کیا تو دو مہینے کا روزہ رکھوں گا یا ایک بکری ذبح کر کے لوگوں کی دعوت کروں گا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں ہے، چاہے تو پوا کرے یا قسم کا کفارہ ادا کرے، البتہ بہتر یہی ہے کہ اگر کسی عبادت کے کام کی نذر مانی ہے تو اسے پورا کرے اور اگر کسی عادت کے کام کی نذر مانی ہے تو اسے پورا کرنا یا کفارہ دینا دونوں برابر ہے۔

جس چیز کا مالک نہ ہو اس کی منت ماننے کا بیان :

اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ کسی ایسی چیز کے صدقہ وخیرات کی قسم کھائے جس کا وہ مالک نہیں ہے، اس نذر کا حکم ہے کہ اس کا پورا کرنا مشروع نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نذر کو پورا کرنا جائز نہیں جس میں گناہ ہو اور اس نذر کو بھی پورا کرنا نہیں ہے جس کا آدمی مالک نہیں ہے (سنن ابوداود بروایت عمران) اس پر کفارہ ہے کہ نہیں اس بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے احتیاط اسی میں ہے کہ اس کفارہ ادا کیا جائے۔

شکرانے کی نذر کا بیان :

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی بندے کو مصیبت سے نجات مل گئی، اسے اولاد کی دولت نصیب ہوئی یا کسی خطرناک بیماری سے شفا مل گئی تو بطور شکریہ کے نذر مانے کہ میں نیکی کا یہ کام کروں گا، اس کا حکم یہ ہے کہ اسے پورا کرنا کار ثواب اور یہ ایک نیک عمل ہے، اللہ تعالی اپنے نیک بندوں کی تعریف فرماتا ہے" : يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا " "جو نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے "(الانسان 7:)

رمضان کے قضاء روزوں کو متفرق یا ایک ساتھ رکھنے کا بیان:

(وَقَضَاءُ رَمَضَانَ إنْ شَاءَ فَرَّقَهُ وَإِنْ شَاءَ تَابَعَهُ) لِإِطْلَاقِ النَّصِّ ، لَكِنَّ الْمُسْتَحَبَّ الْمُتَابَعَةُ مُسَارَعَةً إلَى إسْقَاطِ الْوَاجِبِ (وَإِنْ أَخَّرَهُ حَتَّى دَخَلَ رَمَضَانُ آخَرُ صَامَ الثَّانِيَ) لِأَنَّهُ فِي وَقْتِهِ (وَقَضَى الْأَوَّلَ بَعْدَهُ) لِأَنَّهُ وَقْتُ الْقَضَاءِ (وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِ) لِأَنَّ وُجُوبَ الْقَضَاءِ عَلَى التَّرَاخِي ، حَتَّى كَانَ لَهُ أَنْ يَتَطَوَّعَ .

ترجمہ:

اور رمضان کے قضاء اگر وہ چاہے تو مسلسل رکھے اور اگر وہ چاہے تو الگ الگ رکھے کیونکہ اس بارے میں نص مطلق ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ مسلسل روزے رکھے کیونکہ اس میں سقوط وجوب میں جلدی ہے۔ اور اگر اس نے مؤخر کیا حتی کہ دوسرے رمضان آگیا تو وہ دوسرے رمضان کا روزہ رکھے کیونکہ وہ تو اپنے وقت میں ہے۔ اور اس کے بعد پہلے رمضان کی قضاء کرے گا کیونکہ اس کیلئے وقت قضاء ہے۔ اور اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے کیونکہ قضاء کا حکم تاخیر پر ہوتا ہے۔ حتی کہ اس کیلئے نفلی روزہ جائز ہو جائے۔

شرح

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ان ایام قضاء میں تسلسل شرط نہیں ہے اس لیے آپ تسلسل سے بھی رکھ سکتے ہیں اور

اور علیحدہ علیحدہ بھی، چاہے ہفتہ میں ایک یا پھر ہر ماہ ایک روزہ رکھیں یا جس طرح آپ کو آسانی ہو، اس لیے دلیل مندرجہ بالا آیت ہی ہے کیونکہ اس میں قضاء رمضان کیلئے تسلسل کی شرط نہیں رکھی گئی، بلکہ واجب تو یہ ہے کہ اتنے ایام روزے رکھیں جائیں جو نہیں رکھے جاسکے۔(المغنی لابن قدامۃ (4 ، 408)

قضاء روزوں کی تسلسل کی عدم شرط کا بیان:

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے لکھا ہے۔قضاء روزوں میں پے در پے روزے رکھنے ضروری ہیں یا جدا جدا بھی رکھ لئے جائیں تو حرج نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہئے، ایک کے پیچھے ایک یونہی لگا تار روزے رکھنے چاہئیں دوسرے یہ کہ پے در پے رکھنے واجب نہیں خواہ الگ الگ رکھے خواہ ایک ساتھ اختیار ہے۔جمہور سلف وخلف کا یہی قول ہے اور دلائل سے ثبوت بھی اسی کا ہے، رمضان میں پے در پے روزے رکھنا اس لئے ہیں کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی روزہ کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے خواہ کوئی دن ہو اسی لئے قضاء کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے، مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو، بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔

مسند ہی میں ایک اور حدیث میں ہے، عروہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کرنے شروع کر دئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کا دین آسانیوں والا ہے تین مرتبہ یہی فرمایا، مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لوگوں آسانی کرو سختی نہ کرو تسکین دو نفرت نہ دلاؤ، بخاری ومسلم کی حدیث میں بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا، نفرت نہ دلانا، آسانیاں کرنا سختیاں نہ کرنا، آپس میں اتفاق سے رہنا اختلاف نہ کرنا سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں یکطرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا غور سے آپ اسے دیکھتے رہے پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے نہ سناؤ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں، پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انہیں معذور جاننا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی کا ہے سختی کا نہیں اور قضا کا حکم گنتی کے پورا کرنے کے لئے ہے۔

قضاء روزں کے عدم تسلسل میں آثار کا بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کو متفرق دنوں میں رکھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم صرف یہ ہے کہ دوسرے دنوں میں گنتی مکمل کرو۔

حضرت سعید بن میبّب نے کہا کہ (ذی الحجہ کے) دس روزے اس شخص کے لئے) رکھنا درست نہیں (جس پر رمضان کے روزے واجب ہوں اور ان کی قضا ابھی تک نہ کی ہو، رکھنے بہتر نہیں ہیں بلکہ رمضان کی قضاء پہلے کرنی چاہئے۔

حضرت ابراہیم نخعی نے کہا کہ اگر کسی نے کوتاہی کی (رمضان کی قضا میں) اور دوسرا رمضان بھی آ گیا تو دونوں کے روزے رکھے اور اس پر فدیہ واجب نہیں۔

اب جمہور علماء کے نزدیک رمضان کی قضا پے در پے رکھنا ضروری نہیں ہے۔الگ الگ بھی رکھ سکتا ہے۔یعنی متفرق طور سے اور ابن منذر نے حضرت علی اور حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ پے در پے رکھنا واجب ہے۔بعض اہل ظاہر (غیر مقلدین) کا بھی یہی قول ہے۔(جبکہ عمل فقہاء کے مذاہب اور ان کے مستدل آثار پر ہے۔رضوی عفی عنہ)۔

بغیر کسی عذر کے روزوں کو تاخیر کرنے میں فقہاء اربعہ کا مؤقف:

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔مثلا اگر وہ قضاء کرنا چاہتا تو کرسکتا تھا لیکن اس نیا ئندہ رمضان شروع ہونے تک قضاء کے روزے نہیں رکھے۔

تو یہ شخص بغیر کسی عذر کے قضاء میں تاخیر کرنے پر گنہگار ہوگا، اور علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس پر قضاء لازم ہے، لیکن قضاء کیساتھ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ کھانا کھلائے یا نہیں؟

آئمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمھم اللہ تعالی کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ کھانا ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ بعض صحابہ کرام مثلا ابوھریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھم سے یہ ثابت ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ قضاء کیساتھ کھانا کھلانا واجب نہیں۔انہوں اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالی نے رمضان میں روزہ چھوڑنے والے کو صرف قضاء کا حکم دیا ہے اور کھانا کھلانے کا ذکر نہیں کیا، فرمان باری تعالی ہے: (اور جو کوئی مریض ہو یا مسافر وہ دوسر یا یام میں گنتی پوری کرے)(البقرۃ،185)(المعنی (ج 4 ،ص، 400 بیروت)

حامل یا دودھ پلانے والی عورت کے قضاء روزوں کا بیان:

(وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إذَا خَافَتَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا أَوْ وَلَدَيْهِمَا أَفْطَرَتَا وَقَضَتَا) دَفْعًا لِلْحَرَجِ (وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِمَا) لِأَنَّهُ إفْطَارٌ بِعُذْرٍ (وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِمَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا إذَا خَافَتْ عَلَى الْوَلَدِ ، هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالشَّيْخِ الْفَانِي .

وَلَنا أَنَّ الْفِدْيَةَ بِخَلَافِ الْقِيَاسِ فِي الشَّيْخِ الْفَانِي ، وَالْفِطْرَ بِسَبَبِ الْوَلَدِ لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ لِأَنَّهُ عَاجِزٌ بَعْدَ الْوُجُوبِ ، وَالْوَلَدُ لَا وُجُوبَ عَلَيْهِ أَصْلًا .

ترجمہ:

اور حامل اور دودھ پلانے والی عورتوں کو جب اپنی جان یا اپنے بیٹے کا خوف ہو تو وہ دونوں افطار کریں اور وہ دونوں روزوں کی قضاء کریں۔ (یہ شرعی رخصت) حرج کو دور کرنے کیلئے ہے۔ اور ان دونوں پر کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے عذر کی وجہ سے افطار کیا ہے۔ اور ان دونوں پر کوئی فدیہ بھی نہیں ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کہ جب ان دونوں کو اپنے بیٹے کا خوف ہو۔ انہوں نے اس مسئلہ کو شیخ فانی پر قیاس کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک شیخ فانی میں فدیہ خلاف قیاس ہے۔ جبکہ افطار بچے کی وجہ سے ہے۔ لہذا یہ (شیخ فانی) کے معنی میں نہیں ہوگا کیونکہ وہ وجوب کے بعد عاجز ہے۔ اور رہا ولد تو اس پر بنیادی طور پر کوئی وجوب ہی نہیں ہے۔

حالت سفر میں حاملہ ومرضعہ کیلئے شرعی رخصت کا بیان:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لیے آدھی نماز موقوف کردی ہے اسی طرح مسافر دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے لیے روزہ معاف کردیا ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

آدھی نماز موقوف کردی ہے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لیے بھی پہلے چار رکعت نماز فرض تھی پھر بعد میں دو رکعت رہ گئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لیے ابتداء ہی سے آدھی نماز فرض فرمائی ہے کہ وہ چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھے اور دو رکعت کی قضا واجب نہیں ہے اسی طرح روزہ کی معافی کا مطلب یہ ہے کہ حالت سفر میں روزہ رکھنا واجب نہیں ہے۔ مگر سفر پورا ہونے کے بعد مسافر جب مقیم ہوجائے گا تو اس روزہ کی قضا اس پر ضروری ہوگی۔

حائض وحامل کے فدیے میں فقہی اختلاف کا بیان:

دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے بارے میں پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ ان کے لیے بھی جائز ہے کہ اگر روزہ کی وجہ سے بچہ یا خود ان کو تکلیف ونقصان پہنچنے کا گمان غالب ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں لیکن عذر ختم ہوجانے کے بعد ان پر بھی قضاء واجب ہوگی فدیہ لازم نہیں ہوگا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کے مسلک کے مطابق ان پر فدیہ بھی واجب ہے۔

حمل کی صورت میں حکم:

حاملہ عورت کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے بشرطیکہ اپنی یا اپنے بچے کی مضرت کا خوف ہو، یا عقل میں فتور آجانے کا اندیشہ ہو مثلاً اگر

حاملہ کو خوف ہو کہ روزہ رکھنے سے خود اپنی دماغی وجسمانی کمزوری انتہاء کو پہنچ جائے گی یا ہونے والے بچہ کی زندگی اور صحت پر اس کا برا اثر پڑے گا یا خود کسی بیماری وہلاکت میں مبتلا ہوجائے گی تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ قضا کردے۔

ارضاع کی صورت میں حکم:

جس طرح حاملہ عورت کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے خواہ وہ بچہ اسی کا ہو کسی دوسرے کے بچہ کو باجرت یا مفت دودھ پلاتی ہو بشرطیکہ اپنی صحت وتندرستی کی خرابی یا بچے کی مضرت کا خوف ہو جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس بارے میں دودھ پلانے والی عورت سے صرف دایہ مراد ہے غلط ہے، کیونکہ حدیث میں مطلقاً دودھ پلانے والی عورت کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے چاہے وہ ماں ہو یا دایہ، چنانچہ ارشاد ہے۔ حدیث (ان اللہ وضع عن المسافر الصوع وشطر الصلوۃ وعن الحبلی والمرضع الصوم)۔ اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لیے روزہ اور آدھی نماز معاف کی ہے اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لیے بھی روزہ معاف کیا ہے۔ پھر یہ اگر اس بارے میں کوئی تخصیص ہوتی تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ تخصیص دایہ کی بجائے ماں کے لیے ہوتی کیونکہ دایہ کے لیے کسی بچہ کو دودھ پلانا واجب اور ضروری نہیں ہے وہ تو صرف اجرت کے لیے دودھ پلاتی ہے اگر وہ چاہے تو اس کام کو چھوڑ سکتی ہے جب کہ ماں کا معاملہ برعکس ہے اپنے بچہ کو دودھ پلانا اس پر دیانۃً واجب ہے خصوصاً جب کہ باپ مفلس ہو۔

دودھ پلانے والی عورت کو دوا پینا جائز ہے جب کہ طبیب وڈاکٹر کہے کہ یہ دوا بچے کو فائدہ کرے گی، مسئلہ بالا میں بتایا گیا ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے جب کہ اسے اپنی یا اپنے بچہ کی مضرت کا خوف ہو تو اس بارے میں جان لیجئے کہ خوف سے مراد یہ ہے کہ یا تو کسی سابقہ تجربہ کی بناء پر اپنی یا اپنے بچہ کی مضرت کا گمان غالب ہو یا یہ کہ مسلمان طبیب حاذق جس کا کردار عقیدہ وعمل کے اعتبار سے قابل اعتماد ہو یہ بات کہے کہ روزہ کی وجہ سے اسے ضرر پہنچے گا۔

حاملہ یا دودھ پلانے والے والی عورت :

عورت جو حاملہ ہو یا بچے کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی صورت میں اسے اپنی یا بچے کی جان ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس پر بھی روزہ فرض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مجبوری کی حالت ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اور نبی کریم ﷺ نے مذکورہ دونوں عورتوں کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے۔ (ترمذی)

شیخ فانی عدم قدرت علی الصیام کیلئے حکم فدیہ:

(وَالشَّيْخُ الْفَانِي الَّذِي لَا يَقْدِرُ عَلَى الصِّيَامِ يُفْطِرُ وَيُطْعِمُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا كَمَا يُطْعِمُ فِي الْكَفَّارَاتِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْله تَعَالَى (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ)

قِيلَ مَعْنَاهُ :لَا يُطِيقُونَهُ ، وَلَوْ قَدَرَ عَلَى الصَّوْمِ يَبْطُلُ حُكْمُ الْفِدَاءِ لِأَنَّ شَرْطَ الْخَلْفِيَّةِ اسْتِمْرَارُ الْعَجْزِ .

ترجمہ:

اور وہ بوڑھا فانی شخص جو روزہ رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن ایک فقیر کو کھانا کھلائے جس طرح کفارات میں کھلایا جاتا ہے۔اور اس میں قانون اللہ تعالی کا فرمان ''' ہے کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے جو اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور اگر وہ روزے پر قادر ہو گیا تو اس کیلئے فدیے کا حکم ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ خلیفہ کی عجز میں دوام کی وجہ سے تھی۔ (جس کے ختم ہوتے ہی حکم اصل یعنی روزے رکھنے کی طرف لوٹ آئے گا)۔

شرح

شیخ فانی اور بڑھیا فانیہ کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں شیخ فانی اور بڑھیا فانیہ اس مرد اور عورت کو کہتے ہیں جو زندگی کے آخری سٹیج پر پہنچ چکے ہوں، ادائیگی فرض سے قطعاً مجبور اور عاجز ہوں اور جسمانی طاقت وقت روز بروز گھٹتی چلی جا رہی ہو یہاں تک کہ ضعف و ناتوانی کے سبب انہیں یہ قطعاً امید نہ ہو کہ آئندہ بھی کبھی روزہ رکھ سکیں گے۔

فدیہ کی فقہی مقدار کا بیان:

مذکورہ بالا اعذار میں صرف شیخ فانی اور بڑھیا فانیہ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے روزوں کا فدیہ ادا کریں ہاں اس شخص کے لیے فدیہ دینا جائز ہے جس نے ہمیشہ روزے رکھنے کی نذر مانی ہو مگر اس سے عاجز ہو یعنی کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا مگر بعد میں وہ اسباب معیشت کے حصول یا کسی اور عذر کی وجہ سے اپنی نذر کو پورا نہ کر سکتے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ روزے نہ رکھے البتہ ہر دن فدیہ دے دیا کرے ان کے علاوہ اور تمام اعذار کا مسئلہ یہ ہے کہ عذر زائل ہو جانے کے بعد روزوں کی قضا ضروری ہے فدیہ دینا درست نہیں یعنی فدیہ دینے سے روزہ معاف نہیں ہوگا اسی لیے اگر کوئی معذور اپنے عذر کی حالت میں مر جائے۔ تو اس پر ان روزوں کے فدیہ کی وصیت کر جانا واجب نہیں ہے جو اس کے عذر کی وجہ سے فوت ہوئے ہوں اور نہ اس کے وارثوں پر یہ واجب ہوگا کہ وہ فدیہ ادا کریں خواہ عذر یا بیماری کا ہو یا سفر کا، یا مذکورہ بالا اعذار میں سے کوئی اور عذر۔ ہاں اگر کوئی شخص اس حالت میں انتقال کرے کہ اس کا عذر زائل ہو چکا تھا اور وہ قضا روزے رکھ سکتا تھا مگر اس نے قضا روزے نہیں رکھے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان ایام کے روزوں کے فدیہ کی وصیت کر جائے جن میں مرض سے نجات پا کر صحت مند رہا تھا یا سفر پورا کر کے مقیم تھا اور یا جو بھی عذر رہا ہو وہ زائل ہو چکا تھا۔

اگر کوئی شیخ فانی سفر کی حالت میں انتقال کر جائے تو اس کی طرف سے ان ایام کے روزوں کا فدیہ دینا ضروری نہیں ہوگا۔ جن میں وہ مسافر رہا کیونکہ جس طرح اگر کوئی دوسرا شخص سفر کی حالت میں مر جائے تو اس کے لیے ایام سفر کے روزے معاف ہوتے ہیں

اسی طرح اس کے لیے بھی ان ایام کے روزے معاف ہوں گے۔

جس شخص پر فدیہ لازم ہوا اور وہ فدیہ دینے پر قادر نہ ہو تو پھر آخری صورت یہی ہے کہ وہ اللہ رب العز سے استغفار کرے عجب نہیں کہ ارحم الراحمین اسے معاف کر دے۔

روزے کی وصیت کو صدقہ فطر کی مقدار کے مطابق مکمل کیا جائے:

(وَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَأَوْصَى بِهِ أَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ) لِأَنَّهُ عَجَزَ عَنْ الْأَدَاءِ فِي آخِرِ عُمْرِهِ فَصَارَ كَالشَّيْخِ الْفَانِي ، ثُمَّ لَا بُدَّ مِنْ الْإِيصَاءِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَعَلَى هَذَا الزَّكَاةُ .هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِدُيُونِ الْعِبَادِ إذْ كُلُّ ذَلِكَ حَقٌّ مَالِيٌّ تَجْرِي فِيهِ النِّيَابَةُ .وَلَنَا أَنَّهُ عِبَادَةٌ وَلَا بُدَّ فِيهِ مِنْ الِاخْتِيَارِ .

وَذَلِكَ فِي الْإِيصَاءِ دُونَ الْوِرَاثَةِ لِأَنَّهَا جَبْرِيَّةٌ ، ثُمَّ هُوَ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً حَتَّى يُعْتَبَرَ مِنْ الثُّلُثِ ، وَالصَّلَاةُ كَالصَّوْمِ بِاسْتِحْسَانِ الْمَشَايِخِ ، وَكُلُّ صَلَاةٍ تُعْتَبَرُ بِصَوْمِ يَوْمٍ هُوَ الصَّحِيحُ (وَلَا يَصُومُ عَنْهُ الْوَلِيُّ وَلَا يُصَلِّي) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ).

ترجمہ:

اور جو شخص فوت ہوا جبکہ اس پر رمضان کی قضاء تھی پس اس نے وصیت کی تھی تو اس کا ولی ہر ان ایک مسکین کو اس کی طرف سے ایک نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو دے گا۔ کیونکہ وہ شخص اپنی عمر کے آخر میں روزہ ادا کرنے سے عاجز تھا۔ لہٰذا وہ شیخ فانی کی طرح ہو گیا۔ اور ہمارے نزدیک اس کیلئے وصیت کرنا واجب ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور مسئلہ زکوٰۃ بھی اسی اختلاف پر ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ بندوں کے قرضوں پر اس قرض کو قیاس کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام مالی حقوق ہیں جن کے اندر نیابت جاری ہوتی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ فدیہ دینا ایک عبادت ہے اور اس پر اختیار ضروری ہے۔ اور یہ حق وصیت کی صورت میں حاصل ہو جاتا ہے لیکن وراثت میں حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وراثت میں زبردستی ہے۔ اور وصیت کرنا ابتدائی طور پر تقویٰ ہے۔ لہٰذا وہ تہائی مال تک معتبر ہو گی۔ اور مشائخ فقہاء کے مطابق بطور استحسان نماز روزے کی طرح ہے۔ لہٰذا ہر نماز کو ہر ان کے روزے پر قیاس کیا جائے گا یہی سب سے زیادہ صحیح روایت ہے۔ اور میت کی طرف سے اس کیلئے ولی کیلئے اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کیلئے روزہ رکھے یا نماز

پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھے اور نہ ہی نماز پڑھے۔

میت کے ذمہ روزوں کے فدیہ میں فقہی مذاہب اربعہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کے ورثاء روزہ رکھیں (یعنی فدیہ دیں) (بخاری ومسلم)

جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے واجب ہوں تو اس کے بارے میں بھی علماء کے اختلافی مسلک ہیں چنانچہ اکثر علماء کہ جن میں حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ بھی شامل ہیں یہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی طرف سے کوئی دوسرا روزہ نہ رکھے بلکہ اس کے ورثاء اس کے ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو فدیہ دیں چنانچہ ان حضرات کی طرف سے اس حدیث کی یہی تاویل کی جاتی ہے کہ یہاں روزہ رکھنے سے مراد فدیہ دینا ہے کیونکہ فدیہ دینا بھی بمنزلہ روزہ رکھنے کے ہے اور اگلی حدیث اس توجیہ وتاویل کی بنیاد ہے۔

میت کی طرف سے روزہ رکھنے سے اس لیے منع کیا جاتا ہے کہ ایک حدیث میں جو اس باب کے آخر میں آرہی ہے صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت فرمائی گئی حضرت امام احمد حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے اس کا وارث روزے رکھے۔

مذکورہ بالا مسئلہ کے سلسلہ میں حنفیہ کا یہ مسلک بھی ہے کہ اگر مرنے والے فدیہ کے بارے میں وصیت کر جائے تو وارث پر میت کی طرف سے فدیہ مذکور ادا کرنا واجب ہے۔ جب کہ وہ فدیہ میت کی تہائی مال میں سے نکل سکتا ہو لہٰذا اگر فدیہ مقدار اس کے تہائی مال کے مقدار سے زائد ہوگی تو وارث پر فدیہ کی اس مقدار کی ادائیگی واجب نہیں جو تہائی مال سے زائد ہو۔ ہاں اگر وارث اس زائد مقدار کو بھی ادا کردے گا تو نہ صرف یہ کہ وارث کا یہ عمل جائز شمار ہوگا بلکہ میت پر اس کا احسان بھی ہوگا، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ پورا مسئلہ اس صورت سے متعلق ہے جب کہ مرنے والے کے ذمہ وہ روزے ہوں جن کی قضا اس کے مرنے سے پہلے ممکن رہی ہو۔ مثلاً رمضان کا مہینہ گزر جانے کے بعد کسی ایسے مہینہ میں اس کا انتقال ہو جس میں وہ مرنے سے پہلے رمضان کے وہ روزے جو بیماری وغیرہ کی وجہ سے رکھنے سے رہ گئے تھے ان کی وہ قضا کر سکتا تھا، اور اگر رمضان کے کچھ روزے فوت ہو گئے ہوں (مثلاً رمضان ہی کے مہینہ میں اس کا انتقال ہوا ہو اور انتقال سے پہلے کچھ روزے رکھنے سے رہ گئے کہ جن کی قضا ممکن نہ ہو تو پھر ان کا تدارک یعنی ان روزوں کے بدلہ فدیہ دینا لازم ہے اور نہ مرنے والے پر فوت شدہ روزوں کا کوئی گناہ ہوگا چنانچہ تمام علماء کا یہی مسلک ہے البتہ طاؤس اور قتادہ کہتے ہیں کہ ان روزوں کا تدارک اور فدیہ بھی لازم ہوگا جن کی قضا کے ممکن ہونے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا ہوگا۔

امام شافعی کا مسلک یہ ہے مرنے والا وصیت کرے یا نہ کرے۔ اس کے فوت شدہ روزوں کے بدلے اس کے کل مال میں سے فدیہ ادا کرنا ضروری ہے مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت امام احمد کا جو مسلک ہے وہ پہلی حدیث کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے۔

حضرت نافع (تابعی) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہئے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں ہے بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ہر روزہ کے بدلہ مسکین کو کھلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ میں پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو۔ یا اتنی ہی مقدار کی قیمت ادا کی جائے اور یہی مقدار نماز کے فدیہ کی بھی ہے کہ ہر نماز کے بدلہ اسی قدر فدیہ ادا کیا جائے۔ یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے، جن کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی مرنے والے کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص روزہ نہ رکھے بلکہ ورثاء اس کے بدلہ فدیہ ادا کریں اس سے پہلے جو حدیث گزری ہے غالب امکان ہے کہ وہ منسوخ ہو اور یہ حدیث ناسخ ہو، لیکن جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے اس حدیث کو منسوخ نہ قرار دے کر اس کی جو تاویل کی جاتی ہے اس کی بنیاد یہی حدیث ہے۔

یہ روایت اگرچہ موقوف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا لیکن حکم میں مرفوع (ارشاد رسول) ہی کے ہے کیونکہ اس قسم کے تشریعی امور کوئی بھی صحابی اپنی عقل سے بیان نہیں کر سکتا لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضرور سنا ہوگا جب ہی انہوں نے اسے نقل کیا۔

فدیہ کی مقدار:

ہر دن کے روزے کے بدلے فدیہ کی مقدار نصف صاع یعنی ایک کلو ۲۳۳ گرام گیہوں یا اس کی مقدار ہے فدیہ اور کفارہ میں جس طرح تملیک جائز ہے اسی طرح اباحت طعام بھی جائز ہے یعنی چاہے تو ہر دن کے بدلے مذکورہ بالا مقدار کسی محتاج کو دے دی جائے اور چاہے ہر دن دونوں وقت بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ صدقہ فطر کے برخلاف کہ اس میں زکوٰۃ کی طرح تملیک ہی ضروری ہے اس بارے میں یہ اصول سمجھ لیجئے کہ جو صدقہ لفظ اطعام یا طعام (کھلانے) کے ساتھ مشروع ہے اس میں تملیک اور اباحت دونوں جائز ہیں اور جو صدقہ لفظ ایتاء یا ادا کے ساتھ مشروع ہے اس میں تملیک شرط اور ضروری ہے اباحت قطعاً جائز نہیں ہے۔

دوسروں کی طرف سے نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے میں مذاہب اربعہ:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے بارے میں مروی ہے کہ ان تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے یا کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ نہ تو کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ کسی دوسرے کی طرف سے روزے رکھے۔ (مؤطا امام مالک، کتاب الصوم)

حضرت امام مالک، ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کا مسلک یہی ہے کہ نماز روزہ کسی کی طرف سے کرنا تاکہ وہ بری الذمہ ہو جائے درست نہیں ہے ہاں احناف کے نزدیک یہ جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی بھی عمل کا ثواب خواہ وہ نماز ہو یا روزہ وغیرہ کسی دوسرے کو بخش سکتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا حالانکہ اس نے روزوں کی منت مانی تھی تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے گا۔ اور اگر کوئی شخص فوت ہوا جس پر رمضان کے روزے تھے تو ولی اس کی طرف سے روزہ نہ رکھے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اس کے مال سے فدیہ ادا کردے۔ (اکمال اکمال المعلم، ج ۳، ص ۲۶۲، بیروت)

اہل تشیع کے نزدیک دوسروں کی طرف روزہ رکھا جاسکتا ہے:

اگر کسی شخص کا باپ خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے روزہ نہ رکھے اور مرجائے تو اسکے بیٹے کی ذمہ داری کیا ہے؟

خمینی کہتا ہے اگر اسکا باپ ان روزوں کی قضا کرسکتا تھا تو اسکے بڑے بیٹے پر انکی بجا آوری واجب ہے یا یہ کہ اپنے باپ کی طرف سے کسی دوسرے کو وہ اجیر بنائے۔

آیۃ اللہ سیستانی اور آیت اللہ وحید خراسانی : اگر اسکا باپ ان روزوں کی قضا کرسکتا تھا تو احتیاط واجب کی بنا پر اسکے بڑے بیٹے پر واجب ہے کہ انکی قضا کرے یا کسی کو اسکے لئے اجیر بنائے۔

آیات عظام، خامنہ ای، فاضل لنکرانی، صافی گلپایگانی : احتیاط واجب کی بنا پر اسکے بڑے بیٹے پر اسکی بجا آوری واجب ہے یا یہ کہ اسکی طرف سے کسی کو اجیر بنائے گرچہ اسکا باپ روزوں کی قضا نہیں کرسکتا تھا۔

آیۃ اللہ مکارم شیرازی : بڑے بیٹے پر انکی بجا آوری واجب نہیں ہے لیکن اگر اسکا باپ ان روزوں کی قضا کرسکتا تھا تو احتیاط مستحب کی بنا پر وہ اپنے والد کے قضا روزے رکھے یا یہ کہ انکی طرف سے کسی کو اجیر بنائے۔

آیۃ اللہ جواد تبریزی : اگر اسکا باپ روزوں کی قضا کرسکتا تھا تو احتیاط واجب کی بناء پر بڑے بیٹے پر (جب تک اسکے لئے زحمت و مشقت کا سبب نہ ہو) اسکی بجا آوری واجب ہے یا یہ کہ اسکے لئے کسی کو اجیر بنائے۔ (توضیح المسائل)

آیت فدیہ کے منسوخ ہونے میں اختلاف کا بیان:

آیت (وعلی الذین یطیقونہ) کا مطلب حضرت معاذ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوع سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری اور یہ منسوخ ہوئی، حضرت ابن عمر بھی اسے منسوخ کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں مراد اس سے بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو، ابن

ابی لیلیٰ، کہتے ہیں عطار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رمضان میں گیا دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کردیا، اب یہ حکم صرف بہت زیادہ بیطاقت بوڑھے بڑے کے لئے ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہوگا ہاں ایسے بوڑھے، بڑے معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں ہمیں اختلاف ہے۔

امام شافعی کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہذا یہ بھی مثل بچے کے ہے نہ اس پر کفارہ ہے نہ اس پر قضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، دوسرا قول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے، اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری دنوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلا دیا کرے۔

مسند ابویعلیٰ میں ہے کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا کرتے، اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انہیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو علماء میں سخت اختلاف ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں فدیہ دے دیں اور جب خوف ہٹ جائے قضا بھی کرلیں بعض کہتے ہیں صرف فدیہ ہے قضا نہ کریں، بعض کہتے ہیں قضا کرلیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ نہ قضا کریں۔

نفلی نماز یا روزے کو فاسد کرنے پر قضاء کے وجوب کا بیان:

(وَمَنْ دَخَلَ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ أَوْ فِي صَوْمِ التَّطَوُّعِ ثُمَّ أَفْسَدَهُ قَضَاهُ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ . لَهُ أَنَّهُ تَبَرَّعَ بِالْمُؤَدَّى فَلَا يَلْزَمُهُ مَا لَمْ يَتَبَرَّعْ بِهِ .

وَلَنَا أَنَّ الْمُؤَدَّى قُرْبَةٌ وَعَمَلٌ فَتَجِبُ صِيَانَتُهُ بِالْمُضِيِّ عَنْ الْإِبْطَالِ ، وَإِذَا وَجَبَ الْمُضِيُّ وَجَبَ الْقَضَاءُ بِتَرْكِهِ .

ثُمَّ عِنْدَنَا لَا يُبَاحُ الْإِفْطَارُ فِيهِ بِغَيْرِ عُذْرٍ فِي إحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ لِمَا بَيَّنَّا وَيُبَاحُ بِعُذْرٍ ، وَالضِّيَافَةُ عُذْرٌ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (أَفْطِرْ وَاقْضِ يَوْمًا مَكَانَهُ).

ترجمہ:

اور جو شخص نفلی نماز یا نفلی روزے میں داخل ہوا پھر اس نے اس کو فاسد کر دیا تو وہ اس کی قضاء کرے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اداشدہ کے ساتھ تبرع کیا ہے لہٰذا اس پر وہ چیز لازم نہ ہوگی جس کے ساتھ اس نے تبرع کیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ادا کی جانے والی چیز عبادت اور عمل ہے جس کو باطل ہونے سے بچانا ضروری ہے کیونکہ جب اس کو مکمل کرنا ضروری ہے تو پھر اس کے چھوڑنے پر قضاء بھی لازم آئے گی۔ اور اسی طرح ہمارے نزدیک دونوں روایات میں سے ایک مطابق یہ حکم ہے کہ نفل میں بغیر کسی عذر کے افطار کرنا جائز نہیں ہے اسی دلیل کی وجہ سے جسے ہم نے بیان کر دیا ہے۔ ہاں البتہ عذر کی وجہ سے جائز ہے۔ اور ضیافت ایک عذر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ ایک افطار کرو اور اس کی جگہ ایک روزہ رکھو۔

نفلی روزے کے ٹوٹنے پر وجوب قضاء کے بارے میں فقہی تصریحات ومذاہب فقہاء:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے میں نے عرض کیا کہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے اب روزہ رکھ لیا ہے، پھر اس کے بعد ایک دن اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ تو میں نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہمارے لئے حیس ہدیہ میں آیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لاؤ مجھے وہ دکھاؤ میں نے صبح روزہ رکھ لیا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ حیس کھا لیا۔ (مسلم)

میں نے اب روزہ رکھ لیا ہے، کا مطلب یہ ہے کہ میں نے روزہ کی نیت کر لی ہے اس سے معلوم ہوا کہ نفل روزہ کی نیت دن میں کرنی چاہئے چنانچہ اکثر ائمہ کا یہی مسلک ہے۔

جبکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ کسی بھی قسم کا ہو خواہ فرض ہو یا نفل اس کی نیت رات ہی سے کرنی واجب ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔ حیس ایک کھانے کا نام ہے جو مالیدہ کی طرح ہوتا تھا اور کھجور، گھی اور قروت سے بنایا جاتا تھا بہرکیف حدیث کے آخری الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ کی حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حیس لے کر تناول فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر عذر کے بھی نفل روزہ توڑ ڈالنا جائز ہے چنانچہ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔

جبکہ حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نفل روزہ شروع کر دینے کے بعد اسے پورا کرنا واجب ہے اس کو توڑ ڈالنا جائز نہیں ہے ہاں کسی عذر کی بناء پر مثلاً مہمانداری وغیرہ کے پیش نظر نفل روزہ توڑا جا سکتا ہے، تاہم اس صورت

میں بھی قضا واجب ہوتی ہے، چونکہ یہ حدیث اس بارے میں حنفیہ کے مسلک کے خلاف ہے اس لیے اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا عذر روزہ نہیں توڑا تھا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی ایسا عذر لاحق تھا جس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ توڑ ڈالا جس کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا، اس مسئلہ میں احناف کی دلیل اس حدیث سے بیان کی گئی ہے اور وہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ تحفہ میں میرے اور حفصہ کے لئے کھانا آیا اور ہم دونوں روزہ سے تھیں پس ہم نے روزہ توڑ ڈالا پھر رسول اللہ تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس ہدیہ آیا کھانے کو ہمارا دل چاہا تو ہم نے روزہ توڑ ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں اس کے بدلے کسی دن روزہ رکھ لینا۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الصوم)

نفل روزہ توڑنے کے سلسلہ میں ضیافت عذر ہے یا نہیں؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گھی اور کھجور لائیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تناول فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنے گھی کو اس کی مشک میں اور کھجور کو اس کے برتن میں رکھ دو کیونکہ میں روزہ سے ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے ایک کونہ میں کھڑے ہو کر فرض کے علاوہ نماز پڑھنے لگے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والوں کے لئے دعا فرمائی۔ (بخاری)

بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ضیافت کے باوجود اس لئے روزہ نہیں توڑا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ اس سے ام سلیم رضی اللہ عنہا رنجیدہ نہیں ہوں گی۔

اس بارے میں کہ آیا ضیافت نفل روزہ رکھنے والے کے لئے عذر ہے یا نہیں؟ اگرچہ مشائخ کے ہاں اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ مہمان اور میزبان دونوں کے لئے ضیافت عذر ہے بشرطیکہ میزبان محض مہمان کے آنے اور اپنے ساتھ کھانا نہ کھانے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ خوش نہ ہو بلکہ ملول بھی ہو اسی طرح کھانے میں میزبان کی عدم شرکت سے مہمان کی دل شکنی اور اس کو ناگواری اور تنگی ہو حاصل یہ کہ اگر کھانے میں شرکت نہ کرنے سے دل شکنی ہوتی ہو تو ضیافت عذر ہے لہٰذا نفل روزہ توڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر بعد میں اس روزہ کی قضا ضروری ہوگی اور اگر یہ معلوم ہو کہ دل شکنی نہیں ہوگی تو روزہ نہ توڑنا چاہئے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ روزہ دار مہمان کے لیے مستحب ہے کہ وہ میزبان اور اس کے اہل وعیال کے حق میں دعائے خیر کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ روزہ دار ہو تو اسے چاہئے کہ یہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ

فرمایا اگر تم میں سے کسی کی دعوت کی جائے تو اسے چاہئے کہ وہ دعوت قبول کر لے اور اگر وہ روزہ دار ہو تو دو رکعت نماز نفل پڑھ لے اور اگر روزہ دار نہ ہو تو اسے چاہئے کہ کھانے میں شریک ہو۔ (مسلم)

اگر روزہ دار مہمان کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے میزبان کسی تشویش و پریشانی میں مبتلا ہو جائے یا کھانا نہ کھانے کی وجہ سے دشمنی یا نفرت پیدا ہو جانے کا خوف ہو تو اس صورت میں نفل روزہ توڑ دینا ہی واجب ہے۔ اور اگر مہمان یہ جانے کہ میزبان کھانا کھانے کی وجہ سے خوش تو ہوگا اور کھانا کھانے کی صورت میں وہ کسی تشویش و پریشانی میں مبتلا بھی نہیں ہوگا۔ تو اس صورت میں نفل روزہ توڑنا مستحب ہے اور اگر اس کے نزدیک دونوں امر برابر ہوں تو اس کے لیے افضل یہی ہے کہ وہ کہہ دے کہ انی صائم میں روزہ دار ہوں خواہ داعی کے یہاں جائے یا نہ جائے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اس دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھ گئیں اور ام ہانی رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھیں اتنے میں ایک لونڈی ایک برتن لے کر آئی جس میں پینے کی کوئی چیز تھی لونڈی نے وہ برتن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے کچھ پی کر وہ برتن ام ہانی رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمایا۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بھی اس میں سے پیا اور کہنے لگیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں نے افطار کر لیا کیونکہ میں روزے سے تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نے رمضان کا کوئی قضا یا نذر کا روزہ رکھا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں ! بلکہ نفل روزہ رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر یہ نفل روزہ تھا تو کوئی حرج نہیں (ابوداؤد، ترمذی، دارمی) ایک اور روایت میں جو احمد اور ترمذی نے اسی کی مانند نقل کیا ہے یہ الفاظ بھی ہیں کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں روزہ سے تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نفل روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا مالک ہے چاہے روزہ رکھے چاہے افطار کرے۔

اپنے نفس کا مالک ہے کا مطلب یہ ہے کہ نفل روزہ رکھنے والا خود مختار ہے کہ ابتدا چاہے تو روزہ رکھے یعنی روزہ کی نیت کرے، چاہے افطار کرے یعنی روزہ نہ رکھنے کو اختیار کرے، یا پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نفل روزہ رکھنے والا روزہ رکھنے کے بعد بھی مختار ہے کہ چاہے تو اپنا روزہ پورا کرے چاہے تو توڑ ڈالے، اس صورت میں اس کی تاویل یہ ہوگی کہ نفل روزہ دار کو اس بات کا اختیار ہے کہ اگر اس کے پیش نظر کوئی مصلحت ہو مثلاً کوئی شخص اس کی ضیافت کرے یا کسی جماعت کے پاس جائے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اگر روزہ توڑ کر ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہیں ہوگا تو لوگ وحشت و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس صورت میں وہ روزہ توڑ سکتا ہے تاکہ آپس میں میل ملاپ اور محبت و الفت کی فضا برقرار رہے لہٰذا ان الفاظ و معانی سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ نفل روزہ توڑنے کے بعد اس کی قضا ضروری نہیں ہے جب کہ اس کے بعد آنے والی حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ قضا کے ضروری ہونے کو ثابت کر رہی ہے۔

ام ہانی رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بارے میں محدثین کے ہاں کلام ہے چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد محل

بحث ہے اور منذری رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے اور اس کی اسناد میں بہت اختلاف ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک نفلی روزے کی قضاء کا حکم:

حضرت زہری رحمۃ اللہ حضرت عروہ رحمۃ اللہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایک دن میں اور حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں روزے سے تھیں کہ ہمارے سامنے کھانا لایا گیا ہمیں اس کو کھانے کی خواہش ہوئی چنانچہ ہم نے کھا لیا اب ہمارے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے بدلہ بطور قضا ایک دن روزہ رکھو۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور حفاظ حدیث کی ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس روایت کو زہری سے اور زہری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اس میں عروہ کا واسطہ مذکور نہیں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ نیز اس روایت کو امام ابوداؤد نے زمیل رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے جو حضرت عروہ کے آزاد کردہ غلام تھے زمیل نے عروہ سے اور عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔

چونکہ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا نفل روزہ توڑ دے تو اس کی قضا ضروری ہے اس لیے ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم کہ اس کے بدلہ بطور قضا ایک دن روزہ رکھو بطور وجوب ثابت ہوتا ہے لیکن شوافع کے ہاں چونکہ نفل روزہ کی قضا واجب نہیں ہے اس لیے ان کے نزدیک یہ حکم بطور استحباب ہے۔ روایت کے آخری جزء زہری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریق ارسال نقل کیا ہے لفظ ارسال اسناد سے سقوط راوی کے معنی میں ہے جس کا مطلب ہے انقطاع واسطہ یعنی پہلی روایت کے سلسلہ اسناد میں زہری رحمۃ اللہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان عروہ کا جو واسطہ تھا وہ اس روایت میں نہیں ہے اگرچہ یہ اصطلاح اس معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے مگر مشہور یہی ہے کہ مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جسے تابعی صحابی کا واسطہ ذکر کئے بغیر نقل کرے۔

فقہ حنفی کی تائید کے مزید دلائل میں احادیث:

حضرت ام عمارہ بنت کعب رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کھانا منگوایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام عمارہ سے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ انہوں نے عرض کیا کہ میں روزہ سے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی روزہ دار کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے (اور اس کا دل کھانے کی خواہش کرتا ہے جس کی بناء پر اس کے لئے روزہ بڑا سکت ہو جاتا ہے) تو جب تک کھانے والے کھانے سے فارغ نہیں ہو جاتے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کا کھانا کھا رہے تھے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے

فرمایا کہ بلال آؤ کھانا کھاؤ ! حضرت بلال نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں روزہ سے ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہم تو اپنا رزق یہاں کھا رہے ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ کا بہترین رزق جنت میں ہے بلال کیا تم جانتے ہو کہ جب روزہ دار کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے تو روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں۔اور فرشتے اس کے لئے بخشش چاہتے ہیں جب تک کہ اس کے سامنے کھایا جاتا ہے۔(بیہقی)

مذکورہ دونوں روایت اور اسی طرح دیگر بہت سی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نفلی روزے کو توڑنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ اگر نفلی روزے کو توڑنا جائز ہوتا اور اس پر قضاء لازم نہ ہوتی تو ضرور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معیت میں کھانا کھایا جاتا۔لہٰذا اس طرح مضمون کی تمام احادیث فقہ حنفی کی مؤید احادیث ہیں۔

نفلی روزے کی عدم قضاء میں فقہ حنبلی کے مطابق دلیل:

امام احمد رحمہ اللہ نے ام ھانی رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گھر آئے اور انہوں نے پانی منگوا کر پیا، اور پھر انہیں یعنی ام ھانی کو دیا تو انہوں نے بھی نوش کیا اور عرض کرنے لگیں : اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تو روزے سے تھی . چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : نفلی روزہ رکھنے والا شخص اپنے آپ کا امیر ہے، اگر چاہے تو روزے رکھے اور اگر چاہے تو روزہ توڑ دے (مسند احمد، حدیث نمبر(26353)

اس لیے جس نے بھی شوال کے چھ روزوں میں سے روزہ رکھا اور روزہ توڑنا چاہے تو وہ ایسا کرسکتا ہے، چاہے وہ کھانا کھا کر روزہ توڑے یا پھر جماع وغیرہ کے ساتھ .

اس عورت نے اگر تو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر روزہ رکھا تھا تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے جماع کی دعوت دے اور بیوی کو قبول کرنا ہوگی .

اور اگر بیوی نے خاوند کی اجازت سے روزہ رکھا تھا تو خاوند کو یہ حق نہیں کہ وہ بیوی کا روزہ خراب کرے، لیکن اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو بیوی کے لیے افضل ہے کہ وہ خاوند کی بات مان لے .

"جب بیوی خاوند کی اجازت سے روزہ رکھے تو خاوند کے لیے حلال نہیں کہ وہ بیوی کا روزہ خراب کرے؛ کیونکہ اس نے خود ہی اسے اجازت دی ہے، لیکن اس حالت میں یعنی خاوند نے بیوی کو نفلی روزہ رکھنے کی اجازت دی اور بیوی نے روزہ رکھ لیا اور پھر خاوند اسے جماع کے لیے بلاتا ہے تو کیا بیوی روزہ جاری رکھے اور خاوند کی بات نہ مانے یا کہ وہ خاوند کی بات مان لے اس میں افضل کیا ہے؟

دوسری بات افضل ہے کہ وہ خاوند کی بات مانتے ہوئے خاوند کا مطالبہ پورا کرے؛ کیونکہ اصل میں خاوند کی بات ماننا واجبات میں شامل ہوتی ہے، اور نفلی روزہ مستحبات میں شامل ہوتا ہے .

اور اس لیے بھی کہ اگر خاوند کی شدید رغبت کے باوجود بیوی جماع سے انکار کرتی ہے تو ہوسکتا ہے خاوند کے دل میں کچھ پیدا ہو

جائے جس کی بنا پر سوء معاشرت پیدا ہو جائے "

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آتے اور فرماتے تمہارے پاس کچھ ہے۔ میں عرض کرتی نہیں۔ آپ فرماتے پھر میرا روزہ ہے اور اپنے روزے پر قائم رہتے پھر کوئی چیز ہمارے ہاں ہدیہ آتی تو آپ روزہ افطار کر لیتے۔فرماتی ہیں کہ کبھی آپ روزہ رکھنے کے بعد توڑ بھی دیتے۔(راوی کہتے ہیں) میں نے عرض کیا یہ کیوں؟ فرمانے لگیں یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی صدقہ کے لئے کچھ نکالے پھر کچھ دے دے اور کچھ روک لے۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الصوم)

نفلی روزے کی قضاء میں مذاہب اربعہ کا بیان:

علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد علیہما الرحمہ کے نزدیک نفلی روزے کو توڑنا جائز ہے اور اس کی قضاء واجب نہیں ہے کیونکہ نفلی عمل کے کرنے یا نہ کرنے میں انسان کو اختیار حاصل ہے۔

حضرت امام اعظم اور حضرت امام مالک علیہما الرحمہ کے نزدیک نفلی روزہ توڑنا جائز نہیں۔اور اگر اس نے نفلی روزہ توڑا تو اس پر قضاء واجب ہے۔البتہ امام شافعی وامام احمد علیہما الرحمہ کے نزدیک اس کی قضاء مستحب ہے۔

(شرح مسلم، ج ۱، ص ۳۲۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

رمضان المبارک کے دن میں بچہ بالغ ہوا تو بقیہ دن کھانا پینا ترک کرے:

(وَإِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ أَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ فِي رَمَضَانَ أَمْسَكَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا) قَضَاءً لِحَقِّ الْوَقْتِ بِالتَّشَبُّهِ (وَلَوْ أَفْطَرَا فِيهِ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا) لِأَنَّ الصَّوْمَ غَيْرُ وَاجِبٍ فِيهِ (وَصَامَا مَا بَعْدَهُ) لِتَحَقُّقِ السَّبَبِ وَالْأَهْلِيَّةِ (وَلَمْ يَقْضِيَا يَوْمَهُمَا وَلَا مَا مَضَى) لِعَدَمِ الْخِطَابِ ، وَهَذَا بِخِلَافِ الصَّلَاةِ لِأَنَّ السَّبَبَ فِيهَا الْجُزْءُ الْمُتَّصِلُ بِالْأَدَاءِ فَوُجِدَتْ الْأَهْلِيَّةُ عِنْدَهُ ، وَفِي الصَّوْمِ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ وَالْأَهْلِيَّةُ مُنْعَدِمَةٌ عِنْدَهُ .

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ إذَا زَالَ الْكُفْرُ أَوْ الصِّبَا قَبْلَ الزَّوَالِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ ، لِأَنَّهُ أَدْرَكَ وَقْتَ النِّيَّةِ .وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الصَّوْمَ لَا يَتَجَزَّأُ وُجُوبًا وَأَهْلِيَّةُ الْوُجُوبِ مُنْعَدِمَةٌ فِي أَوَّلِهِ إلَّا أَنَّ لِلصَّبِيِّ أَنْ يَنْوِيَ التَّطَوُّعَ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ دُونَ الْكَافِرِ عَلَى مَا قَالُوا ، لِأَنَّ الْكَافِرَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ التَّطَوُّعِ أَيْضًا ، وَالصَّبِيُّ أَهْلٌ لَهُ .

ترجمہ:

اور اگر بچہ رمضان کے دن میں بالغ ہوا یا کوئی کافر مسلمان ہوا تو وہ دن کے بقیہ حصے میں کچھ نہ رک جائیں تا کہ اہل صیام کے

ساتھ مشابہت رکھتے ہوئے وقت کا حق ادا ہو جائے۔اور اگر ان دونوں نے دن کے بقیہ حصے میں افطار کیا تو ان پر قضاء ضروری نہ ہو گی۔کیونکہ اس دن میں ان پر روزہ واجب نہیں ہے۔اور اس دن کے بعد والے رمضان کے دنوں میں روزے رکھیں۔کیونکہ ان کیلئے سبب اور اہلیت ثابت ہو چکی ہے۔وہ دونوں اپنے اس سابقہ (مسلمان ہونے والے، بالغ ہونیوالے دن) قضاء نہیں کریں گے۔کیونکہ ان سے متعلق خطاب نہیں پایا گیا۔بہ خلاف نماز کے کیونکہ نماز میں سبب وہ جز ہے جو اداء کے ساتھ ملا ہوا ہے۔لہٰذا اس وقت میں صلاحیت موجود ہے اور روزے کے اندر سبب جز اول ہوتا ہے۔اور اس وقت ان کی اہلیت معدوم تھی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق جب کفر یا عدم بلوغ زوال سے پہلے ختم ہوا تو اس دن کی قضاء ان پر واجب ہے۔کیونکہ اس نے نیت کا وقت پا لیا ہے اور ظاہر الروایت کے مطابق دلیل یہ ہے کہ روزے کے حصے نہیں ہوتے۔اور دن کے اول حصے میں وجوب کی اہلیت معدوم ہے۔ہاں البتہ بچے کیلئے اس صورت میں نفل کی نیت کرنا درست ہے جبکہ کافر کیلئے جائز نہیں ہے۔جس طرح مشائخ نے کہا ہے لہٰذا کافر تو نفل کا اہل بھی نہیں ہے جبکہ بچہ نفل کی اہلیت رکھتا ہے۔

الحاق فجر کے ساتھ شرعی اعذار کے معدوم ہونے کا بیان:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ہر وہ شخص جس کا عذر دن کے اول حصے یا فجر سے ملے ہوئے وقت میں زائل ہو جائے اور اگر وہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہو۔تو اس پر روزہ واجب ہے۔پس اس پر امساک واجب ہے۔جس طرح حائض و نفاس والی پر رکنا واجب ہوتا ہے جب وہ فجر کے بعد یا اس کے ساتھ پاک ہو جائے۔اور مجنون کو جب افاقہ ہو گیا اور مریض جب تندرست ہو گیا اور مسافر جب زوال سے پہلے شہر میں مقیم ہو گیا۔مسافر جب زوال سے پہلے آیا اور کچھ نہ کھایا تو اس پر روزہ واجب اور اگر وہ زوال کے بعد اور کھانے کے بعد آیا تو بھی امساک ہے۔

اور اسی طرح اگر مسافر نے افطار کی نیت اور وقت نیت میں پہنچ آیا تو اس پر روزہ واجب ہے۔اور اسی طرح جس نے عمداً یا خطاء یا مجبور ہو کر یا یوم شک میں کھایا پھر اس پر ظاہر ہوا کہ رمضان کا دن تھا اور اسی طرح اگر اس نے غروب شمس سے پہلے غروب شمس کے گمان میں روزہ افطار کر لیا پھر ظاہر ہوا کہ سورج غروب نہیں ہوا اور اسی طرح اس نے فجر سے پہلے سحری کی تو ان صورتوں میں اس کیلئے امساک مستحب ہے۔واجب نہیں ہے۔اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب حائض دن میں پاک ہوئے تو اس کیلئے اچھا نہیں ہے کہ وہ کھائے پیئے اور باقی لوگ روزے سے ہوں۔لہٰذا صحیح وجوب ہے۔اور امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا کہ وہ روزہ رکھے اور حائض میں فرمایا کہ وہ چھوڑ دے۔امام اعظم علیہ الرحمہ کا قول ''لا یحسن'' وجوب کی دلیل ہے۔کیونکہ حسن کے مقابلے میں قبح آتا ہے۔(فتح القدیر، ج ۴، ص ۴۰۵، بیروت)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ مسافر نے اقامت کی، حیض و نفاس والی پاک ہوئی، مجنون کو ہوش آ گیا، مریض اچھا ہو گیا، جس کا روزہ جاتا رہا اگرچہ جبراً کسی نے توڑوایا، یا غلطی سے پانی وغیرہ کوئی چیز حلق میں جا رہی، یا کفر تھا مسلمان ہو گیا، نابالغ تھا بالغ ہو گیا، یا رات سمجھ کر سحری کھائی تھی، حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا غروب سمجھ کر افطار کر دیا حالانکہ دن باقی تھا تو ان سب

صورتوں میں جو کچھ دن باقی رہ گیا ہے اسے روزہ کے مثل گزارنا واجب ہے سوائے نابالغ کے جو بالغ ہوا اور کافر کے کہ رمضان کے کسی دن میں مسلمان ہو کہ ان پر اس دن کی قضا واجب نہیں۔(درمختار)

فقہ شافعی کے مطابق زوال عذر پر بقیہ دن رکنے کا بیان:

علامہ نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ جب مسافر دن کے دوران سفر سے واپس آ جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس دن کے بقیہ حصہ میں کچھ بھی نہ کھائے پیئے، اس میں علماء کرام کے مابین نزاع مشہور ہے۔(المجموع، 25، 212)

لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ رمضان المبارک کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے اسے کچھ نہیں کھانا پینا چاہیے، لیکن اس پر اس دن کی قضاء واجب ہو گی چاہے وہ اس دن کھائے پیئے یہ بغیر کھائے ہی گزارے۔

علامات بلوغت اور احکام شرعیہ کا حکم:

بلوغت تین اشیاء میں سے ایک چیز کے پیدا ہونے پر بلوغت ہو جاتی ہے : احتلام وغیرہ کے ذریعہ منی کا انزال، زیر ناف سخت بال اگنا، عمر پندرہ برس مکمل ہو جانا، لیکن لڑکی میں حیض کے اضافہ کے ساتھ چار چیزوں میں سے کسی ایک کے آنے پر بلوغت ثابت ہو جاتی ہے، اس لیے حیض آنے پر لڑکی پر روزے فرض ہو جائیں گے چاہے اسے دس برس کی عمر سے قبل ہی حیض آ جائے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

سات برس کی عمر کا بچہ اگر روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا، بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جب بچہ دس برس کی عمر میں روزہ نہ رکھے تو اسے نماز ترک کرنے کی طرح سزا دی جائے گی۔دیکھیں المغنی لابن قدامہ(3/ 90) ۔

بچہ کو روزے کا اجر و ثواب حاصل ہو گا اور اس کے والدین کو تربیت اور نیکی و بھلائی سکھانے کا اجر حاصل ہو گا حدیث میں ہے کہ : ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالی عنہا عاشوراء کے روزے کی فرضیت کے بارہ میں کہتی ہیں : جب عاشوراء کا روزہ فرض ہوا تو ہمارے بچے روزہ رکھتے تھے، اور ہم ان کے لیے روئی کے کھلونے بنا کر رکھتے جب ان میں سے کوئی بھوک کی وجہ سے رونے لگتا تو ہم وہ کھلونا اسے دیتے اور افطاری تک اس کے پاس ہی رہتا۔(صحیح بخاری حدیث نمبر(1960)

اور بعض لوگ اپنے بچوں کے ساتھ روزوں کے معاملہ میں سستی سے کام لیتے ہیں، بلکہ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ شوق سے روزہ رکھ لیتا اور وہ اس کی طاقت بھی رکھتا ہے تو اس کے والدین اپنے خیال میں اس پر شفقت کرتے ہوئے اسے روزہ توڑنے کا کہتے ہیں، لیکن انہیں یہ علم نہیں کہ بچوں پر حقیقی شفقت تو یہی ہے کہ وہ انہیں روزہ رکھنے کا عادی بنائیں۔

اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے۔(اے ایمان والو اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، اس پر سخت قسم کے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ تعالی کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ انہیں جو حکم دیا جاتا وہ اسے بجا لاتے ہیں) ۔

جب کافر طلوع فجر کے بعد اسلام لایا تو روزے کا حکم:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ محیط میں ہے۔ جب کافر طلوع کے بعد اسلام لایا تو اس کا فرضی یا نفلی روزہ صحیح نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نفلی روزہ صحیح ہے اور ظاہر الروایت میں ہے صحیح نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا فرض روزہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ جبکہ فقہاء احناف نے کہا ہے کہ وہ حائض کی طرح بقیہ رمضان میں امساک کرے۔

امام مالک، امام داؤد نے کہا ہے اس کا مساک مستحب ہے۔ اس کیلئے امساک لازم نہیں ہے کیونکہ اس شخص پر ظاہری و باطنی طور پر روزہ فرض نہیں ہے۔ جس طرح حالت عذر میں ہوتا ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ ج ۴ ص ۳۴۸، حقانیہ ملتان)

بقیہ دن کے امساک میں مذاہب اربعہ:

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی "المغنی" میں رقمطراز ہیں " : جس شخص کے لیے ظاہر اور باطنی طور پر دن کے شروع میں روزہ نہ رکھنا مباح ہو مثلا حائضہ اور نفاس والی عورت، اور مسافر، بچہ، مجنون و پاگل، کافر، اور مریض، جب دن کے دوران ان کا عذر زائل ہو جائے تو حائضہ اور نفاس والی عورت پاک ہو جائے، اور مسافر مقیم، اور بچہ بالغ ہو جائے، اور مجنون عقلمند، اور کافر اسلام قبول کر لے، اور بے روزہ مریض شفایاب ہو جائے تو اس میں دو روایتیں ہیں :

پہلی : ان کے لیے دن کا باقی حصہ بغیر کھائے پیئے گزارنا لازم ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے . دوسری روایت: ان پر کھانے پینے سے رکنا لازم نہیں، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے، اور ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ : جس نے دن کی ابتدا میں کھایا تو وہ دن کے آخر میں بھی کھائے "

اور اسی طرح جب مسافر سفر سے واپس پلٹ آئے، تو میری طرف سے یہ کلام صحیح ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ تعالی کی ایک روایت یہی ہے، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالی کا بھی مسلک یہی ہے .

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ : (جس نے دن کے پہلے حصہ میں کھایا وہ دن کے آخری حصہ میں بھی کھائے۔

اور جابر بن یزید (یہ ابو شعثاء تابعین میں سے ایک فقیہ و امام ہیں) رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ سفر سے واپس آئے تو انہوں نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ وہ اسی دن حیض سے پاک ہوئی ہے، تو انہوں نے اس سے جماع کیا یہ دونوں اثر المغنی میں ذکر کیے گئے ہیں، اور ان کا کوئی تعاقب نہیں کیا گیا۔

اور اس لیے بھی کہ کھانے پینے سے رکنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اس دن کا روزہ تو اسی وقت صحیح ہوگا جب فجر سے رکھا گیا ہو .

اور اس لیے بھی کہ رمضان کا علم ہونے کے باوجود ان کے لیے دن کیا ول میں ظاہری اور باطنی طور پر کھانا پینا مباح کیا گیا

ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالی نے تو طلوع فجر سے ممانعت کی ہے، اور ان لوگوں پر اس وقت روزہ واجب نہیں تھا، تو کھانے پینے سے رکنے کے حکم میں بھی نہیں آتے .

اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالی نے مسافر پر چھوڑے ہوئے روزوں کے بدلے دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرنا واجب کیا ہے، اور اسی طرح حائضہ عورت پر بھی، اور اگر ہم ان پر کھانا پینے سے رکنا واجب کریں تو اس پر ہم نے اللہ تعالی سے واجب کردہ سے زیادہ کو واجب کر دیا؛ کیونکہ اس وقت ہم اس پر اس دن کی قضاء کے ساتھ دن کا باقی حصہ کھانے پینے سے رکنا بھی واجب کر رہے ہیں، تو اس طرح ہم نے اس پر دو چیزیں واجب کیں حالانکہ صرف ایک چیز ان ایام کی قضاء واجب ہے جس کے روزے نہیں رکھے، اور یہ عدم وجوب کی ظاہر ترین دلیل ہے .... لیکن اگر اس سے خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اعلانیہ طور پر نہ کھائے پیئے "(المغنی، ابواب الصیام)

اور امام نووی رحمہ اللہ تعالی "المجموع" میں کہتے ہیں۔ "جب مسافر رمضان میں دن کے دوران سفر سے واپس پلٹ آئے اور اس نے روزہ نہ رکھا ہو اور اپنی بیوی کو دن کے دوران حیض یا نفاس سے پاک پائے یا بیماری سے اس کی بیوی دن میں شفایاب ہوگئی ہو اور اس نے روزہ نہ رکھا ہو تو وہ اس سے ہم بستری کر سکتا ہے، ہمارے نزدیک بغیر کسی اختلاف کے اس پر کوئی کفارہ نہیں۔(المجموع للنووی (6 / .(174)

اہل تشیع کے نزدیک بچے کے بلوغ کے بعد حکم قضاء:

سوال : بالغ ہونے کے بعد شروع کے دنوں میں جن روزوں کو نہیں رکھا ہے کیا انکی قضا کے علاوہ کفارہ بھی ادا کرنا پڑیگا؟

جواب : تمام مراجع کرام : جتنے روزے نہ رکھے ہوں انکی قضا کریں اور اسکے علاوہ ہر دن کے بدلہ کفارہ بھی دیں یعنی دو مہینہ روزہ رکھیں یا ساٹھ فقیروں کو پیٹ بھر کے کھانا کھلائیں یا پھر ہر ایک کو ایک مد (تقریبا دس سیر) طعام (گیہوں، جو یا اسی قسم کی دوسری چیزیں) دیں۔(توضیح المسائل)

افطار کرنے والا مسافر جب زوال سے پہلے شہر میں داخل ہوا:

(وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ الْإِفْطَارَ ثُمَّ قَدِمَ الْمِصْرَ قَبْلَ الزَّوَالِ فَنَوَى الصَّوْمَ أَجْزَأَهُ) لِأَنَّ السَّفَرَ لَا يُنَافِي أَهْلِيَّةَ الْوُجُوبِ وَلَا صِحَّةَ الشُّرُوعِ (وَإِنْ كَانَ فِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ أَنْ يَصُومَ) لِزَوَالِ الْمُرَخِّصِ فِي وَقْتِ النِّيَّةِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ كَانَ مُقِيمًا فِي أَوَّلِ الْيَوْمِ ثُمَّ سَافَرَ لَا يُبَاحُ لَهُ الْفِطْرُ تَرْجِيحًا لِجَانِبِ الْإِقَامَةِ فَهَذَا أَوْلَى ، إلَّا أَنَّهُ إذَا أَفْطَرَ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ لَا تَلْزَمُهُ الْكَفَّارَةُ لِقِيَامِ شُبْهَةِ الْمُبِيحِ .

ترجمہ:

اور جب مسافر نے افطار کی نیت کی پھر وہ زوال سے پہلے ہی شہر میں آکر مقیم ہوگیا اور اس نے روزہ کی نیت کر لی تو اس کیلئے وہی روزہ کافی ہوگا۔ کیونکہ سفر اہلیت وجوب اور صحت مشروع کے منافی نہیں ہے۔ اور اگر اس طرح رمضان میں ہوا تو اس کا روزہ رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ نیت کے وقت میں رخصت دینے والا ختم ہو چکا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص دن کے اول حصے میں مقیم ہو جائے اور پھر وہ سفر کرے تو اس کیلئے اباحت نہیں ہے کیونکہ جانب اقامت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہٰذا افضل یہی ہے لیکن جب اس نے دونوں (مذکورہ) دونوں صورتوں میں افطار کر لیا تو اس پر کفارہ لازم نہ ہوگا کیونکہ اباحت کا شبہ قائم ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے غیر رمضان میں حالت سفر میں افطار کی نیت کی۔ اور مصنف کی عبارت سے یہی ظاہر ہے۔ بلکہ اگر وہ زوال سے پہلے یا کھانے سے آیا ہے۔ تو اس پر اس دن کا روزہ واجب ہے۔ کیونکہ اس کیلئے نیت پیدا ہو چکی ہے۔ اور اس مسئلہ کی دلیل یہ بھی ہے کہ رخصت تو حالت سفر میں دی گئی ہے اور جب اس کا سفر دن کے پہلے حصے میں ثابت نہیں ہوا تو حکم صوم اسی کی جانب متوجہ ہوگا۔ لہٰذا اس کیلئے افطار جائز نہیں ہے۔ خواہ کوئی نیا حادثہ واقع کیوں نہ ہو۔ (فتح القدیر، ج ۴، ص ۴۰۹، بیروت)

بے ہوشی والے دن کے روزے کی قضاء کا حکم:

(وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ لَمْ يَقْضِ الْيَوْمَ الَّذِي حَدَثَ فِيهِ الْإِغْمَاءُ) لِوُجُودِ الصَّوْمِ فِيهِ وَهُوَ الْإِمْسَاكُ الْمَقْرُونُ بِالنِّيَّةِ إذْ الظَّاهِرُ وُجُودُهَا مِنْهُ (وَقَضَى مَا بَعْدَهُ) لِانْعِدَامِ النِّيَّةِ (وَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِنْهُ قَضَاهُ كُلَّهُ غَيْرَ يَوْمِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ) لِمَا قُلْنَا . وَقَالَ مَالِكٌ : لَا يَقْضِي مَا بَعْدَهُ لِأَنَّ صَوْمَ رَمَضَانَ عِنْدَهُ يَتَأَدَّى بِنِيَّةٍ وَاحِدَةٍ بِمَنْزِلَةِ الِاعْتِكَافِ ، وَعِنْدَنَا لَا بُدَّ مِنْ النِّيَّةِ لِكُلِّ يَوْمٍ لِأَنَّهَا عِبَادَاتٌ مُتَفَرِّقَةٌ ، لِأَنَّهُ يَتَخَلَّلُ بَيْنَ كُلِّ يَوْمَيْنِ مَا لَيْسَ بِزَمَانٍ لِهَذِهِ الْعِبَادَةِ . بِخِلَافِ الِاعْتِكَافِ (وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ قَضَاهُ) لِأَنَّهُ نَوْعُ مَرَضٍ يُضْعِفُ الْقُوَى وَلَا يُزِيلُ الْحِجَا فَيَصِيرُ عُذْرًا فِي التَّأْخِيرِ لَا فِي الْإِسْقَاطِ .

ترجمہ:

اور جو شخص رمضان میں بے ہوش ہوا تو وہ بے ہوشی والے دن کی قضاء نہ کرے کیونکہ اس دن وجود صوم موجود ہے اور اس کا رکنا نیت کے ساتھ پایا گیا ہے۔ کیونکہ ظاہری حالت اس کی نیت کے ساتھ ہے اور اس دن کے بعد والے دنوں کی قضاء کرے گا۔

اس لئے کہ ان کی نیت معدوم ہے۔

اور اگر رمضان المبارک کی پہلی رات میں اس پر بے ہوشی طاری ہوئی تو وہ پورے رمضان کی قضاء کرے گا۔ مگر اس رات والے دن کی قضاء نہیں کرے گا اسی دلیل کی بنیاد پر جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس کے بعد والے دنوں کی قضاء بھی نہیں کرے گا کیونکہ ان کے نزدیک ایک نیت کے ساتھ تمام روزوں کی ادائیگی ہے۔ جس طرح اعتکاف میں ہوتا ہے۔

جبکہ ہمارے نزدیک روزانہ ہر روزے کی نیت کا ہونا ضروری ہے اس لئے روزے علیحدہ علیحدہ عبادات ہیں۔ کیونکہ دو دنوں کے درمیان ایسا خلا موجود ہے جو اس عبادت کا وقت نہیں ہے۔ بہ خلاف اعتکاف کے (کیونکہ اس کے درمیان کوئی قسم کا خلا نہیں ہے

ماہ رمضان میں بیہوش رہنے والے کے روزے میں فقہ حنفی کا بیان:

اگر کوئی روزہ دار بے ہوش ہو جائے اور خواہ وہ مہینہ بھر تک بے ہوش رہے تو اس پر قضا لازم ہوگی ہاں اس دن کے روزہ کی قضا لازم نہیں ہوگی۔ جس دن میں یا جس کی رات سے بیہوشی شروع ہوئی ہو کیونکہ مسلمان کے بارے میں نیک گمان ہی کرنا چاہئے اس لیے ہو سکتا ہے اس نے رات میں نیت کر لی ہو اور اس طرح اس کا روزہ پورا ہو جائے گا اب اس کے بعد جتنے دنوں بیہوش رہے گا ان کی قضا کرے گا۔ بے ہوشی شروع ہونے والے دن کے بارے میں بھی مگر یہ یقین ہو کہ نیت کی تھی تو اس دن کے روزہ کی قضا بھی ضروری ہوگی۔ بیہوشی کے دنوں کے روزوں کی قضا اس لیے ضروری ہوگی کہ اگرچہ اس نے کچھ کھایا پیا نہیں مگر چونکہ روزہ کی نیت نہیں پائی گئی اس لیے بیہوشی کی حالت میں اس کا بغیر نیت کچھ نہ کھانا پینا اور تمام چیزوں سے رکے رہنا کافی و کارآمد نہیں ہوگا اگر کسی شخص پر رمضان کے پورے مہینہ میں دیوانگی طاری رہی تو اس پر قضا واجب نہیں ہوگی ہاں مگر پورے مہینہ دیوانگی طاری نہ رہی تو پھر قضا ضروری ہوگی اور اگر کسی شخص پر پورے مہینے یا بایں طور دیوانگی طاری رہی کہ دن میں یا رات میں نیت کا وقت ختم ہو جانے کے بعد اچھا ہو جاتا تو جب بھی قضا ضروری نہیں ہوگی بلکہ یہ پورے مہینہ دیوانگی طاری رہنے کے حکم میں ہوگا۔

بے ہوش کے روزوں کی قضاء میں غیر مقلدین کا نظریہ:

راجح قول کے مطابق تو یہی ہے کہ : بے ہوشی یا پھر مرض اور بغیر مرض کے عقل زائل ہونے سے نماز ساقط ہو جاتی ہے اس لیے اس پر نماز کی قضاء واجب نہیں ہوگی، لیکن روزوں کی قضاء واجب ہے اس لیے بے ہوشی کی حالت میں جن ایام کے روزے نہیں رکھے اس کی قضاء کرے گا۔

نماز اور روزے میں فرق یہ ہے کہ نماز میں تکرار ہوتا ہے، اس لیے اگر وہ فوت شدہ کی قضاء نہیں کرے گا تو دوسرے دن ادا کر لے گا، لیکن روزوں میں تکرار نہیں ہے، اسی لیے حائضہ اور نفاس والی عورت نماز کی قضاء نہیں کرتی اور روزے کی قضا کرتی ہے۔

(ابن عثیمین، اللقاء الشہری ی، ۱۷)

جو شخص بے ہوش رہا اور اسے کسی چیز کا شعور نہیں تھا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے، البتہ جن عبادات کا تعلق اس کے مال سے ہے وہ ادا کرنا ہوں گی اور بدنی عبادتیں مثلاً روزہ ایسے شخص سے ساقط ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر ایک دن رات بے ہوشی طاری رہی تو انہوں نے اس دوران فوت ہونے والی نمازوں کی قضا نہیں دی تھی۔

(مصنف عبدالرزاق ص479 ج 2)

البتہ بے ہوش آدمی کے مال سے زکوۃ ساقط نہیں ہوگی، اس کی ادائیگی ضروری ہے، ہمارے نزدیک اگر بے ہوشی بغیر سبب کے ہو تو بدنی عبادات ساقط ہو جاتی ہیں اور اگر اس کا کوئی سبب ہو مثلاً شراب نوشی یا بھنگ وغیرہ کے استعمال سے بے ہوشی طاری ہو تو اس قسم کی بے ہوشی میں نمازیں ساقط نہیں ہوں گی ۔ بلکہ اس دوران فوت شدہ نمازوں کی قضا ضروری ہے، سوئے ہوئے انسان کو بے ہوش قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ سوئے ہوئے انسان میں ادراک ہوتا ہے اگر اسے بیدار کیا جائے تو وہ بیدار ہو سکتا ہے لیکن بے ہوش انسان میں ادراک نہیں ہوتا کہ اگر اسے بیدار کیا جائے تو وہ بیدار نہیں ہو سکتا، سوئے ہوئے انسان کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے :جو شخص نماز بھول جائے یا اس سے سو یا رہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے جب یاد آئے تو پڑھ لے۔

(صحیح بخاری، الواقیت 597 :)

جو شخص پورا رمضان حالت جنون میں رہا تو روزے کی قضاء کا حکم ہے:

(وَمَنْ جُنَّ رَمَضَانَ كُلَّهُ لَمْ يَقْضِهِ) خِلَافًا لِمَالِكٍ هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالْإِغْمَاءِ .وَلَنَا أَنَّ الْمُسْقِطَ هُوَ الْحَرَجُ وَالْإِغْمَاءُ لَا يَسْتَوْعِبُ الشَّهْرَ عَادَةً فَلَا حَرَجَ ، وَالْجُنُونُ يَسْتَوْعِبُهُ فَيَتَحَقَّقُ الْحَرَجُ (وَإِنْ أَفَاقَ الْمَجْنُونُ فِي بَعْضِهِ قَضَى مَا مَضَى) خِلَافًا لِزُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .هُمَا يَقُولَانِ لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْأَدَاءُ لِانْعِدَامِ الْأَهْلِيَّةِ ، وَالْقَضَاءُ مُرَتَّبٌ عَلَيْهِ ، وَصَارَ كَالْمُسْتَوْعَبِ .

وَلَنَا أَنَّ السَّبَبَ قَدْ وُجِدَ وَهُوَ الشَّهْرُ وَالْأَهْلِيَّةُ بِالذِّمَّةِ ، وَفِي الْوُجُوبِ فَائِدَةٌ وَهُوَ صَيْرُورَتُهُ مَطْلُوبًا عَلَى وَجْهٍ لَا يَخْرُجُ فِي أَدَائِهِ ، بِخِلَافِ الْمُسْتَوْعَبِ لِأَنَّهُ يَخْرُجُ فِي الْأَدَاءِ فَلَا فَائِدَةَ وَتَمَامُهُ فِي الْخِلَافِيَّاتِ ، ثُمَّ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ ، قِيلَ هَذَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا لِأَنَّهُ إذَا بَلَغَ مَجْنُونًا الْتَحَقَ بِالصَّبِيِّ فَانْعَدَمَ الْخِطَابُ بِخِلَافِ مَا إذَا بَلَغَ عَاقِلًا ثُمَّ جُنَّ ، وَهَذَا مُخْتَارُ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ

ترجمہ:

جو شخص پورے رمضان میں پاگل رہا ہے تو وہ اس کی قضاء نہیں کرے گا۔ جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے وہ جنون کو بے ہوشی پر قیاس کرتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ساقط کرنے والا جو حرج ہے وہ اغماء ہے جو عام طور پر پورے مہینے کو گھیرنے والا نہیں ہے۔ لہذا حرج بھی واقع نہ ہوا۔ جبکہ جنون پورے ماہ کو گھیر لیتا ہے لہذا اس میں حرج ثابت ہو گیا۔

اور اگر مجنون کو رمضان کے کسی حصے میں افاقہ ہو گیا تو وہ سابقہ دنوں کی قضاء کرے۔ جبکہ حضرت امام زفر وشافعی علیہما الرحمہ کا اختلاف ہے یہ دونوں ائمہ کہتے ہیں کہ عدم اہلیت کی وجہ بہ اتفاق ادا واجب نہیں۔ جبکہ قضاء کا ترتب اسی (ادا) پر ہوتا ہے۔ لہذا یہ اسی طرح ہو گیا گویا کہ وہ سارے ماہ میں مجنون رہا ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ سبب (شہود رمضان) پایا گیا ہے اور اہلیت کا ہونا ذمہ سے متعلق ہے۔ اور فائدہ بھی وجوب میں ہے اور وہ مطلوب بھی اس طرح ہوا ہے کہ اس کی ادائیگی میں کوئی حرج واقع نہیں ہوا ہے۔ بہ خلاف استیعاب کے کیونکہ اس کی ادائیگی میں حرج واقع ہوگا۔ لہذا اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ اور اس کی مکمل بحث خلافیات میں ہے۔

جنون اصلی و عارضی کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا۔ اور کہا گیا ہے کہ ظاہر الروایت کے مطابق یہی حکم ہے۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ دونوں کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ کیونکہ جب مجنون ہو کر بالغ ہوا تو وہ بچے کے ساتھ لاحق ہو گیا اور خطاب معدوم ہو گیا ہے بہ خلاف اس شخص کے کہ جب وہ عاقل ہو کر بالغ ہوا پھر مجنون ہوا اور یہی متاخرین فقہاء کا اختیار کردہ ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ شمس الائمہ حلوانی علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔ مصنف کے قول ''کل'' سے مراد یہ ہے کہ بیہوش ہونے والے رمضان کے آخر میں دن کے آخری حصے میں زوال کے بعد ہوش آیا تو اس پر رمضان کے روزوں کی قضاء نہیں ہے کیونکہ وہ اس کیلئے رمضان کی ابتداء نہیں پائی گئی۔ لہذا اس پر قضاء لازم نہیں ہے وہ صائم فی اللیل کی طرح ہوگا۔ (جس کی قضاء لازم نہیں ہوتی)۔

اور مصنف کے قول ''اغماء کا اعتبار کیا جائے گا'' سے مراد یہ ہے کہ اغماء عقل میں مداخلت کرنے والا ہے لہذا اس کو زوال کے بعد والی تاخیر کی طرف منسوب کیا جائے گا اور اس پر حکم مرتب ہوگا۔ نہ کہ اسے اسقاط کی طرف منسوب کریں گے جس طرح اغماء میں ہوتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج، ص، بیروت)

پورا رمضان روزوں کی نیت نہ کرنے والے کا بیان:

(وَمَنْ لَمْ يَنْوِ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ لَا صَوْمًا وَلَا فِطْرًا فَعَلَيْهِ قَضَاؤُهُ) وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَتَأَدَّى صَوْمُ رَمَضَانَ بِدُونِ النِّيَّةِ فِي حَقِّ الصَّحِيحِ الْمُقِيمِ لِأَنَّ الْإِمْسَاكَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ ،

فَعَلَى أَيِّ وَجْهٍ يُؤَدِّيهِ يَقَعُ عَنْهُ ، كَمَا إذَا وَهَبَ كُلَّ النِّصَابِ مِنْ الْفَقِيرِ .

وَلَنَا أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ الْإِمْسَاكُ بِجِهَةِ الْعِبَادَةِ وَلَا عِبَادَةَ إلَّا بِالنِّيَّةِ ، وَفِي هِبَةِ النِّصَابِ وُجِدَ نِيَّةُ الْقُرْبَةِ عَلَى مَا مَرَّ فِي الزَّكَاةِ .

(وَمَنْ أَصْبَحَ غَيْرَ نَاوٍ لِلصَّوْمِ فَأَكَلَ لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .وَقَالَ زُفَرُ :عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ لِأَنَّهُ يَتَأَدَّى بِغَيْرِ النِّيَّةِ عِنْدَهُ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ :إذَا أَكَلَ قَبْلَ الزَّوَالِ تَجِبُ الْكَفَّارَةُ لِأَنَّهُ فَوَّتَ إمْكَانَ التَّحْصِيلِ فَصَارَ كَغَاصِبِ الْغَاصِبِ ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ :أَنَّ الْكَفَّارَةَ تَعَلَّقَتْ بِالْإِفْسَادِ وَهَذَا امْتِنَاعٌ إذْ لَا صَوْمَ إلَّا بِالنِّيَّةِ

ترجمہ:

اور جس بندے نے تمام رمضان میں روزہ رکھنے اور اس کے افطار کی نیت نہ کی تو اس پر اس کی قضاء واجب ہے۔ جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ صحت مند مقیم آدمی کا روزہ بغیر نیت ادا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کھانے پینے اور جماع رک جانا اس پر واجب ہوتا ہے۔ لہذا وہ جس طرح اس کو ادا کرے گا اسی کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ جس طرح کسی شخص نے پورا نصاب فقیر کو ہبہ کر دیا ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ امساک وہ واجب ہے جو عبادت کے طریقہ پر ہو۔ اور نیت کے بغیر عبادت نہیں ہوتی۔ جبکہ نصاب ہبہ کرنے کی صورت میں نیت پائی جاتی ہے جس طرح کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکا ہے۔

اور جس بندے نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ روزے کی نیت نہیں رکھتا پھر اس نے کچھ کھایا تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر کفارے کا وجوب نہیں ہوگا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہے کیونکہ آپ کے نزدیک روزہ نیت کے بغیر ادا ہو جاتا ہے اور صاحبین نے کہا کہ اگر اس نے زوال سے پہلے کھایا تو کفارہ واجب ہو گیا کیونکہ اس بندے نے روزے کو حاصل کرنے کا امکان فوت کر دیا ہے لہذا یہ شخص اس طرح ہو گیا جیسے کوئی شخص غاصب سے غصب کرے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ کفارے کا تعلق روزہ توڑنے کے ساتھ ہے اور یہ آدمی روزہ رکھنے سے رکنے والا ہے لہذا نیت کے بغیر اس کا روزہ درست نہ ہوگا۔

روزہ میں حال کی دلالت پر حکم کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مصنف کا قول کہ شخص نے تمام رمضان المبارک کے روزے لیکن ان کی نیت نہ

کی۔ یعنی مفطرات سے پرہیز کیا اور صوم وافطار کچھ بھی نہ کہا تو اس پر قضاء ہے۔ مسئلہ جامع صغیر کے خواص میں سے ہے لہذا اس میں تأویل کرنا ضروری ہے۔ اور اس کی تأویل یہ ہے کہ مسلمان کے حالت کی دلالت کافی ہے اور وہی نیت ہے جس طرح اغماء والے کا حکم ہے جس میں اسے پر اغماء طاری ہوا ہے۔ تو اس کیلئے رمضان ثابت کر دیا جاتا ہے حالانکہ وہ نیت سے خالی ہے۔ اس مسئلہ میں فرض علم ہے۔ اور وہ اس کی خبر سے ہے اور دلالت اس وقت تک معتبر ہوتی ہے جب تک کے خلاف صراحت نہ آ جائے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کا مذہب جو مصنف نے ذکر کیا ہے کہ نیت کے بغیر بھی اس کا روزہ صحیح ہے یہ روایت حضرت عطاء سے ہے جبکہ امام کرخی علیہ الرحمہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے امام زفر علیہ الرحمہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ نیت واحدہ کے ساتھ اس کے تمام روزے ادا ہو جائیں گے۔ جس طرح حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا قول ہے۔

حضرت ابوالیسر نے کہا ہے کہ امام زفر علیہ الرحمہ کا یہ قول ان کے بچپن کا ہے جس سے بعد انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔ لہذا ان کا صحیح ومقیم کی قید لگانا درست ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے اگر اس نے زوال سے پہلے کھا لیا تو اس پر کفارہ واجب ہو گیا کیونکہ اس نے روزے کے حصول کو ضائع کر دیا ہے اور زوال سے پہلے اس کی نیت کا وقت تھا۔ جبکہ فخر الاسلام نے کہا ہے کہ یہ صرف امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل ظاہر ہے۔ جو صاحبین نے بیان کی ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ۳، ص ۳۴۲، بیروت)

حیض ونفاس والی عورت روزوں کی قضاء کرے گی:

(وَإِذَا حَاضَتْ الْمَرْأَةُ أَوْ نَفِسَتْ أَفْطَرَتْ وَقَضَتْ) بِخِلَافِ الصَّلَاةِ لِأَنَّهَا تُحْرَجُ فِي قَضَائِهَا وَقَدْ مَرَّ فِي الصَّلَاةِ

(وَإِذَا قَدِمَ الْمُسَافِرُ أَوْ طَهُرَتْ الْحَائِضُ فِي بَعْضِ النَّهَارِ أَمْسَكَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَجِبُ الْإِمْسَاكُ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ كُلُّ مَنْ صَارَ أَهْلًا لِلُّزُومِ وَلَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ فِي أَوَّلِ الْيَوْمِ .

هُوَ يَقُولُ :التَّشْبِيهُ خَلَفٌ فَلَا يَجِبُ إلَّا عَلَى مَنْ يَتَحَقَّقُ الْأَصْلُ فِي حَقِّهِ كَالْمُفْطِرِ مُتَعَمِّدًا أَوْ مُخْطِئًا .

وَلَنَا أَنَّهُ وَجَبَ قَضَاءً لِحَقِّ الْوَقْتِ لَا خَلَفًا لِأَنَّهُ وَقْتٌ مُعَظَّمٌ ، بِخِلَافِ الْحَائِضِ

وَالنُّفَسَاءِ وَالْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ حَيْثُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ حَالَ قِيَامِ هَذِهِ الْأَعْذَارِ لِتَحَقُّقِ الْمَانِعِ عَنْ التَّشْبِيهِ حَسَبَ تَحَقُّقِهِ عَنْ الصَّوْمِ .

ترجمہ:

اور جب کسی عورت کو حیض یا نفاس آئے تو وہ روزہ نہ رکھے بلکہ اس کی قضاء واجب ہے۔ بہ خلاف نماز کے کیونکہ اس کو قضاء کرنے سے حرج لازم آئے گا جس طرح کتاب الصلوٰۃ میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔

اور جب مسافر دن کے کسی حصے میں آیا یا حائض پاک ہوئی تو وہ دونوں بقیہ دن میں رک جائیں۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ان کیلئے رکنا واجب نہیں ہے۔ اور اسی اختلاف کی بنیاد پر ہر اس شخص کا حکم ہوگا جو روزے کے لزوم کا اہل ہو گیا۔ جبکہ دن کے شروع میں وہ ایسا نہ تھا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ روزے دار کی مشابہت کی وجہ سے وہ روزے کا خلیفہ بن گیا۔ مگر سوائے اس شخص کے جس پر روزہ ثابت نہیں ہوا جس طرح عمداً یا غلطی سے افطار کرنے والا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ امساک کا حکم وقت کے حق کی وجہ سے واجب ہوا ہے۔ جہت خلافت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ رمضان المبارک کا دن ایک عزت والے وقت میں ہے۔ بہ خلاف حائض ونفساء، مریض و مسافر کے کیونکہ اس میں عذر کیوجہ سے امساک واجب نہیں ہے۔ کیونکہ روزے دار مشابہت سے روکنے والا (سبب) موجود ہے جس طرح روزے کا مانع موجود ہے۔

حائضہ پر روزہ کی قضاء واجب ہے نماز کی قضاء نہیں:

حضرت معاذہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا (جن کی کنیت ام الصهبا هے اور جلیل القدر تابعیه هیں) کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت پر روزہ کی قضاء واجب مگر نماز کی قضاء واجب نہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جب ہمیں حیض آتا تو ہمیں روزہ کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا لیکن نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ (مسلم)

انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حائضہ عورت کے بارے میں اور روزہ کی تفریق کی وجہ دریافت کی مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وجہ بیان کرنے کی بجائے مذکورہ بالا جواب دے کر گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ ہر مسئلہ کی وجہ دریافت کرنا یا اس کی علت کی جستجو کرنا کوئی اعلیٰ مقصد نہیں ہے بلکہ شان عبودیت کا تقاضہ صرف یہ ہونا چاہئے کہ شارع نے جو حکم دے دیا ہے اس کی علت پوچھے بغیر اس پر عمل کیا جائے چنانچہ یہ ممکن تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوال کے پیش نظر یہ فرماتیں کہ اگر نماز کی قضا کا حکم دیا جاتا تو حائضہ عورت بہت زیادہ دقت و مشقت اور حرج میں مبتلا ہو جاتی کیونکہ ایام کے دنوں میں بہت زیادہ نمازیں ترک ہوتی ہیں ان سب کو ہر مہینہ قضا کرنا عورت پر بہت زیادہ بار ہو جاتا ہے اس لیے اس میں یہ آسانی عطا فرمائی گئی کہ ایام کے

دنوں کی نمازیں حائضہ کے حق میں معاف فرما دی گئیں جب کہ روزہ سے واسطہ سال ہی میں صرف ایک مرتبہ پڑتا ہے ان کی قضا میں اتنی زیادہ مشقت اور حرج نہیں ہوتا اس لئے حائضہ پر ان کی قضا واجب قرار پائی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس جواب سے احتراز فرما کر مذکورہ بالا اسلوب اختیار فرمایا اور بحث و مباحثہ کی راہ بند کر دی کیونکہ ممکن تھا کہ سائلہ اس علت کو سن کر کہتی کہ میں تو نماز کی قضا میں حرج و مشقت محسوس نہیں کرتی پھر کیوں نہ نماز کی قضا بھی واجب ہو؟

حائض کیلئے روزے کی قضاء میں فقہی مذاہب اربعہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ انہیں صرف روزوں کی قضاء کرنا ہوگی، امام احمد، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے اور صحابہ کرام میں سے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی یہی کہا ہے۔

اگر انہیں آپ پر خدشہ ہو تو صرف قضاء ہوگی، اور اگر انہیں اپنے بچے کا خدشہ ہو تو قضاء کے ساتھ ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں گی، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ تعالی کا مسلک یہی ہے، جصاص نے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے یہی بیان کیا ہے۔

انہیں صرف کھانا کھلانا ہوگا، اور ان پر قضاء نہیں، صحابہ کرام میں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا یہی قول ہے، اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے بھی یہی بیان کیا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (3 ، 37)

امام ابوداود رحمہ اللہ تعالی نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے بیان کیا ہے کہ: اور ان پر جو اس کی طاقت رکھتے ہیں ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ ہے "ابن عباس کہتے ہیں کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لیے رخصت تھی کہ وہ روزے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی روزہ نہ رکھیں بلکہ اس کے بدلے میں ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت بھی اگر خوف محسوس کرے تو وہ بھی۔ ابوداود کہتے ہیں: یعنی اگر انہیں اپنے بچے کا خدشہ ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں بلکہ اس کے بدلے میں کھانا کھلائیں (سنن ابوداود حدیث نمبر (2318)

امام نووی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔

امام بزار علیہ الرحمہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ زیادہ کیا ہے کہ: ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما اپنی حاملہ ام ولد کو کہتے تھے، تو اس کی مانند ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے اس لیے تجھ پر فدیہ ہے اور قضاء نہیں۔ حافظ رحمہ اللہ نے التلخیص میں کہا ہے کہ: دارقطنی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب احکام القرآن اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس میں سلف رحمہ اللہ تعالی تین وجھوں میں اختلاف کیا ہے: علی رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے: جب وہ روزہ نہ رکھیں تو انہیں قضاء کرنا ہوگی ان پر فدیہ نہیں ہے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں: ان پر قضاء نہیں بلکہ فدیہ ہے، اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا قول ہے: انہیں قضاء اور فدیہ دونوں ادا کرنا ہونگے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نصف نماز اور روزہ معاف کر دیا ہے، اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے بھی) (سنن نسائی حدیث نمبر، 2274)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو مسافر کی مانند قرار دیا ہے، مسافر روزہ نہیں رکھتا بلکہ بعد میں اس کی قضاء کرتا ہے تو اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت بھی۔ (احکام القرآن للجصاص)

مریض پر قیاس : جس طرح مریض روزہ نہیں رکھتا اور بعد میں قضاء کرتا ہے، تو اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت بھی قضاء کرے گی۔ (المغنی لابن قدامۃ المقدسی (ج 3 ،ص 37 ،بیروت)

سحری وافطاری میں غلط گمان کی وجہ سے حکم قضاء:

قَالَ (وَإِذَا تَسَحَّرَ وَهُوَ يَظُنُّ أَنَّ الْفَجْرَ لَمْ يَطْلُعْ فَإِذَا هُوَ قَدْ طَلَعَ ، أَوْ أَفْطَرَ وَهُوَ يَرَى أَنَّ الشَّمْسَ قَدْ غَرَبَتْ فَإِذَا هِيَ لَمْ تَغْرُبْ أَمْسَكَ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ) قَضَاءً لِحَقِّ الْوَقْتِ بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ أَوْ نَفْيًا لِلتُّهْمَةِ (وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ) لِأَنَّهُ حَقٌّ مَضْمُونٌ بِالْمِثْلِ ، كَمَا فِي الْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ (وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ) لِأَنَّ الْجِنَايَةَ قَاصِرَةٌ لِعَدَمِ الْقَصْدِ ، وَفِيهِ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :مَا تَجَانَفْنَا لِإِثْمٍ ، قَضَاءُ يَوْمٍ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ، وَالْمُرَادُ بِالْفَجْرِ الْفَجْرُ الثَّانِي ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الصَّلَاةِ

ترجمہ:

صاحب قدوری نے فرمایا ہے۔ کہ اگر سحری کھانے کی حالت میں گمان کرتا ہے کہ فجر طلوع نہیں ہوئی ہے جبکہ بعد میں معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی ہے یا اس نے سورج غروب ہونے کے خیال سے افطار کر لیا پھر معلوم ہوا کہ غروب نہیں ہوا تو یہ شخص بقیہ دن میں رک جائے تا کہ بقدر امکان وقت کا حق ادا کر سکے یا تہمت سے دور ہونے کیلئے اس پر قضاء واجب ہے۔ کیونکہ یہ مثلی ضمانت کا حق ہے۔ جس طرح مریض و مسافر کے بارے میں ہے اور اس پر کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ عدم ارادہ کی وجہ سے اس کا جرم قاصر ہے اور اسی بارے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے کسی گناہ کی طرف رغبت نہیں کی۔ لہٰذا ہم پر ایک دن کی قضاء کرنے میں آسانی ہے۔ اور فجر سے مراد فجر ثانی ہے جسے ہم کتاب الصلوٰۃ میں بیان کر چکے ہیں۔

طلوع فجر کے گمان سے کھانے والے کے فساد صوم میں مذاہب اربعہ:

جس شخص نے رات گمان کرتے ہوئے کھایا پیا حتیٰ کہ اس پر دن ظاہر ہو گیا تو مذاہب اربعہ کے مشہور روایات کے مطابق اس کا روزہ فاسد ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس کے گناہ کی نفی اس کے ذمے سے قضاء کو ساقط کرنے والی نہیں ہے۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن

عباس، حضرت امیر معاویہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت زہری اور حضرت سفیان ثوری کا ہے۔

اور جمہور کے اس مؤقف کی صحیح بخاری کی یہ روایت ہے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ابر کے دن روزہ افطار کیا پھر سورج طلوع ہو گیا۔ ہشام بن عروہ کی روایت میں کہا گیا کہ انہیں قضاء کا حکم دیا گیا۔ اور فرمایا: قضاء ضروری ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے ہشام نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے قضاء کی یا نہ کی۔ تو اس جواب یہ ہے کہ پہلی روایت اولیٰ اور مشہور ہے اور اسی پر اکثر کا عمل ہے اور علامہ عینی نے کہا ہے قضاء ضروری ہے۔

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے کہ انہیں قضاء کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ہشام کا یہ قول کہ قضاء لازم ہے یہ کوئی خبر نہیں ہے۔ لہٰذا میرے درمیان یہ واضح نہیں ہوا کہ ان پر قضاء ہے۔

حضرت زید بن اسلم اپنے بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابر کے دن افطار کیا اور انہوں نے دیکھا کہ وقت گزر گیا اور سورج غروب ہو گیا پس آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا اے امیر المؤمنین! تحقیق سورج طلوع ہو چکا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الخطب یسیر"، تحقیق ہم نے کوشش کر لی۔

(مؤطا امام مالک)

حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ "الخطب یسیر" کا معنی ہے وہ اس دن کی قضاء کرے۔ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا آپ نے افطار کیا اور لوگوں نے بھی افطار کیا اور مؤذن اذان دینے لگا تو اس نے کہا اے لوگو! ابھی تو سورج بھی غروب نہیں ہوا تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے روزہ افطار کیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اسکی جگہ ایک روزہ رکھے۔ (بیہقی)

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ نے کہا ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے دو روایات ہیں ایک یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے کھایا ہے وہ اس دن کی قضاء کرے۔ یہی اثر مروی ہے۔

علامہ ابن بطال نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کے پاس جو قضاء والی روایت آئی ہے یہ اہل حجاز اور اہل عراق سے آئی ہے۔ اور جس روایت کو امام عبدالرزاق نے بیان کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ واللہ! ہم قضاء نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے کسی کی طرف رغبت نہیں کی ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۴، ص، بیروت)

ایک شخص نے بھول کر روزے میں کچھ کھا لیا پھر اس کے بعد قصداً کھایا، یا بھول کر جماع کر لیا اور اس کے بعد پھر قصداً جماع کیا یا دن میں روزہ کی نیت کی پھر قصداً کھا پی لیا یا جماع کیا، یا رات ہی سے روزہ کی نیت کی پھر صبح ہو کر سفر کیا اور پھر اس کے بعد اقامت کی نیت کر لی اور کچھ کھا پی لیا اگرچہ اس صورت میں اس کے لیے روزہ توڑنا جائز نہیں تھا، یا رات سے روزہ کی نیت کی، صبح کو مقیم تھا، پھر سفر کیا اور مسافر ہو گیا اور حالت سفر میں قصداً کھایا یا جماع کیا، اگرچہ اس صورت میں اس کے لیے روزہ توڑنا جائز نہیں تھا

تو ان تمام صورتوں میں صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا مسئلہ مذکورہ میں حالت سفر میں کھانے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص سفر شروع کر دینے کے بعد پھر اپنی کوئی بھولی ہوئی چیز لینے کے لیے واپس اپنے گھر میں آئے اور اپنے مکان میں یا اپنے شہر وا پنی آبادی سے جدا ہونے سے پہلے قصداً کھا لے تو اس صورت میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہونگے۔

اگر کوئی شخص تمام دن کھانے پینے اور دوسری ممنوعات روزہ سے رکا رہا مگر نہ تو اس نے روزہ کی نیت کی اور نہ افطار کیا، یا کسی شخص نے سحری کھائی یا جماع کیا اس حالت میں کہ طلوع فجر کے بارے میں اسے شک تھا حالانکہ اس وقت فجر طلوع ہو چکی تھی، یا کسی شخص نے غروب آفتاب کے ظن غالب کے ساتھ افطار کیا حالانکہ اس وقت تک سورج غروب نہیں ہوا تھا تو ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا، اور اگر غروب آفتاب میں شک ہونے کی صورت میں افطار کیا اور حالانکہ اس وقت تک سورج غروب نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں کفارہ لازم ہونے کے بارے میں دو قول ہیں جس میں سے فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ کا مختار قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے شک کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا اس طرح اگر کسی شخص کا ظن غالب یہ ہو کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ روزہ افطار کرے اور حقیقت میں بھی سورج غروب نہ ہوا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

افطار میں جلدی کے استحباب کا بیان:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے بھلائی کے ساتھ رہیں گے۔ (بخاری، مسلم)

افطار میں جلدی کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد افطار میں دیر نہ لگائی جائے، شہروں میں غروب آفتاب کی علامت یہ ہے کہ مشرق کی جانب سیاہی بلند ہو جائے یعنی جہاں سے صبح صادق شروع ہوتی ہے وہاں تک پہنچ جائے تو آسمان کے بیچوں بیچ سیاہی کا پہنچنا شرط نہیں ہے۔

غروب آفتاب کے بعد افطار میں جلدی کرنے سے اہل کتاب کی مخالفت بھی ہوتی ہے کیونکہ وہ افطار میں اس وقت تک تاخیر کرتے ہیں جب کہ ستارے خوب اچھی طرح نہیں نکل آتے مسلمانوں میں اہل بدعت یعنی روافض کے یہاں بھی اسی پر عمل ہے لہٰذا ان کی مخالفت بھی ہو جاتی ہے۔ صحیح احادیث کے بموجب مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے افطار کرنا سنت ہے۔

سحری کے استحباب کا بیان:

(ثُمَّ التَّسَحُّرُ مُسْتَحَبٌّ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً) (وَالْمُسْتَحَبُّ تَأْخِيرُهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (ثَلَاثٌ مِنْ أَخْلَاقِ الْمُرْسَلِينَ :تَعْجِيلُ الْإِفْطَارِ ، وَتَأْخِيرُ السَّحُورِ ، وَالسِّوَاكُ) (إلَّا أَنَّهُ إذَا شَكَّ فِي الْفَجْرِ) وَمَعْنَاهُ تَسَاوِي الظَّنَّيْنِ (الْأَفْضَلُ أَنْ يَدَعَ الْأَكْلَ) تَحَرُّزًا عَنْ الْمُحَرَّمِ ، وَلَا

يَجِبُ عَلَيْهِ ذَلِكَ ، وَلَوْ أَكَلَ فَصَوْمُهُ تَامٌّ لِأَنَّ الْأَصْلَ هُوَ اللَّيْلُ .

ترجمہ:

سحری کھانا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سحری کرو بے شک سحری میں برکت ہے۔ اور سحری کرنے میں تاخیر مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین باتیں مرسلین کے اخلاق میں سے ہیں افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور مسواک کرنا ہے۔ ہاں البتہ جب اس کو فجر میں شک ہو اور شک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں اطراف سے برابر گمان ہو۔ تو بہتر یہ ہے کہ حرام سے بچنے کیلئے کھانا چھوڑ دے۔ لیکن اس پر کھانا چھوڑنا واجب نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اس نے کھا لیا تو اس کا روزہ پورا ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل میں تو رات ہے۔

سحری کھانے میں برکت کا بیان:

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سحری کھاؤ کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔ (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ روزہ رکھنے کے لیے سحر کے وقت کچھ نہ کچھ کھا لینا چاہئے چنانچہ ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ سحری کھاؤ چاہے وہ ایک گھونٹ پانی ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو، یہ حکم وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور استحباب ہے۔ سحر رات کے آخری حصے کو کہتے ہیں سحور سین کے زبر کے ساتھ اسم ہے یعنی سحور طعام سحر کو کہتے ہیں اور سین کے پیش کے ساتھ مصدر ہے جس کے معنی ہیں سحر کے وقت کھانا یہاں اس روایت میں یہ لفظ سحور اسم نقل کیا گیا ہے چنانچہ محدثین کے نزدیک روایت محفوظ میں یہ لفظ یوں ہی ہے البتہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ بہتر اور مناسب سحور مصدر ہی ہے کیونکہ حدیث کے مفہوم کے پیش نظر برکت کا تعلق فعل یعنی سحر کے وقت کھانے سے ہے نہ کہ اس کا تعلق اسم یعنی طعام سے ہے۔

برکت سے مراد یہ ہے کہ سحری کھانا چونکہ دراصل سنت نبوی پر عمل کرنا ہے اس لیے اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اجر عظیم حاصل ہوتا ہے بلکہ روزہ رکھنے کی قوت بھی آتی ہے۔

سحر کے وقت کھانا اہل ایمان اور اہل کتاب کے درمیان ایک امتیاز ہے

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارے روزے اور اہل کتاب (یعنی یہود و نصاری) کے روزے کے درمیان فرق سحری کھانا ہے۔ (مسلم)

اہل کتاب کے ہاں رات میں سو رہنے کے بعد کھانا حرام تھا اسی طرح مسلمانوں کے ہاں بھی ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا مگر بعد میں مباح ہو گیا لہٰذا سحری کھانے سے اہل کتاب کی مخالفت لازم آتی ہے جو اس عظیم نعمت کی شکر گزاری کا ایک ذریعہ ہے۔

سحری میں تاخیر کے استحباب کا بیان:

سحری کی تاخیر مستحب ومسنون ہے، احادیثِ صحیحہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعجیلِ افطار وتاخیرِ سحور کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا": میری اُمت ہمیشہ خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرے گی۔"
(صحیح بخاری، ج ا، ص ۲۶۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ دین اسلام ہمیشہ غالب رہے گا جب تک کہ لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ یہود ونصاریٰ افطار میں دیر کرتے ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہود ونصاریٰ افطار میں اتنی تاخیر کرتے ہیں کہ ستارے گنجان یعنی پوری طرح نکل آتے ہیں اور اس زمانہ میں روافض بھی ان کی پیروی کرتے ہیں لہٰذا وقت ہو جانے پر جلدی افطار کرنے میں اہل باطل کی مخالفت ہوتی ہے اور دین کا غلبہ اور دین کی شوکت ظاہر ہوتی ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دین کے دشمنوں کی مخالفت دین کی مضبوطی اور غلبہ کا باعث ہے اور ان کی موافقت دین کے نقصان کا ذریعہ ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے آیت (یا ایها الذی امنوا لاتتخذوا الیهود و النصاریٰ اولیاء بعضهم اولیاء بعض ومن یتولهم منکم فانه منهم)۔ اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ ان میں سے بعض بعض لوگوں کے دوست ہیں تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا۔

حضرت ابوعطیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور مسروق دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے ام المومنین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں دو اشخاص ہیں ان میں سے ایک صاحب تو جلدی افطار کرتے ہیں اور جلدی نماز پڑھتے ہیں دوسرے صاحب دیر کر کے افطار کرتے ہیں دیر کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ جلدی افطار کرنے والے اور نماز پڑھنے والے کون صاحب ہیں؟ ہم نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معمول تھا اور دوسرے صاحب جو افطار میں اور نماز میں دیر کرتے تھے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے اونچے درجے کے عالم اور فقیہ تھے اس لیے انہوں نے سنت کے مطابق عمل کیا۔
حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا عمل بیان جواز کی خاطر تھا یا انہیں کوئی عذر لاحق ہوگا یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ایسا کبھی کبھی (کسی مصلحت ومجبوری کی خاطر) کرتے ہوں گے۔

تاخیرِ سحور بمعنی مذکور مطلقاً مستحب ومسنون ہے 'صرف اسی حالت کی خصوصیت نہیں کہ اخیری وقت آنکھ کُھلی ہو، عادتِ مستمرہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہی تاخیر تھی ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کسی کا علم نہیں ہوسکتا۔

جہاں فجر کا ظہور نہ ہوتا ہو اس کیلئے فقہی حکم:

وَعَنْ أَبِی حَنِیفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ :إِذَا كَانَ فِی مَوْضِعٍ لَا یَسْتَبِینُ الْفَجْرَ ، أَوْ كَانَتْ اللَّیْلَةُ مُقْمِرَةً أَوْ مُتَغَیِّمَةً .أَوْ كَانَ بِبَصَرِهِ عِلَّةٌ وَهُوَ یَشُكُّ لَا یَأْكُلُ ، وَلَوْ أَكَلَ فَقَدْ أَسَاءَ لِقَوْلِهِ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (دَعْ مَا یَرِیبُكَ إلَى مَا لَا یَرِیبُكَ) وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْیِهِ أَنَّهُ أَكَلَ وَالْفَجْرُ طَالِعٌ فَعَلَیْهِ قَضَاؤُهُ عَمَلًا بِغَالِبِ الرَّأْیِ ، وَفِیهِ الِاحْتِیَاطُ .وَعَلَى ظَاهِرِ الرِّوَایَةِ لَا قَضَاءَ عَلَیْهِ لِأَنَّ الْیَقِینَ لَا یُزَالُ إلَّا بِمِثْلِهِ ،

وَلَوْ ظَهَرَ أَنَّ الْفَجْرَ طَالِعٌ لَا كَفَّارَةَ عَلَیْهِ لِأَنَّهُ بَنَى الْأَمْرَ عَلَى الْأَصْلِ فَلَا تَتَحَقَّقُ الْعَمْدِیَّةُ (وَلَوْ شَكَّ فِی غُرُوبِ الشَّمْسِ لَا یَحِلُّ لَهُ الْفِطْرُ) لِأَنَّ الْأَصْلَ هُوَ النَّهَارُ (وَلَوْ أَكَلَ فَعَلَیْهِ الْقَضَاءُ) عَمَلًا بِالْأَصْلِ ، وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْیِهِ أَنَّهُ أَكَلَ قَبْلَ الْغُرُوبِ فَعَلَیْهِ الْقَضَاءُ رِوَایَةً وَاحِدَةً لِأَنَّ النَّهَارَ هُوَ الْأَصْلُ ، وَلَوْ كَانَ شَاكًّا فِیهِ وَتَبَیَّنَ أَنَّهَا لَمْ تَغْرُبْ یَنْبَغِی أَنْ تَجِبَ الْكَفَّارَةُ نَظَرًا إلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ وَهُوَ النَّهَارُ .

ترجمہ:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اگر وہ ایسے مقام پر ہے جہاں فجر ظاہر نہیں ہوتی یا رات چاندنی ہو یا رات ابر آلود ہو یا اس کی نظر میں کوئی مرض ہو۔ ایسے شخص کو فجر میں شک ہو تو وہ نہ کھائے۔ اور اگر اس نے کھایا تو برا کیا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شک میں ڈالنے والی چیز کو چھوڑ کر اسے اختیار کر جو تجھے شک میں نہ ڈالے۔ اور اگر اس کا غالب گمان یہی ہو اس نے سحری کی ہے حالانکہ فجر طلوع ہوگئی تو اس پر قضاء واجب ہے۔ اس لئے کہ غالب رائے پر عمل کرنا واجب ہے۔ اور احتیاط کا تقاضہ بھی یہی ہے جبکہ ظاہر الروایت کے مطابق اس پر قضاء نہیں کیونکہ یقین صرف اپنی مثل (یقین) سے زائل ہوتا ہے۔

اور اگر اس پر ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی ہے تو اس پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنے فعل کو اصل کی بناء پر رکھا ہے۔ کیونکہ بطور ارادہ افطار ثابت نہ ہوا۔

اور اگر اس کو غروب آفتاب میں شک ہوا تو اس کیلئے افطار کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی اصل دن ہے اور اگر اس نے کھایا تو اصل پر عمل کرنے کی وجہ سے قضاء واجب ہے۔ اور اگر اسے غالب گمان یہ ہوا کہ اس نے غروب سے قبل کھایا ہے تو اس پر ایک روایت کے مطابق قضاء ہے کیونکہ اصل تو وہی دن ہے۔ اور اگر اسے غروب شمس میں شک کرنے والا ہے اور ظاہر ہوا کہ وہ غروب نہیں ہوا تو مناسب یہ ہے کہ اصل (دن) کی طرف نظر کرتے ہوئے کفارے کے وجوب کا حکم دیا جائے گا۔

جہاں نظام شمسی وقمری کا ظہور نہ ہو وہاں عبادات شرعیہ کا حکم:

علامہ رضاء الحق مصباحی لکھتے ہیں کہ جن مقامات پر بعض نمازوں کے اوقات نہ آئیں وہاں پر کل نمازیں ادا کرنا فرض ہے یا نہیں اس سلسلے میں فقہاء کرام کے دو نظریے سامنے آئے ہیں امام شرنبلالی، حلوانی، مرغینانی وغیرہ فرماتے ہیں کہ نماز کی فرضیت کے لئے وقت شرط ہے اس لئے جن مقامات میں بعض نمازوں کے اوقات نہ آئیں وہاں وہ نمازیں ذمہ سے ساقط ہوں گی۔ لیکن فقہاء کرام میں سے امام ابن الہمام، ابن الشحنہ، حصکفی، شامی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ فرضیت ساقط نہ ہوگی، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی علاقے و مقام کی تفریق کے بغیر پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ لہٰذا کسی خاص علاقے میں رہنے والے مسلمانوں سے بعض نمازیں ساقط نہیں ہوسکتیں۔

ان حضرات کی ایک مضبوط دلیل وہ حدیث شریف ہے جو صحیح مسلم میں نواس بن سمعان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے ظاہر ہونے کے وقت ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ صحابہ کرام نے پوچھا: یارسول اللہ فذالك اليوم الذى كسنة يكفينا فيه صلاة يوم قال قدرواله قدره (صحیح مسلم 2/402 باب ذکر الدجال)

یارسول اللہ ﷺ جس وقت ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا ہمارے لئے ایک دن کی نماز ادا کرنا کافی ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ وقت کا حساب لگا کر پانچ نمازیں پڑھنی ہوگی۔

وہ فقہاء کرام جو ایسے مقامات میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے قائل ہیں ان کا نظریہ راجح ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ایسے مقامات پہ نمازیں کس طرح ادا کی جائیں تو اس سلسلے میں علامہ شامی نے شوافع کا یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ اندازے سے نمازیں ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے قریب ترین جگہ جہاں (معمول کے مطابق دن ورات کا آنا جانا ہوتا ہو) کے اوقات کا اندازہ کرکے نمازیں ادا کرے لیکن جہاں پر تھوڑی دیر کے لئے سورج غروب ہو پھر طلوع ہوجائے تو اگر شفق غائب ہونے سے پہلے سورج طلوع ہوجائے تو وہاں قضا کی نیت سے عشا کی نماز پڑھی جائے۔ تاتارخانیہ میں ہے وفی الظہیر یۃ انہ ینوی القضاء لفقد وقت الاداء۔ قضا کی نیت کرکے پڑھ لے کیوں کہ ادا کا وقت مفقود ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ جس طرح زندگی کے باقی معمولات کو وہاں کے غیر معمولی حالات اور اوقات میں معین کیا جاتا ہے خواہ باقی دنیا کے اعتبار سے وہ غیر معمولی لگتا ہو کہ سورج نکلا ہوا ہے اور وہ شام کا کھانا کھا رہے ہیں۔ اسی طرح عبادات کے نظام کو بھی قریب ترین ملک کے اوقات کے لحاظ سے ترتیب دینا چاہیے۔ جہاں معمول کے مطابق طلوع اور غروب ہوتا ہو ہر چند کے یہ معمول کے مطابق عبادات نہیں ہیں لیکن وہاں کے حالات کے اعتبار سے ترتیب یہی ہوگی۔ اس لئے وہاں چوبیس گھنٹے میں پانچ نماز اور سال کے بعد روزے فرض عین تو نہیں لیکن فرض کے مشابہ ضرور ہیں۔ اور وہاں کے لوگوں کو عبادات ترک نہیں کرنی چاہیے اور جب وہ اپنے قریب ترین ملک کے لحاظ سے شب قدر مقرر کرکے عبادات کریں گے تو ان شاء اللہ ثواب بھی ضرور ملے گا۔

(تبیان القرآن، ج ۲، ص ۷۸۵، فرید بک سٹال لاہور)

غیر مقلدین کے نزدیک وقت کے غیر شرعی اصول کا بیان:

جہاں رات اور دن چوبیس گھنٹوں میں ہوتا ہو چاہے چھوٹا ہو یا لمبا تو وہ دن کے وقت روزہ رکھیں گے، اور ان کے لیے یہی کافی ہے الحمد للہ چاہے دن بالکل چھوٹا ہو، لیکن جن لوگوں کے ہاں رات اور دن اس سے طویل ہو مثلاً چھ ماہ تک تو وہ نماز اور روزہ کے لیے اندازہ لگا کر نماز اور روزے کی ادائیگی کرینگے.

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے دن جو کہ ایک برس کا ہوگا میں حکم دیا ہے، اور اسی طرح اس کے اس دن کے بارہ میں جو ایک ماہ کا ہوگا، یا پھر ایک ہفتہ کے برابر اس میں نماز کے الیے اندازہ لگا کر نماز ادا کی جائیگی.

سعودی عرب کی کبار علماء کمیٹی نے اس مسئلہ میں غور وخوض کر کے درج ذیل فیصلہ کیا ہے یہ قرار نمبر 16 بتاریخ 12/ 4 / 1398ھ ہے

اول: جو لوگ ایسے علاقوں میں بستے ہیں جہاں طلوع شمس اور غروب آفتاب کے ساتھ دن میں تمیز ہوتی ہو لیکن گرمیوں میں ان کے ہاں دن بہت زیادہ طویل ہوتا ہو اور سردیوں میں دن بہت زیادہ چھوٹا ہو تو ان پر واجب ہے کہ وہ پانچوں نمازیں شرعی طور پر معروف اوقات میں ادا کریں گے کیونکہ عمومی طور پر اللہ تعالی کا فرمان ہے:

(آفتاب کے ڈھلنے سے لیکر رات کی تاریکی تک نماز قائم کریں، اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی یقیناً فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے) الاسراء (. 78 اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے: (یقیناً مومنوں پر نماز کی ادائیگی وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے (النساء). (103)

نظام شمسی وقمری کے تغیر ظہور میں عبادات کے طریقے میں مصنف کا نظریہ:

اہل سنت کے مقتدر علماء اور غیر مقلدین کے نظریات پڑھنے کے بعد ہمارا نظریہ یہ ہے۔ کہ وہاں کے لوگوں کو عبادت ضرور کرنی چاہیے۔ البتہ ان کے وجوب کے اسباب جو اصل کے اعتبار سے معدوم ہیں۔ یعنی جس طرح نمازوں کے اوقات کیلئے وقت کا سبب ہونا اور رمضان کے روزوں کے وجود شہر کا سبب ہونا ہے۔ تو احکام شرعیہ میں بہت سے احکام ایسے ہیں جہاں بعض اوقات حکم اصل کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی فرع کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ جس طرح وضو سے تیمّم کی طرف، پوری نماز سے قصر کی طرف، عزیمت سے رخصت کی طرف وغیرہ مثالیں موجود ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی صحیح مسلم کی حدیث کی روشنی میں وہاں کے لوگوں کو قریب ملک کے حساب سے عبادت کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور ان کے حق میں قریبی ملک کے اوقات خلیفہ کی حیثیت رکھتے ہوں گے اور انہیں عبادات کی قبولیت میں وہی اعتقاد رکھنا ہوگا جو تیمّم کرنے والا رکھتا ہے۔

اسی طرح یہاں صراحت اسباب کے معدوم ہونے کی وجہ سے حکم صراحت کے خلیفہ یعنی تعین اوقات بہ اعتبار قریب ملک کی طرف منتقل ہوگئے۔ اور فقہی قاعدہ ہے کہ اصل اور خلیفہ کے مقاصد متحد ہوتے ہیں وہ یہاں ثابت ہیں۔

ہاں البتہ یہ اصول پیش نظر رہے کہ اس پر کسی دوسرے ملک جہاں سورج کے طلوع وغروب کا نظام عام ممالک کی طرح صحیح ہو قیاس نہیں کرسکتے کیونکہ یہ اس فقہی قاعدے کے مطابق درست نہیں ہے۔

فرع کیلئے یہ اہلیت نہیں کہ اس سے اصل ثابت ہو جبکہ اصل میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ اس سے فرع ثابت ہو جائے۔ (اصول شاشی)

اسکی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے کہا کہ تجھے طلاق ہو اور اس نے اس سے آزادی کا ارادہ کیا تو یہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ آزادی اصل ہے اور طلاق اسکی فرع ہے اور فرع میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اصل کو ثابت کرے، جبکہ اصل میں یہ صلاحیت ضرور ہوتی ہے کہ وہ فرع کو ثابت کرے۔ قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ، ص ۴۴۰، شبیر برادرز لاہور)

بھولنے کے بعد جانتے ہوئے کھانے والے کا حکم:

(وَمَنْ أَكَلَ فِي رَمَضَانَ نَاسِيًا وَظَنَّ أَنَّ ذَلِكَ يُفْطِرُهُ فَأَكَلَ بَعْدَ ذَلِكَ مُتَعَمِّدًا عَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ) لِأَنَّ الِاشْتِبَاهَ اسْتَنَدَ إلَى الْقِيَاسِ فَتَتَحَقَّقُ الشُّبْهَةُ ، وَإِنْ بَلَغَهُ الْحَدِيثُ وَعَلِمَهُ فَكَذَلِكَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهَا تَجِبُ ، وَكَذَا عَنْهُمَا لِأَنَّهُ لَا اشْتِبَاهَ فَلَا شُبْهَةَ . وَجْهُ الْأَوَّلِ قِيَامُ الشُّبْهَةِ الْحُكْمِيَّةِ بِالنَّظَرِ إلَى الْقِيَاسِ فَلَا يَنْتَفِي بِالْعِلْمِ كَوَطْءِ الْأَبِ جَارِيَةَ ابْنِهِ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے رمضان میں بھول کر کھایا اور گمان یہ کیا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا تو اس کے بعد اس نے ارادے سے کھایا تو اس پر قضاء واجب ہے کفارہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا شبہ قیاس سے سند پکڑنے والا ہے اور وہ شبہ ثابت ہے۔ اگرچہ اسے حدیث پہنچی اور اس نے اسے سمجھ بھی لیا تب بھی ظاہر الروایت کے مطابق اسی طرح ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ کفارہ واجب ہے اور صاحبین سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ کیونکہ جب کوئی اشتباہ نہ ہوا تو شبہ بھی نہ ہوا۔ پہلے کی دلیل یہ ہے کہ قیاس کی طرف نظر کرتے ہوئے جو شبہ قائم ہو رہا تھا جو کسی علم کے بغیر ختم نہیں ہوتا جس طرح باپ جب اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کرتا ہے۔

نسیان کے بعد قصداً خطاء پر احکام شرعیہ کا بیان:

ایک شخص نے بھول کر روزے میں کچھ کھا لیا پھر اس کے بعد قصداً کھایا، یا بھول کر جماع کرلیا اور اس کے بعد پھر قصداً جماع کیا یا دن میں روزہ کی نیت کی پھر قصداً کھا پی لیا یا جماع کیا، یا رات ہی سے روزہ کی نیت کی پھر صبح ہو کر سفر کیا اور پھر اس کے بعد اقامت کی نیت کرلی اور کچھ کھا پی لیا اگرچہ اس صورت میں اس کے لیے روزہ توڑنا جائز نہیں تھا، یا رات سے روزہ کی نیت کی، صبح کو

مقیم تھا، پھر سفر کیا اور مسافر ہو گیا اور حالت سفر میں قصداً کھایا یا جماع کیا، اگرچہ اس صورت میں اس کے لیے روزہ توڑنا جائز نہیں تھا تو ان تمام صورتوں میں صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا مسئلہ مذکورہ میں حالت سفر میں کھانے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص سفر شروع کر دینے کے بعد پھر اپنی کوئی بھولی ہوئی چیز لینے کے لیے واپس اپنے گھر میں آئے اور اپنے مکان میں یا اپنے شہر وا اپنی آبادی سے جدا ہونے سے پہلے قصداً کھالے تو اس صورت میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہونگے۔

اگر کوئی شخص تمام دن کھانے پینے اور دوسری ممنوعات روزہ سے رکا رہا مگر نہ تو اس نے روزہ کی نیت کی اور نہ افطار کیا، یا کسی شخص نے سحری کھائی یا جماع کیا اس حالت میں کہ طلوع فجر کے بارے میں اسے شک تھا حالانکہ اس وقت فجر طلوع ہو چکی تھی، یا کسی شخص نے غروب آفتاب کے ظن غالب کے ساتھ افطار کیا حالانکہ اس وقت تک سورج غروب نہیں ہوا تھا تو ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا، اور اگر غروب آفتاب میں شک ہونے کی صورت میں افطار کیا اور حالانکہ اس وقت تک سورج غروب نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں کفارہ لازم ہونے کے بارے میں دو قول ہیں جس میں سے فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ کا مختار قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے شک کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا اس طرح اگر کسی شخص کا ظن غالب یہ ہو کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ روزہ افطار کرے اور حقیقت میں بھی سورج غروب نہ ہوا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

خطا، بھول چوک اور اکراہ کی حالت میں فساد صوم کا بیان:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ(سنن ابن ماجه رقم 2045صحيح بالشواهد) .

صحابی رسول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالی نے میری امت سے (انجانے میں ہونے والی) غلطی، بھول چوک اور زورزبردستی کے نتیجہ میں ہونے والے خلاف شرع کاموں کو معاف کردیا ہے۔

اس حدیث میں تین چیزوں کے نتیجہ میں ہونے والے خلاف شرع کاموں کو معاف قرار دیا گیا ہے۔ پہلی چیز خطا یعنی غیرارادی طور پر انجانے میں کوئی خلاف شرع کام ہو جائے۔ دوسری چیز نسیان یعنی بھول چوک سے خلاف شرع کوئی کام ہو جائے۔ تیسری چیز مَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ یعنی جبرا خلاف شرع کوئی کام کروالیا جائے۔

ان تینوں صورتوں میں انجام پانے والے خلاف شریعت کاموں کو اللہ نے معاف قرار دیا ہے، رمضان میں اگر تینوں میں سے کسی ایک کے نتیجہ میں افطار ہو جائے اور عذر ختم ہوتے ہی فوراً کھانے پینے سے رک جائیں تو یہ چیز نہ صرف معاف ہے بلکہ ایسی صورت میں روزہ بھی معتبر ہوگا، اور اس کی قضاء نہیں کی جائے گی۔

نسیان بھولنے کے بارے میں تو باقائدہ نص صریح وارد ہوئی ہے لیکن خطاء اور اکراہ کے بارے میں گرچہ نص صریح منقول نہیں لیکن عام دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں کا بھی یہی حکم ہے۔ نیز مذکورہ حدیث میں تینوں کے احکام کو یکساں بتلایا گیا ہے لہٰذا

جب ان تینوں میں سے کسی ایک کے بارے میں نص مل گئی تو بقیہ کا معاملہ بھی یہی ہوگا۔

اس وضاحت کے بعد مذکورہ حدیث سے مستنبط روزے کے مسائل ملاحظہ ہوں: حدیث میں پہلی چیز ہے خطا یعنی انجانے میں ہونے والی غلطی معاف ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی روزہ دار انجانے میں کھا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، مثلاً کوئی مغرب سے پہلے افطار کے لئے اذان کا انتظار کر رہا تھا اسی دوران کوئی بچہ شرارت کرتے ہوئے اذان کہنا شروع کر دے اور یہ شخص اس اذان کو مسجد کی اذان سمجھ کر روزہ کھول دے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ حقیت معلوم ہونے پر فورا رک جائے۔

اسی طرح کوئی بدلی کے دن غلط فہمی کا شکار ہو کر قبل از وقت افطار کر لے اور افطار کے بعد پتہ چلے کہ ابھی تو سورج غروب ہی نہیں ہوا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں تقریبا اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اَلْخَطْبُ یَسِیرٌ وَقَدِ اجْتَهَدْنَا معاملہ بہت آسان ہے، ہم نے اجتہاد کیا ہے (موطأ مالک 303 /1: واسنادہ صحیح)۔

کہ اس کا صحیح مطلب یہی ہے کہ قضاء کی ضرورت نہیں جن لوگوں نے اس سے قضاء مراد لی ہے انہوں نے تاویل کی ہے جو درست نہیں (مجموع الفتاوی 573 /20)۔

کی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس عمل کو اجتہادی عمل قرار دیا ہے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ قضاء کی ضرورت نہیں۔

ایک روایت میں صراحت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: وَاللّٰهِ لَا نَقْضِيهِ یعنی اللہ کی قسم ہم قضاء نہیں کریں گے۔ (السنن الكبرى للبيهقي 368 /4 رجاله ثقات)۔

اور متاخرین کے اصول کے مطابق یہ روایت صحیح لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کی سند میں اعمش کا عنعنہ ہے جس کے سبب یہ روایت صحیح نہیں، لیکن اول الذکر روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے واللہ اعلم۔

اسی طرح کوئی شخص انجانے میں یا غلط فہمی کا شکار ہو کر فجر بعد کچھ کھا پی لے تو یہ بھی خطا کے ضمن میں آئے گا اور یہاں بھی قضاء کی ضروت نہیں۔

بعض صحابہ شروع میں سحری کے وقت کے اختتام کے لئے کالے اور سفید دھاگے کو دیکھا کرتے تھے اور ایسا کرنے سے ظاہر ہے کہ سحری کے وقت نکل جانے کے بعد بھی سحری کا وقت باقی معلوم ہوگا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پتہ چلا تو اس سے منع فرمایا لیکن روزوں کے قضاء کا حکم نہیں دیا (مجموع الفتاوی 572 /20)۔

حدث میں دوسری چیز نسیان یعنی بھول چوک کا ذکر ہے، اور روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے کے سلسلے میں بخاری کی ایک صحیح روایت میں صراحت ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا نَسِيَ فَأَكَلَ وَشَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللَّهُ وَسَقَاهُ، (صحيح البخاري رقم 1933) .

یعنی اگر روزہ دار بھول کر کھا، پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اللہ نے اسے کھلایا پلایا ہے یعنی اس نے عمداً اپنے ارادے سے ایسا نہیں کیا ہے لہٰذا یاد آتے ہی رک جائے اور باقی روزہ مکمل کرے۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں جو یہ کہا گیا ہے کہ بھول چوک سے کھانے والے کو اللہ تعالی کھلاتا ہے تو اس سے کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر روزہ دار کو بھول چوک کر کھاتے ہوئے دیکھا جائے تو اسے ٹوکنا نہیں چاہئے کیونکہ اسے کھلانے والا اللہ ہے۔

یہ سوچ غلط ہے کیونکہ یہاں اللہ تعالی کے کھلانے پلانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس بھول چوک سے ہونے والی اس غلطی کو معاف کر دیا ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ روزہ دار کی یہ غلطی، غلطی نہیں رہ گئی، بلکہ بلاشبہ یہ غلطی ہے اور اور غلط کام کو دیکھتے ہیں ٹوکنے کا حکم ہے جیسا کہ مسلم کی حدیث ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ . . . . . (صحیح مسلم 69 /1) .

یعنی تم میں سے جو بھی کسی غلط کام کو دیکھے تو اس کو روکنے کی کوشش کرے۔ الغرض یہ کہ اگر کوئی روزہ دار بھول کر کچھ کھا، پی لے تو یہ معاف ہے اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن یاد آتے ہیں ایسے شخص کو کھانے یا پینے سے رک جانا چاہئے اور اگر کوئی کسی روزہ دار کو کھاتے ہوئے دیکھے تو اسے فورا روک دینا چاہئے۔

حدیث میں تیسری چیز ھے مَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ یعنی زور زبردستی کسی سے کوئی خلاف شریعت کام کرایا جائے تو وہ بھی معاف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی روزہ دار کو اگر کرئی زبردستی روزہ کھلوادے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا مثلا بعض شیطان قسم کے ساتھی کسی روزہ دار کو زبردستی اس کا منہ کھول کر پانی پلادیں یا کچھ کھلادیں تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

سونے والے کے عمل کو بھولنے پر قیاس نہ کیا جائے گا:

کسی شخص نے روزہ دار کے منہ میں سونے کی حالت میں پانی ڈال دیا یا خود روزہ دار نے سونے کی حالت میں پانی پی لیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر قضا واجب ہوگی اس مسئلہ کو بھول کر کھا پی لینے کی صورت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ اگر سونے یا وہ شخص کہ جس کی عقل جاتی رہی ہو کوئی جانور ذبح کرے تو اس کا مذبوحہ کھانا حلال نہیں ہے اس کے برخلاف اگر کوئی ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اس کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا جائز ہے اسی طرح یہاں بھی مسئلہ یہ ہے کہ بھول کی حالت میں کھانے پینے والے کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، ہاں کوئی شخص سونے کی حالت میں کھا پی لے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

پچھنے لگوا کر جب روزہ ٹوٹنے کا گمان ہوا تو وجوب قضاء:

(وَلَوْ احْتَجَمَ وَظَنَّ أَنَّ ذَلِكَ يُفْطِرُهُ ثُمَّ أَكَلَ مُتَعَمِّدًا عَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ) لِأَنَّ الظَّنَّ مَا اسْتَنَدَ إلَى دَلِيلٍ شَرْعِيٍّ إلَّا إذَا أَفْتَاهُ فَقِيهٌ بِالْفَسَادِ لِأَنَّ الْفَتْوَى دَلِيلٌ شَرْعِيٌّ فِي حَقِّهِ ،

وَلَوْ بَلَغَهُ الْحَدِيثُ وَاعْتَمَدَهُ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى ، لِأَنَّ قَوْلَ الرَّسُولِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يَنْزِلُ عَنْ قَوْلِ الْمُفْتِي ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى خِلَافُ ذَلِكَ ، لِأَنَّ عَلَى الْعَامِّيِّ الِاقْتِدَاءَ بِالْفُقَهَاءِ لِعَدَمِ الِاهْتِدَاءِ فِي حَقِّهِ إلَى مَعْرِفَةِ الْأَحَادِيثِ ، وَإِنْ عَرَفَ تَأْوِيلَهُ تَجِبُ الْكَفَّارَةُ لِانْتِفَاءِ الشُّبْهَةِ ، وَقَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُورِثُ الشُّبْهَةَ لِمُخَالَفَتِهِ الْقِيَاسَ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے پچھنا لگوایا اور یہ گمان کیا کہ وہ روزے کو توڑنے والا ہے پھر اس نے ارادتاً کھایا تو اس پر قضاء اور کفارہ لازم ہے۔ کیونکہ اس شخص کا یہ گمان کسی دلیل شرعی سے سند پکڑنے والا نہیں ہے۔ ہاں جب اسے کسی فقیہ نے فساد روزے کا فتویٰ دیا ہو کیونکہ اس کے حق میں فتویٰ دلیل شرعی ہوگا۔ اور اگر اسے حدیث معلوم ہوئی تو اس نے اس پر اعتماد کرلیا تو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک تب اسی طرح ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان کسی مفتی کے فرمان سے کیسے کم ہوسکتا ہے؟

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کے خلاف روایت ہے کیونکہ عام طور پر لوگ فقہاء کی اتباع کرتے ہیں۔ کیونکہ اس لئے حدیث کی پہچان کا راستہ معدوم ہے۔ اور اگر اس نے حدیث کی تاویل کو سمجھ لیا تو کفارہ واجب ہوگا کیونکہ شبہ ختم ہوگیا ہے۔ اور حضرت امام اوزاعی علیہ الرحمہ کا قول شبہ پیدا نہیں کرسکتا کیونکہ وہ قیاس کے خلاف ہے۔

شرح

پچھنا (Cupping) جسم سے فاسد خون نکالنے کے عمل کو کہا جاتا ہے صحیح بخاری شریف میں احادیث شریفہ وارد ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے روزہ کی حالت میں اور احرام کی حالت میں پچھنا لگوایا۔ احادیث شریفہ کی روشنی میں فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ احرام کی حالت میں پچھنا لگوانا از روئے شریعت مباح ہے اور بحالت روزہ پچھنا لگوانا اس وقت بلا کراہت جائز ہے جبکہ اس کی وجہ سے کمزوری نہ ہوتی ہو اگر کمزوری پیدا ہوتی ہو تو کراہت سے خالی نہیں تاہم ہر حال میں غروب آفتاب تک مؤخر کرنا مناسب ہے۔ (ردالمحتار کتاب الصوم)

غیبت کے بعد جان بوجھ کر کھایا تو قضاء وکفارہ دونوں واجب ہیں:

(وَلَوْ أَكَلَ بَعْدَمَا اغْتَابَ مُتَعَمِّدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ كَيْفَمَا كَانَ) لِأَنَّ الْفِطْرَ يُخَالِفُ الْقِيَاسَ ، وَالْحَدِيثُ مُؤَوَّلٌ بِالْإِجْمَاعِ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے غیبت کرنے کے بعد ارادے کے ساتھ کچھ کھایا پیا تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔ خواہ کیسے بھی ہو۔ کیونکہ غیبت سے روزے کا ٹوٹنا خلاف قیاس ہے اور حدیث بہ اجماع تاویل شدہ ہے۔

غیبت و پچھنے سے فساد صوم والی روایت کی تاویل کا بیان:

حدیث الغیبہ تفطر الصیام کے برخلاف اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پچھنے لگانے یا لگوانے کے بعد اس حدیث کے پیش نظر اس گمان کے ساتھ کہ روزہ جاتا رہا ہے۔ قصداً کچھ کھا پی لے تو اس پر کفارہ صرف اسی صورت میں لازم آئے گا جب کہ وہ اس حدیث کی مذکورہ بالا تاویل سے جو جمہور علماء سے منقول ہے واقف ہو یا یہ کہ کسی فقیہ اور مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ پچھنے لگوانے یا لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ اس کا یہ فتویٰ حقیقت کے خلاف ہوگا اور اس کی ذمہ داری اسی پر ہوگی اور اگر اسے حدیث مذکور کی تاویل معلوم نہ ہوگی تو کفارہ لازم نہیں ہوگا الغیبۃ تفطر الصیام و افطر الحاجم والمحجوم دونوں حدیثوں کے احکام میں مذکورہ بالا فرق اس لیے ہے کہ غیبت سے روزہ کا ٹوٹنا نہ صرف یہ کہ خلاف قیاس ہے بلکہ اس حدیث کی مذکورہ بالا تفریق تمام علماء امت کا اتفاق ہے جب کہ پچھنے سے روزہ کا ٹوٹ جانا نہ صرف یہ کہ خلاف قیاس نہیں ہے۔

بلکہ اس حدیث کی مذکورہ بالا تفریق پر تمام علماء امت کا اتفاق ہے کیونکہ بعض علماء مثلاً امام اوزاعی وغیرہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پچھنے لگانے یا لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ایسے ہی کسی شخص نے شہوت کے ساتھ کسی عورت کو ہاتھ لگایا، یا کسی عورت کا بوسہ لیا، یا کسی عورت کے ساتھ ہم خواب ہوا، یا کسی عورت کے ساتھ بغیر انزال کے مباشرت فاحشہ کی یا سرمہ لگایا، یا فصد کھلوائی یا کسی جانور سے بدفعلی کی مگر انزال نہیں ہوا یا اپنی دبر میں انگلی داخل کی اور یہ گمان کرکے کہ روزہ جاتا رہے گا۔ اس نے قصداً کچھ کھا پی لیا تو اس صورت میں بھی کفارہ اسی وقت لازم ہوگا جب کہ کسی فقیہ یا مفتی نے مذکورہ بالا چیزوں کے بارے میں یہ فتویٰ دیا ہو کہ ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ اس کا یہ فتویٰ غلط اور حقیقت کے خلاف ہوگا اگر مفتی فتویٰ نہیں دے گا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ مذکورہ بالا چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

نائمہ ومجنونہ سے جماع کرنے والے حکم قضاء ہے:

(وَإِذَا جُومِعَتْ النَّائِمَةُ أَوْ الْمَجْنُونَةُ وَهِيَ صَائِمَةٌ عَلَيْهَا الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ) وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى : لَا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا اعْتِبَارًا بِالنَّاسِي ، وَالْعُذْرُ هُنَا أَبْلَغُ لِعَدَمِ الْقَصْدِ . وَلَنَا أَنَّ النِّسْيَانَ يَغْلِبُ وُجُودُهُ وَهَذَا نَادِرٌ ، وَلَا تَجِبُ الْكَفَّارَةُ لِانْعِدَامِ الْجِنَايَةِ .

ترجمہ:

اور اگر کسی نے سوئی ہوئی عورت یا پاگل عورت سے جماع کیا اور وہ عورت روزے دار تھی تو عورت پر روزے کی قضاء واجب

ہے۔اور امام شافعی وامام زفر علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ بھولنے والے پر قیاس کرتے ہوئے ان دونوں صورتوں میں اس پر قضاء واجب نہیں ہے۔ کیونکہ عدم قصد کی وجہ سے یہاں زیادہ عذر پایا جارہا ہے۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نسیان غالب طور پر پایا جارہا ہے اور یہ نادر ہے اور اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ جنایت معدوم ہے۔

مجنونہ سے جماع کی صورت حکم قضاء وکفارہ پر مذاہب فقہاء:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔کہ حضرت ابوسلیمان جوزجانی علیہ الرحمہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے کہا ہے جب یہ مسئلہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے سامنے پڑھا گیا۔تو میں نے کہا کہ مجنونہ کس طرح صائمہ ہوسکتی ہے۔تو آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو یہ آفاق میں ایسے ہی پھیل جائے گا۔اور مشائخ نے یہ بھی کہا ہے یہاں اصل میں ''مجبورۃ'' تھا جبکہ کاتب کی غلطی سے مجنونہ لکھا گیا ہے۔اسی وجہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کو چھوڑ دو۔

اکثر مشائخ نے اس کی تأویل یہ کی ہے جب عاقلہ نے صوم کی نیت کی پھر بعض دن کے حصے میں مجنونہ ہوگئی۔تو اس سے کسی نے جماع کرلیا۔پھر اس کو افاقہ ہوگیا اور اس کے بعد وہ جاگی اور اس نے جان لیا کہ اس کے ساتھ عمل زوجیت ہوا ہے تو اس پر قضاء ہے۔اور کفارہ بھی ہے۔اسی طرح جامع میں ہے۔

حضرت عیسیٰ بن ابان نے کہا ہے جو فوائد ظہیریہ میں ہے۔کہ میں نے حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے کہا کہ مجنونہ ہے تو انہوں نے فرمایا: نہیں بلکہ مجبورہ ہے یعنی جس مجبور کیا گیا ہو وہ ہے۔

حضرت امام مالک وحضرت امام احمد علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے مجبورہ سے جماع کیا تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا اور اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔اور اگر اسکو کھانے پر مجبور کیا گیا تو اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام زفر علیہما الرحمہ نے کہا کہ نائمہ اور مجنونہ پر قضاء نہیں ہے۔ کیونکہ بھولنے والے پر قیاس کیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے نسیان غالب ہے اور قضاء حرج کی لے جانے والی ہے۔اور کفارہ اس لئے نہیں ہوگا کیونکہ جنایت کاملہ معدوم ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ج۴،ص۲۷۳،حقانیہ ملتان)

غیر مقلدین کا فقہی جزئیات پر توہمات کا اظہار:

فقہاء نے اپنی کتابوں میں ذکر کر کے ان کا حکم کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کیا ہے،ان کا مذاق وہی شخص اڑائے گا جو ایمان کی دولت سے محروم ہے غیر مقلدین کا مسائل فقہیہ وشرعیہ کے ساتھ تمسخر اور مذاق اڑانے کا موجودہ انداز بتلا رہا ہے کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم ہوچکے ہیں۔

فقہ میں ان تمام مسائل سے گفتگو کی جاتی ہے جو انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں،اور ان کا شرعی حکم بتلایا جاتا ہے،ان میں

ایسے مسائل بھی ہوتے ہیں جن کا عام حالات میں زبان پر لانا اچھا نہیں سمجھا جاتا مگر شرعی ضرورت کے تحت ان مسائل کا بھی ذکر فقہ کی کتابوں میں ہوتا ہے،اور فقہ اسلامی کی یہ عین خوبی ہے کہ وہ زندگی میں پیش آنے والے تمام مسائل کو محیط ہوتا ہے اب جن کا نفس خبیث ہوتا ہے اور جن کی سرشت زبوں ہوتی ہے وہ اپنی خباثت نفس کا اظہار کرنے کے لئے فقہ کی کتابوں سے ان مسائل کو چن چن کر جمع کر کے شائع کرتے ہیں جن کا ذکر کرنا عام حالات میں مناسب نہیں ہوتا ہے اور جاہل لوگ اس طرح مسلمانوں میں فقہ کی دشمنی میں خود اسلام دشمنی اور شریعت دشمنی کا اظہار کرتے ہیں، یہ کہنا تو درست ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے مگر یہ کہنا کہ کیا وہ بندر کا بھی خالق ہے سور کا بھی خالق ہے، مکھی مچھر کا بھی خالق ہے اور اس کو مذاق بنالینا قطعاً حرام ہے،ضرورتاً تو اس کا اظہار کیا جاسکتا ہے مگر مذاق کے طور پر اس طرح کی باتیں کرنا قطعاً جائز نہ ہوگا۔

غیر مقلدین کے بعض پمفلٹ میں جن مسائل کو بہت مکروہ سمجھ کر ہدایہ سے نقل کیا گیا ہے وہ اور اس طرح کے مسائل زمانہ نبوت وزمانہ خیر القرون میں واقع اور پیش آچکے ہیں اور ان کا ذکر خود حدیث کی کتابوں میں ہے،صحابہ کرام میں سے بعض حضرات سے زنا کا صدور ہوا، آنحضور اکرم ﷺ نے خود ان کا فیصلہ فرمایا،بعض عورتوں سے بھی زنا کا صدور ہوا،ان کا بھی فیصلہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں بعض، ہجڑے تھے ان کا ذکر اور ان کا حکم بھی احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں ایسا بھی واقعہ پیش آیا کہ چوپایہ کے ساتھ کسی آدمی نے اپنی خواہش پوری کی آپ نے ایسے شخص کو حکم بیان فرمایا آنحضور کو اس کی اطلاع ملی کہ کچھ لوگ اپنی بیویوں سے پاخانہ کے راستہ میں خواہش پوری کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو یہ کام کرے غرض اس کا بھی آپ نے حکم بیان فرمایا ہے خود حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ آپ نے حالت حیض میں بیویوں سے مقام خاص کے علاوہ جگہوں پر مباشرت کرنیکی اجازت دی ہے، حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ لوگ وہ فعل کرتے ہیں جو عورتوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے باقاعدہ صحابہ کرام کی جماعت کو بلایا اور مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو جلا کر مار ڈالا جائے۔

غرض اس طرح کے مسائل انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں، یہ نئے مسائل نہیں ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں ان کا ذکر بطور تفریح کردیا گیا ہے، جب سے انسان پیدا ہوا ان جیسے مسائل سے اس کو سابقہ پیش آتا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں ان تمام مسائل کے کتاب وسنت ہی کی روشنی میں شرعی حکم بیان کیا گیا ہے، اب اگر کوئی ان کا استہزا کرتا ہے تو وہ فی الاصل شریعت اسلامیہ پر حملہ آور ہوتا ہے اور فقہ اسلامی کی جامعیت پر طعنہ زن ہے۔ یہ علم کی بات نہیں ہے بے علمی اور جہالت کی بات ہے۔

دوسرے یہ کہ اس میں شریعت اسلامیہ کا بھرپور مذاق اڑایا گیا ہے، تیسرے یہ کہ پمفلٹ والے نے خیانت سے کام لے کر کئی مسئلوں میں پورا مسئلہ نہیں ذکر کیا ہے چوتھے یہ ہے کہ اس نے مسائل پر اعتراض کئے ہیں دلائل کی روشنی پر نہیں، پانچویں یہ کہ سارے مسائل کچھ مزید زیادتی کے ساتھ خود غیر مقلدین علماء کی کتابوں میں موجود ہیں تو پھر فقہ حنفیہ پر اعتراض کیا معنی رکھتا ہے، یہ

مسائل اگران کی کتابوں میں ہوں تو فقہ اہلحدیث کے مسائل کہلائیں اور قابل تعریف پائیں اور اگران کا ذکر حنفی کتابوں میں ہو تو وہ قابل اعتراض واستہزا ہوں کیا یہ عقلمندوں کی بات ہے؟

مگر میں جواب اس کا اس لئے دے رہا ہوں کہ جواب نہ دینے کی شکل میں مخلصین میں سے کئی کے اعتماد کوٹھیس پہنچے گی جس کی بازگشت سعودیہ میں بھی سنائی دے گی یہ پمفلٹ سعودیہ سے آیا ہے اس وجہ سے ہمیں اپنے ریاض اور سعودیہ میں رہنے والے ہندوستانی و پاکستانی مخلصین کے جذبات کی بھی رعایت کرنی ہے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے حالت روزہ میں مشت زنی کی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اس مسئلہ کو کتابچہ والے نے صاحب ہدایہ کی یہ عبارت نقل کر کے کالمستمنی بالکف علی ما قالوا اس طرح ذکر کیا ہے۔یعنی مشت زنی کرنے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا حنفی فقہاء نے یہی کہا ہے گو روزہ کی حالت میں یہ کام کیا ہو۔

اس مسئلہ میں معترض نے جہالت وخیانت کے کئی گل کھلائے ہیں، پہلے تو اس نے علی ما قالوا کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔حالانکہ صاحب ہدایہ کی یہ عبارت بتلا رہی ہے کہ صاحب ہدایہ کے نزدیک مسئلہ اس طرح نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک حالت روزہ میں یہ کام روزہ کو باطل کرنے والا ہے۔صاحب ہدایہ نے بعض دوسرے فقہاء کی یہ بات نقل کی ہے،خود اپنا اور حنفی مذہب کا مختار اور مفتی بہ مسئلہ نہیں بیان کیا ہے، ہدایہ کے حاشیہ میں خود اس پر حاشیہ لگا کر کے مسئلہ صاف کر دیا ہے، حاشیہ میں علی ما قالوا پر حاشیہ لگا کر لکھا ہے۔

عادته فی مثله افادة الضعف مع الخلاف و عامة المشائخ علی ان الا ستمتاع مفطر و قال المصنف فی التجنیس انه المختار .

یعنی صاحب ہدایہ جہاں اس طرح کی عبارت لکھتے ہیں تو ان کا مقصد یہ بتلانا ہوتا ہے کہ یہ ضعیف قول ہے اور عام مشائخ احناف کا مسلک یہ ہے کہ منی نکالنا روزہ کو باطل کر دیتا ہے، تجنیس میں اسی قول کو مختار بتلایا ہے۔

آپ بتلائیں کہ اس مسئلہ میں فقہ حنفی اور علماء احناف کی اس وضاحت کے بعد بھی اس میں کسی اعتراض کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔اندازہ لگائیے کہ غیر مقلدین کس طرح فتنہ جگا رہے ہیں اور فقہ حنفی اور فقہاء احناف کی دشمنی میں وہ انسانیت سے کتنے دور ہو چکے ہیں، علم ودیانت سے تہی دامنی ان کا مقدر بن چکی ہے۔

اور پھر غیر مقلدین کو کس طرح جرات ہوئی کہ وہ صاحب ہدایہ پر اس مسئلہ کو لے کر اعتراض کریں، اور فقہ حنفی اور فقہائے احناف کا مذاق اڑائیں، کیا ان کو اپنے گھر کی خبر نہیں کہ فقہ اہلحدیث کا کیا مذہب ہے۔

عرف الجادی میں نواب صاحب فرماتے ہیں۔

وبالجملہ استنزال منی بکف یا بچیزے از جمادات نزد دعائے حاجت مباح ست ....بلکه گاهے واجب گردو.... ....در مثل ایں کار حرجے نیست بلکه همچواستخراج دیگر فضلات موذیه بدن

است

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ ہاتھ سے یا کسی اور جماداتی چیز سے منی نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ کبھی یہ عمل واجب ہو جاتا ہے .... اس طرح کا کام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے : منی نکالنا اسی طرح کا عمل ہے جیسے بدن کے دوسرے تکلیف دہ فضلات کا خارج کرنا۔

منی نکالنے کے بارے میں جس کے گھر کا یہ مسئلہ ہو وہ بیچارہ فقہ حنفی پر اعتراض کرے۔کتابچہ کا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہدایہ میں ہے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرنے سے روزہ کا کفارہ واجب نہیں۔

چودہ سو سال سے زائد تاریخ اسلام کے گزرنے کے باوجود روزنامہ ایکسپریس میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ ایک قبرستان کے گورکن نے ساٹھ مُردوں سے جماع کیا ہے۔(روزنامہ ایکسپریس نومبر، ۲۰۱۱ء، لاہور)

یوم نحر میں نذر ماننے والے کیلئے افطار وقضاء کا حکم:

(وَإِذَا قَالَ :لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ أَفْطَرَ وَقَضَى) : فَهَذَا النَّذْرُ صَحِيحٌ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .هُمَا يَقُولَانِ :إنَّهُ نَذْرٌ بِمَا هُوَ مَعْصِيَةٌ لِوُرُودِ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ هَذِهِ الْأَيَّامِ .

وَلَنَا أَنَّهُ نَذَرَ بِصَوْمٍ مَشْرُوعٍ وَالنَّهْيُ لِغَيْرِهِ ، وَهُوَ تَرْكُ إجَابَةِ دَعْوَةِ اللَّهِ تَعَالَى ، فَيَصِحُّ نَذْرُهُ لَكِنَّهُ يُفْطِرُ احْتِرَازًا عَنْ الْمَعْصِيَةِ الْمُجَاوِرَةِ ثُمَّ يَقْضِي إسْقَاطًا لِلْوَاجِبِ ، وَإِنْ صَامَ فِيهِ يَخْرُجُ عَنْ الْعُهْدَةِ لِأَنَّهُ أَدَّاهُ كَمَا الْتَزَمَهُ .

ترجمہ:

اور جس نے کہا کہ اللہ کیلئے مجھ پر قربانی کے دن کا روزہ ہے۔تو وہ افطار کرے اور اس کی قضاء کرے گا۔پس اس کی نذر ہمارے نزدیک صحیح ہے۔

حضرت امام زفر وامام شافعی علیہما الرحمہ نے اختلاف کیا ہے وہ دونوں کہتے ہیں کہ یہ نذر معصیت کے ساتھ ہے کیونکہ ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ نذر مشروع روزے کی ہے اور اس میں نہی غیر کی وجہ سے ہے اور وہ اللہ کی دعوت کو چھوڑنا ہے لہذا اس کی نذر صحیح ہوگی لیکن وہ روزہ افطار کرے گا تا کہ وہ روزے کے ساتھ ملی ہوئی معصیت سے بچ سکے اور اسقاط وجوب کیلئے بعد میں ان کی قضاء کرے گا۔اور اگر اس نے اسی دن روزہ تو بھی بری الذمہ ہو جائے کیونکہ اس نے اسی طرح ادا کیا ہے جس طرح اس پر لازم ہوا۔

شرح

حضرت زیاد بن جبیر نے بیان کیا کہ ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ایک شخص نے ایک دن کے روزے کے نذر مانی۔ پھر کہا کہ میرا خیال ہے کہ وہ پیر کا دن ہے اور اتفاق سے وہی عید کا دن پڑ گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھنے سے (اللہ کے حکم سے) منع فرمایا ہے۔ (گویا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کوئی قطعی فیصلہ نہیں دیا)۔ (صحیح بخاری، کتاب الصوم)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں :لم یفسر العید فی هذه الروایة و مقتضی ادخاله هذا الحدیث فی ترجمة صوم یوم النحر ان یکون المسؤل عنه یوم النحر و هو مصرح به فی روایة یزید بن زریع المذکورة و لفظه فوافق یوم النحر

اس روایت میں عید کی وضاحت نہیں ہے کہ وہ کون سی عید تھی اور یہاں باب کا اقتضاء عید الاضحیٰ ہے سو اس کی تصریح یزید بن زریع کی روایت میں موجود ہے جس میں یہ ہے کہ اتفاق سے اس دن قربانی کا دن پڑ گیا تھا۔ یزید بن زریع کی روایت میں یہ لفظ وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اور ایسا ہی احمد کی روایت میں ہے جسے انہوں نے اسماعیل بن علیہ سے، انہوں نے یونس سے نقل کیا ہے، پس ثابت ہو گیا کہ روایت میں یوم عید سے عید الاضحیٰ یوم النحر مراد ہے۔

نذر کا روزہ رکھنے میں شرعی جواز کا بیان:

حضرت علامہ نعیم الدین مرآد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

یعنی ایسی حالت میں جب کہ خود انہیں کھانے کی حاجت وخواہش ہو اور بعض مفسّرین نے اس کے یہ معنٰی لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت میں کھلاتے ہیں۔ شانِ نزول : یہ آیت حضرت علیِ مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی کنیز فضّہ کے حق میں نازل ہوئی، حسنینِ کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنھما بیمار ہوئے، ان حضرات نے ان کی صحت پر تین روزوں کی نذر مانی، اللہ تعالیٰ نے صحت دی، نذر کی وفا کا وقت آیا، سب صاحبوں نے روزے رکھے، حضرت علیِ مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک یہودی سے تین صاع (صاع ایک پیمانہ ہے) جَو لائے، حضرت خاتونِ جنّت نے ایک ایک صاع تینوں دن پکایا لیکن جب افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سامنے رکھیں تو ایک روز مسکین، ایک روز یتیم، ایک روز اسیر آیا اور تینوں روز یہ سب روٹیاں ان لوگوں کو دے دی گئیں اور صرف پانی سے افطار کر کے اگلا روزہ رکھ لیا گیا۔ (خزائن العرفان، سورۃ دہر، ۸)

کفارہ کے وجوب والے مسئلہ کی چھ صورتوں کا بیان:

(وَإِنْ نَوَى يَمِينًا فَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ) يَعْنِي .إذَا أَفْطَرَ ، وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى وُجُوهٍ سِتَّةٍ :إنْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا أَوْ نَوَى النَّذْرَ لَا غَيْرَ ، أَوْ نَوَى النَّذْرَ وَنَوَى أَنْ لَا يَكُونَ يَمِينًا يَكُونُ

نَذْرًا لِأَنَّهُ نَذَرَ بِصِيغَتِهِ .

كَيْفَ وَقَدْ قَرَّرَهُ بِعَزِيمَتِهِ ؟ وَإِنْ نَوَى الْيَمِينَ وَنَوَى أَنْ لَا يَكُونَ نَذْرًا يَكُونُ يَمِينًا ، لِأَنَّ الْيَمِينَ مُحْتَمِلُ كَلَامِهِ وَقَدْ عَيَّنَهُ وَنَفَى غَيْرَهُ ، وَإِنْ نَوَاهُمَا يَكُونُ نَذْرًا وَيَمِينًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَكُونُ نَذْرًا ، وَلَوْ نَوَى الْيَمِينَ فَكَذَلِكَ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَهُ يَكُونُ يَمِينًا .

لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ النَّذْرَ فِيهِ حَقِيقَةٌ وَالْيَمِينَ مَجَازٌ حَتَّى لَا يَتَوَقَّفَ الْأَوَّلُ عَلَى النِّيَّةِ ، وَيَتَوَقَّفَ الثَّانِي فَلَا يَنْتَظِمُهُمَا ، ثُمَّ الْمَجَازُ يَتَعَيَّنُ بِنِيَّتِهِ ، وَعِنْدَ نِيَّتِهِمَا تَتَرَجَّحُ الْحَقِيقَةُ .

وَلَهُمَا أَنَّهُ لَا تَنَافِيَ بَيْنَ الْجِهَتَيْنِ لِأَنَّهُمَا يَقْتَضِيَانِ الْوُجُوبَ إلَّا أَنَّ النَّذْرَ يَقْتَضِيهِ لِعَيْنِهِ وَالْيَمِينَ لِغَيْرِهِ ، فَجَمَعْنَا بَيْنَهُمَا عَمَلًا بِالدَّلِيلَيْنِ ، كَمَا جَمَعْنَا بَيْنَ جِهَتَيْ التَّبَرُّعِ وَالْمُعَاوَضَةِ فِي الْهِبَةِ بِشَرْطِ الْعِوَضِ .

ترجمہ:

اور جب کسی شخص نے قسم کی نیت تو اس پر کفارہ یمین واجب ہے۔ یعنی جب اس شخص نے افطار کیا اور اسی مسئلہ کی چھ صورتیں ہیں۔ اگر اس نے کچھ نیت نہ کی ہو۔ یا صرف نذر کی نیت کی ہو۔ یا اس نے یہ نیت کی کہ یہ یمین نہ ہو۔ تو یہ کلام اس کا نذر ہی ہوگا۔ اس لئے کہ یہ کلام صیغے کے اعتبار سے نذر ہے۔ اس لئے بھی نذر ہے کہ اس نے اپنی نیت سے کو نذر ثابت کیا ہے۔

اور اگر اس نے قسم کی نیت کی اور اس میں نذر کی نیت نہ کی تو یہ کلام بھی یمین ہوگا کیونکہ اس کا کلام یمین ہی کا احتمال رکھتا ہے۔ کیونکہ اس نے اس کو متعین کر کے اس کے سوا کی نفی کر دی ہے۔

اگر اس نے دونوں کی نیت کی تو طرفین کے نزدیک یہ کلام نذر اور یمین دونوں ہوں گے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک صرف یمین ہوگی۔

اگر اس نے یمین کی نیت کی تو بھی طرفین کے نزدیک یہ کلام نذر اور یمین دونوں ہوگا اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک صرف یمین ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ حقیقت میں کلام نذر ہے جبکہ مجازی طور پر یمین ہے کیونکہ نذر ہونا نیت پر موقوف نہیں ہے۔ جبکہ یمین ہونا نیت پر موقوف ہے۔ لہٰذا یہ دونوں کلام کو شامل نہ ہوں گے۔ پھر مجاز کا تعین نیت سے ہوتا ہے۔ پس ان دونوں کی نیت کی تو تب حقیقت کو ترجیح دی جائے گی۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں اطراف میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں اطراف وجوب کا تقاضہ کرنے والی ہیں۔ ہاں البتہ نذر تقاضہ وجوب بالذات کرتی ہے جبکہ یمین تقاضہ وجوب بالغیر کرنے والی ہے۔ لہٰذا ہم نے دونوں دلائل کو جمع کرتے ہوئے دونوں پر عمل کیا ہے۔ جس طرح ہم نے عوضی شرط والے ہبہ میں جہت تبرع اور جہت معاوضہ دونوں کو جمع کیا ہے۔

نذر کو پورا کرنے کا فقہی مفہوم:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ صحیح مسلم شریف کی شرح لکھنے والے بزرگ ہیں۔ اپنے دور کے بہت ہی بڑے عالم فاضل، حدیث و قرآن کے ماہر اور متدین اہل اللہ شمار کئے گئے ہیں۔ آپ کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ مطلب یہ کہ ان تینوں مساجد کی فضیلت اور بزرگی دیگر مساجد پر اس وجہ سے ہے کہ ان مساجد کی نسبت کئی بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام سے ہے یا اس لیے کہ ان میں نماز پڑھنا بہت فضیلت رکھتا ہے اگر کوئی حج یا عمرہ کے لیے مسجد حرام میں جانے کی نذر مانے تو اس کا پورا کرنا اس کے لیے لازم ہوگا۔ اور اگر دوسری مساجد کی طرف جانے کی نذر مانے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب اس نذر کا پورا کرنا مستحب جانتے ہیں نہ کہ واجب اور دوسرے علماء اس نذر کا پورا کرنا بھی واجب جانتے ہیں اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ ان تین کے سوا باقی مساجد کا نذر وغیرہ کے طور پر قصد کرنا واجب نہیں بلکہ ایسے قصد کی نذر ہی منعقد نہیں ہوتی۔ یہ ہمارا اور بیشتر علماء کا مذہب ہے۔ مگر محمد بن مسلمہ مالکی کہتے ہیں کہ مسجد قباء میں جانے کی نذر واجب ہو جاتی ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ پیدل و سوار وہاں جایا کرتے تھے۔ اور لیث بن سعد نے ہر مسجد کے لیے ایسی نذر اور اس کا پورا کرنا ضروری کہا ہے، لیکن جمہور کے نزدیک ایسی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اور نہ اس پر کوئی کفارہ لازم ہے۔ مگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قسم جیسا کفار لازم قرار دیا ہے

سال کیلئے مانی گئی نذر کے روزں میں ایام تشریق وعید کے روزے شامل نہ کرے:

(وَلَوْ قَالَ :لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ هَذِهِ السَّنَةِ أَفْطَرَ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ وَأَيَّامَ التَّشْرِيقِ وَقَضَاهَا) لِأَنَّ النَّذْرَ بِالسَّنَةِ الْمُعَيَّنَةِ نَذْرٌ بِهَذِهِ الْأَيَّامِ ، وَكَذَا إذَا لَمْ يُعَيِّنْ لَكِنَّهُ شَرَطَ التَّتَابُعَ ، لِأَنَّ الْمُتَابَعَةَ لَا تَعْرَى عَنْهَا لَكِنْ يَقْضِيهَا فِي هَذَا الْفَصْلِ مَوْصُولَةً تَحْقِيقًا لِلتَّتَابُعِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ ، وَيَتَأَتَّى فِي هَذَا خِلَافُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لِلنَّهْيِ عَنْ الصَّوْمِ فِيهَا ، وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَلَا لَا تَصُومُوا فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ فَإِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَبِعَالٍ) وَقَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيهِ وَالْعُذْرَ عَنْهُ ، وَلَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ التَّتَابُعَ لَمْ يُجْزِهِ صَوْمُ هَذِهِ الْأَيَّامِ ، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيمَا يَلْتَزِمُهُ الْكَمَالُ ، وَالْمُؤَدَّى نَاقِصٌ لِمَكَانِ النَّهْيِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا عَيَّنَهَا لِأَنَّهُ الْتَزَمَ بِوَصْفِ النُّقْصَانِ فَيَكُونُ الْأَدَاءُ بِالْوَصْفِ الْمُلْتَزَمِ .

قَالَ (وَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ إنْ أَرَادَ بِهِ يَمِينًا) وَقَدْ سَبَقَتْ وُجُوهُهُ .

ترجمہ:

اور اگر کسی شخص نے نذر مانتے ہوئے یہ کہا کہ اللہ کی رضا کیلئے مجھ پر اس سال کے روزے (لازم) ہیں۔ تو وہ عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق میں افطار کرے۔ بلکہ ان کی قضاء کرے۔ کیونکہ سال کی نذر ان دنوں کو شامل ہے۔ لہٰذا یہ جب یہ متعین ہو چکے ہیں تو ان میں تسلسل کیساتھ روزے رکھنے لگائی جائے گی۔ کیونکہ سال واحد میں مسلسل روزے رکھنا ان دنوں سے خالی نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان کی قضاء ان کے ساتھ ملے ہوئے ایام میں کرے۔ کیونکہ جتنا ہو سکے تسلسل ثابت ہو جائے۔ اور حضرت امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ ان دنوں میں روزوں کی ممانعت کا حکم بیان ہوا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ سنو! تم ان دنوں میں روزے نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔ اور عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کے دن ہیں۔ اور ہم اس میں دلیل بھی بیان کی اور اسی میں عذر ہونے کو بھی بیان کیا ہے۔ اور اگر شخص نے روزوں میں تسلسل کی شرط نہ لگائی۔ تو مذکورہ ایام کا روزہ اس کا کفایت کرنے والا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے اپنے اوپر ایسی چیز کو لازم کر لیا ہے۔ جس کا کامل ہونا اصل ہے اور ان دنوں میں جو کچھ ادا کرے گا تو وہ ناقص ہوگا۔ کیونکہ ان کے بارے میں نہی کا حکم موجود ہے مگر جب اس نے ان دنوں کا تعین کر لیا ہے کیونکہ اس نے کمزور وصف کے ساتھ اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ لہٰذا ادا کرنا بھی اسی وصف کے ساتھ حاصل ہوگا جس کو اس نے لازم کیا ہے۔

ایام تشریق کے روزوں کی ممانعت میں احادیث:

حضرت ابو عبید مولیٰ ابن ازہر سے روایت ہے کہ میں عید میں سیدنا عمر بن خطابؓ کے ساتھ حاضر ہوا، آپ آئے اور نماز پڑھی۔ پھر فارغ ہوئے اور لوگوں پر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ دونوں دن ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (دونوں دنوں) میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔ ایک دن رمضان کے بعد تمہارے افطار کا ہے اور دوسرا وہ دن جس میں اپنی قربانیوں کا گوشت کھاتے ہو۔ (صحیح مسلم، 622)

حضرت سیدنا نبیشہ ہذلیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایام تشریق (گیارہ بارہ تیرہ ذوالحجہ کے دن) کھانے پینے کے دن ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اور اللہ تعالیٰ کو (گوشت) سے یاد کرنے کے۔ (صحیح مسلم، 623)

غیر مقلدین کے نزدیک ایام تشریق کی تعداد:

ایام تشریق ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ، تیرہ، (13-12-11) تاریخ کے دن ہیں جن کی فضیلت میں ک ءایک آیات واحادیث وارد ہیں:

1 اللہ سبحانہ وتعالی کے فرمان کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے: (گنے چنے چند ایام میں اللہ تعالی کا ذکر کرو) اکثر علماء اور عبداللہ

بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول یہی ہے کہ اس سے مراد ایام تشریق ہی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایام تشریق کیبارہ میں فرمان ہے:(یہ سب کے سب کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کے دن ہیں) ۔ایام تشریق میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے حکم میں کئی قسم کی انواع شامل ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

ہر فرضی نماز کے بعد جمہور علماء کے ہاں ایام تشریق کے اختتام تک تکبیریں کہہ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مشروع ہیں۔

- 2 قربانی ذبح کرتے وقت بسم اللہ اور تکبیر کہنا بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اور قربانی ذبح کرنے کا وقت ایام تشریق کے آخر تک چلتا ہے۔

- 3 کھانے پینے پر بسم اللہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اس لیے کہ کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ اور کھانے سے فارغ ہو لے الحمدللہ کہنا مشروع ہے۔

حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:(بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو کھانے سے فارغ ہو کر الحمد للہ اور پینے کے بعد بھی الحمدللہ کہے) صحیح مسلم حدیث نمبر(2734) ۔

ایام تشریق میں رمی جمرات(حج کے دوران منی میں جمرات کو کنکریاں مارنا) کے وقت اللہ اکبر کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا، اور یہ صرف حجاج کے ساتھ خاص ہے۔ مطلقاً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔اس لیے کہ ایام تشریق میں کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر مشروع ہے، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منی میں اپنے خیمہ کے اندر تکبیریں کہتے تو لوگ بھی سن کر تکبیریں کہتے تو منی تکبروں سے گونج اٹھتا تھا۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

(اور پھر جب تم مناسک حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے آباء اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ، بعض لوگ وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ! ہمیں دنیا میں دے، ایسے لوگوں کا آخرت میں کوء حصہ نہیں۔

اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ! ہمیں دنیا میں بھی نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلاء عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم نجات دے)

اکثر سلف نے ایام تشریق میں یہ دعا کثرت سے مانگنا مستحب قرار دی ہے :(ربّنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار)

علامہ ابن رجب حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے دن ہیں: اس فرمان میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایام عید میں کھانے پینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے تعاون لیا جائے جو کہ نعمت کا شکر ادا کرنے اور اتمام نعمت سے تعلق رکھتا ہے اسی لیے اس کی اطاعت کرنا ضروی ہے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ پاکیزہ چیزیں کھائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں، تو جو شخص اللہ

تعالیٰ کی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی کے لیے استعمال کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کر کے اسے کفر میں بدل دیا تو اس لیے اس نعمت کو اس سے چھن جانا ہی بہتر ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

جب تو نعمت میں ہو تو اس کا خیال رکھ اور حفاظت کر اس لیے کہ معاصی وگناہ نعمتوں کو ختم کر دیتی ہیں، اور ہر وقت اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ناراضگی کو ختم کر دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق میں روزہ رکھنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:(ان دنوں کے روزے نہ رکھو اس لیے کہ یہ کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے ایام ہیں) مسند احمد حدیث نمبر(10286)

(لطائف العارف لابن رجب حنبلی ،ص(500)

ایام تشریق کی تعداد میں صاحبین کے قول پر فتویٰ:

یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ) کی نماز فجر سے ایام تشریق کے آخری دن (تیرھویں ذوالحجہ) کی عصر تک فرض نمازوں کے بعد تکبیرات پڑھی جائیں گی۔اس حوالے سے احناف میں دو موقف ہیں۔

i۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کے مطابق یوم عرفہ کی نماز فجر سے یوم نحر (دس ذوالحجہ) کی نماز عصر تک تکبیرات پڑھی جائیں گی۔

ii۔امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک حضرت علیؓ، عمار بن یاسرؓ اور جابر بن عبداللہؓ سے مروی احادیث کے مطابق یوم عرفہ کی نماز فجر سے ایام تشریق کے آخری دن نماز عصر تک تکبیرات پڑھی جائیں گی۔(دار قطنی ،السنن، :؛محمد؛کتاب الاثار(:

امام زیلعیؒ کے نزدیک اکثر کے قول کو اختیار کرنا بہتر ہے کیونکہ عبادت میں احتیاط کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔(زیلعی ،نصب الرایۃ، ج۲،ص۲۲۲)

یہی وجہ ہے کہ تکبیرات کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کی بجائے ان کے نامور شاگردوں کے مؤقف پر فتویٰ ہے۔اور آجکل اس پر عمل ہو رہا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے دن نماز فجر کے بعد صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اپنی جگہ پر بیٹھے رہو پھر آپ ﷺ نے یہ کلمات ادا فرمائے ۔ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ، لا الہ الا اللّٰہ، واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر، وللّٰہ الحمد ۔ سو آپ ﷺ نے یوم عرفہ کی فجر سے ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک یہ تکبیرات پڑھیں۔(دار قطنی، السنن، :٥؛زیلعی نصب الرایۃ ،۲ :۲۲۴)

ایام تشریق کے روزے رکھنے سے متعلق فقہی تصریحات:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ متمتع کو ایام تشریق میں روزہ رکھنا جائز ہے اور ابن منذر نے زبیر اور ابوطلحہ

رضی اللہ عنہ سے مطلقاً جواز نقل کیا ہے اور حضرت علی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مطلقاً منع منقول ہے اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے اور ایک قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ اس متمتع کے لیے درست ہے جس کو قربان کی مقدور نہ ہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

ابوعبداللہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، ان سے ہشام نے بیان کیا کہ مجھے میرے باپ عروہ نے خبر دی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایام منی (ایام تشریق) کے روزے رکھتی تھیں اور ہشام کے باپ (عروہ) بھی ان دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ حدیث نمبر 1996 :

منیٰ میں رہنے کے دن وہی ہیں جن کو ایام تشریق کہتے ہیں یعنی 11,12,13 ذی الحجہ کے ایام۔ حدیث نمبر : 1997-1998

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے غندر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن عیسیٰ سے سنا، انہوں نے زہری سے، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے (نیز زہری نے اس حدیث کو) سالم سے بھی سنا، اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا (عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم) دونوں نے بیان کیا کہ کسی کو ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں مگر اس کے لیے جسے قربانی کا مقدور نہ ہو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ایام التشریق ای الایام التی بعد یوم النحر و قد اختلف فی کونها یومین او ثلاثة و سمیت ایام التشریق لان لحوم الاضاحی تشرق فیها ای تنشر فی الشمس الخ یعنی ایام تشریق یوم النحر دس ذی الحجہ کے بعد والے دنوں کو کہتے ہیں جو دو ہیں یا تین اس بارے میں اختلاف ہے (مگر تین ہونے کو ترجیح حاصل ہے) اور ان کا نام ایام تشریق اس لیے رکھا گیا کہ ان میں قربانیوں کا گوشت سکھانے کے لیے دھوپ میں پھیلا دیا جاتا تھا۔ والراجع عند البخاری جوازہ للمتمتع فانه ذکر فی الباب حدیث عائشه و ابن عمر فی جواز ذلك و لم یورد غیره یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج تمتع والے کے لیے (جس کو قربانی کا مقدور نہ ہو) ان ایام میں روزہ رکھنا جائز ہے، آپ نے باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احادیث ذکر کی ہیں اور کوئی ان کے غیر حدیث نہیں لائے۔ جن احادیث میں ممانعت آئی ہے وہ غیر متمتع کے حق میں قرار دی جاسکتی ہیں۔ اور جواز والی احادیث متمتع کے حق میں جو قربانی کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس طرح ہر دو احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ یہ ہے یترجح القول بالجواز و الی هذا جنح البخاری (فتح) یعنی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جواز کے قائل ہیں اور اسی قوال کو ترجیح حاصل ہے۔

ابراہیم بن سعد عن ابن شہاب کے اثر کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وصل کیا قال اخبرنی ابراهیم بن سعد عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة فی المتمتع اذا لم یجد هدیا ولم یصم قبل عرفة فلیصم ایام منی یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ متمتع ایام تشریق میں روزہ رکھے جس کو قربانی کا مقدور نہ ہو۔

المحدث الکبیر حضرت مولانا عبدالرحمن رحمة الله علیه فرماتے هیں :و حمل المطلق علی المقید واجب و کذا بناء العام علی الخاص قال الشوکانی و هذا اقوی المذاهب و اما القائل بالجواز مطلقاً فاحادیث جمیعها ترد علیه (تحفة الاحوذی) یعنی مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب هے اور اسی طرح عام کو خاص پر بنا کرنا ۔ امام شوکانی فرماتے هیں اور یه قوی تر مذهب هے اور جو لوگ مطلق جواز کے قائل هیں پس جمله احادیث ان کی تردید کرتی هیں ۔حدیث نمبر 1999 :

سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اور ان سے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جو حاجی حج اور عمرہ کے درمیان تمتع کرے اسی کو یوم عرفہ تک روزہ رکھنے کی اجازت ہے، لیکن اگر قربانی کا مقدور نہ ہو اور نہ اس نے روزہ رکھا تو ایام منیٰ (ایام تشریق) میں بھی روزہ رکھے۔ اور ابن شہاب نے عروہ سے اور انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ اس حدیث کو ابراہیم بن سعد نے بھی ابن شہاب سے روایت کیا۔

ایام تشریق میں مانی ہوئی نذر کے صورت میں روزے کا بیان:

صحیح مسلم و سنن ابی داود و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ میں ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں" : مجھے اللہ (عزوجل) پر گمان ہے، کہ عرفہ کا روزہ ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ "اور اس کے مثل سہل بن سعد و ابوسعید خدری و عبداللہ بن عمر و زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے مروی ہے۔

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیہقی و طبرانی روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرفہ کے روزہ کو ہزار دن کے برابر بتاتے۔

مگر حج کرنے والے پر جو عرفات میں ہے، اُسے عرفہ کے دن کا روزہ مکروہ ہے۔ کہ ابوداود و نسائی و ابن خزیمہ و ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے عرفہ کے دن عرفہ میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم، کتاب الصوم)

جس نے یوم نحر روزے سے کی اور پھر افطار کیا:

(وَمَنْ أَصْبَحَ يَوْمَ النَّحْرِ صَائِمًا ثُمَّ أَفْطَرَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ فِي النَّوَادِرِ أَنَّ عَلَيْهِ الْقَضَاءَ) لِأَنَّ الشُّرُوعَ مُلْزِمٌ كَالنَّذْرِ ، وَصَارَ كَالشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ فِي الْوَقْتِ الْمَكْرُوهِ .

وَالْفَرْقُ لِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ أَنَّ بِنَفْسِ الشُّرُوعِ فِي الصَّوْمِ يُسَمَّى صَائِمًا حَتَّى يَحْنَثَ بِهِ الْحَالِفُ عَلَى الصَّوْمِ فَيَصِيرُ مُرْتَكِبًا لِلنَّهْيِ ، فَيَجِبُ

إبْطَالُهُ فَلا تَجِبُ صِيَانَتُهُ وَوُجُوبُ الْقَضَاءِ يُبْتَنَى عَلَيْهِ ، وَلَا يَصِيرُ مُرْتَكِبًا لِلنَّهْيِ بِنَفْسِ النَّذْرِ وَهُوَ الْمُوجِبُ ، وَلَا بِنَفْسِ الشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى يُتِمَّ رَكْعَةً ، وَلِهَذَا لَا يَحْنَثُ بِهِ الْحَالِفُ عَلَى الصَّلَاةِ فَتَجِبُ صِيَانَةُ الْمُؤَدَّى وَيَكُونُ مَضْمُونًا بِالْقَضَاءِ ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْقَضَاءُ فِي فَصْلِ الصَّلَاةِ أَيْضًا ، وَالْأَظْهَرُ هُوَ الْأَوَّلُ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ:

اور جس نے یوم نحر روزے سے کی اور پھر افطار کیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ جبکہ صاحبین کی روایت نوادر میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اس پر قضاء واجب ہے۔ کیونکہ اس کا یہ روزہ شروع کرنا نذر کی طرح اس شخص کے ذمے لازم ہوگیا ہے۔ اور یہ اسی طرح ہے جس طرح مکروہ وقت میں نماز کو شروع کرنا ہے۔ اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک فرق کی دلیل یہی ہے جو ظاہر الروایت میں ہے۔ کہ روزہ شروع ہوتے ہی اسے روزے دار کہا جاتا ہے یہاں تک کہ قسم کھانے والا اس طرح حانث ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ شروع کرنے سے ایک حکم نہی کا ارتکاب کرنے والا ہے۔ لہٰذا اس کو باطل کرنے واجب ہے۔ اسی وجہ سے اس کی حفاظت واجب نہیں ہے۔ اور وجوب قضاء اسی (حفاظت) پر مبنی ہے۔ اور نذر رکھنے والا نفس نذر کی وجہ سے نہی کا ارتکاب کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ نذر ہی تو واجب کرنے والی ہے۔ اور نفس نماز کے آغاز سے ارتکاب نہی نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ ایک رکعت پڑھ لے۔ اسی وجہ سے نماز پر قسم کھانے والا (ایک رکعت سے کم پر) حانث نہ ہوگا۔ لہٰذا مؤدی کی حفاظت واجب ہے۔ اور وہ قضاء کرنے کا ضامن ہوگا اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت یہ بھی ہے کہ نماز کی صورت میں بھی اس پر قضاء واجب نہیں ہے۔ اور ان کی پہلی روایت سے زیادہ ظاہر ہے۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ علم والا ہے۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فطر (عید) اور نحر (بقرعید) کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

نحر سے جنس یعنی نحر کے سب دن مراد ہیں یہاں یہ لفظ تغلیبا ذکر کیا گیا کیونکہ ایام تشریق میں بھی روزے رکھنے حرام ہیں اس مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ یوں تو نحر کے تین دن ہیں اور تشریق کے بھی تین دن ہیں مگر سب کا مجموعہ چار دن ہوتا ہے اسی طرح کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ صرف نحر کا دن ہے اور اس کے بعد دو دن یعنی گیارہویں اور بارہویں تاریخ ایام نحر بھی ہیں اور ایام تشریق بھی اور ان دونوں تاریخوں کے بعد ایک دن یعنی تیرہویں تاریخ صرف یوم تشریق ہے حاصل یہ کہ پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزے رکھنے حرام ہیں ایک تو عید کا دن دوسرا بقرعید کا دن اور تین دن بقرعید کے بعد یعنی گیارہویں بارہویں اور تیرہویں تاریخ ہے

باب الاعتکاف

﴿یہ باب مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کے بیان میں ہے﴾

اعتکاف کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ کہ قرآن پاک میں روزے کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے اس لیے اکثر مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کئے ہیں اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہئے یا رمضان کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ)

اعتکاف کا فقہی مفہوم:

اعتکاف کا لغوی معنی ٹھہرنا، رکنا ہے۔ (لسان العرب 252/9، المصباح المنیر 424/2 : وغیرہ) اصطلاحی معنی عبادت کی غرض سے مسجد کو لازم پکڑنا ہے۔ لغوی اعتبار سے اعتکاف کا معنی کسی چیز پر جم کر بیٹھ جانا اور نفس کو اس کے ساتھ لگائے رکھنا ہے۔

اور اسی اطرح اعتکاف کے معنی ہیں ایک جگہ ٹھہرنا اور کسی مکان میں بند رہنا اور اصطلاح شریعت میں اعتکاف کا مفہوم ہے اللہ رب العزت کی رضا وخوشنودی کی خاطر اعتکاف کی نیت کے ساتھ کسی جماعت والی مسجد میں ٹھہرنا۔

اعتکاف کے لیے نیت اسی مسلمان کی معتبر ہے جو عاقل ہو اور جنابت اور حیض ونفاس سے پاک وصاف ہو، رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں ہمیشہ اعتکاف فرماتے تھے درمختار میں لکھا ہے کہ سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی اگر ایک شخص بھی اعتکاف کر لے تو سب کی طرف سے حکم ادا ہو جاتا ہے اور اس صورت میں اعتکاف نہ کرنے والوں پر کوئی ملامت نہیں۔

اعتکاف کے لئے زبان سے نذر ماننے سے اعتکاف واجب ہو جاتا ہے خواہ فی الحال ہو جیسے کہ کوئی کہے میں اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے اوپر اتنے دنوں کا اعتکاف لازم کرتا ہوں اور خواہ معلق ہو جیسے کوئی کہے کہ میں یہ نذر مانتا ہوں کہ اگر میرا کام ہو جائے گا تو میں اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا۔ گویا اعتکاف کی یہ دو قسمیں ہوئیں یعنی ایک تو سنت مؤکدہ جو رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور دوسرا واجب جس کا تعلق نذر سے ہے ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم مستحب ہے یعنی رمضان کے آخری عشرہ کے سوا اور کسی زمانہ میں خواہ رمضان کا پہلا دوسرا عشرہ ہو یا اور کوئی مہینہ ہو اعتکاف کرنا مستحب ہے۔

اعتکاف مستحب کے لئے اکثر زیادہ سے زیادہ مدت کوئی مقدار متعین نہیں ہے اگر کوئی شخص تمام عمر کے اعتکاف کی بھی نیت کر لے تو جائز ہے البتہ اقل (کم سے کم) مدت کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں امام محمد کے نزدیک اعتکاف مستحب کے لئے کم سے کم مدت کی بھی کوئی مقدار متعین نہیں ہے دن ورات کے کسی بھی حصہ میں ایک منٹ بلکہ اس سے بھی کم مدت کے لیے اعتکاف کی نیت کی جاسکتی ہے امام اعظم ابوحنیفہ کی ظاہر روایت بھی یہی ہے اور حنفیہ کے یہاں اسی قول پر فتویٰ ہے لہٰذا ہر مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ وہ جب بھی مسجد میں داخل ہو خواہ نماز کے لئے یا اور کسی مقصد کے لئے تو اس طرح اعتکاف کی نیت کر لے۔ کہ میں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں جب تک کہ مسجد میں ہوں۔

اسی طرح بلا کسی مشقت ومحنت کے دن میں کئی مرتبہ اعتکاف کی سعادت وفضیلت حاصل ہو جایا کرے گی حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک اقل مدت دن کا اکثر حصہ یعنی نصف دن سے زیادہ ہے نیز حضرت امام اعظم کا ایک اور قول یہ ہے کہ اعتکاف کی اقل مدت ایک دن ہے یہ قول حضرت امام اعظم کی مذکورہ بالا ظاہر روایت کے علاوہ ہے جس پر فتویٰ نہیں ہے۔

اعتکاف والے کیلئے دو حج اور دو عمروں کا ثواب:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے رمضان المبارک میں آخری دس دنوں کا اعتکاف کیا تو گویا کہ اس نے دو حج اور دو عمرے ادا کیے ہوں۔ (شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف (اعتکاف کرنے والے) کے بارے میں فرمایا کہ: وہ گناہوں سے باز رہتا ہے اور نیکیاں اس کے واسطے جاری کر دی جاتی ہیں، اس شخص کی طرح جو یہ تمام نیکیاں کرتا ہو۔ (سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ معتکف یعنی اعتکاف کرنے والا، اعتکاف کی حالت میں بہت سی برائیوں اور گناہوں مثلاً غیبت، چغلی، بری بات کرنے، سننے اور دیکھنے سے خود بہ خود محفوظ ہو جاتا ہے، ہاں البتہ اب وہ اعتکاف کی وجہ سے کچھ نیکیاں نہیں کر سکتا مثلاً قبرستان کی زیارت، نماز جنازہ کی ادائیگی، بیمار کی عیادت ومزاج پرسی اور ماں باپ واہل وعیال کی دیکھ بھال وغیرہ لیکن اگرچہ وہ ان نیکیوں کو انجام نہیں دے سکتا لیکن اللہ تعالیٰ اسے یہ نیکیاں کیے بغیر ہی ان تمام کا اجر وثواب عطا فرمائے گا، کیونکہ معتکف اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ادا کر رہا ہے جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت وفرمانبرداری ہے۔

اعتکاف کی غرض وغایت، شب قدر کی تلاش:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرے میں اعتکاف فرمایا، پھر درمیانی عشرے میں بھی ترکی خیموں میں اعتکاف فرمایا پھر خیمہ سے سر اقدس نکال کر ارشاد فرمایا کہ: میں نے پہلے عشرے میں شب قدر کی تلاش میں اعتکاف کیا تھا پھر میں نے درمیانی عشرے میں اعتکاف کیا پھر میرے پاس ایک فرشتہ

آیا اور مجھ سے کہا کہ شب قدر آخری عشرے میں ہے، پس جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرتا تھا تو اسے آخری عشرے میں ہی اعتکاف کرنا چاہیے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

مندرجہ بالا حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ اس اعتکاف کی سب سے بڑی غرض وغایت شب قدر کی تلاش وجستجو ہے اور درحقیقت اعتکاف ہی اس کی تلاش اور اس کو پانے کے لیے بہت مناسب ہے، کیونکہ حالت اعتکاف میں اگر آدمی سویا ہوا بھی ہو تب بھی وہ عبادت وبندگی میں شمار ہوتا ہے۔ نیز اعتکاف میں چونکہ عبادت وریاضت اور ذکر وفکر کے علاوہ اور کوئی کام نہیں رہے گا، لہٰذا شب قدر کے قدردانوں کے لیے اعتکاف ہی سب سے بہترین صورت ہے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی چونکہ آخری عشرے ہی کے اعتکاف کا رہا ہے، اس لیے علمائے کرام کے نزدیک آخری عشرہ کا اعتکاف ہی سنت مؤکدہ ہے۔

اعتکاف کے مقصد کا بیان:

اعتکاف کی اصل روح اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کچھ مدت کیلئے دنیا کے ہر کام ومشغلہ اور کاروبار حیات سے کٹ کر اپنے آپ کو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے لیے وقف کر دیں۔ اہل وعیال اور گھر بار چھوڑ کر اللہ کے گھر میں گوشہ نشین ہو جائیں اور سارا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی اور اس کے ذکر وفکر میں گزاریں۔ اعتکاف کا حاصل بھی یہ ہے کہ پوری زندگی ایسے سانچے میں ڈھل جائے کہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کی بندگی کو دنیا کی ہر چیز پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہو۔

اعتکاف کا پہلا حق یہ ہے کہ رمضان المبارک کے پورے آخری عشرے کا اعتکاف کیا جائے۔ سب سے افضل مسجد میں اعتکاف کرے، مثلاً مسجد حرام، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور جامع مسجد وغیرہ۔ قرآن وحدیث کی تلاوت اور فقہ اسلامی وتاریخ اسلام کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ کثرت سے نوافل ادا کرے۔ اپنے تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں، ظاہر وپوشیدہ گناہوں پر توبہ واستغفار کرے اور زندگی بھر کی قضاء نمازیں پڑھتا رہے اور صدقِ دل سے توبہ واستغفار کر کے اپنے ربّ کریم کو راضی کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

معتکف اگر بہ نیت عبادت خاموش رہے یعنی خاموش رہنے کو ثواب سمجھے تو یہ مکروہ ہے اور اگر چپ رہنا ثواب نہ سمجھے تو کوئی حرج نہیں ہے اور فضول وبری باتوں سے پرہیز کرے تو یہ مکروہ نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا نیکیوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ (الحدیث)

معتکف کو چاہیے کہ وہ مدتِ اعتکاف کو آرام وسکون کا ایک موقع سمجھ کر ضائع نہ کرے کہ دن رات صرف سوتا ہی رہے یا یوں ہی مسجد میں ٹہلتا رہے بلکہ سونے اور آرام کرنے میں کم سے کم وقت ضائع کرے اور اعتکاف کے ایام کو اپنی تربیت اور آئندہ زندگی کے سنہری اور خاص دن سمجھے اور عبادت وریاضت میں سخت محنت کریاس طرح کہ زیادہ سے زیادہ نمازیں خصوصاً اپنی قضاء نمازیں پڑھتا ہے قرآن وحدیث کی تلاوت کرے درود وسلام کا ورد کرتا رہے اور فقہ واسلامی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہے۔

اعتکاف کی تاریخی حیثیت کا بیان:

اعتکاف ! اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی بجالانے کا ایک ایسا منفرد طریقہ ہے جس میں مسلمان دنیا سے بالکل لاتعلق اور الگ تھلگ ہوکر اللہ تعالیٰ کے گھر میں فقط اس کی ذات میں متوجہ اور مستغرق ہوجاتا ہے۔ اعتکاف کی تاریخ بھی روزوں کی تاریخ کی طرح بہت قدیم ہے۔ قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر بھی یوں بیان ہوا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

اور ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو تاکید کی کہ میرا گھر طواف کرنے والوں کے لیے، اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور رکوع کرنے والوں کے لیے خوب صاف ستھرا رکھیں۔ (سورۃ البقرہ : آیت نمبر (125)

یعنی اس وقت کی بات ہے جب جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کعبۃ اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تھے یعنی اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اعتکاف کیا جاتا تھا۔

اعتکاف کی شرعی حیثیت کا بیان:

قَالَ (الِاعْتِكَافُ مُسْتَحَبٌّ) وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ ، لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ وَالْمُوَاظَبَةُ دَلِيلُ السُّنَّةِ .

ترجمہ:

فرمایا: اعتکاف مستحب ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے رمضان کے آخری عشرے میں اس پر دوام فرمایا ہے۔ اور آپ ﷺ کی مواظبت فرمانا ہی اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہر سال ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرآن کریم پڑھا جاتا تھا یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام پڑھتے تھے لیکن جس سال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے آپ کے سامنے دو مرتبہ قرآن کریم پڑھا گیا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے تھے لیکن جس سال آپ کا وصال ہوا آپ نے بیس دن اعتکاف کیا۔ (بخاری ومسلم)

اعتکاف کے اقسام ، اعتکاف کی تین قسمیں ہیں 1)) واجب) سنت مؤکدہ اور) مستحب واجب اعتکاف :
واجب وہ اعتکاف ہے جس کی نذر کی جائے، خواہ وہ نذر کسی شرط پر موقوف ہو یا نہ ہو۔
اعتکاف سنت مؤکدہ: سنت مؤکدہ رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف ہے۔
مستحب اعتکاف: واجب اور سنت مؤکدہ کے علاوہ باقی اعتکاف مستحب ہیں۔

اعتکاف واجب اور سنت مؤکدہ دونوں میں روزہ شرط ہے، اعتکاف مستحب میں روزہ شرط نہیں۔
اعتکاف واجب کی مقدار کم سے کم ایک دن ہے اور مسنون کی ایک عشرہ اور مستحب کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔
شرائط اعتکاف:
1)) مسلمان ہونا۔) عاقل ہونا۔) جنابت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا4۔) مسجد میں اعتکاف کرنا اور) اعتکاف کی نیت کرنا ۔عورت اپنے گھر میں جہاں نماز پڑھا کرتی ہے وہیں اعتکاف کرے۔
☆ معتکف کو قرآن مجید کی تلاوت، کتب دینی کے مطالعہ، درود شریف کی کثرت اور نیک اور اچھی باتوں میں مشغول رہنا چاہیے۔☆ حالت اعتکاف میں مسجد میں کھانا، پینا، سونا اور حاجت کی چیزیں خریدنا (بشرطیکہ مسجد کے اندر نہ ہو) اور نکاح کرنا جائز ہے۔☆ معتکف کو بول وبراز کے لئے، فرض غسل کے لئے، وضو کے لئے اور جمعہ کی نماز کے لئے زوال کے وقت یا اتنی دیر پہلے کہ جامع مسجد کو پہنچ کر خطبہ سے پہلے سنت پڑھ سکے مسجد سے نکلنا جائز ہے، مگر ضرورت سے زیادہ نہ ٹھہرے۔
☆ بلاعذر قصداً یا سہواً مسجد سے باہر نکلنے اور صحبت کرنے اور کسی عذر سے باہر نکل کر ضرورت سے زیادہ ٹھہرنے اور بیماری یا خوف کی وجہ سے مسجد سے نکل آنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے۔
نوٹ: اعتکاف فاسد ہونے پر اگر واجب (اعتکاف) ہو تو (اس کی) قضاء کرنا واجب ہے، سنت ومستحب ہو تو (قضاء) ضروری نہیں۔ (ماخوذ از: نصاب اہل خدمات شرعیہ، ص(365/366:

اعتکاف کی تعریف واحکام کا بیان:

(وَهُوَ اللُّبْثُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الصَّوْمِ وَنِيَّةِ الِاعْتِكَافِ) أَمَّا اللُّبْثُ فَرُكْنُهُ لِأَنَّهُ يُنْبِئُ عَنْهُ فَكَانَ وُجُودُهُ بِهِ ، وَالصَّوْمُ مِنْ شَرْطِهِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَالنِّيَّةُ شَرْطٌ فِي سَائِرِ الْعِبَادَاتِ ، هُوَ يَقُولُ : إنَّ الصَّوْمَ عِبَادَةٌ وَهُوَ أَصْلٌ بِنَفْسِهِ فَلَا يَكُونُ شَرْطًا لِغَيْرِهِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا اعْتِكَافَ إلَّا بِالصَّوْمِ) وَالْقِيَاسُ فِي مُقَابَلَةِ النَّصِّ الْمَنْقُولِ غَيْرُ مَقْبُولٍ ، ثُمَّ الصَّوْمُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْوَاجِبِ مِنْهُ رِوَايَةً وَاحِدَةً ، وَلِصِحَّةِ التَّطَوُّعِ فِيمَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لِظَاهِرِ مَا رَوَيْنَا وَعَلَى هَذِهِ الرِّوَايَةِ لَا يَكُونُ أَقَلَّ مِنْ يَوْمٍ . وَفِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ .وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَقَلُّهُ سَاعَةٌ فَيَكُونُ مِنْ غَيْرِ صَوْمٍ .

لِاَنَّ مَبْنَى النَّفْلِ عَلَى الْمُسَاهَلَةِ اَلَا تَرَى اَنَّهُ يَقْعُدُ فِي صَلَاةِ النَّفْلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ .وَلَوْ شَرَعَ فِيهِ ثُمَّ قَطَعَهُ لَا يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ فِي رِوَايَةِ الْاَصْلِ لِاَنَّهُ غَيْرُ مُقَدَّرٍ فَلَمْ يَكُنِ الْقَطْعُ اِبْطَالًا .وَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ :يَلْزَمُهُ لِاَنَّهُ مُقَدَّرٌ بِالْيَوْمِ كَالصَّوْمِ .

ترجمہ:

اور وہ روزے کے ساتھ اعتکاف کی نیت کی کرتے ہوئے مسجد میں ٹھہرنا ہے۔اور یہ ٹھہرنا ہی اعتکاف کا رکن ہے کیونکہ اعتکاف اسی کی خبر دینے والا ہے۔لہٰذا اعتکاف کا وجوب اسی ٹھہرنے کے ساتھ ہوگا اور ہمارے نزدیک روزہ اس کی شرط ہے جبکہ اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے کہ نیت تمام عبادات میں شرط ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ روزہ ایک عبادت ہے۔اور خود اصل ہے لہٰذا وہ کسی دوسری عبادت کیلئے شرط (فرع) نہ ہوگا۔جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اعتکاف صرف روزے کے ساتھ ہے۔اور جب کوئی نص قبول شدہ ہو تو اس کے مقابلے میں کسی قسم کے قیاس کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔اور واجب اعتکاف کے صحیح ہونے کیلئے روزہ شرط ہے۔اور ایک اور روایت کے مطابق جو حضرت امام حسن علیہ الرحمہ نے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے نقل کی ہے کہ جس میں روزہ نفلی اعتکاف (شرط) قرار دیا گیا ہے۔اور اسی حدیث کے ظاہری مفہوم کی بناء پر جو ہم نے ذکر کی ہے۔اور اسی روایت کی بناء اعتکاف ایک دن سے کم نہ ہوگا۔اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا قول اور مبسوط میں انہی کی روایت کے مطابق نفلی اعتکاف کم از کم ایک گھڑی کا ہوتا ہے۔لہٰذا ایسا اعتکاف بغیر روزے کے ہوگا۔کیونکہ نفل کی بنیاد ہی آسانی پر رکھی گئی ہے۔کیونکہ آپ نہیں جانتے کہ نمازی قیام پر قدرت رکھنے کے باوجود نفلی نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اور اگر اس نے نفلی اعتکاف شروع کیا اور پھر اس کو توڑ دیا تو مبسوط کی روایت کے مطابق وہ اس کی قضاء نہیں کرے گا۔کیونکہ اس مقدار معین نہیں ہے۔لہٰذا اعتکاف ختم کرنا اس کو باطل نہ کرے گا۔

جبکہ امام حسن علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق اس پر قضاء کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ اعتکاف روزے کی طرح ایک دن کے ساتھ متعین ہے۔

اعتکاف واجب کے لئے روزے کی شرط میں فقہی مذاہب کا بیان:

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے روزہ شرط نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک بروایت ظاہر یہ ہے کہ نفل اعتکاف کے لئے تو روزہ شرط نہیں ہے لیکن اعتکاف واجب کے لئے واجب ہے۔

صاحبین کا بھی یہی قول ہے اور حنفیہ کے یہاں اسی پر فتویٰ ہے حضرت امام مالک اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت امام اعظم بھی یہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے خواہ واجب ہو یا نفل۔

احناف کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتکاف کے سلسلہ میں اس کے علاوہ جو اور روایتیں منقول ہیں ان میں اعتکاف کے ساتھ روزہ بھی ذکر ہے چنانچہ ابوداؤد، نسائی اور دارقطنی نے جو روایت نقل کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاہلیت میں اپنے اوپر یہ لازم کیا کہ ایک رات اور ایک دن یا صرف ایک دن کعبہ کے اندر اعتکاف کریں گے پھر جب انہوں نے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اعتکاف کرو اور روزہ رکھو۔ یہ تو گویا اس حدیث کا جواب تھا جہاں تک حنفیہ کی دلیل کا تعلق ہے تو ابھی آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ولا اعتکاف الا بصوم آرہی ہے جس سے یہ بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جائے گی کہ اعتکاف واجب بغیر روزہ کے صحیح نہیں ہوتا، چنانچہ اگر کوئی شخص نذر مان کر صرف رات کے اعتکاف کی نیت کرے تو وہ لغو سمجھی جائے گی کیونکہ رات روزے کا محل نہیں ہے ہاں اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ میں رمضان میں اعتکاف کروں گا تو رمضان کے روزے اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہو جائیں گے اسی طرح اگر کسی شخص نے نفل روزہ رکھا اور پھر اس دن اعتکاف کی نذر کی تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ فلاں رمضان میں اعتکاف کروں گا مگر اس نے اس متعین رمضان میں اعتکاف نہیں کیا تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ بطور قضا دوسرے دنوں میں اعتکاف کرے اور مستقل طور پر اعتکاف کے لئے روزے رکھے، چنانچہ یہ قضا نہ کسی دوسرے رمضان میں صحیح ہوگی اور نہ ایسے دنوں میں جس میں کوئی اور واجب روزہ رکھ رہا ہو خواہ وہ واجب روزے رمضان کے قضا روزے ہوں کسی اور طرح کے۔

اگر کوئی شخص کئی دنوں کے اعتکاف کی نیت کرے تو ان دنوں کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جاتا ہے اسی طرح دو دنوں کے اعتکاف کی نذر ماننے سے ان کی دو راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جاتا ہے لیکن حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں صرف ایک رات ہی کا اعتکاف لازم ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص نذر مانے کہ میں ایک مہینہ کا اعتکاف کروں گا تو اس پر ایک مہینہ کا اعتکاف علی الاتصال ہوگا، چاہے اس نے نذر مانتے وقت علی الاتصال نہ کہا ہو۔

حجاز مقدس میں روزے رکھنے کے بعد پاکستان میں آنے والے کا اعتکاف:

اگر کسی شخص نے سعودی عرب میں پہلا روزہ رکھا، اس لئے کہ اس نے وہیں یکم رمضان پالیا، کیونکہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے :فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ .البقرة، 184 : 2پس تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے۔

اب جبکہ اُس نے رمضان کا آغاز پاکستان سے دو دن قبل کیا اور یہ بھی قطعی ہے کہ اعتکافِ مسنون دس دن سے اور رمضان تیس دن سے زیادہ نہیں ہوسکتا تو اس صورت میں معتکف کے لئے ضروری ہے کہ وہ سعودی عرب کے حساب سے بیسویں جبکہ

پاکستانی حساب سے اٹھارہویں روزے کواعتکاف بیٹھے۔

البتہ پاکستان میں چاند کے حساب سے جب 28روزے ہوئے تو اس کے تیس روزے پورے ہو گئے اور تیس سے زائد روزے نہیں رکھے جاسکتے۔اس لئے اس کامسنون اعتکاف بھی اٹھائیسویں روزے پرمکمل جائے گا۔

اگلے دن یعنی پاکستان میں 29 رمضان کووہ شخص اِفطار کرے گااوراعتکاف کرنا چاہے تونفلی کرسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشادفرمایا :لَا تَصُوْمُوا حَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ ٭ .وَلَا تُفْطِرُوا حَتّٰی تَرَوْهُ، فَإِنْ اُغْمِیَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوا لَه.
(مسلم،الصحیح ، کتاب الصیام، باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الھلال،759 : 4،رقم)

چاند دیکھے بغیر نہ روزہ رکھواور نہ ہی چاند دیکھے بغیر عید کرو،اوراگر مطلع ابرآلود ہوتو (روزوں) کی مدت پوری کرو(یعنی تیس روزے پورے کرو)۔

لہٰذا ضروری ہے کہ جس جگہ کے چاند دیکھنے پرروزہ رکھا تھا،وہیں کے حساب سے تیس روزے پورے کرے۔کیونکہ کوئی قمری مہینہ تیس دن سے زائد کانہیں ہوتا۔

جامع مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کا بیان:

، ثُمَّ الِاعْتِكَافُ لَا يَصِحُّ إلَّا فِی مَسْجِدِ الْجَمَاعَةِ لِقَوْلِ حُذَيْفَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ "لَا اعْتِكَافَ إلَّا فِی مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ "وَعَنْ أَبِی حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ :أَنَّهُ لَا يَصِحُّ إلَّا فِی مَسْجِدٍ يُصَلَّی فِيهِ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ ، لِأَنَّهُ عِبَادَةُ انْتِظَارِ الصَّلَاةِ فَيَخْتَصُّ بِمَكَانٍ تُؤَدَّى فِيهِ ، أَمَّا الْمَرْأَةُ فَتَعْتَكِفُ فِی مَسْجِدِ بَيْتِهَا لِأَنَّهُ هُوَ الْمَوْضِعُ لِصَلَاتِهَا فَيَتَحَقَّقُ انْتِظَارُهَا فِيهِ .

ترجمہ:

اعتکاف صرف جامع مسجد میں صحیح ہے۔کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:اعتکاف صرف جامع مسجد میں ہےاور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اعتکاف اس صرف اس مسجد میں صحیح ہے جس میں پانچ نمازیں پڑھی جاتی ہوں۔ کیونکہ اعتکاف نماز کا انتظار ہے لہٰذا وہ ایسی جگہ کے ساتھ خاص ہوگا جہاں نماز ادا کی جاتی ہو۔جبکہ عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے گی۔کیونکہ اس کیلئے نماز کی جگہ وہی ہے لہٰذا اس کا انتظار نماز اسی میں ثابت ہوگا۔

اعتکاف کیلئے جامع مسجد ہونے میں فقہی بیان:

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

اعتکاف کے لغوی معنی کسی چیز کواپنے لیے لازم کرلینا اوراپنے نفس کواس پر مقید کرلینا اور یہ اعتکاف اجماعی طور پرواجب نہیں ہے ہاں کوئی اگر نذر مانے یا کوئی شروع کرے مگر درمیان میں قصداً چھوڑ دے تو ان پرادائیگی واجب ہے۔اور روزہ کی شرط کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

اعتکاف کے لیے مسجد کا ہونا شرط ہے جوآیت قرآنی و انتم عاکفون فی المسٰجد (البقرۃ 187 :) سے ثابت ہے۔و اجاز الحنفية للمراة ان تعتكف فی مسجد بيتها و هوا المكان المعد للصلوة فيه .

یعنی حنفیہ نے عورتوں کے لیے اعتکاف جائز رکھا ہے اس صورت میں کہ وہ اپنے گھروں کی ان جگہوں میں اعتکاف کریں جو جگہیں نماز کے لیے مخصوص کی ہوتی ہیں۔امام زہری اورسلف کی ایک جماعت نے اعتکاف کو جامع مسجد کے ساتھ خاص کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تقریباً ایسا ہی اشارہ ہے۔اور یہ مناسب بھی ہے تا کہ معتکف بآسانی ادائیگی جمعہ کر سکے۔رمضان شریف کے پورے آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھنا مسنون ہے یوں ایک دن ایک رات یااور بھی کوئی کم مدت کے لیے بیٹھنے کی نیت کرے تواسے بھی بقدر عمل ثواب ملے گا۔(فتح الباری شرح بخاری، باب الاعتکاف)

اعتکاف بیٹھنے کیلئے مساجد کے ترتیب وار درجے بتلائے گئے ہیں جس میں سب سے افضل مسجد حرام ہے پھر مسجد نبوی علی صاحبہ افضل الصلوۃ واکمل السلام پھر مسجد اقصیٰ ہے ان تین مقدس مساجد کے بعد اپنے مقام کی جامع مسجد میں اعتکاف بیٹھنا افضل ہے پھراس مسجد کا درجہ ہے جہاں جماعت میں کثیر افراد شریک ہوتے ہوں۔(فتاوی عالمگیری، ج ا،ص ۲۱۸،دہلی)

ضروریات شرعیہ وطبعیہ کے بغیر معتکف مسجد سے باہر نہ جائے:

(وَلَا يَخْرُجُ مِنْ الْمَسْجِدِ إلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ أَوْ الْجُمُعَةِ) أَمَّا الْحَاجَةُ فَلِحَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهَا (كَانَ النَّبِیُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يَخْرُجُ مِنْ مُعْتَكَفِهِ إلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ) وَلِأَنَّهُ مَعْلُومٌ وُقُوعُهَا ، وَلَا بُدَّ مِنْ الْخُرُوجِ فِی تَقْضِيَتِهَا فَيَصِيرُ الْخُرُوجُ لَهَا مُسْتَثْنًى ، وَلَا يَمْكُثُ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنْ الطُّهُورِ لِأَنَّ مَا ثَبَتَ بِالضَّرُورَةِ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا ، وَأَمَّا الْجُمُعَةُ فَلِأَنَّهَا مِنْ أَهَمِّ حَوَائِجِهِ وَهِیَ مَعْلُومٌ وُقُوعُهَا .

ترجمہ:

اوروہ مسجد سے باہر نہ جائے مگر انسانی ضرورت یا جمعہ کیلئے۔اور حاجت کیلئے باہر نکلنے کی دلیل حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔کہ نبی کریم ﷺ نے اعتکاف کی حالت میں صرف انسانی حاجت کیلئے باہر تشریف لایا کرتے تھے۔ کیونکہ ضرورت انسانی کا وقوع معلوم ہے اور یہ ضروری ہے کہ ضروریات کو پورا کرنے کیلئے باہر نکلا جائے لہٰذا یہ خروج مستثنیٰ ہوگا۔اور طہارت حاصل کرنے کے بعد معتکف نہ ٹھہرے۔کیونکہ جو چیز ضرورت کے تحت ثابت ہو وہ بقدر ضرورت ہی مباح ہوتی ہے۔

(قاعدہ فقہیہ)اور جہاں جمعہ کا تعلق ہے تو وہ سب سے اہم ضرورت ہے ۔ کیونکہ اس کا وقوع بھی معلوم ہے ۔

ضرورت کی اباحت بقدر ضرورت کا قاعدہ فقہیہ :

ما ابیح للضرورة یقدر بقدرھا ۔(الاشباہ والنظائر،ص ۴۳)

جو چیز ضرورت کے تحت مباح ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی مباح ہوتی ہے اس قاعدہ کا ثبوت سابقہ قاعدہ میں غیر باغ ولا عاد کہ ضرورت مند سرکشی کرنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر حالت مجبوری میں جان بچانا فرض تھا اور مردار کھانا جائز ہوا تو ایسی صورت میں اس پر لازم ہے کہ وہ صرف اس قدر مردار کھائے جس سے اسکی جان بچ جائے ۔اس سے زیادہ کھانا اس کیلئے ہرگز جائز نہیں ۔

اسی طرح یہ آیت مقدسہ بھی ہے ۔ من کان منکم مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر ۔(البقرہ)

تم میں سے جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ (روزوں کی تعداد) دوسرے دنوں میں پوری کرے۔

اس آیت میں مریض یا مسافر کو جو رخصت ملی ہے کہ وہ شرعی رخصت ہے لہٰذا مریض یا مسافر حالت مرض یا سفر میں افطار کرسکتا ہے جیسے ہی وہ مرض یا سفر سے خلاصی پائے گا فوراً اس پر روزہ کی فرضیت والا حکم لوٹ آئے گا ۔کیونکہ ضروریات اتنی ہی مقدار مباح ہوتی ہیں جس قدر ضرورت ہوتی ہے ۔کیونکہ مریض کے تندرست ہونے کے بعد اس کیلئے بالکل جائز نہیں کہ وہ روزہ نہ رکھے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے جب بارش ہونے لگی تو آپ نے فرمایا: تم میں سے جس کا دل چاہے وہ اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھ لے ۔(صحیح مسلم ،ج ۱،ص ۲۴۳،قدیمی کتب خانہ کراچی)

جماعت کے بارے میں اصل یہ ہے کہ اس کو ترک کرنا منع ہے لیکن حضور ﷺ نے ضرورت کے تحت اس کا ترک مباح قرار دیا لہٰذا ترک جماعت عذر شرعی کے وقت بقدر ضرورت مباح ہوگی ۔

دار الحرب کی اشیائے ضروریہ کا استعمال :

اگر کوئی شخص دار الحرب کی گھاس ،لکڑی ،اسلحہ ،تیل وغیرہ جیسی اشیاء بغیر تقسیم کے لیتا ہے تو اس کیلئے جائز ہے لیکن ان اشیاء کا استعمال بقدر ضرورت جائز ہے اور جب دار الحرب سے نکل آئے تو پھر ان اشیاء کو استعمال نہیں کرسکتا ۔کیونکہ اباحت بقدر ضرورت تھی اور ان اشیاء کو مال غنیمت میں شامل کردیا جائے گا ۔

ماء مستعمل کا معاف ہونا :

اگر وضو کرنے والے پر ماء مستعمل کے چھینٹے پڑ جائیں تو احناف کے نزدیک چونکہ نجس ہے مگر ضرورت کے تحت اس کے چھینٹے معاف ہیں اگرچہ اس پر دوسرا قاعدہ ''الحرج مرفوع '' بھی صادق آرہا ہے ۔

شہید کا خون :

شہید کا خون اسکی اپنی ذات کیلئے مباح ہے جبکہ دوسرے کیلئے مباح نہیں ۔کیونکہ دوسرے کیلئے ضرورت نہیں اور اپنے لئے بھی تحت الضرورۃ مباح ہوا ہے اور وہ بھی بقدر ضرورت مباح ہوا ہے ۔

طبیب کا دیکھنا :

اگر بیماری پردہ کے مقام پر ہو اور ماہر طبیب کے دیکھے بغیر اس کا علاج ممکن نہ ہو تو تحت الضرورۃ طبیب کا مقام پردہ کو دیکھنا بقدر ضرورت جائز ہے اگرچہ مرد ہو یا عورت ۔

مجنون کی دوسری شادی :

علمائے شوافع کے نزدیک مجنون کی دوسری شادی جائز نہیں کیونکہ اس کی شادی کو مقصد ضرورت کو پورا کرنا تھا جو کہ ایک سے ضرورت پوری ہورہی ہے اور اسکی شادی ضرورت کے تحت مباح ہوئی تھی اور بقدر ضرورت ہی باقی رہے گی ۔

(الاشباہ والنظائر ص ۴۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اعتکاف کی حالت میں ہوتے تو مسجد میں بیٹھے بیٹھے اپنا سر مبارک میری طرف کردیتے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں میں کنگھی کردیتی نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاجت انسانی کے علاوہ گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے ۔(بخاری ومسلم)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر معتکف اپنا کوئی عضو مسجد سے باہر نکالے تو اس سے اعکاف باطل نہیں ہوتا نیز اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ معتکف کے لیے کنگھی کرنا جائز ہے ۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر معتکف اپنے جسم کا کوئی عضو مسجد کے اندر کسی برتن میں دھوئے تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس سے مسجد آلودہ نہ ہو ۔

حاجت انسانی کے ضمن میں حضرت امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ اگر معتکف بغیر حاجت وضرورت کے ایک منٹ کے لئے بھی معتکف سے نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا ۔

حاجت یا ضرورت کی دو قسمیں ہیں اول طبعی جیسے پاخانہ پیشاب اور غسل جنابت یعنی احتلام ہوجانے کی صورت میں غسل کرنا ۔البتہ جمعہ کے غسل کے بارے میں کوئی صریح روایت منقول نہیں ہے مگر شرح اوراد میں لکھا ہے کہ غسل کے لئے معتکف سے باہر نکلنا جائز ہے غسل خواہ واجب ہو (جیسے غسل جنابت) یا نفل ہو (جیسے غسل جمعہ وغیرہ ۔

دوم شرعی جیسے نماز عیدین اور اذان یعنی اگر اذان کہنے کی جگہ مسجد سے باہر ہو تو وہاں جانا بھی حاجت کے ضمن میں آتا ہے ان سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا پھر یہ کہ صحیح روایت کے بموجب اس حکم میں مؤذن اور غیر مؤذن دونوں شامل ہیں نماز جمعہ کے لئے باہر

نکلنا بھی حاجت یا ضرورت کے تحت آتا ہے۔

لیکن اس بارے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ نماز جمعہ کے لئے اپنے معتکف سے زوال آفتاب کے وقت نکلے یا اگر جامع مسجد دور ہو تو ایسے وقت نکلے کہ جامع مسجد پہنچ کر جمعہ کی نماز تحیۃ المسجد جمعہ کی سنت کے ساتھ پڑھ سکے، نماز کے بعد کی سنت پڑھنے کے جامع مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص نماز سے زیادہ وقت کے لئے جامع مسجد میں ٹھہرے گا تو اگرچہ اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا مگر یہ مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح اگر کسی معتکف کے ہاں خادم وملازم وغیرہ نہ ہو تو کھانا کھانے یا کھانا لانے کے لئے گھر جانا بھی ضرورت میں داخل ہے۔

اگر مسجد گرنے لگے، یا کوئی شخص زبردستی مسجد سے باہر نکالے اور معتکف اسی وقت اپنے معتکف سے نکل کر فوراً ہی کسی دوسری مسجد میں داخل ہو جائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا استحساناً (بدائع) ایسے ہی اگر کوئی معتکف جان یا مال کے خوف سے کسی دوسری مسجد میں چلا جائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

کوئی معتکف پیشاب و پاخانہ یا اپنی کسی دوسری طبعی وشرعی ضرورت کے تحت معتکف سے باہر نکلا اور وہاں اس کو قرض خواہ مل گیا جس نے اسے ایک منٹ کے لئے بھی روک لیا تو حضرت امام اعظم کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا جب کہ صاحبین حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ فاسد نہیں ہوگا۔

کوئی شخص پانی میں ڈوب رہا ہو یا کوئی آگ میں جل رہا ہو اور معتکف اسے بچانے کے لئے باہر نکلے یا جہاد کے لئے جب کہ نفیر عام ہو اور یا گواہی وشہادت دینے کے لئے اپنا معتکف چھوڑ کر باہر آجائے تو ان صورتوں میں اعتکاف فاسد ہو جائے گا غرضیکہ طبعی یا شرعی حاجت وضرورت کے تحت مذکورہ بالا جو عذر بیان کیے گئے ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی معتکف ایک منٹ کے لئے بھی باہر نکلے گا اگرچہ اس کا نکلنا سہواً ہی کیوں نہ ہو تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا البتہ صاحبین کے ہاں اتنی آسانی ہے کہ اس کا اعتکاف اسی وقت فاسد ہوگا جب کہ وہ دن کا اکثر حصہ باہر نکلا رہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے ایک مسئلہ یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ معتکف کے لئے مسجد میں حجامت بنوانی جائز ہے بشرطیکہ بال وغیرہ مسجد میں نہ گریں۔

فقہ شافعی کے مطابق جمعہ کیلئے معتکف کا نکلنا مفسد اعتکاف ہے:

وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ : الْخُرُوجُ إِلَيْهَا مُفْسِدٌ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الِاعْتِكَافُ فِی الْجَامِعِ ، وَنَحْنُ نَقُولُ : الِاعْتِكَافُ فِی كُلِّ مَسْجِدٍ مَشْرُوعٌ ، وَإِذَا صَحَّ الشُّرُوعُ فَالضَّرُورَةُ مُطْلَقَةٌ فِی الْخُرُوجِ ، وَيَخْرُجُ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ لِأَنَّ الْخِطَابَ يَتَوَجَّهُ بَعْدَهُ ، وَإِنْ كَانَ مَنْزِلُهُ بَعِيدًا عَنْهُ يَخْرُجُ فِی وَقْتٍ يُمْكِنُهُ إِدْرَاكُهَا وَيُصَلِّی قَبْلَهَا أَرْبَعًا ، وَفِی رِوَايَةٍ

سِتًّا ، الْأَرْبَعُ سُنَّةٌ ، وَالرَّكْعَتَانِ تَحِيَّةُ الْمَسْجِدِ ، وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا أَوْ سِتًّا عَلَى حَسَبِ الِاخْتِلَافِ فِی سُنَّةِ الْجُمُعَةِ ، وَسُنَنُهَا تَوَابِعُ لَهَا فَأُلْحِقَتْ بِهَا ، وَلَوْ أَقَامَ فِی مَسْجِدِ الْجَامِعِ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لَا يَفْسُدُ اعْتِكَافُهُ لِأَنَّهُ مَوْضِعُ اعْتِكَافٍ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ لِأَنَّهُ الْتَزَمَ أَدَاءَهُ فِی مَسْجِدٍ وَاحِدٍ فَلَا يُتِمُّهُ فِی مَسْجِدَيْنِ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ

ترجمہ:

اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ کہ اعتکاف والے کا جمعہ کیلئے نکلنا اس کے اعتکاف کو فاسد کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس شخص کیلئے جامع مسجد میں اعتکاف کرنے کا حکم ہے۔ جبکہ ہم احناف کہتے ہیں کہ اعتکاف بیٹھنے کی مشروعیت ہر مسجد میں ہے۔ اور جب ہر مسجد میں اس کی مشروعیت ہے تو ضرورت کیلئے نکلنے کی اجازت بھی ہے۔ اور اس وقت نکلے جب سورج ڈھل جائے کیونکہ (بلانے) کا خطاب زوال آفتاب کے بعد ہے۔ اور اس کا اعتکاف اگر جامع مسجد سے دور ہو تو ایسے وقت میں جائے کہ اس میں جمعہ کو پالینا ممکن ہو۔ اور جمعہ سے پہلے چار رکعتوں کی ادائیگی کرے۔ اور ایک روایت کے مطابق چھ رکعتیں ہیں جس میں چار سنت اور دو رکعت تحیۃ المسجد ہیں۔ اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھے یا چھ رکعتیں پڑھے۔ جمعہ کی سنتوں کی طرح ہی ان کا بھی اختلاف ہے اور جمعہ سنن جمعہ کے تابع ہیں۔ لہٰذا ان کو جمعہ کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ اور اگر اعتکاف والے نے اس سے زائد وقت جامع مسجد میں ٹھہراؤ کیا تو بھی اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ جامع مسجد بھی محل اعتکاف ہے۔ ہاں البتہ اس میں استحباب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اعتکاف کو ایک مسجد میں کرنے کو لازم کر چکا ہے۔ لہٰذا بغیر کسی ضرورت کے دو مساجد میں اسے پورا نہیں کر سکتا۔

معتکف کے خروج جمعہ سے عدم فساد میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک اگر معتکف جمعہ کیلئے مسجد سے باہر جائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ حضرت امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ فقہاء مالکیہ کی مشہور کتاب ذخیرہ میں اسی طرح ہے کہ جب وہ جمعہ کیلئے جائے تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

ابن عربی نے کہا ہے کہ جب وہ جمعہ کیلئے نکلے تو اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا اور اسی طرح سعید بن جبیر، حسن بصری، نخعی اور امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ نے کہا ہے۔ عبد المالک، ابن منذر اور اکمال میں ہے کہ جس پر جمعہ لازم ہے اس کا اعتکاف مسجد میں ہوگا۔ اور امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ علامہ سروجی نے کہا ہے کہ امام شافعی کا قول کوفیوں نے نقل کیا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۳۸۸، حقانیہ ملتان)

بغیر عذر کے مسجد سے باہر جانے والے کا اعتکاف فاسد ہو جائیگا:

(وَلَوْ خَرَجَ مِنْ الْمَسْجِدِ سَاعَةً بِغَيْرِ عُذْرٍ فَسَدَ اعْتِكَافُهُ) عِنْدَ أَبِی حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

تَعَالَى لِوُجُودِ الْمُنَافِي وَهُوَ الْقِيَاسُ ، وَقَالَا :لَا يُفْسِدُ حَتَّى يَكُونَ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ وَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ لِأَنَّ فِي الْقَلِيلِ ضَرُورَةً .

ترجمہ:

اور اگر وہ مسجد سے بغیر کسی ضرورت کے تھوڑی دیر کیلئے نکلا تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو گیا۔ کیونکہ اعتکاف کو فاسد کرنے والا عمل پایا گیا ہے اور قیاس بھی اسی کا تقاضہ کرتا ہے جبکہ صاحبین نے فرمایا: کہ اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا حتی کہ اس کا خروج نصف دن سے زائد ہو جائے۔ اور استحسان کا تقاضہ یہی ہے۔ کیونکہ قلیل میں ضرورت لاحق ہوتی ہے

خروج مسجد سے فساد اعتکاف میں ائمہ احناف کا اختلاف:

امام سرخسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ علامہ حاکم شہید نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص مسجد سے نصف دن یا نصف سے زیادہ وقت کے لئے جائے تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کیوجہ سے اعتکاف کا رکن فوت ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایک گھنٹے کیلئے باہر گیا تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک نصف سے زیادہ باہر نہ رہے۔ اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا فرمان قیاس کے قریب ہے جبکہ صاحبین کا قول سہولت کے قریب ہے۔ صاحبین کے اس مسئلہ میں دلیل یہ ہے قلیل مقدار تو محض ضرورت کی وجہ معاف ہے کیونکہ جب کوئی شخص قضائے حاجت کیلئے جاتا ہے تو تیزی سے چلنے پر پابند نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے آہستہ رفتار سے چلنا جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کی تھوڑی مقدار میں مسجد سے باہر جانا جائز ہے اور جب زیادہ مقدار ہو تو جائز نہیں ہے۔ لہذا ہم نے قلیل وکثیر کے درمیان فاصلہ رکھنے والی حد نصف دن کو قرار دیا ہے۔ جس طرح رمضان کے ماہ میں روزے کی نیت کے بارے میں حکم ہے۔ کیونکہ دن کے اکثر حصے میں نیت کے پائے جانے سے روزہ ہو جاتا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کی حالت میں مسجد میں قیام اعتکاف کا رکن ہے اور مسجد سے خروج اس کی ضد ہے۔ لہذا جو بندہ مسجد سے نکلا وہ رکن اعتکاف کو باطل کرنے والا ہے۔ اور اس میں کثیر وقلیل کا کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص جب بے وضو ہو جائے تو اس میں قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

(المبسوط، ج ۱۳، ص ۱۲۰، بیروت)

اعتکاف کی قضاء کا بیان:

فقیہ الامت علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمتہ (متوفی 1252ھ) لکھتے ہیں کہ :رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف ہرچند کہ نفل (سنت مؤکدہ) ہے، لیکن شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک دن کا اعتکاف فاسد کر دیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر پورے دس کی قضاء لازم ہے، جب کہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ

اللہ علیہما کے نزدیک اس پر صرف اسی ایک دن کی قضاء لازم ہے۔ (ردالمحتار (131/2:)

اعتکاف کی قضاء صرف قصداً وجان بوجھ کر ہی توڑنے سے نہیں بلکہ اگر کسی عذر کی وجہ سے اعتکاف چھوڑ دیا مثلاً عورت کو حیض یا نفاس آ گیا یا کسی پر جنون و بے ہوشی طویل طاری ہو گئی ہو تو اس پر بھی قضاء لازم ہے اور اگر اعتکاف میں کچھ دن فوت ہوں تو تمام کی قضا کی حاجت نہیں بلکہ صرف اتنے دنوں کی قضا کرے، اور اگر کل دن فوت ہوں تو پھر کل کی قضاء لازم ہے۔

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ گرمیوں کے موسم میں دس دن بغیر غسل کے گزارنا سخت تنگی کا باعث ہے۔ سارا جسم پسینہ سے شرابور ہو جاتا ہے اور گرمی وبدبو سے براحال ہو جاتا ہے تو کیا اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ بدن کو ٹھنڈک پہنچانے کے لیے غسل کر لیا جائے، تو عرض یہ ہے کہ جس طرح روزے میں ایک گھونٹ پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح اعتکاف میں ایک بار بھی بغیر حاجت انسانی اور ضرورت شرعیہ (مثلاً نماز جمعہ پڑھنا یا احتلام کے بعد غسل کرنا) کے نکلنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔

اعتکاف والے کو مسجد میں کھانے پینے کی اجازت کا بیان:

قَالَ (وَأَمَّا الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالنَّوْمُ يَكُونُ فِي مُعْتَكَفِهِ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَأْوًى إلَّا الْمَسْجِدَ ، وَلِأَنَّهُ يُمْكِنُ قَضَاءُ هَذِهِ الْحَاجَةِ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا ضَرُورَةَ إلَى الْخُرُوجِ .

ترجمہ:

فرمایا: اعتکاف والے کیلئے مسجد میں کھانا پینا اور سونا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ (اعتکاف کی حالت میں) صرف مسجد میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ یہ ضرورت مسجد میں پوری کرنا ممکن ہے۔ لہذا مسجد سے نکلنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

شرح

اعتکاف والے کیلئے اس حکم کا ثبوت احادیث ونصوص سے ثابت ہے۔ اور غالب ضرورت کو مقدم کرتے ہوئے بھی اعتکاف والے کیلئے مسجد میں کھانے پینے کی اباحت مشروع ہے۔ اور اگر کھانا لانا والا ہو تو مسجد سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح امام مالک اور فقہاء شوافع نے بھی کہا ہے۔

اشیاء حاضر کیے بغیر مسجد میں ان کی خرید وفروخت کا حکم:

(وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَبِيعَ وَيَبْتَاعَ فِي الْمَسْجِدِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُحْضِرَ السِّلْعَةَ) لِأَنَّهُ قَدْ يَحْتَاجُ إلَى ذَلِكَ بِأَنْ لَا يَجِدَ مَنْ يَقُومُ بِحَاجَتِهِ إلَّا أَنَّهُمْ قَالُوا :يُكْرَهُ إحْضَارُ السِّلْعَةِ لِلْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُحَرَّرٌ عَنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ ، وَفِيهِ شَغْلُهُ بِهَا ، وَيُكْرَهُ لِغَيْرِ

الْمُعْتَكِفِ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ فِيهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ إلَى أَنْ قَالَ وَبَيْعَكُمْ وَشِرَاءَكُمْ).

قَالَ (وَلَا يَتَكَلَّمُ إلَّا بِخَيْرٍ وَيُكْرَهُ لَهُ الصَّمْتُ) لِأَنَّ صَوْمَ الصَّمْتِ لَيْسَ بِقُرْبَةِ شَرِيعَتِنَا لَكِنَّهُ يَتَجَانَبُ مَا يَكُونُ مَأْثَمًا .

ترجمہ:

اور مسجد میں خرید وفروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اشیاء (خرید وفروخت) کو مسجد میں نہ لایا جائے۔ کیونکہ اعتکاف کرنے والے کو اس طرح کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ جب وہ اس طرح کا آدمی نہ پائے جو اس کی ضرورت کو پورا کرسکتا ہو۔ البتہ مشائخ نے کہا ہے کہ خرید وفروخت کیلئے سامان مسجد میں لانا مکروہ ہے۔ کیونکہ مسجد کو بندوں کے حقوق کیلئے محفوظ کیا گیا ہے۔ اور سامان حاضر کرنے کی صورت میں بندوں کو سامان کے ساتھ مصروف کرنا لازم آئے گا۔ اور اعتکاف نہ کرنے والے کیلئے مسجد میں خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے بچوں کو مساجد سے الگ رکھو۔ اور یہاں تک فرمایا: کہ اپنی خرید وفروخت کو بھی دور رکھو۔

اور اعتکاف والا صرف اچھی بات کے ساتھ کلام کرے اور اسکا خاموش رہنا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ خاموشی کا روزہ ہماری شریعت کے مطابق عبادت نہیں ہے۔ مگر اعتکاف کرنے والا ایسے کلام سے باز رہے جو معصیت ہے۔

معتکف کی بیع وشراء میں فقہی مذاہب:

معتکف اگر اشیاء حاضر کیے بغیر خرید وفروخت کرے تو اس کیلئے جائز ہے۔ حضرت امام شافعی نے کہا ہے کہ بیع وشراء کرے لیکن اس میں کثرت سے مصروف نہ ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ وہ کھانا خریدنے کیلئے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے لیکن پھر وہ لوٹ آئے۔ اور جوامع الفقہ میں ہے کہ اشیاء حاضر کیے بغیر چیزوں کی بیع وشراء جائز ہے۔

بغیر ضرورت کے معتکف کی بیع کی ممانعت:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں خرید وفروخت سے اور (دنیوی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ، باب المساجد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کچھ کام مسجد میں نہیں ہونے چاہئیں مسجد کو گزرگاہ نہ بنایا جائے اس میں ہتھیار نہ سونتا جائے کمان نہ پکڑی جائے تیر نہ پھیلائے جائیں (نکالے جائیں) کچا گوشت لے کر نہ گزرا جائے حد مسجد کے اندر نہ لگائی جائے کسی سے مسجد میں قصاص نہ لیا جائے مسجد کو بازار نہ بنایا جائے۔

(سنن ابن ماجہ، باب المساجد)

مسجد میں خرید وفروخت اور کاروباری نوعیت کی بات چیت کرنا، کھیل اور تفریح پر گفتگو کرنا، باہر کوئی چیز کھوگئی ہو تو مسجد سے اندر آکر حاضرین کے سامنے اُس کا اعلان کرنا، شعروشاعری کی مجلس لگانا؛ یہ تمام اقسامِ کلام معابد کی روح کے صریح منافی ہونے کی بنا پر مسجد کے احاطے میں قطعاً مناسب نہیں ہیں۔ چنانچہ ان سے بہرصورت احتراز کیا جائے۔

بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید وفروخت کرنے، کھوئی ہوئی چیز کا اعلان کرنے اور شعروشاعری کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسند احمد، رقم 6676: صحیح ابی داود، امام البانی، رقم (1079:

معتکف کیلئے جماع کی ممانعت کا بیان:

(وَيَحْرُمُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ الْوَطْءُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ) (وَ) كَذَا (اللَّمْسُ وَالْقُبْلَةُ) لِأَنَّهُ مِنْ دَوَاعِيهِ فَيَحْرُمُ عَلَيْهِ إذْ هُوَ مَحْظُورُهُ كَمَا فِي الْإِحْرَامِ بِخِلَافِ الصَّوْمِ ، لِأَنَّ الْكَفَّ رُكْنُهُ لَا مَحْظُورُهُ فَلَمْ يَتَعَدَّ إلَى دَوَاعِيهِ .

(فَإِنْ جَامَعَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا عَامِدًا أَوْ نَاسِيًا بَطَلَ اعْتِكَافُهُ) لِأَنَّ اللَّيْلَ مَحَلُّ الِاعْتِكَافِ بِخِلَافِ الصَّوْمِ وَحَالَةُ الْعَاكِفِينَ مُذَكِّرَةٌ فَلَا يُعْذَرُ بِالنِّسْيَانِ (وَلَوْ جَامَعَ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ أَوْ قَبَّلَ أَوْ لَمَسَ فَأَنْزَلَ بَطَلَ اعْتِكَافُهُ) لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْجِمَاعِ حَتَّى يَفْسُدَ بِهِ الصَّوْمُ ، وَلَوْ لَمْ يُنْزِلْ لَا يَفْسُدُ وَإِنْ كَانَ مُحَرَّمًا لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى الْجِمَاعِ وَهُوَ الْمُفْسِدُ وَلِهَذَا لَا يَفْسُدُ بِهِ الصَّوْمُ .

ترجمہ:

اور اعتکاف والے پر وطی حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا: عورتوں سے مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو۔ اور اسی طرح چھونا اور بوسہ لینا بھی حرام ہے کیونکہ یہ وطی کی طرف لے جانے والے ہیں لہٰذا اس پر یہ بھی حرام ہوں اور اس دلیل کی وجہ سے بھی کہ وطی کو اعتکاف میں منع کیا گیا ہے۔ جس طرح احرام میں ہے بہ خلاف روزے کے کیونکہ وطی سے رکنا روزے کا رکن ہے نہ کہ ممنوع کا رکن ہے تو وہ داعی تک متعدی (پہنچانے والا) نہ ہوگا۔

اگر اعتکاف والے نے دن میں یا رات میں قصداً یا بھول کر جماع کر لیا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ رات بھی اعتکاف کا محل ہے۔ بہ خلاف روزے کے (کیونکہ اس کی رات میں جماع جائز ہے) اور اعتکاف والے کو اعتکاف کی حالت یاد

کرانے والی ہے اس لئے بھولنے والا اس کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر اس نے شرمگاہ کے سوا جماع کیا اور انزال ہوگیا یا اس نے بوسہ لیا یا مس کیا پھر انزال ہوگیا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ صورتیں جماع کے معنی میں ہیں۔ کیونکہ اس سے روزے بھی فاسد ہو جاتا ہے اور اگر انزال نہیں ہوا تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ اگرچہ حرام ہے۔ کیونکہ یہ (عدم انزال کی صورت میں) جماع کے معنی میں نہیں ہے۔ اور فاسد کرنے والا صرف جماع ہے اور اسی وجہ سے اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ (کیونکہ انزال یہ جماع کے معنی میں نہیں ہے)

حالت اعتکاف میں جماع ومباشرت کی ممانعت میں فقہی مذاہب اربعہ:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اعتکاف کرنے والے کے لیے یہ سنت (یعنی ضروری) ہے کہ وہ نہ تو (بالقصد اور ٹھہر کر) مریض کی عیادت کرے اور نہ مسجد سے باہر مطلقاً نماز جنازہ میں شریک ہو نیز نہ عورت سے صحبت کرے نہ عورت سے مباشرت کرے اور نہ علاوہ ضروریات کے مثلاً پیشاب و پاخانہ کے علاوہ کسی دوسرے کام سے باہر نکلے اور روزہ اعتکاف کے لیے ضرور ہے اور اعتکاف مسجد جامع ہی میں صحیح ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

مباشرت سے وہ چیزیں مراد ہیں جو جماع کا ذریعہ اور باعث بنتی ہیں جیسے بوسہ لینا بدن سے لپٹانا اور اسی قسم کی دوسری حرکات لہٰذا ہم بستری اور مباشرت معتکف کے لیے حرام ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ہم بستری سے اعتکاف باطل بھی ہو جاتا ہے خواہ عمداً کی جائے یا سہواً اور خواہ دن میں ہو یا رات میں، جب کہ مباشرت سے اعتکاف اسی وقت باطل ہوگا جب کہ انزال ہو جائے گا اگر انزال نہیں ہوگا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

معتکف کے لئے مسجد میں کھانا پینا اور سونا جائز ہے اسی طرح خرید وفروخت بھی جائز ہے بشرطیکہ اشیاء خرید وفروخت مسجد میں نہ لائی جائیں کیونکہ اشیاء خرید وفروخت کو مسجد میں لانا مکروہ تحریمی ہے نیز یہ کہ معتکف خرید وفروخت صرف اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے لئے کرے گا تو جائز ہوگا اور اگر تجارت وغیرہ کے لئے کرے گا تو جائز نہیں ہوگا یہ بات ذہن نشین رہے کہ مسجد میں خرید وفروخت غیر معتکف کے لئے کسی بھی طرح جائز نہیں ہے حالت اعتکاف میں بالکل چپ بیٹھنا بھی مکروہ تحریمی ہے جب کہ معتکف مکمل خاموشی کو عبادت جانے ہاں بری باتیں زبان سے نہ نکالے جھوٹ نہ بولے غیبت نہ کرے بلکہ قرآن مجید کی تلاوت نیک کام، حدیث وتفسیر اور انبیاء صالحین کے سوانح پر مشتمل کتابیں یا دوسرے دینی لٹریچر کے مطالعہ، خدا تعالیٰ کے ذکر یا کسی دینی علم کے پڑھنے پڑھانے اور تصنیف وتالیف میں اپنے اوقات صرف کردے۔

حاصل یہ ہے کہ چپ بیٹھنا کوئی عبادت نہیں ہے مباح کلام وگفتگو بھی بلاضرورت مکروہ ہے اور اگر ضرورت کے تحت ہو تو وہ خیر میں داخل ہے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ مسجد میں بے ضرورت کلام کرنا حسنات کو اس طرح کھا جاتا ہے (یعنی نیست ونابود کر دیتا ہے) جیسے آگ خشک لکڑیوں کو۔

حدیث کے الفاظ اعتکاف کے لئے روزہ ضرری ہے، یہ بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوئی کہ اعتکاف بغیر روزہ کے صحیح

نہیں ہوتا چنانچہ اس بارے میں حنفیہ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے، مسجد جامع سے مراد وہ مسجد ہے جس میں لوگ باجماعت نماز پڑھتے ہوں۔

چنانچہ حضرت امام اعظم سے منقول ہے کہ اعتکاف اسی مسجد میں صحیح ہوتا ہے جس میں پانچوں وقت کی نمازیں جماعت سے پڑھی جاتی ہوں، امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف درست ہے اگر مسجد جامع سے جمعہ مسجد مراد لی جائے تو پھر اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اعتکاف جمعہ مسجد میں افضل ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ افضل اعتکاف وہ ہے جو مسجد حرام میں ہو پھر وہ مسجد نبوی میں ہو پھر وہ مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں ہو پھر وہ جامع مسجد میں ہو پھر وہ جو اس مسجد میں ہو جس میں نمازی بہت ہوں۔

اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہو خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں اس پر دن کے وقت یا رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے جب تک اعتکاف پورا نہ ہو جائے حضرت ضحاک فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کرلیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر جماع حرام کیا گیا مجاہد اور قتادہ بھی یہی کہتے ہیں پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب پاخانہ کے لئے یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس وکنار وغیرہ جائز ہے نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لئے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے بھی جانا جائز نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لے اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں بعض میں اختلاف بھی ہے

بھول کر جماع کرنے والے کے فساد اعتکاف میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک جس نے بھول کیا جماع کیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اسی طرح حضرت امام مالک اور امام احمد نے بھی کہا ہے کہ خواہ اس کو انزال ہو یا نہ ہو۔ اور حضرت امام شافعی نے کہا ہے کہ بھولنے کر جماع کرنے کی وجہ سے اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ اور ابن سماعہ نے بھی اپنے اصحاب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ (بنایہ، ج ۴، ص ۳۹۴، حقانیہ ملتان)

جس نے اوپر خود اعتکاف لازم کیا:

قَالَ (وَمَنْ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ اعْتِكَافَ أَيَّامٍ لَزِمَهُ اعْتِكَافُهَا بِلَيَالِيهَا) لِأَنَّ ذِكْرَ الْأَيَّامِ عَلَى سَبِيلِ الْجَمْعِ يَتَنَاوَلُ مَا بِإِزَائِهَا مِنْ اللَّيَالِي ، يُقَالُ : مَا رَأَيْتُك مُنْذُ أَيَّامٍ وَالْمُرَادُ بِلَيَالِيهَا وَكَانَتْ (مُتَتَابِعَةً وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ التَّتَابُعَ) لِأَنَّ مَبْنَى الِاعْتِكَافِ عَلَى التَّتَابُعِ ،

لِأَنَّ الْأَوْقَاتَ كُلَّهَا قَابِلَةٌ بِخِلَافِ الصَّوْمِ ، لِأَنَّ مَبْنَاهُ عَلَى التَّفَرُّقِ لِأَنَّ اللَّيَالِيَ غَيْرُ قَابِلَةٍ لِلصَّوْمِ فَيَجِبُ عَلَى التَّفَرُّقِ حَتَّى يَنُصَّ عَلَى التَّتَابُعِ (وَإِنْ نَوَى الْأَيَّامَ خَاصَّةً صَحَّتْ نِيَّتُهُ) لِأَنَّهُ نَوَى الْحَقِيقَةَ .

(وَمَنْ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ اعْتِكَافَ يَوْمَيْنِ يَلْزَمُهُ بِلَيْلَتَيْهِمَا) . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا تَدْخُلُ اللَّيْلَةُ الْأُولَى لِأَنَّ الْمُثَنَّى غَيْرُ الْجَمْعِ ، وَفِي الْمُتَوَسِّطَةِ ضَرُورَةُ الِاتِّصَالِ . وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ فِي الْمُثَنَّى مَعْنَى الْجَمْعِ فَيُلْحَقُ بِهِ احْتِيَاطًا لِأَمْرِ الْعِبَادَةِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور جس نے خود اپنے اوپر کچھ دنوں کا اعتکاف لازم کیا تو اس پر ان دنوں کا اعتکاف راتوں سمیت لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ دنوں کا ذکر جمعیت کے ساتھ ان دنوں کے مقابل میں ہے جن میں راتیں بھی ساتھ ہوتی ہیں۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ میں نے تجھے کچھ دنوں سے نہیں دیکھا۔ اور اس سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ان دنوں میں راتوں سمیت نہیں دیکھا۔ اور یہ دن مسلسل ہوں خواہ اس نے مسلسل کی نیت نہ کی ہو۔ کیونکہ اعتکاف کی بنیاد ہی تسلسل پر ہے لہٰذا تمام اوقات اعتکاف کیلئے ہی ہوں گے۔ بہ خلاف روزہ کے کیونکہ اس میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ راتیں روزے کو قبول نہیں کرتیں۔ لہٰذا روزے الگ واجب ہوں گے۔ حتیٰ کہ وہ تسلسل کی صراحت کرے۔ اور اگر اس نے خاص ایام کی نیت کی تو اسکا یہ نیت کرنا صحیح ہے کیونکہ اس نے ایک حقیقت کی نیت کی ہے

اور جس شخص نے دو دنوں کا اعتکاف لازم کیا تو وہ اعتکاف راتوں سمیت ہو گا۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان میں پہلی رات شامل نہ ہوگی۔ اس لئے کہ جمع کے علاوہ تو تثنیہ ہے لہٰذا رات کے درمیان میں اتصال (ملانے) کی ضرورت نہیں۔ اور ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے کہ تثنیہ میں جمع کا معنی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا حکم عبادت کی وجہ سے تثنیہ کو بطور احتیاط جمع کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ علم والا ہے۔

نذر کو پورا کرنے کے بارے میں احکام شرع:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ ایک رات (اور ایک دن جیسا کہ دوسری روایت میں وضاحت ہے) مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا (تو کیا وہ نذر پوری کرنی میرے لئے ضروری ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔
(بخاری و مسلم)

جاہلیت، اس حالت کو کہتے ہیں جس میں اہل عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلے تھے بعض حضرات کہتے

ہیں کہ جاہلیت سے مراد وہ حالت ہے جو اسلام کی تبلیغ عام اور اس کے ظہور سے پہلے تھی حاصل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور اسلام کے ظہور سے قبل عرب میں جو معاشرہ تھا اسے جاہلیت اور اس وقت جو دور تھا اسے زمانہ جاہلیت کہا جاتا ہے۔

ارشاد گرامی اپنی نذر پوری کرو، میں یہ حکم بطور استحباب تھا اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے سے قبل نذر مانی تھی اور اگر اسلام قبول کرنے کے بعد یہ نذر مانی تھی تو پھر یہ حکم بطور وجوب تھا۔

علامہ طیبی کے مطابق یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بحالت جاہلیت مانی گئی نذر اسلام کے احکام کے موافق ہوگی تو اسلام قبول کرنے کے بعد اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا، چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہی ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ نذر صحیح ہی نہیں ہوگی چہ جائیکہ اسلام کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری ہو؟ امام اعظم کی دلیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، اس حدیث کے وہ وہی معنی مراد لیتے ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔

اعتکاف کے نذر ماننے میں شرعی ثبوت کا بیان:

اعتکاف کی، غیر فرض نماز اور غیر فرض روزے کی نذر ماننا صحیح ہوگا۔ اور اس کا ثبوت درج ذیل دلائل ہیں۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یہ قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ کی میں فرمانبرداری کروں گا تو فرمانبرداری کرنا چاہیے اور جس نے یہ قسم کھائی کہ (اللہ تعالیٰ) کی نافرمانی کروں گا تو اس کی نافرمانی نہ کرنا چاہیے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۱۹۵۰)

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ ؛ أَنَّ أُمَّهُ نَذَرَتْ أَنْ تَعْتَكِفَ عَشْرَةَ أَيَّامٍ ، فَمَاتَتْ وَلَمْ تَعْتَكِفْ ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : اعْتَكِفْ عَنْ أُمِّكَ . (مصنف ابن ابی شیبة مَا قَالُوا فِي الْمَيِّتِ يَمُوتُ وَعَلَيْهِ اعْتِكَافٌ)

امام ابن ابی شیبہ علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے دس دن کے اعتکاف کی منت مانی تھی پس وہ فوت ہو گئیں اور انہوں نے اعتکاف نہیں کیا تھا تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم ان اپنی ماں کی طرف اعتکاف کرو۔

نذری اعتکاف کے تسلسل میں مذاہب اربعہ:

فقہاء احناف کے نزدیک اگر کسی نے نذر کا اعتکاف کیا۔ تو تسلسل سے روزے رکھے اگرچہ اس میں تسلسل کی شرط نہیں ہے۔ اور حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور حضرت امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو مسلسل رکھے اور اگر چاہے تو الگ الگ رکھے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۴ص، ۳۹۶، حقانیہ ملتان)

علامہ علاؤ الدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

(وَمِنْهَا) أَنْ يَكُونَ قُرْبَةً مَقْصُودَةً ، فَلَا يَصِحُّ النَّذْرُ بِعِيَادَةِ الْمَرْضَى وَتَشْيِيعِ الْجَنَائِزِ وَالْوُضُوءِ وَالِاغْتِسَالِ وَدُخُولِ الْمَسْجِدِ وَمَسِّ الْمُصْحَفِ وَالْأَذَانِ وَبِنَاءِ الرِّبَاطَاتِ وَالْمَسَاجِدِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَتْ قُرَبًا ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِقُرَبٍ مَقْصُودَةٍ وَيَصِحُّ النَّذْرُ بِالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَالْإِحْرَامِ بِهِمَا وَالْعِتْقِ وَالْبَدَنَةِ وَالْهَدْيِ وَالِاعْتِكَافِ وَنَحْوُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهَا قُرَبٌ مَقْصُودَةٌ وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :(مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ -تَعَالَى -فَلْيُطِعْهُ) ، وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :(مَنْ نَذَرَ وَسَمَّى فَعَلَيْهِ وَفَاؤُهُ بِمَا سَمَّى) ؛ إلَّا أَنَّهُ خُصَّ مِنْهُ الْمُسَمَّى الَّذِي لَيْسَ بِقُرْبَةٍ أَصْلًا ، وَالَّذِي لَيْسَ بِقُرْبَةٍ مَقْصُودَةٍ فَيَجِبُ الْعَمَلُ بِعُمُومِهِ فِيمَا وَرَاءَهُ وَمِنْ مَشَايِخِنَا مَنْ أَصَّلَ فِي هَذَا أَصْلًا فَقَالَ :مَا لَهُ أَصْلٌ فِي الْفُرُوضِ يَصِحُّ النَّذْرُ بِهِ وَلَا شَكَّ أَنَّ مَا سِوَى الِاعْتِكَافِ مِنْ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَغَيْرِهِمَا لَهُ أَصْلٌ فِي الْفُرُوضِ ، وَالِاعْتِكَافُ لَهُ أَصْلٌ أَيْضًا فِي الْفُرُوضِ وَهُوَ الْوُقُوفُ بِعَرَفَةَ ، وَمَا لَا أَصْلَ لَهُ فِي الْفُرُوضِ لَا يَصِحُّ النَّذْرُ بِهِ كَعِيَادَةِ الْمَرْضَى وَتَشْيِيعِ الْجِنَازَةِ وَدُخُولِ الْمَسْجِدِ وَنَحْوِهَا وَعُلِّلَ بِأَنَّ النَّذْرَ إيجَابُ الْعَبْدِ فَيُعْتَبَرُ بِإِيجَابِ اللَّهِ تَعَالَى (بدائع الصنائع بَيَان رُكْنِ النَّذْرِ وَ شَرَائِطه)

اور نذر سے مراد قربت مقصود ہوتی ہے۔ لہٰذا مریض کی عیادت، جنائز کے پیچھے چلنا، وضو کرنا، غسل کرنا، مسجد میں داخل ہونا اوراذان وغیرہ دینے کی نذر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عبادات قربت تو ہیں لیکن قربت مقصود یعنی عبادات مقصودہ نہیں ہیں۔

جبکہ نماز روزہ، حج، عمرہ اور ان کا احرام، اعتکاف، بدنہ اور قربانی وغیرہ کی نذر جائز ہے کیونکہ یہ عبادات مقصودہ ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو وہ اللہ کی اطاعت کرے۔ اور جس نے نذر مانی اور اس میں (کسی عبادت) کو ذکر کیا تو اس ذکر کردہ عبادت کو کرنا چاہیے۔ ہاں البتہ اگر وہ عبادت غیر مقصودہ ہو تو پھر بھی اس کے عموم کے پیش نظر اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ جو اس کے سوا ہے۔ اور ہمارے مشائخ نے کہا ہے جس نے اسی کو اصل بنایا ہے۔ اس کیلئے فرائض والی اصل ہوگی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اعتکاف جو نماز روزے کے ساتھ ہو یا ان کے سوا ہے اس میں بھی فرائض والی اصل ہے۔

اعتکاف میں اسی طرح اصل ہے جس طرح فرائض میں اصل ہوتی ہے اور ایسے ہی ہے جس طرح وقوف عرفہ ہے۔ اور جن کی اصل فرائض والی اصل نہیں ہے ان کی نذر جائز نہیں ہے۔ جس طرح مریض کی عیادت و دخول مسجد وغیرہ ہے۔ اور مسئلہ کی دلیل یہ ہے۔ کہ نذر کو پورا کرنا بندے پر واجب ہے۔ پس اس کا ایجاب (وجوب) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ کی مذکورہ عبارت کے ساتھ کتاب الصوم کی شرح مکمل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت اور اس کی فقہ کا فہم نصیب فرمائے اور قرآن وسنت کے تفقہ میں ہر قسم کی خطاء ولغزش سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم ﷺ العبد الضعیف محمد لیاقت علی الرضوی الحنفی

ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر کی تصانیف، ترجمہ، شرح و تخریج کی ہوئی کتب

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006